ایک مُسافر
چار مُلک

اوسٹریلیا، فرانس، سوئزرلینڈ اور انگلستان کا روزنامچہ سفر

حکیم محمد سعید

ہمدرد اکیڈمی، پاکستان

مصنف : حکیم محمد سعید

ناشر : ہمدرد اکیڈمی ، ہمدرد فاؤنڈیشن ، ہمدرد سنٹر ، کراچی - ۱۸

طابع : ٹیکنیکل پرنٹرز ، کراچی

تاریخ اشاعت : ۱۹۸۱ء

پہلا ایڈیشن : گیارہ سو

قیمت : ٦٠ روپے

عنوانات

عنوان	صفحہ
حرف اول	الف
جذبۂ تعمیر وطن	۹
نئی ذمہ داری	۱۰
یاد اللہ کی کر لو	۱۲
عظمت کے معیار	۱۸
ریڈی ایشن	۲۱
میری شدید علالت	۲۸
اسلامی سائنس سمٹ	۳۰
طریق کار	۳۲
نماز با جماعت	۳۴
آزادی	۳۷
مادر اناواتی	۳۸
نواب جام امیر علی	۳۹
۱۵ویں صدی ہجری کا استقبال	۴۹
قومی اتحاد	۵۱
دنیا کا معمر ترین انسان	۵۳
قصر صدر	۵۷
یوم استقلال پاکستان	۵۹
سفیر سوئٹزرلینڈ کے ساتھ	۶۰
صدر مملکت کی خدمت میں	۶۳
صلوٰۃ التسبیح	۶۶
چچا جان ، چچی جان	۶۷
آزادی اور قرآن	۷۳

عنوان	صفحہ
روداد ہمدرد فاؤنڈیشن	۷۹
تحریک اخلاق ملی	۹۳
ناگواری اور بد ہضمی	۹۴
اعزہ کے یہاں	۹۵
جناب خالد اسحاق صاحب	۹۵
سکریٹری جنرل شپ	۹۶
انٹرنیشنل کانفرنس آن ایشین ٹریڈیشنل میڈیسن	۹۸
نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ	۱۰۱
جامعۂ کراچی	۱۰۲
علم و عالم کی ناقدری	۱۰۶
مجلس منتظمۂ ہمدرد	۱۰۸
حکیم محمد احسن	۱۱۱
سیدی میراں محمد شاہ	۱۱۳
اپنے پیروں پر	۱۱۴
ارشاد کپتان	۱۱۵
بنکاک کے ہوائی میدان پر	۱۱۶
بنگلہ دیش	۱۱۹
سنگاپور	۱۲۰
جناب پوشپا داس	۱۲۶
سڈنی	۱۲۹
جناب عفیف صاحب	۱۳۱
سڈنی میں زندگی کا پہلا ناشتہ	۱۳۳

عنوان	صفحہ
سڈنی اوپیرا ہاؤس	۱۳۵
اوسٹریلین ڈالر	۱۳۶
ہ نڈ، و دوائل	۱۳۷
مسجد لا کمبا	۱۴۰
ایس - بی - ایس ریڈیو	۱۴۱
ریس دور ڈیں	۱۴۲
سڈنی یونیورسٹی	۱۴۲
سفر کیمبرا	۱۴۳
سڈنی ہاربر برج — ردہ اور متمدس	۱۴۳
"سی اوسٹریلیا" کو انٹرویو	۱۵۴
اسلامی بم	۱۵۶
آل سیٹ، اسٹرلائن، ووف اوسٹریلیا	۱۵۸
کیمرا	۱۶۰
طبی کانگرس اوسٹریلیا	۱۶۳
افتتاح کانفرنس	۱۶۴
پنڈت شیو شرما	۱۶۴
میری تقریر	۱۶۷
اختتامی تقریر	۱۶۸
حساب سفر پاکستان	۱۷۳
میری پریشانی	۱۷۴
احترام	۱۷۵
رجسٹریشن	۱۷۶
پروفیسر عباس رضوی کے ساتھ	۱۷۶
"اطلاعات" کا ایک مضمون	۱۷۷
کانفرنس کے اجلاس	۱۷۷
پبلک لیکچر	۱۷۸
انار کلی ریستوراں	۱۷۸
بچوں کی تعلیم	۱۸۰
ایک عالمی انجمن طب ایشیائی	۱۸۲

عنوان	صفحہ
ٹریڈیشنل	۱۸۴
ہیئت انجمن	۱۸۵
ایک مخالف آواز	۱۸۶
آیور ویدا سشن	۱۸۸
حساب سفر پاکستان	۱۸۹
چاول	۱۹۰
روٹی	۱۹۰
سحر و مباہات	۱۶۲
عالمی انجمن طب ایشیائی	۱۹۳
سیر کیمبرا	۱۹۵
ڈ ں دلا	۱۹۹
ڈاکٹر محمد اسلم سے تبادل خیال	۲۰۲
طب کے لیے جد و جہد	۲۰۵
گارجین کی شرارت	۲۰۵
عشائیہ کانفرنس	۲۰۷
لارڈ ماؤنٹ بیٹن	۲۱۰
قائد اعظم لکچرر	۲۱۱
سر فرانسس موڈی	۲۱۳
مسجد کیمبرا	۲۱۳
لیکچر پنڈت شیو شرما	۲۱۴
جلسۂ اختتامی میں میری تقریر کا اردو ترجمہ	۲۱۴
راہ عمل — راہ مستقیم	۲۲۶
حاصل طبی کانفرنس، اوسٹریلیا	۲۲۸
اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی	۲۳۳
وسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کی مہمان نوازی	۲۴۱
دیہال وارث صاحب	۲۴۱
اراکین گورننگ کاؤنسل پر غور	۲۴۵

عنوان	صفحہ
جلسهٔ اختتامیه	۲۲۶
نیوز لیٹر کا مسئله	۲۲۶
کانفرنس کا مرتبهٔ علمی	۲۲۷
دور رس نتائج	۲۲۸
ماهنامه "هیمیسفیئر"	۲۲۹
گورننگ کاؤنسل کا اجلاس پاکستان میں	۲۲۹
پاکستانیوں سے ملاقات	۲۵۲
اوسٹریلیا میں مسلمان	۲۵۲
طب — پیش رفت	۲۵۶
اوسٹریلیا میں مشرقی طب کے حیرت انگیز کارنامے	۲۵۹
تارکین کے لیے نئی سرزمیں	۲۶۶
کانفرنس رپورٹ	۲۷۰
شوکت کا معائنه	۲۷۱
سڈنی سے هانگ کانگ	۲۷۱
خطوط نویسی	۲۷۲
هانگ کانگ	۲۷۳
هوائی میدان پر	۲۷۵
پاکستان کے دیہات	۲۸۷
صدر مملکت کے ساتھ	۲۸۸
نیشنل کاؤنسل فار طب	۲۸۹
اسلام اینڈ دی ویسٹ	۲۹۶
گورنر کے لیے هٹو بچو	۳۰۱
هوائی جهاز میں	۳۰۳
مقاصد سفر پیرس	۳۱۳
ایجنڈا	۳۱۶
جناب رشید صاحب	۳۱۷
میدان ثقافت میں	۳۲۰

عنوان	صفحہ
جائزه، تنقید و تبصره	۳۲۱
پروفیسر خولودولین	۳۲۴
انٹرنیشنل سمپوزیم، بایولوحی اینڈ حیٹکس	۳۲۵
ڈاکٹر ڈی ویک	۳۲۵
جناب محمد طفیل صاحب	۳۲۶
جناب آرتھر ٹی۔ پورٹر	۳۲۹
اسلام کے چوده سو سال	۳۳۰
ڈاکٹر عزیزه	۳۳۱
ڈاکٹر کودو	۳۳۲
ڈاکٹر اردلان	۳۳۳
جناب نسیم انور بیگ	۳۳۳
پیرس کے بازار میں	۳۳۴
محمد یوسف صاحب کے هاں ڈنر	۳۳۵
افغانستان میں ایک اور انقلاب	۳۳۶
یونیسکو کوریئر	۳۳۸
عوادات	۳۳۹
معاهده	۳۴۰
ڈاکٹر رچرڈس	۳۴۲
ڈاکٹر هاشم الطنیات	۳۴۲
جده سے رابطه	۳۴۴
استقبالیه	۳۴۴
ڈاکٹر کوهلر	۳۴۵
ڈائریکٹر جنرل	۳۴۶
ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل	۳۴۷
عشائیه	۳۴۷
فل هاؤس میٹنگ	۳۴۸
مدیر اعلا کے ساتھ لنچ	۳۵۰
بچوں کا سائنس کوریئر	۳۵۱

عنوان	صفحہ
معاہدہ اور حسابات	۳۵۱
دو عالمی کنگرس	۳۵۲
ژان گوداں صاحب سے دوسری میٹنگ	۳۵۳
ایگزیکٹو بورڈ کی میٹنگ	۳۵۴
پروفیسر حولودولیں صاحب کے ہاں ڈنر	۳۵۴
خدا حافظ یونیسکو	۳۵۵
یونیسکو کوریئر کے لیے جد و جہد	۳۵۶
۱۵ ویں صدی ہجری	۳۵۷
ابن سینا	۳۵۷
دو کنگرسیں	۳۵۷
مجوزہ موضوعات	۳۵۸
اخلاقیات	۳۵۸
شعرا اور مصنفین جن کی تحریریں معاشرتی انقلاب کا باعث ہوئیں	۳۵۸
حقوق انسانی کا تہذیب کے پس منظر میں ارتقا	۳۵۹
کاروان تہذیب میں عورتوں کا مقام	۳۵۹
فلسفہ و طب پر بو علی سینا کے اثرات	۳۶۰
الحمرا — مسلماناں اسپین کے فن تعمیر کا ایک جاوداں نمونہ	۳۶۰
آئندہ کے موضوعات	۳۶۱
عیادت دوست	۳۶۱
ریکٹ اینڈ کولمیں	۳۶۹
لندن کے پھیپھڑے	۳۷۰
ونگ کمانڈر مبارک	۳۷۲
ظفر اقبال صاحب	۳۷۲
نقل الدم	۳۷۳
باجی صاحبہ	۳۷۳
مطب	۳۷۶
جناب حمیدی صاحب	۳۷۶
ڈاکٹر عابدہ کرمی	۳۷۸
دونوں کنگرسیں خریداری	۳۸۲
باسل گردی	۳۸۵
باسل کا تاریخی پس منظر	۳۸۶
کیتھڈرل	۳۸۷
پتھر کے مکانات	۳۸۹
یورپ سے خریداریاں	۳۹۱
انٹرنیشنل یونین اوف ہسٹری اوف فارمیسی	۳۹۴
ہوائی میدان پر	۳۹۶
امسٹرڈم کا تاریخی پس منظر	۳۹۷
اوسٹریلیا کا ایک اور دورہ - ۱۹۸۰	۴۰۴
آغاز ۱۵ ویں صدی ہجری	۴۰۵
منصوبہ بندی	۴۰۶
شدید خطرات	۴۰۸
اوسٹریلیا میں قرآن کنگرس	۴۰۸
ابتدائی اعلان قرآن پاک ۱۴ سو سال کے دوران	۴۰۹
کانفرنس کی وسعت عمل	۴۰۹
ترسیل نام	۴۱۰
نصب العین	۴۱۰
مجلس انتظامیہ	۴۱۱
میرا عزم	۴۱۳
شکر کی قلت	۴۱۴
تین جون کی اہمیت	۴۱۵

عنوان	صفحہ
میدان طب میں عالمی پیش رفت	۴۱۶
ہوائی میدان پر	۴۱۷
ہوا میں - ار کراچی تا کینبرا	۴۲۰
جناب شیلی اور وزیر دفاع ملائشیا سے ملاقات	۴۲۲
داتو ابراہیم بن طیب	۴۲۳
سنگاپور ہوائی میدان پر	۴۲۴
سنگاپور ایئرلائنز	۴۲۶
زر مبادلہ	۴۳۶
کینبرا کے ہوائی میدان پر	۴۳۷
ارسلا کالج ہی قرآن کنگرس کا مرکز ہے	۴۳۸
تھکن کا احساس	۴۴۰
حادثۂ میکسیکو	۴۴۱
ایشیں اسٹڈیز	۴۴۵
افتتاح کانفرنس ، قرآن چودہ اسلامی صدیوں میں	۴۴۷
تشکر و امتنان	۴۴۸
سپر	۴۴۹
یونیورسٹیاں مرکز علوم	۴۵۱
قرآن کانفرنس کے علمی اجلاس	۴۵۶
سیر و تفریح	۴۵۷
آبزرویٹری (رصد گاہ)	۴۵۸
نئی دوربین کی ایجاد	۴۵۹
تاریک روزن	۴۶۰
پکنک کے انتظامات	۴۶۲
شیر خوار تیراک	۴۶۳
پاکستان کے اہل فکر و نظر	۴۶۵
غذائی بے قاعدگی	۴۶۶
ایک اجلاس کی صدارت	۴۶۷
محترم سفیر پاکستان	۴۶۸
سیر کینبرا	۴۶۹
سائیکل	۴۷۰
ٹیلی ٹاور	۴۷۱
آسمانی بجلی	۴۷۲
پاکستانی وفد	۴۷۳
ٹیلی فون ڈائریکٹری اور بچے	۴۷۴
ارسلا کالج	۴۷۷
ہاسٹل میں رین بسیرا	۴۸۲
قرآن کانفرنس کا جلسۂ اختتامیہ	۴۸۳
خطبۂ اختتامیہ	۴۸۴
پاکستان سے بلاوا	۴۹۴
کتابوں کے ۱۷ پیکٹ	۴۹۵
جناب قریشی صاحب — پبلک اسکول	۴۹۶
تعلیم حاکموں کی مدد سے	۴۹۸
شاپنگ	۵۰۰
ٹیلیکس	۵۰۱
یونیورسٹی کا مقام	۵۰۳
ہاسٹل فلیٹ کو خدا حافظ	۵۰۸
ہوائی میدان پر	۵۰۹
سڈنی کے ہوائی میدان پر	۵۱۱
صرف ڈیڑھ گھنٹہ	۵۱۲
سڈنی سے سنگاپور	۵۱۳
طویل راستہ ، غور کا وقت	۵۱۴
مسلمانوں میں عدم اتفاق	۵۱۶
مسئلۂ ذبیحہ	۵۱۷

عنوان	صفحہ
سڈنی میں سہ روزہ مسلم کانفرنس	۵۱۸
نامۂ تشکر و امتنان	۵۲۴
قرار داد	۵۲۶
صحت و طب ۔ اوسٹریلیا میں	۵۲۷
غذائی تحقیقات کا ادارہ	۵۳۱
متضاد حالات	۵۳۴
بیماریوں پر قابو	۵۳۶
صاف پانی	۵۳۷

عنوان	صفحہ
متعدی امراض	۵۳۸
ہوائی میدان پر	۵۳۹
آنتوں کی بیماریاں	۵۴۰
دق و سل	۵۴۱
ماں اور بچے کی صحت	۵۴۲
خاندانی منصوبہ بندی	۵۴۳
منشیات	۵۴۴
صحت و طب کے کتب خانے	۵۴۷

حرفِ اوّل

یورپ نامہ، جرمنی نامہ، شب و روز، ماہ و روز، سوئٹزر لینڈ میں میرے چند شب و روز کے بعد محترم حکیم محمد سعید صاحب کا ایک اور سفر نامہ پیش ہے۔ اس میں چار ملکوں، اوسٹریلیا، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور انگلستان کے روز نامچۂ سفر کے علاوہ پاکستان میں کراچی، راولپنڈی، پشاور اور لاہور کے سفر و قیام کی ڈائری بھی شامل ہے۔ یہ دو مہینے کی ڈائری ہے، جو پہلی اگست سے شروع ہوکر ۲۸ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ختم ہوئی ہے۔ اس کے بعد اوسٹریلیا کے ایک اور سفر کا حال بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اوسٹریلیا کا یہ دوسرا سفر حکیم صاحب نے ۱۹۸۰ء میں کیا تھا اور " قرآن چودہ سو سال کے دوران " کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کی تھی اور ہمدرد کا تعاون بھی پیش کیا تھا۔ نیز اس انتہائی اہم اور علمی و عالمی کانفرنس میں خطبۂ اختتامیہ دیا تھا۔ ۱۵ ویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں یہ پہلا عالمی اجتماع تھا جو اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی نے بڑے اہتمام اور علمی انداز سے کیا تھا۔ اس کانفرنس کی اہمیت کے پیش نظر حکیم صاحب نے اس سفر کی ڈائری کو بھی " ایک مسافر چار ملک " میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اس میں اوسٹریلیا کے دو سفروں کی روداد شامل ہوگئی۔

اوسٹریلیا کا پہلا سفر حکیم صاحب نے " ایشیائی قدیم طب

پر عالمی کانفرنس'' مس شرکت کے سلسلے میں کیا تھا ۔ اس کانفرنس کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایشیا کی روایتی طبوں پر ایک دور دراز براعظم مس عالمی پیمانے پر ماہرین کا یہ پہلا اجتماع تھا ۔ کچھ عرصے پہلے تک قدیم طبوں کو ناقابل اعتنا سمجھا جا رہا تھا اور ان کو کسی علمی بحث و نظر کا موضوع بنانے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ، لیکن حکیم صاحب نے جہاں اپنے ملک مس طب قدیم کے احیا و ترقی کے لیے مسلسل جد و جہد کی اور علمی محاذ پر بڑے استقلال سے نبرد آزما رہے وہاں عالمی سطح پر بھی مسئلۂ صحت کو حل کرنے مس قدیم طبوں کی اہمیت کو اجاگر کرتے رہے ، اس کے ساتھ ہی عالمی ادارۂ صحت (WHO) سے مسلسل رابطہ رکھ کر اس ادارے کے ماہرین کے انداز فکر کو بھی تبدیل کرنے کے لیے کوشاں رہے ۔ آخر کار حکیم صاحب کو اپنا نقطۂ نظر منوانے مس کامیابی ہوئی اور عالمی ادارۂ صحت کی تیسویں جنرل اسمبلی (منعقدہ جنیوا ، مئی ۱۹۷۷ء) نے یہ قرار داد منظور کرلی کہ مسائل صحت کو حل کرنے کے لیے قدیم طریق ہائے علاج سے کام لینا ضروری ہے ۔ اس کے بغیر مسائل صحت کے حل کی توقع نہیں کی جا سکتی ۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب نے دنیا کے متعدد ممالک میں خود جا جا کر نہ صرف وہاں کی طبی پیش رفتوں کو سمجھا بلکہ ان کو طب قدیم کی اہمیت بھی بتائی ۔ اس سعیِ مسلسل اور سفر پیہم کے نتائج مثبت نکلے ۔ کئی ملکوں میں ماہرین کا انداز فکر بدلا اور آج چین سے لیکر امریکا تک علاج کے قدیم طریقوں سے غیر معمولی دل چسپی لی جا رہی ہے اور فطری طریقوں کی اہمیت سمجھی جانے لگی ہے ۔ اوسٹریلیا کی یہ عالمی کانفرنس بھی علمی دنیا کی اسی بدلی ہوئی فضا کی ایک مظہر تھی ۔

حکیم صاحب نے اس میں نہ صرف شرکت کی اور مقالہ پڑھا بلکہ اہل علم سے ملاقاتیں کیں اور تبادل خیال کر کے طب قدیم کے کاز کو آگے بڑھانے کی بڑی کامیاب کوششیں کیں ۔

حکیم صاحب کی یہ جدوجہد اور زیادہ وقیع اور حیرت انگیز ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں صحیح کام کرنے کی کوشش کرنے والوں کو قدم قدم پر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ان رکاوٹوں سے مایوس ہوکر بہت سے جذبۂ خدمت رکھنے والے تو ہمت ہار بیٹھتے ہیں ، لیکن حکیم صاحب چوں کہ کام ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں اور ان کی زندگی جہد مسلسل ہی سے عبارت ہے ، اس لیے دیوار چین بھی ان کو چین جا کر علم حاصل کرنے سے نہیں روک سکی ۔ اس کتاب میں حکیم صاحب نے جس بے ساختگی سے اپنے سفر کا حال لکھا ہے اس سے ان دشواریوں کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے جو دیگر اہل علم کو بھی پیش آتی ہوں گی ۔

دو مہینے کی یہ ڈائری جہاں قاری کو آج کی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی سیر کراتی ہے اور ان اوصاف کی نشاندھی کرتی ہے جنھوں نے ان ملکوں اور قوموں کو بام عروج پر پہنچایا اور زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے مالا مال کیا وہیں ان علمی پیش رفتوں کا حال بھی بتاتی ہے جس میں ان ممالک کے اہل علم اور ماہرین فن پوری یکسوئی سے مصروف ہیں ۔

حکیم صاحب محترم تفریح اور تبدیل آب و ہوا کے لیے سفر نہیں کرتے بلکہ قومی مقاصد اور علمی جستجو کے لیے کرتے ہیں ، اس لیے ان کا وقت زیادہ تر اہل علم سے ملاقاتوں اور مشوروں ہی میں صرف ہوتا ہے ، تاہم وہ دوسرے پہلوؤں سے بھی یکسر آنکھیں بند نہیں کرتے ۔ جہاں جاتے ہیں وہاں کی تاریخ و

ثقافت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ھیں اور اپنے قارئین کو بھی اس میں شریک کرتے ھیں -

سیرو تفریح میں بھی اپنے ملک کو نہیں بھولتے اور اس کی ترقی کی راھیں سوچتے رھتے ھیں -

'ایک مسافر چار ملک' کا مطالعہ ھمیں یہ بھی بتاتا ھے کہ ایک آدمی اگر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے اور وقت کی قدر کرے تو وہ کتنے کم وقت میں کتنا زیادہ کام کرسکتا ھے - حکیم صاحب نے ان دو مہینوں میں نہ صرف چار ملکوں کا سفر کیا اور اپنے متنوع مقاصد سفر کی تکمیل کی بلکہ اپنے ملک میں بھی وہ مسلسل ذھنی سفر ھی میں رھے - اور ان کا ذھن شاید ایک لمحے کے لیے بھی فکر تعمیر سے خالی نہ رھا -

'ایک مسافر چار ملک' ایک طرح سے " فکر باآواز بلند " (تھنکنگ الاؤڈ) کی حثیت رکھتی ھے - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ مصنف جو کچھ سوچتا ھے وہ بلا پس و پیش اور بالکل فطری انداز میں کاغذ پر منتقل کر دیتا ھے - مصنف کا قلم اپنی ھر ذھنی کیفیت کو ظاھر کرنے میں مہارت رکھتا ھے - اس کو " کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں " کے تذبذب اور تامل سے واسطہ نہیں پڑتا - حقیقت یہ ھے کہ بہت کم لوگ اپنی اس قسم کی ڈائری کو اپنی زندگی میں اشاعت کی منزل سے گزارنا پسند کرسکتے ھیں - حکیم صاحب کی تحریر گم کردہ راھوں کے لیے درد مندی اور خدمت گزاروں کے لیے احترام کے جذبات کی بڑی بھرپور عکاسی کرتی ھے -

مسعود احمد برکاتی

ناظم مجلس تحقیق و تصنیف ھمدرد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکم اگست ۱۹۷۹ء ، بدھ ، کراچی

جذبۂ تعمیر وطن

میرے بارے میں یہ عام تاثر صحیح ہے کہ میں مقابلۃً زیادہ مصروف انسان ہوں ۔ اور یہ بات بھی غلط نہیں ہے کہ میں ہجوم مقاصد کی گرفت میں ہوں ، اور اس سے اب نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ جذبہ کہ جو کار فرما ہے وہ تعمیر و ترقیٔ وطن ہے ۔ میں الحمد للہ اس جذبے سے پوری صداقت و دیانت کے ساتھ سرشار ہوں ، اس لیے میں نے اپنے سب و روز خدمت و تعمیر کے لیے وقف کردیے ہیں ۔ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں اور اس صداقت کے ساتھ چاہتا ہوں کہ پاکستان کا ہر فرد تعمیر میں لگ جائے ۔ تعمیر وطن میں نوجوانان وطن کی زبردست اہمیت ہے ، بالخصوص وہ نوجوان کہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور طالب علم یا طالبۂ علم جن کا بڑا حسین لقب ہے ۔ ان طلبہ و طالبات کو اپنی خوش قسمتی اور اپنی خوش بختی پر خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کو تعلیم حاصل کرنے کی سہولت میسر ہے اور موقع حاصل ہے ۔ اس پیارے وطن میں ہزارہا بچے اور نوجوان ایسے ہیں کہ ان کو تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں میسر نہیں آسکی ہیں اور جہالت ان کا مقدر بن گئی ہے ۔ یہ ایک عظیم سانحۂ ملی ہے اور میں اور میری طرح ہر محب وطن ، اور ہر علم و عالم دوست

اس صورت حال سے حزیں ہے - میں عظیم مورخ اور جلیل القدر معلم ابن خلدون کی اس رائے کو قول فیصل قرار دیتا ہوں کہ جو معاشرہ علم و عالم کی قدردانی و رفعت کا سامان نہیں کرسکتا وہ منازل تعمیر و ترقی طے نہیں کرسکتا - میں پاکستان میں اس صورت حال سے پریشاں ہوں اور بے قرار کہ ۳۲ سال گزر گئے مگر ہم ہنوز وطن عزیز میں علم و عالم کی عظمت بحال نہیں کرسکے ہیں ، اور اس وطن کے پیارے بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام نہیں دے سکے ہیں ، حال آں کہ ایک مہذب اور آزاد مملکت میں یہ اولین فریضہ ہے کہ جو ہیئت حاکمہ کو ادا کرنا چاہیے- مگر کس قدر مجبور ہے اور لاچار یہ ہیئت حاکمہ کہ گزستہ ۳۲ سال سے بازی گری٘ سیاست نے اس کو اس قدر مہلت بھی نہیں دی ہے کہ وہ تعمیر وطن کی خشت اول ہی رکھ سکے - اس کی خشت اول رکھی گئی تو وہ بھی کج - خشت دوم صحت ہے - بہ حیثیت مجموعی ملت پاکستانہ تعلیم اور صحت دونوں سے محروم ہے اور چارہ گری٘ حالات کی یہ شدت متقاضی - میری فکر ان دونوں مسائل ملی و اساسی کے گرد گھومتی ہے اور چارہ گری٘ حالات میرا مقصود !

نئی ذمہ داری

ہر چند کہ ہجوم مقاصد کوئی اچھی چیز نہیں ، تاہم جو بات میں کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان جذبات و عزائم کے ساتھ تقسیم اوقات کرے تو وہ خود پر عائد کردہ ذمہ داریوں سے ضرور عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور کارہائے نمایاں سر انجام دے سکتا ہے - اس کے لیے ایثار و قربانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے - ایثار و قربانی کا جذبہ٘ مقدس اس وقت جوان ہوتا ہے کہ جب پورے خلوص اور پوری دیانت و امانت کے ساتھ منزل مقصود کا

تعین کرلیا جائے ۔ اور جب منتہائے مقصود تعمیر ہو اور خدمت خلق ، تو فطرت راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کردیتی ہے اور قدرت کام یابیاں اور کامرانیاں مقدر کردیتی ہے ۔ میں کم مصروف نہ تھا کہ آسمان سے ایک نئی ذمہ داری اتر آئی ۔ جناب محترم صدر مملکت پاکستان نے فرمایا : طب کی ترقی و ترویج کے لیے آپ کے سوا مجھے کوئی دوسرا نہیں مل رہا ہے ۔ ہر شخص جس سے مشورہ کرتا ہوں آپ کا نام لیتا ہے ۔ اب آپ فرمائیے ، کیا فیصلہ ہے !

طب کا احیا اور اس کی ترقی اور صحت انسانی کے لیے اس فطری اصول علاج سے استفادۂ کامل میری زندگی کا مشن ہے ۔ میں گزشتہ کم از کم چالیس سال سے اس میدان میں کام کررہا ہوں اور گزشتہ ۱۰ سال سے میں نے عالمی سطح پر طب کے حق میں کام کیا ہے اور مشرق و مغرب میں اپنی تحریروں اور تقریروں سے ماہرین طب کی رائے کو ہموار کیا ہے ۔ میں نے صدر مملکت پاکستان کی اس پیش کش کو غیر مشروط اور بے لوث طور پر قبول کرلیا ۔ انہوں نے مشیر صدر مملکت کا عہدہ دیا اور دوسروں کے مقابلے میں ، جن سے میں واقف ہوں ، وزیر کے بجائے وزیر مملکت بنا دیا ، مگر میں نے طب کو منتہائے مقصود بنایا اور عہدے کی برتری و کم تری کو یکسر ذہن سے نکال دیا اور پاکستان میں میدان طب میں ایک انقلاب فکر کو خوش آمدید کہا ہے ۔

میرے معمولات میں ، جہاں اضافۂ کار کی قطعی گنجائش نہ تھی ، طب کی اضافی ذمہ داری نے تقسیم اوقات کے وقت یہ فیصلہ کرا لیا ہے کہ میں اپنی چھے گھنٹوں کی نیند میں سے ڈیڑھ گھنٹہ کم کردوں اور میں نے ایسا کرلیا ہے ۔

یاد اللہ کی کر لو

حسب معمول صبح سن بجے بیدار ہوگیا ۔ اب عادت راسخ ہوگئی ہے ۔ رمضان المبارک میں اس وقت اٹھنا ذرا بھی بار نہیں ہوتا ۔ اس بار روایت میں ایک فرق محسوس کر رہا ہوں ، یعنی سحری کے لیے جگانے والے لوگ کم ہیں اور بس اکا دکا رہ گئے ہیں !

برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کے آنے کے بعد سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کے لیے جگانے والے ایسا کام سنبھال لیتے ہیں ۔ شاید ان کی اکثریت پیشہ ور ہے ۔ ان میں فقیر بھی ہوتے ہیں ، اور وہ بھی کہ جن کو کام کرنے کے مواقع میسر نہیں ہیں ۔ اور ہاں ایک آدھ ایسا بندہ بھی ہوتا ہے کہ جو بے غرض ہوتا ہے اور بے نیاز ، بس ایک خدمت اور ثواب کے لیے سحری کے وقت لوگوں کو جگاتا ہے کہ وہ سنت رسول پوری کرلیں !

میرے بچپن سے یہ روایت میری دل چسپی کا سبب بنی رہی ہے ۔ میں جگانے والوں کی مختلف صداؤں سے محظوظ ہوتا رہا ہوں ۔ اپنے بچپن کی ایک صدا ذہن سے کبھی فراموش نہیں ہوتی ۔ کلابتو صدا لگاتا تھا کہ اٹھو ، یاد اللہ کی کرلو !

کوچہ' کاشغری (دہلی) میں صبح دو تین بجے کلابتو دروازوں والے پھاٹک سے نکلتا تھا اور کوچہ' کاشغری میں جیسے ہی وہ قدم رکھتا انسانوں سے پہلے کتے بیدار ہوکر کلابتو کا پیچھا کرتے ، مگر اس کے ڈنڈے سے خوف کھاتے اور دور رہتے اور جب تک کلابتو سب کو جگا کر کوچے سے نہ نکل جاتا کتے اس کا ساتھ نہ چھوڑتے ۔

مجھے اپنا بچپن یاد آتا ہے ۔ ہر چند کہ جامع مسجد

دهلی کے پریڈ کے میدان میں سحر و افطار کے وقت گولے چھٹتے تھے جن کی گھن گرج سے دل تک دہل جاتے تھے اور مسلمان اٹھ بیٹھتے مگر سحری کے وقت جگانے والوں کی روایت پھر بھی قائم اور باقی تھی اور افطار کے وقت محلے کے بچے مساجد میں جمع ہوجاتے ، اور جیسے ہی موذن اذان مغرب دیتا بچے بھاگتے اور چیختے چلاتے گھروں کو لوٹتے ۔ " روزه دارو! روزہ کھول لو " کی صداؤں سے محلے گونج اٹھتے ۔ میں بھی ان بچوں میں ہوتا تھا !

فسادات دهلی (۱۹۴۷ء) میں ایک دن محله کروڑوں والا پھاٹک میں دیکھا کہ کلابتو کو کسی سنگ دل نے شہید کرکے ڈال دیا ہے ۔ اس کی نعش نالی کے قریب پڑی ملی ۔

" یاد الله کی کرلو " ، کلابتو کی یہ آواز همیشه کے لیے خاموش هوگئی !

کروڑوں والا پھاٹک میں میرے عزیز و اقارب رهتے تھے ۔ ان میں سے آپا اسلامن کے هاں کلابتو رها کرتا تھا !

اب سائنس نے ایجادات کی بھرمار کردی ہے ۔ زور دار سائرن نے اب سحر و افطار کے اوقات بتانے شروع کردیے هیں ۔ الارم ایجاد هوگئے هیں اور عام ۔ بایں همه روایت و ثقافت کے آثار هنوز باقی هیں ۔ سحری کے وقت جگانے والے بھی اپنا کام کرتے هیں ، مگر ان کی تعداد اب کم و کم تر هوتی جاری ہے ۔

ایسا لگتا ہے کہ سب کے سب عرب ملکوں کو سدھار گئے ! یہ راستہ بھی خوب کھلا ہے ۔ جو اٹھتا ہے باہر چلا جاتا ہے ۔ هم اپنے دوستوں کی خدمت کر رہے هیں اور همارے هم وطن زرمبادلہ پاکستان کو بھیج کر اس کی زندگی کا سامان کر رہے هیں ۔ پاکستان سے محنت مزدوری کرنے والے هی باهر نہیں چلے جارہے هیں ، طلبہ کی بھی ایک بڑی تعداد برطانیہ وغیرہ چلی جارهی ہے ۔

پاکستان میں تعلیم کے معیاروں کی مسلسل پستی نے ذهین طلبه کو باهر جانے پر مجبور کردیا هے که ان کی بلندیٔ فکر کے لیے پاکستان کا موجوده پست معیار تعلیم سازگار نهیں هے ۔ برطانیه کی یونیورسٹیوں ، کالجوں اور فنی اداروں میں تعلیم کا اعلا انتظام هے ۔ اس وقت وهاں تمام طلبه کی تعداد کم و بیش اسی هزار هے ۔ سب سے زیاده یعنی تیره هزار ملائیشیا سے ، باره هزار افریقه کے ملکوں سے ، دس هزار برصغیر پاک و هند سے اور باقی دوسرے علاقوں سے گئے هیں ۔ اس سال ان تمام طلبه کے تعلیمی اخراجات تین کروڑ اسی لاکھ پونڈ کے قریب هوئے هیں ۔ اس رقم کے علاوه خود حکومت کو گیاره کروڑ پونڈ کے قریب رقم خرچ کرنی پڑی هے ۔ بیشتر غیر ملکی طلبه جزو وقتی طور پر کوئی ملازمت یا کاروبار کرتے هیں ۔ اس طرح ان کا اقامتی اور تعلیمی خرچ پورا هوتا هے اور جو رقم بچ رهتی هے ، وه اپنے اپنے وطن مالوف میں اپنے عزیز و اقارب کو بھیج دیتے هیں ۔ اس طرح حکومتوں کو زرمبادله کے طور پر بهت بڑی رقمیں مل جاتی هیں ۔ تاهم بهت سے مقامی باشندے اور طلبه بھی ان غیر ملکی طلبه کو پسند نهیں کرتے بلکه اپنی قوم پر بار سمجھتے هیں ۔ لهذا آئے دن باهمی تنازعات رونما هوتے رهتے هیں ۔ نتیجه ظاهر هے ۔ ارباب حکومت اس منزل میں سوچ رهے هیں که ایسے طلبه کا داخله ختم کردیا جائے یا ان کی تعداد محدود رکھی جائے جو تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ملازمت یا کاروبار بھی کرتے اور اس طرح ایک لحاظ سے مقامی باشندوں کا حق چھینتے هیں ۔ اگر اس ضمن میں برطانوی پارلیمان نے کوئی قانون منظور کردیا تو ایسے طلبه کو تعلیم سے محرومی کے علاوه شدید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑیگا ۔ سخت دباؤ پڑنے کے باوجود اب تک جو حکومت فیصله نهیں کرسکی

ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سمجھدار افراد جانتے ہیں کہ غیر ملکی طلبہ ملک و قوم کے لیے مفید بھی ثابت ہو رہے ہیں۔ ان کی بے دخلی بہت سے مسائل پیدا کردیگی۔ برطانیہ اور امریکا کے علاوہ عرب ملکوں میں بھی پاکستانی طلبہ زیر تعلیم ہیں اور وہاں بھی وہ جزو وقتی ملازمت یا کاروبار میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی خدمات اور تحقیقاتی کاموں سے دنیائے عرب کے لیے مفید ثابت ہو رہے ہیں۔ بایں همه عرب همیں یتامیٰ و مساکین کے لقب دیتے ہیں۔ ہاں! ہماری یتیمی اور مسکینی پر شک بھی کیا ہے! گزشتہ ۳۲ سال سے کاسۂ گدای ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ہم اپنی ہر چیز اپنے ہی ہاتھوں تباہ و برباد کر کے بھیک پر زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ ہمارے دوست بھی بڑے چست تھے کہ انہوں نے ایک منصوبے کے تحت ہماری عادتوں کو بگاڑ دیا اور اب جب ہم بگڑ چکے تو پھر امداد و تعاون بند کردیا۔ اب ہم گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے۔ یتیم و مسکین ایسے ہیں کہ کاسۂ گدائی بھی اب دوست ٹھکرا دیتے ہیں۔

عبادات کے بعد میں ۵ بجے اپنی میز پر آگیا۔ آج سب سے اہم کام تھا ۱۰-۱۱ جولائی ۱۹۷۹ء کو منعقدہ طبی دوا سازان پاکستان کے اجلاس کی رپورٹ لکھنا۔ اس کام میں تین گھنٹے لگ گئے۔ تاہم ایک جامع رپورٹ تیار ہوگئی ہے۔ اس کام کو کافی پہلے ہوجانا چاہیے تھا مگر میں وقت کی کمی کے باعث یہ کام نہ کرسکا۔ میں نے ابھی اردو میں رپورٹ ختم نہیں کی تھی کہ اتفاق سے محترم کمال حبیب صاحب آگئے۔ میں نے ان سے درخواست کی اور انہوں نے فوراً بیٹھ کر رپورٹ کا انگریزی ترجمہ کردیا۔ بڑا قلم برداشتہ ترجمہ کرتے ہیں۔ ان کو انگریزی زبان پر بڑی قدرت اور موزوں الفاظ پر بڑی گرفت ہے۔

اس اردو رپورٹ کو انگریزی میں تیار کرنا اس لیے ضروری ہوا کہ حکومت پاکستان کی زبان ہنوز انگریزی ہے۔ یہاں اب بھی فائلوں پر نوٹنگ وغیرہ اور خط و کتابت انگریزی زبان ہی میں ہوتی ہے۔ ہماری بیوروکریسی انگریزی زبان جانتی اور سمجھتی ہے، اردو اس کو نہیں آتی۔ اردو دیکھ کر اس کی ناک بھوں چڑھ جاتی ہے۔

ہمدرد صحت اور ہمدرد نونہال آج پریس سے آگئے ہیں۔ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ ہمدرد صحت میں مسعود برکاتی صاحب نے میرا بتایا ہوا تجربہ کرلیا ہے۔ اردو ٹائپ رائٹر میں ایک خاص رس لگا کر اسی سے چند صفحات ٹائپ کرائے ہیں۔ صفحات چھپ کر آئے، بڑا حسن ہے۔ اب اگلے ماہ سے کم از کم آٹھ صفحات ہمدرد صحت میں ٹائپ کے لگانے شروع کردیں گے۔ اگر پاکستان میں اردو زبان کو قرار واقعی اہمیت حاصل ہوجائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ماہرین اردو کا الیکٹرک ٹائپ رائٹر نہ بنائیں۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ پاکستان میں درجنوں اردو انجمنیں ہیں، مگر آج تک اردو ٹائپ رائٹر کے لیے ''کی بورڈ،، کو ہم آخری شکل نہیں دے سکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو غیر ملکی کمپنیاں اردو ٹائپ رائٹر بنا رہی ہیں ان کے کی بورڈ علاحدہ علاحدہ ہیں اور اردو ٹائپسٹوں کے لیے مسئلہ بن گئے ہیں۔ دیکھیے کب ہم صحیح فیصلہ کرتے ہیں۔

ان دنوں پاکستان میں خوش نویسوں کا بڑا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ خوش نویس جو اچھے ہیں وہ ڈائجسٹوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کو وہاں بے حساب معاوضہ ملتا ہے، اس لیے کہ بعض ڈائجسٹ غیر ملکی امداد سے چل رہے ہیں اور پاکستان میں نظریاتی افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے طاغوت کے خدمت

گزار ہیں ۔

مشین پر ٹائپ کرانے کے علاوہ پریس میں کمپوز کرا کے بھی چند صفحات یا پورا رسالہ چھاپا جاسکتا ہے ۔ لیکن دقت یہ ہے کہ نسخ رسم الخط میں جو ٹائپ حروف عام طور سے پریسوں میں استعمال ہوتے ہیں وہ خوبصورت نہیں ہیں ۔ اکثر ان کے جوڑ نہیں ملتے ۔ لاطینی حروف میں یہ آسانی ہے کہ وہ لفظ میں سالم استعمال ہوتے ہیں ۔ اس کے برعکس اردو ، فارسی اور عربی وغیرہ میں ہر حرف کی چار شکلیں ہوتی ہیں ۔ وہ شروع میں ، بیچ میں یا آخر میں اور کبھی تنہا استعمال ہوتا ہے ۔ ہر حرف کے ٹکڑے آپس میں ملانے پڑتے ہیں ۔ کبھی ان کے جوڑ ایک دوسرے میں پیوست نہیں ہوتے ۔ چھپ کر دیکھنے میں برے معلوم ہوتے ہیں ۔ یاد آتا ہے کہ کسی زمانے میں جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے زیر نگرانی دیوان غالب جرمنی کے کسی پریس میں طبع ہوا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خط نستعلیق میں کتابت کی گئی ہے ، ٹائپ معلوم نہیں ہوتا تھا ۔ میری رائے ہے کہ اس کو نمونہ بنانا چاہیے اور پاکستان میں موجودہ ٹائپ فاؤنڈریوں کو محنت کرکے اس ٹائپ کو ڈھالنے کا سامان کرنا چاہیے ۔ یہ ایک بڑی خدمت ہوگی ۔

دفتر ہمدرد سے دو بجے اٹھا تو تھکن کا احساس ہوا ۔ گھر آکر آرام کرلیا اور پھر ۴ بجے سے ۷ بجے شام تک متفرق کاغذات دیکھ کر آج میں نے اپنی میز تقریباً صاف ہی کردی ہے ۔ سرکاری فائل چند تھے ۔ چند میں نے آج صبح تیار کرکے پی آئی اے سے اسلام آباد بھجوا دیے ہیں ۔ آج باقی کام ختم کرلیا ہے ۔ کل پھر یہ پیکٹ جائے گا ۔

میں اپنے سرکاری منصب کے لیے رب العزت کا شکر گزار

هوں ۔ اس نے میری طبی خدمات کو جو دراصل انسانی خدمات کے مترادف ہیں ، پسند کرتے ہوئے مجھے خدمت طب و اطبا کا موقع بخشا ہے ۔ میری کوشش ہے کہ میں ان خدمات کی بجا آوری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں ۔

عظمت کے مینار

آج کی ڈاک میں متعدد غیر ملکی خطوط آئے مگر ایک خط نے حد سے زیادہ متاثر کیا ۔ یہ ایک عیسائی اسکالر ہیں ۔ سہ ماہی ” ہمدرد اسلامیکس ،، کی بڑی تعریف کی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اس کے لیے وہ مضامین لکھیں گے ۔ ہماری شرط یہ ہے کہ ہم معاوضہ پاکستانی کرنسی میں ادا کریں گے ۔ ان صاحب علم نے تحریر کیا ہے کہ میں مضمون بھجواؤں گا ، اس کا معاوضہ اپنے ملک میں کسی ایسے ادارے کو ادا کردیں کہ جو خدمت خلق میں مصروف ہو !

دل خوش ہوگیا ۔ یہ اہل علم اخلاق و عظمت کے مینار ہیں ۔ ان پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے ۔ بس دکھ یہ ہے کہ یہ اخلاق مسلمانوں کا تھا ۔ انہوں نے اخلاق کی عظمت و بلندی کی عمدہ مثالیں دنیا میں قائم کی تھیں ۔ مگر آج وہ اس سے محروم ہیں ۔ عیسائی دنیا نے اپنی عظمتوں کو کھو کر پھر سے پالیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہوگا ۔ وہ رب العلمین ہے ، صرف رب المسلمین تو نہیں ہے !

۲ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، کراچی

صبح نو بجے بیدار ہوگیا ۔ عبادات سے فارغ ہوکر بکثرت

آب سرد نوش جان کیا ۔ میرا ذاتی کارکن گنگ خان سات عدد آلوچے لے آیا تھا ۔ میں نے خان کی محبت کا جواب یوں دیا کہ ان آلوچوں کی غذائیت اور حیاتینت سے اپنے جسم کو مالا مال کیا اور چھلکوں سمیت معدے میں اتار لیے ۔ یہ چھلکے اور یہ ریشے انسانی صحت کے لیے بڑی اهمیت رکھتے هیں ۔ آج کے نئے دور میں انسان نے نفاست کی راہ اختیار کی هے اور ریشے اپنی غذا سے خارج کر کے اپنی صحت کے لیے مسئلہ پیدا کرلیا هے ۔ چھلکے بعض پھلوں کے ، پتے بعض ترکاریوں کے ، گیہوں کی بھوسی ، یہ سب صحت قائم کرنے والی چیزیں هیں ۔ غذا میں ان کا شامل رکھنا ضروری هے ۔

نماز فجر کے بعد مس اپنی میز پر آ گیا ۔ شب گزشتہ مس نے اس میز کو صاف ستھرا کردیا تھا تاکہ صبح جب صاف ذهن لے کر یہاں آؤں تو هر چیز صاف ستھری هو ۔ آج میں نے اطمینان سے اپنا مقالہ ' اوسٹریلیا لکھنا شروع کردیا ۔ یہ مقالہ پونے ۹ بجے ختم هوا ، کوئی چار گھنٹے سے زیادہ وقت اس کی تکمیل میں صرف هوا ۔ میں نے اپنے ۲۲ صفحات لکھ کر تیار کردیے ۔ نظر ثانی کے وقت اطمینان هوا کہ یہ میرا ایک اچھا مقالہ تیار هوگیا هے ۔ میں نے انگریزی ترجمے کے لیے جناب کمال حبیب صاحب کی خدمت میں بھجوادیا هے اور انھوں نے میری خاطر دفتر همدرد میں آکر ترجمہ کا کام آج هی شروع کر دیا هے ۔ وہ اسے کل شام تک ختم کرلیں گے ۔

اوسٹریلیا کے صوبہ کینبرا میں ایک طبی اجتماع کا اهتمام کیا گیا هے ۔ مشیر صحت هونے کے اعتبار سے مجھے شریک هونے اور مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی هے ۔ چونکہ اس اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی هونی هے اس لیے اپنی بے پناہ مصروفیات

کے باوجود میں نے انکار نہیں کیا ہے اور پرخلوص دعوت کو قبول کرلیا ہے ۔

میں نے کل سہ پہر اور اب دوپہر تک اپنے سرکاری فائلوں پر بھی کام کرلیا ہے۔ آج بڑا پیکٹ بذریعہ ہوائی جہاز اسلام آباد بھجوا دیا ہے ۔ اس میں سب سے بڑا کام ۱۰ - ۱۱ جولائی کی طبی دوا سازان پاکستان کے اجلاس کی روداد ہے جسے میں نے کل لکھا تھا اور جسے کل ہی جناب کمال حبیب صاحب نے ترجمہ کرکے تیار کردیا تھا ۔ آج صبح میں نے کئی ٹائپسٹوں کی مدد سے اسے مکمل کرا کے مع مفصل ہدایات اپنے سرکاری دفتر کو بھجوا دیا ہے ۔

جناب محترم نواب صاحب بہاول پور کے ہاں سے ٹیلے فون آیا تھا ۔ ان کی والدۂ محترمہ ، ان کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادی وغیرہ طبی مشورہ چاہتی ہیں ۔ میں نے آج ساڑھے پانچ بجے شام کا وقت دیا تھا ۔ میں وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گیا ۔ خود جناب محترم نواب صاحب بھی تشریف فرما تھے ۔ میں کوئی ایک گھنٹہ ان کے ساتھ رہا ۔ نواب صاحب محترم سے معلوم ہوا کہ ریاست بہاول پور میں بڑی گرمی پڑ رہی ہے ۔ بارش نام کو نہیں ہوئی ہے ۔ جانوروں کی زندگیاں خطرے میں ہیں ۔ سخت پریشانی کا عالم ہے ۔ پینے کا پانی تک کمیاب ہوگیا ہے ۔

عجیب بات ہے ! ماہرین موسمیات نے اس سال کے لیے پیشن گوئی کی تھی کہ جنوب مشرقی ایشیا اور برصغیر پاک و ہند میں امسال زبردست مون سون کا خطرہ ہے ۔ شدید بارشیں ہوں گی۔ مگر صورت حال بالکل مختلف ہے ۔ قدرت کا نظام بہر حال کسی بڑی طاقت کے ہاتھ میں ہے ۔ جس دن اہل سائنس پر اس راز کا انکشاف ہوگا اس دن دنیا میں امن و چین آجائے گا ۔ ایک

قادر مطلق کو پوری طرح تسلیم کیے بغیر ایسا ممکن نہیں ہو گا ۔

ریڈی ایشن

آج ایک خبر کو میں نے بڑے غور سے پڑھا ! بندروں کی ایک بستی میں اشعاع (ریڈی ایشن) کا تجربہ کیا گیا ہے ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان بندروں میں سرطان کی رسولیاں پیدا ہوگئی ہیں ۔ میری یہ رائے شروع سے ہے ، اور جس کا اظہار میں نے بیس سال قبل ہمدرد صحت کے " سرطان نمبر " کے اداریہ میں کیا تھا ۔ میری حتمی رائے یہ ہے کہ سرطان اور قلب کے امراض کی کثرت اشعاع کا نتیجہ ہے جس کی زد میں آج کا انسان ہمہ وقت ہے ۔ ٹیلی وژن اشعاع کا ایک ذریعہ ہے جس سے اب کوئی گھر خالی نہیں ہے ۔ اسعاع کا یہ دور دورہ عالم انسانی کے لیے ایک بڑا ہی سنگین مسئلہ بن گیا ہے ۔ میری رائے میں ضد حیوی ادویہ یعنی اینٹی بایوٹکس دوائیں بھی موجب سرطان ہیں ۔ آج لوگ مری یہ بات نہ مانیں مگر کل یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ جسم انسانی میں فساد ان ادویہ کی وجہ سے ہے اور سرطان جیسے امراض کا وہ شکار ہو رہا ہے ۔ امراض ادویۂ جدیدہ (ڈزیزز اوف ماڈرن ڈرگس) پر ان دنوں امریکا اور تمام دنیا میں لے دے ہو رہی ہے ۔ تحقیقات طبیہ کے زور اور جوش میں صنعت کاران ادویہ کے ہاتھ ایک بڑا ذریعۂ آمدنی آیا ۔ خوب واہ واہ ہوئی ۔ بد قسمت مشرق جو پہلے ہی کشتۂ مغرب تھا اور پس گیا ۔ یہاں کے مغرب پرست ڈاکٹر اسیر ادویہ جدیدہ ہوئے ۔ طب مشرقی کے خلاف تو وہ پہلے ہی تھے ، اب وہ اس پر دقیانوسیت کی تہمتیں لگانے لگے ۔ جدت نے ان کو بے لگام کردیا اور مغرب سے زیادہ ایشیا اور افریقہ میں جدید دوائیں استعمال ہوئیں ۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے

ھاتھ ایک بڑی منڈی آئی ۔ انھوں نے بلا روک ٹوک خطرناک دوائیں تیسری دنیا کو برآمد کیں ۔ یہاں یہ غیر محتاط انداز سے استعمال ہوئیں اور امراض ادویۂ جدیدہ کا ان ممالک میں بھی زور ہوگیا ۔

میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ مستقبل قریب میں یہ ثابت ہوکر رہے گا کہ اینٹی بایوٹکس ممنوع قرار پائیں گی اور ایک بار پھر انسان فطرت کے آغوش میں جانے کو بے چین ہوگا ۔

میں نے آج جناب ظفرالاسلام صاحب ، اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ، اسلامی سکرٹریٹ جدہ کو افطار اور رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا ۔ ۷ بجے وہ آگئے تھے ۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب اور ڈاکٹر حسن محمد جعفری صاحب بھی آگئے تھے ۔ ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھی تھے کہ جو جامعہ کراچی میں پرسوں ھی ڈین فیکلٹی آف آرٹس منتخب ہوئے ہیں ۔ عزیز محترم جناب بروھی صاحب نے بھی زحمت گوارا فرمائی تھی ۔ جدہ سے پروفیسر حاجی محبوب صاحب بھی کھانے پر آئے تھے ۔ بڑی علمی مجلس رہی ۔ میری اھلیہ اور بھابھی فیروز نے بڑا نفیس کھانا تیار کردیا تھا ۔ سب رطب اللسان تھے ۔ کھانے میں میرے بڑے بھائی جان کے داماد اعجاز حسن بھی تھے اور میرے بھانجے حکیم محمد یٰسین بھی شریک ہوئے ۔

۳ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعہ ، کراچی

صبح ۴ بجے بیدار ہوا ۔ وضو کرکے عبادت میں مصروف

رہا تاآنکہ انتہائے سحر کا سائرن بج گیا اور شہر اللہ اکبر اللہ اکبر کی آوازوں سے گونج اٹھا ۔ سب نے بکثرت پانی نوش جان کر کے روزہ کی نیت کرلی ۔ آج دفتر اور مطب دونوں جگہ سے غیرحاضری رہیگی ۔ نہ دفتر ہمدرد میں انتظامی امور اور دوا سازی کے مسائل پر غور و خوض کر کے احکامات صادر کرنے ہوں گے اور نہ مطب میں مریضوں کی نبض دیکھ کر بیماری تشخیص کرکے نسخے لکھوانے ہوں گے ، کیونکہ جمعہ کے روزسرکاری طور پر دفاتر بند رہتے ہیں اور جمعۃ المبارک کے احترام میں مطب بھی نہیں کھولا جاتا ۔ جمعہ کی تعطیل کے باعث ڈاک خانے بھی بند رہیں گے ، اس لیے کوئی خط پتر نہیں ملیگا ۔ دوسرے شہروں کے اخبارات تک نہیں ملینگے ۔ لہٰذا آج میں نے خود کو آزاد چھوڑ دیا ہے ۔ کتابوں کی ایک الماری کے پاس گیا ۔ ایک کتاب ہاتھ لگی ، ”ادبیات دہلی“ ۔ آج زیادہ تر اس کا ہی مطالعہ کرتا رہا ۔ مقامی اخبارات ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھے ۔ پاکستان کے اخبارات کے بارے میں میری حتمی رائے یہ ہے کہ یہ اخبارات بغیر کسی مقصد کے شائع ہو رہے ہیں ۔ ان اخبارات کی عدم یک جہتی نے پاکستان میں زبردست فکری افتراق و انتشار پھیلایا ہے ۔ پاکستان کے کمزور مارشل لا نے اور لا یعنی جمہوریت نے ہر اخبار کو مقصد و منزل سے دور کردیا ہے اور میں اس میں یقین کامل رکھتا ہوں کہ پاکستان کے اخبارات نے قومی و ملی ذہن کی تعمیر میں کوئی مثبت حصہ نہیں لیا ہے ۔ اور شاید یہ بھی ایک حقیقت ہو کہ کوئی حکومت ایسی نہیں آئی ہے کہ جس نے ذرائع ابلاغ پر اس انداز سے غور کیا ہو ۔ ہر حکومت نے پورے جبر کے ساتھ قدغن (سنسر) تو لگایا مگر صرف غیر محتاط سیاست کی بیخ کنی کے لیے ۔ کسی حکومت نے یہ غور نہیں کیا کہ اخبارات و جرائد کا مشرق

مغرب کیا ہے ! میں آج یہ غور کرتا رہا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ پاکستان کے اخبارات کو ایک راہ مستقیم دیدی جائے اور ان کو اس سے جدا راستے پر جانے کی اجازت نہ ہو !

نماز جمعہ کے لیے مسجد میں گیا ۔ یہاں صلواہ التسبیح ادا کی ۔ اس کا موقع رمضان المبارک ھی میں ملا کرتا ہے ۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں چار رکعتیں ختم ہوئیں ۔ دل کو بڑا ھی اطمینان حاصل ہوا ۔ دعاؤں کے لیے دست دراز کیا اور نہ جانے کیا کیا مانگتا رہا ۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ از راہ کرم پہلے ھی عطا کر چکا ہے اس پر شکر کرتا رہا ۔ آج پاکستان کی سلامتی میرے دل کی آواز تھی ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا :

اے عباس ، اے میرے چچا ! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں ؟

کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں ؟

کیا میں آپ کے دس کام اور دس خدمتیں کروں ؟

یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس منفعتیں حاصل ہوں ۔

یہ ایسا عمل ہے کہ جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرما دے گا ۔

وہ عمل صلواہ التسبیح ہے ۔

طریقہ یہ ہے :

آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری کوئی سورہ پڑھیں ۔ پھر جب آپ پہلی رکعت

میں قرأت سے فارغ ہوجائیں تو قیام ہی کی حالت میں
پندرہ بار حسب ذیل پڑھیں :

سبحان اللہ ، والحمد للہ ، ولا الہ الا اللہ ، واللہ اکبر

پھر رکوع میں جائیں ، رکوع میں بھی یہی کلمہ دس
بار پڑھیں - پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی
کلمہ دس بار کہیں - پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس
میں بھی یہ کلمہ دس بار پڑھیں - پھر سجدے سے اٹھ
کر جلسہ میں یہی کلمہ دس بار کہیں - پھر دوسرے
سجدے میں بھی یہی کلمہ دس بار پڑھیں - پھر سجدے
سے اٹھ کر قعدہ میں قیام سے پہلے دس بار یہی کلمہ
پڑھیں ، اور بغیر تکبیر کے قیام کریں -

چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر
رکعت میں ۷۵ بار یہ کلمہ پڑھیں -

میرے چچا ! اگر آپ سے ہوسکے تو روزانہ پڑھا کریں!
اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں،
اگر آپ یہ بھی نہ کرسکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ
لیں اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو زندگی میں کم از کم
ایک دفعہ ہی پڑھ لیں -

نماز جمعہ ادا کرکے میں گھر آگیا - اب میں نے تین
بجے سے سات بجے شام تک پاکستان میں میرے زیر انتظام ہونے
والی دو عالمی سائنس کنگرسوں کے پروگراموں پر غور کرنا شروع
کیا اور تین گھنٹے غور کے بعد متعدد ضروری نوٹ تحریر کرکے
اپنی سکریٹری کو بھجوا دیے ہیں -

محترمہ بیگم بھائی شعیب امریکا سے آئی ہوئی ہیں - ان
سے ملاقات کے لیے بہادرآباد حسب پروگرام گیا - پتہ چلا کہ

محترمہ پنجاب ھاؤس میں منتقل ہوگئی ھیں ۔ اب اتنا وقت نہ تھا کہ مں ادھر بھاگتا ۔ سوچا کہ یوسف باغپتی صاحب کا مکان تلاش کرکے ان سے مل لوں ، مگر ان کا مکان "مقام باغپتی" نہیں ملا ۔ بالآخر قبل از وقت موتمر عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب کے ھاں افطار کے لیے پہنچ گیا اور کھانا ان ھی کے ساتھ کھایا ۔ اور پھر جلد واپس آگیا تاکہ نماز عشاء اور تراویح میں دیر نہ ہوجائے ۔

میں نے اسلامی سکریٹریٹ جدہ کو مشورہ دیا تھا اور ایک جامع رپورٹ لکھ کر دی تھی کہ دوران تقریبات ۱۵ ویں صدی ھجری ایک عالمی کنگرس سائنس و اسلام کے لیے ایک مشاورتی میٹنگ جدہ میں بلائی جائے ۔ آج میں نے آزادی کی فضا مں غور کیا کہ یہ اجلاس پاکستان مں انٹر نیشنل کنگرس تاریخ و فلسفۂ سائنس کے دوران اسلام آباد مں کیوں نہ کرلیا جائے ۔ میں نے غور کرکے سکریٹری جنرل اسلامی سکریٹریٹ کے نام ایک تجویز اس مقصد کے لیے ڈرافٹ کردی ھے تاکہ جلد بھجوا دی جائے ۔

۴ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، ھفتہ ، کراچی

صبح ساڑھے چار بجے انتہائے سحر کے سائرن سے آنکھ کھلی ۔ کل تمام دن آرام جو کیا تھا ۔ اس آرام نے عادت بگاڑ دی ھے ۔ نماز فجر ادا کرکے روز نامچہ لکھا ۔ اتنے میں ساڑھے پانچ بجے مطب سے ٹیلے فون آیا کہ بکثرت مریض مطب میں جمع ھیں ۔ میں قلم دھر کر مطب جا پہنچا اور شام کے ۴ بجے تک انتہائی

خلوص و انس کے ساتھ اپنے مریضوں کی خدمت کرتا رہا ۔ ۲۶۵ مریضوں کا درد دل سنا اور اور ان کی دوا کی سعی کی ۔ انسان کی صحت و تندرستی صرف اللہ کی تحویل میں ہوتی ہے ، طبیب اسے بروئے کار لانے میں معاون و مددگار ہوتا ہے ۔

گھر آ کر کمر سیدھی کی ، ۱۰ منٹ میں سکون مل گیا ۔ ہفتے کے دن بھی مطب سے فارغ ہو کر دفتر جانا ضروری ہوتا ہے لیکن ماہ رمضان المبارک میں چونکہ ہمدرد لیبارٹریز اور ہمدرد فاؤنڈیشن کے دفاتر ایک بجے بند ہوجاتے ہیں اس لیے وہاں جانا ممکن نہیں ہوتا ۔ دفتر سے گھر پر ڈاک آ گئی تھی ۔ میں نے ایک گھنٹہ یہ ڈاک دیکھی اور ضروری ہدایات دیدی ہیں ۔ محترمی ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب کا ایک اہم خط آیا ہے ۔ وہ مجھ سے فوراً ملاقات چاہتے ہیں خواہ ان کو کراچی ہی آنا پڑے ، نہ جانے کیا مشکل ان کو در پیش ہے ۔

۵ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، اتوار ، کراچی

صبح ۳ بجے کسی الارم یا سائرن کے بغیر بیدار ہوگیا اور پھر عبادت گاہ میں داخل ہوگیا ۔ ۵ بجے تک وہاں مصروف یاد الٰہی رہا ۔ روزے کی نیت بکثرت آب سرد پی کر کرلی ۔ ساڑھے پانچ بجے مطب سے ٹیلی فون آیا کہ کافی مریض جمع ہوگئے ہیں ۔ فوراً ہی روانہ ہوگیا اور کام کو قابو میں لے لیا ہے ۔ میری مزاجی کیفیت آج خراب ہے ۔ ڈھائی بجے تک مطب کرتا رہا مگر اعصاب تنے ہوئے رہے ۔ اس کی وجہ سے تھک گیا ۔

میری شدید علالت

میں ۱۹۷۲ء میں بڑی شدید علالت کی گرفت میں تھا۔ محترم جناب شعیب صاحب (سابق وزیر مالیات حکومت پاکستان) کو میری علالت کی شدت اور انجام کا علم تھا۔ ۱۹۷۱ء میں امریکا میں جو تشخیص مرض اور علاج تجویز ہوا تھا میں نے اس سے اس وقت اتفاق نہیں کیا تھا۔ مگر بالآخر امریکی ماہرین کی رائے صحیح نکلی اور جناب شعیب صاحب نے مجھے امریکا بلا لیا۔ ۳ مئی ۱۹۷۲ء کو دو بڑے اپریشن ہوئے۔ میں ڈاکٹرس ہاسپٹل واشنگٹن میں داخل تھا۔ پاکستان میں کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ میں نے یہاں بڑی شدید علالت کے باوجود پاکستان چھوڑنے تک اپنے معمولات میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔ مگر جب واشنگٹن گیا تو وصیت لکھ دی تھی۔ زندگی کی امید دس فیصد سے زیادہ نہ تھی۔ بارے دو بڑے اپریشن ہوئے۔ میری جسمانی قوت نے اور میرے نظام جسم نے، کہ جو کبھی دوا آشنا نہ ہوا تھا، تمام ڈاکٹروں اور سرجنوں کو حیران کردیا۔ اپریشن کے دوسرے دن زخم بھر چکے تھے۔ میں نے بتا دیا تھا کہ میرے جسم میں کوئی پنسلین، کوئی اینٹی بایوٹک دوا کبھی نہیں گئی ہے۔ اس امتحان سے گزر گیا۔ قدرت نے خدمت خلق کے لیے مزید مہلت دیدی۔

اس شدید دور میں محترم جناب شعیب صاحب نے اور بالخصوص محترمہ بیگم شعیب صاحب نے میری جو خدمت اور خاطر داری کی میں تاحیات اسے فراموش نہیں کرسکتا۔ ایسی خدمت کہ میرے اپنے عزیز بھی ایسا نہ کرسکے تھے۔ محترمہ بیگم شعیب ان دنوں پاکستان میں ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے بہت سے مسائل تھے۔ ان کو حل کردیا ہے!

اب اسلام آباد کراچی کے درمیان سفر میں فائل زیادہ ہونے لگے ہیں - میرا بیگ جو ۱۱-۱-۱۰ سال سے زیر استعمال اور دنیا کے کونے کونے میں میرے ساتھ سفر میں رہا ہے اب بوڑھا ہوگیا ہے ، میری طرح بوڑھا ! میں جعفر صاحب کے ہاں گیا تھا اور ایک نیا بیگ خرید لایا ہوں -

اتوار ہے ، آج بچے جمع ہوگئے ہیں - میں ان میں ے بچے نبچے آ کر گھل مل گیا - ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ، اس لیے باہر لان میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا - سال بھر میں مجھے رمضان میں ہی گھر کے لان میں بیٹھنے کا موقع ملتا ہے - ورنہ عدیم الفرصتی اجازت نہیں دیتی کہ سبزۂ نورستہ کو ایک نظر ہی دیکھ لیا جائے -

آج پیرس سے یونیسکو ”کورئیر“ آگیا ہے - اس اشوع کا محرک میں ہی رہا ہوں- ۱۹۷۷ء میں یونیسکو میں مدیران کورئیر کی میٹنگ میں میں نے اسے منظور کرایا تھا - یہ ” نباتات نمبر“ ہے - مدیر اعلا نے سب سے پہلا مضمون ” رسالہ ادویہ قلبیہ از ابن سینا “ مرا ہی دیا ہے - مجموعی طور پر یہ بہت دل چسپ اشوع ہے - آج میرا دل بڑا ہی مطمئن ہوا ہے - اس کے ذریعہ سے اپنے مسلک طب کی ترجمانی کی گئی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ درخت کا ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک دفتر بامعنی ہوتا ہے -

۶ - اگست ۱۹۷۹ء ، پیر ، کراچی

صبح تین بجے بیدار ہوگیا - غسل کے بعد عبادت میں مصروف ہوگیا - خان خربوزہ تراش کر رکھ گیا تھا - سحری کا

لطف آ گیا ! پھر ٹھنڈے پانی نے دل ٹھنڈا کر دیا - روزہ کی نیت کرلی - آج یہ ۱۱ واں روزہ ہے - رمضان المبارک بڑی تیزی کے ساتھ گزرے جا رہے ہیں - نماز فجر ادا کرکے میں اپنی میز پر آ گیا - ہمدرد صحت کے لیے چند مضامین تیار کرکے شعبۂ ادارت کو بھجوادیے ہیں -

اسلامی سائنس سمٹ

محترمی جناب ظفر الاسلام صاحب اسسٹنٹ سکریٹری جنرل اورگنائزیشن اوف دی اسلامک کانفرنس جدہ کو صبح ہی ایک نوٹ لکھ کر بھجوا دیا تھا اور سکریٹری جنرل اسلامی سکریٹریٹ کے نام خط بھی لکھ دیا جس میں میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ '' اسلامی سائنس کے ۱۴ سو سال ،، کے موضوع پر عالمی مذاکرے کی تیاری کے لیے بارہ سائنس دانوں کی ایک مشاورتی میٹنگ پاکستان میں طلب کرلینی چاهیے - محترمی ظفرالاسلام صاحب نے ٹیلی فون کیا کہ ان کو اس تجویز سے اتفاق ہے اور یہ کہ سکریٹری جنرل صاحب کی خدمت میں وہ اجازت کے لیے پیش کریں گے - مجھے اس ٹیلی فون سے بڑا ہی اطمینان حاصل ہوا ہے - انشاء اللہ سائنس کا یہ عالمی مذاکرہ پاکستان ہی میں ہوگا اور ہمدرد اس کام کو سر انجام دے گا ـــ الحمد للہ -

'' اسلامی سائنس سمٹ ،، کے بارے میں جس انداز سے میں نے سوچا ہے اگر یہ کام اس انداز سے ہوگیا تو سائنس کے میدان میں یہ سائنسی اسلامی جائزہ ایک اہم اور تاریخ ساز کام ہوگا - ہر شعبۂ سائنس میں اسلامی دور میں جو پیش رفت ہوئی ہے وہ روشنی میں آجائے گی اور سائنس کے بہت سے راز منکشف ہوجائیں گے - اس وقت تاریخ سائنس کلیۃً غیر مربوط ہے - اس

زنجیر کی بہت سی کڑیاں ٹوٹ چکی ہیں ۔ اگر ان کڑیوں کو منسلک کردیا گیا تو تاریخ سائنس کا تسلسل اور ربط قائم ہو جائے گا ۔ میں نے اس کی پوری پلاننگ کرلی ہے ۔ اب اس کو میں جلد چھپوا کر پیش کردوں گا ۔ اس وقت میرے حسب ہدایت دنیا بھر کے مورخین سائنس کی فہرستیں تیار ہورہی ہیں ۔ اب تک کوئی چار ہزار پتے تیار ہیں ۔ میں ان سب سے رابطہ قائم کروں گا ۔

مجلس منتظمہ ہمدرد کی میٹنگ ہوئی ۔ اس میں آج اہم امور زیر غور آئے ۔ روح افزا کا پلان بھی آیا ۔ ضروری فیصلے کردیے ہیں ۔ میں نے آج حتمی ہدایت دیدی ہے کہ پورٹ قاسم پر ہمدرد کی جو زمین ہے اس پر فکٹری (مینو فیکچری) کی پلاننگ کا آغاز کردینا چاہیے اور حضرات نموی و صدیقی سے معاملہ کرلینا چاہیے ۔ ہمدرد کی موجودہ فیکٹری تقریباً دو ایکڑ یعنی دس ہزار مربع گز سے کم رقبے کی زمین پر قائم ہے جو بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لحاظ سے قطعی ناکافی ہے ۔ اب جو پورٹ قاسم پر زمین خریدی گئی ہے گو وہ شہر سے دور ہے لیکن موقع اور ضرورت کے لحاظ سے بہت مناسب ہے ۔ اس کا رقبہ بارہ ایکڑ ہے ۔

مجلس منتظمہ ہمدرد دراصل مجلس کارکنان با اختیار (ایگزیکٹیو) ہے ۔ پیر کی صبح اس کا جلسہ ہوتا ہے ۔ میں اس میں اپنے رفقا سے تبادل خیال کرتا ہوں ۔ اس کی حیثیت شوریٰ کی بھی ہے ۔ مشاورت باہمی کے بعد جن امور پر اتفاق رائے ہوجاتا ہے ان پر عمل در آمد کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے ۔ اس مجلس میں صرف اہم مسائل ہی آتے ہیں ۔ ذیلی اور فروعی مسائل کو اس کے ایجنڈے میں شریک نہیں کیا جاتا ۔ اس مجلس منتظمہ کی رو داد باقاعدہ رکھی جاتی ہے ۔

طریق کار

میں دو بجے گھر آگیا ۔ دفتر ھمدرد میں مصروفیتوں نے تھکا دیا تھا ۔ پھر صبح تین بجے سے بیدار ھوں ۔ شام کو جو کام کرنا ھے اس کے لیے دھن کو تازہ کرنا ھے ۔ ذرا دیر سوگیا ۔ ۴ بجے بیدار ھوکر غسل کیا اور اپنی میز پر آگیا ۔ ڈاک جو دفتر سے ساتھ لایا تھا اس کو دیکھا ، ضروری خطوط کے جوابات لگے ھاتھوں لکھ دیے ۔

میرا طریق کار ھمیشہ سے یہ ھے کہ میں روز کا کام روز بہر حال اور بہر صورت ختم کردیتا ھوں ۔ مجھے متعدد انواع کے کام کرنے ھوتے ھیں ۔ مختلف النوع فائل اور کاغذات آتے ھیں ۔ مگر ان کو سمجھ کر اپنا فیصلہ کرنے میں مجھے کوئی دیر نہیں لگتی ۔ روزانہ ڈاک میں بکثرت خطوط آتے ھیں ۔ میں ایک ایک خط دیکھتا جاتا ھوں اور ان پر کارروائی کی ھدایت دیتا جاتا ھوں ۔ بعض خطوں کے جواب خود مجھے لکھنے ھوتے ھیں ۔ یہ بھی میں ساتھ کے ساتھ کرتا جاتا ھوں ۔ اگر میں ایک دن کام موخر کردوں تو دوسرے دن قیامت برپا ھوجاتی ھے !

ھمدرد صحت ۱۹۸۰ء کے موضوع پر ایک مفصل نوٹ آج تیار کردیا ھے ۔ اب ۱۹۸۰ء سے ھمدرد صحت کی ترتیب وغیرہ میں تبدیلیاں لانی مقصود ھیں اور اس کو عوامی مزاج کا رسالہ بنانا ھے تاکہ اس کی ریڈر شپ میں اضافہ ھوسکے اور یہ اپنے پیروں پر کھڑا ھوجائے اور جو خسارہ اب تک ھوتا رھا ھے وہ نہ ھونے پائے ۔ میں نے مکمل پلان تیار کردیا ھے اور شعبۂ ادارت کو بھجوا دیا ھے ۔ میں نے یہ بھی لکھا ھے کہ ھمدرد صحت ایڈٹ کرتے ھوئے مجھے چالیس سال ھوگئے ھیں ۔ مناسب ھے کہ اب میرا بوجھ کم کرنے کا سامان کیا جائے اور تیاری مضامین میں

ادارے کے دوسرے ارکان حصہ لیں ۔ ہمدرد صحت سے تعلق کی بنا پر میں فائنل ایڈیٹنگ جاری رکھوں گا ۔

کراچی میں آج شدید بارش شروع ہوئی ہے ۔ یہ بارش اس شہر کے لیے ضرورت سے زیادہ ہے ۔ اس بارش میں آدھا شہر بہہ جائے گا ۔ شدید بارشوں کے لیے شہر کراچی میں ضروری انتظامات موجود نہیں ہیں ۔ ۳۲ سال میں ہزار انقلابات آئے اور اس سے بڑا انقلاب کیا ہوسکتا ہے کہ یہاں چند گھنٹوں میں اتنی بارش ہوجاتی ہے کہ جو سال بھر میں ہوا کرتی تھی! مگر حکومت نے یہاں نالیوں اور پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا ۔ اب تک انہی نالیوں اور نالوں سے کام لیا جارہا ہے جو ایک لاکھ کی آبادی کے خیال سے تعمیر کیے گئے تھے ۔ کسے معلوم تھا کہ ہر شخص منہ اٹھا کر اس عروس البلاد کی طرف چلا آئیگا اور اس کی آبادی ساٹھ ستر لاکھ کی ہوجائیگی ۔ پہلے اس شہر میں سبزہ زار نہیں تھے ۔ اب ہر جگہ سبزہ نظر آتا ہے ۔ بادل اسے دیکھتے ہی برس پڑتے ہیں ۔ شہر کراچی کے مسائل شدید سے شدید تر ہوتے جارہے ہیں ۔ اس شہر کی آبادی ہر ماہ بڑھ رہی ہے اور اندازہ یہ ہے کہ ۲۰۰۰ء تک آبادی ایک کروڑ نفوس سے بڑھ جائے گی ۔ اس پر اب فوراً غور و فکر ہونا چاہیے۔

اس شہر کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اس نے اسلام آباد بنایا ۔ پھر اس کو لاڑکانہ بھی بنانا پڑا ۔ دو شہروں کو سنوار نے میں اس کے اثاثے سب وہاں لگ گئے اور خود اس کا اپنا حال تباہ ہوگیا ۔ اگرچہ وہ بھی پاکستان ہی کے شہر ہیں ، لیکن خود کراچی کے مسائل بھی حل ہونے چاہییں اور ان سے غفلت نہیں برتی جانی چاہیے۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے ۔ اتنی بڑی آبادی کو خود بھی اپنے مسائل حل کرنے میں دل چسپی لینی چاہیے

۷ - اگست ۱۹۷۹ء، منگل، کراچی

نماز با جماعت

ایک سخص مسجد میں داخل هورها تھا - اس نے دیکھا کہ لوگ مسجد سے باھر نکل رہے ھیں - پوچھنے لگا کیا جماعت ھوگئی ہے کہ لوگ مسجد سے باھر آرہے ھیں ؟ ان میں سے ایک نے کہا: تو اب کہاں جارھا ہے . رسول اکرم صلعم تونماز باجماعت ادا فرما کر سلام پھیر چکے ھیں ! یہ سن کر اس شخص کو اس قدر صدمہ ھوا کہ بے اختیار سرد آھیں بھرنے لگا - نمازیوں میں سے ایک نے کہا : اے بھائی ! تو اپنی آہ سرد مجھے بخش دے تو میں اپنی نماز تجھے بخش دیتا ھوں - وہ بولا : بہت بہتر ، میں نے تجھے اپنی آہ بخس دی اور تیری نماز لے لی - آہ لینے والا بڑا مسرور ھوا ، اور بصد عجز و نیاز اپنے گھر واپس آگیا - رات کو خواب مں غیب سے آواز آئی : تونے بڑے فائدے کا سودا کیا ہے !

حرمت ایں اختیار و ایں دخول
شـــد نمـاز جملۂ خلقاں قبول

تونے اپنی خوسی اور اپنی رضا مندی سے جو کچھ حاصل کیا اس کے صدقے میں ساری خلقت کی نمازیں قبول ھوئیں !

میں آج صبح تین بجے سے پانچ بجے تک مصروف عبادت رھا - بس ایک دکھ یہ ہے کہ میں نماز با جماعت میں پابند نہیں ھوں - اس آہ و بخشش پر آج میں بڑی دیر غور کرتا رھا - انتہائے سحر ھوگئی ، سائرن بڑے زور سے بجا - میں نے بکثرت آب سرد پی کر روزہ کی نیت کرلی - پھر سنا کہ کراچی کی مساجد سے صدا ھائے اللہ اکبر بلند ھوئیں اور پورا شہر جھوم جھوم گیا -

حی علی الصلٰوۃ جس نے سن لی نماز با جماعت اس کے لیے ضروری ہوئی ۔ اب ہر مسجد میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) ہے ۔ آواز اذان ہر کان میں پہنچ جاتی ہے ۔ ہر شخص کو مسجد میں جانا ہی چاہیے !

۵ بجے میں اپنی میز پر آگیا ۔ اور پھر طبیبہ انوری بیگم کے الفاظ یاد آئے : صاحب ! آپکے سر کے بال اب بہت ہی گرگئے ہیں ۔ آپ اب محنت کم کردیجیے ۔ گویا میرا فارغ البال ہونا ان کے نزدیک اچھا نہیں ہے !

میں نے پہلی بار بڑی سدت کے ساتھ غور کیا ہے کہ واقعی میرے سر کے بال بہت گر گئے ہیں اور اب میں یقیناً گنجا ہورہا ہوں ۔ ایک وقت تھا کہ میرے بال اس قدر گھنے تھے کہ میں کنگھا کرتے وقت در حقیقت اپنے سر سے لڑا کرتا تھا ۔ اور اب یہ حال ہے کہ تیل کی چار پانچ بوندیں ہی کافی ہوتی ہیں ، اور بعض اوقات وہ بھی پھسل کر گرجاتی ہیں! کبھی یہ تھا کہ مہینے میں ملی کے تیل کی بوتل کی بوتل ختم کردیتا تھا ، اب یہ صورت ہے کہ ایک بوتل سال بھر سے بھی زیادہ چلتی ہے ۔ خیر عمر بڑھنے کے ساتھ یہ تو ہوتا ہی ہے ۔ سر کے بالوں کا گرنا نہ گرنا میری رائے میں ہر شخص کے انفرادی مزاج کے تابع ہوا کرتا ہے ۔ ہاں وراثت کا بھی اثر پڑسکتا ہے ۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ اب تک صحیح راز معلوم نہیں کیا جاسکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور نہ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بال سفید کیوں ہوجاتے ہیں ، اور کسی کے سفید کیوں نہیں ہوتے ۔ اس میدان میں تمام اشتہاری دعوے بے بنیاد ہیں ۔ ذاتی طور پر میں نے کبھی یہ فکر جان کو نہیں لگائی ، نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں ایسے ذاتی معاملات پر غور کروں ۔

میری سکریٹری خانم ڈی سلوا آج گھر سے میرے ساتھ دفتر جاتے ہوئے کہ رہی تھیں، ”آپ کو اندازہ ہے کہ ۹ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء کو آپ ساٹھ سال کے ہوجائیں گے !“ میں نے اپنی عمر کا حساب اب تک صحیح نہیں لگایا تھا۔ میں حساب میں بڑا ہی کمزور ہوں، مگر میں نے سوال کیا : اور محترمہ آپ ۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو پچاس سال کی ہوں گی !

عورتیں اپنی عمریں نہیں بتایا کریں ! لیکن طبیب کی نگاہ صحیح اندازہ کرلیتی ہے۔ یہ خانم ڈی سلوا اب ہمدرد میں ۲۴ سال سے کام کر رہی ہیں۔ ۲۵ سال کی جوان خاتون نے اپنی ساری جوانی ہمدرد کے لیے وقف کردی۔ میں نے بھی اس عظیم خاتون سے ایسا سلوک کیا کہ وہ اپنے خاندان کے ہر فرد کو بھول گئیں۔ وہ سب کے سب ہندستان میں ہیں۔ بہنیں ہیں، بھاوجیں ہیں، ساس ہیں، وہاں ان کے مرحوم شوہر کی جائداد میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ مگر اس خاتون کی عظمت یہ ہے کہ وہ تقاضا نہیں کرتی کہ کہیں ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

خانم ڈی سلوا نے ہمدرد میں چار سو روپے ماہانہ معاوضے پر سکریٹری کا قبول کیا تھا۔ ان کے شوہر کا حادثے میں انتقال ہوگیا۔ وہ پاکستانی بحریہ میں تھے۔ اس خاتون نے پورے وقار کے ساتھ ہمدرد میں خدمت کی۔ اپنے تین بچوں کو پالا۔ بڑا کیا اور دو کو اپنے پیروں پر کھڑا کردیا۔ ہمدرد نے بھی ان بچوں کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں اور خانم ڈی سلوا کے بچوں کو بہت سے معاملات میں اولیت دی۔

خانم ڈی سلوا اب ہمدرد میں ایگزیکیٹیو (آرٹس اینڈ کلچر) ہیں۔ میں ان سے خوش ہوں۔ ہمدرد میں یہ ایک قابل

خاتون ھیں جن کی خدمات پر فخر کیا جاسکتا ھے ۔ اس خاتون نے مجھے کار بار زندگی میں جس قدر راحت پہنچائی ھے ایسی راحت مجھے ھمدرد کے کسی کارکن سے نہیں پہنچی ۔ دراصل میں نے اس خاتون محترم کو خاندان ھمدرد کا ایک فرد شمار کیا اور ھر فرد خاندان سے ایسا ھی برتاؤ کرایا۔اسی طرح اس نیک خاتون نے خود کو ھمدرد کے حوالے کردیا اور ھمدرد کی ھوگئی ۔

آزادی

میں نے آج ریڈیو پاکستان کے لیے " آزادی کا قرآنی مفہوم " کے موضوع پر ایک تقریر لکھی ھے کہ جو ۲۷ رمضان المبارک ، یوم نزول قرآن پاک ، یوم استقلال پاکستان کے موقع کے لیے ھے ۔ اندازہ نہیں ھے کہ ریڈیو کے ارباب حل و عقد اسے قبول کریں گے یا رد ۔ تقریر اپنے دفتر میں ٹائپ کے لیے دیدی ھے ۔

آج یونیسکو دھلی سے ایک اھم خط آیا ھے ۔ اس کی روشنی میں آج پروگرام ترتیب دیدیا ھے ۔ خانم ڈی سلوا اور انوری صاحب کو ساتھ بٹھایا اور تمام ھدایات دیدی ھیں ۔ کوشش یہ ھو رھی ھے کہ کنگرس عالمی حیانیات و جبنیات اور کنگرس عالمی تاریخ و فلسفۂ سائنس کے دعوت نامے بنام ماھرین اب جمعرات کے دن ھوائی ڈاک سے روانہ ھونے شروع ھوجائیں ۔

محترمی جناب ظفرالاسلام صاحب آج جدہ روانہ ھو رھے ھیں ۔ وہ ۲۱ دن پاکستان میں رھے ۔ میں ان کو خدا حافظ کہنے ھوائی میدان تک سخت باد و باراں میں اڑتا اور تیرتا ھوا گیا ! ھوائی میدان میں جا کر معلوم ھوا کہ جہاز رات ساڑھے آٹھ بجے روانہ ھوگا ۔ میں بالعموم صحیح وقت معلوم کرکے ھوائی میدان جایا

کرتا ہوں ۔ آج ایسا نہیں کیا ۔ ظفرالاسلام صاحب بھی اسی طرح چلے گئے تھے ۔ وہ واپس ہو رہے ہیں کہ میں پہنچ گیا ۔ میں نے ان کو تقریبات ۱۰ ویں صدی ہجری کے ایمبلم کا اصل ڈزائن دیدیا ہے اور سمجھا دیا ہے ۔

فادر اناواتی

آج رات ہمارے دوست اور مہمان فادر اناواتی اوسٹریا سے بذریعہ جاپان ایئر لائنز کراچی آرہے ہیں ۔ ڈرائیور کو میں نے ہدایت دی ہے کہ وہ ظفرالاسلام صاحب کو چھوڑ کر رات سوا نو بجے جاپان ایئر لائنز سے فادر اناواتی صاحب کو لے لیں اور ان کو عالی مرتبت کارڈینل جوزف کوڈیرو کے ہاں پہنچادیں ۔ فادر اناواتی شام ہمدرد میں ہیں لیکچر دینگے ۔ ابن سینا موضوع ہے ۔

فادر اناواتی صاحب بڑی عالم و مشہور شخصیت ہیں ۔ ان میں بلا کا استا مستا ہے ۔ کبرسنی کے باوجود وہ دنیا میں ادھر سے ادھر آتے جاتے رہتے ہیں اور عالمی کنگرسوں وغیرہ میں موثر شمولیت کرتے ہیں ۔ فادر اناواتی صاحب سے میری پہلی ملاقات پیرس میں ہوئی تھی ۔ وہاں کنگرس اوف اوری ینٹالسٹس ہو رہی تھی (۱۹۷۳ء) ۔ میں بھی اس میں شریک تھا اور دہلی سے میرے بڑے بھائی جان محترم جناب حکیم حاجی عبدالحمید صاحب بھی شرکت کے لیے تشریف لائے تھے ۔ ہندستان سے جنگ کے بعد ان سے ملاقات کی صورت بس یہی رہ گئی تھی کہ ہم دونوں بھائی کسی دوسرے ملک میں اکھٹے ہوجائیں ۔ اس کنگرس میں میرے دوست پروفیسر لوئی گاردے بھی تھے اور میرے ایک دوست پروفیسر راجر آرنا لڈیز بھی شریک تھے ۔ آرنالڈیز صاحب تو ساربون میں استاد اسلامیات ہیں ۔ ان دونوں دوستوں نے اپنے

جگری دوست فادر اناواتی سے ملاقات کرائی تھی ۔ فادر میری کتاب " فارما کوپیا اوف ایسٹرن مڈیسن " سے متاثر تھے ۔ وہ خود بھی کیمسٹ ھیں ۔ اس کے بعد فادر میری دعوت پر پاکستان آئے تھے اور کنگرس عالمی البیرونی میں شرکت کی تھی ۔ اس میں پروفیسر لوئی گاردے جو اسلامیات پر متعدد کتابوں کے مصنف ھیں اور پروفیسر آرنالڈیز اور ان کی اھلیہ بھی میری دعوت پر آئی تھیں ۔ فادر اناواتی قاھرہ مں رھتے ھیں ۔ انسٹی ٹیوٹ ڈرمی نکان عباسیہ میں بڑا اھم مقام ھے ۔ میں وھاں خود بھی بارھا گیا ھوں ۔ فادر اناوانی ذھنی طور پر سخت مذھبی ھیں ، مگر اسلام کے خلاف نہیں ھں ، بایں ھمہ ان میں بعض مستشرقین کی صفات ملتی ھیں ۔

نواب جام امیر علی

میں گھر آنے سے قبل نواب جام امیر علی صاحب کے ھاں گیا ۔ ان سے دو گھنٹے ذرا دل چسپ باتیں کیں ۔ ان کے پاس بنگلور سے اوسٹرونومی کا ایک ماھنامہ آتا ھے ۔ اس میں درج ھے کہ ۴ تا ۸ اگست سنہ ۱۹۷۹ء پاکستان میں سخت بارشیں ھوں گی ۔ واقعی ۴ اگست سے سلسلۂ باد و باراں شروع ھوا ھے اور آج ۷ ھے مگر بارش تھمنے کا نام نہیں لیتی ھے ۔ کراچی تو آج دریا بنا ھوا ھے ۔ موٹریں چلانا ممکن نہیں ھو رھا ھے ۔ گلیوں میں پانی کھڑا ھے ، سڑکیں بند ھیں ۔ ٹیلے فون معطل ، بجلی منقطع ، حواس مختل ، پناہ بخدا !

کراچی کے بعض علاقے ایسے بھی ھیں کہ جہاں رھنے والے تقریباً سارے سال پانی کے لیے ترستے ھیں ۔ وھاں کمیونٹی ٹیپ ضرور لگے ھوئے ھیں ، لیکن ان میں سے پانی بقدر اشک بلبل

نکلتا ہے ۔ پانی بھرنے والوں میں کبھی کبھی ہاتھا پائی بھی ہوجاتی ہے ۔ لیکن بارس کا پانی ان کے لیے تادیر کام نہیں آسکتا ۔ ان کے گھروں میں حوض کہاں ہیں جن کو وہ آئندہ کے لیے بھرلیں ۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو کتنے دن کے لیے فراغت ہوگی ۔ درحقیقت کراچی میں نظام آبرسانی کو بہت اہمیت کے ساتھ بہتر بنانے کی ضرورت ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے ، مگر بہر حال ایسا مسئلہ ہے کہ اسے اولیت ملنی چاہیے ۔ میری نظر میں عدم فراہمی آب کے ساتھ امراض کا مسئلہ بھی ہے کہ جو خراب پانی سے تعلق رکھتا ہے ۔

میں نواب جام امیر علی صاحب سے کراچی کے مسائل پر بھی بات کرتا رہا ۔ سیاسی مسائل زیر بحث نہ آئیں تو آج کوئی مجلس پوری نہیں ہوتی ۔ اب تو ایسا ہے کہ کراچی کا ہر باشندہ سیاست داں ہونے کا مدعی ہے ۔ باہمی تبادل خیال میں وہ وہ سیاسی نکتے ابھرے ہیں کہ اللہ دے بندہ لے ! نواب جام امیر علی صاحب معتدل انسان ہیں ۔ ان میں توازن کی بڑی خوبیاں ہیں ۔ ہم دونوں عرصۂ دراز سے دوست ہیں ۔ احترام و اکرام کے ساتھ ہماری باہمی محبت جاری ہے ۔ ان سے ابتدائی ملاقات شاید ۱۹۵۴ء میں ہوئی تھی کہ جب ان کے والد بزرگ علیل تھے اور میں ان کا معالج تھا ۔

میں نے آج مضامین کے فائلوں کا جائزہ لیا اور ہمدرد صحت کے لیے مضامین تیار کرنے شروع کردیے ہیں ۔ اب سنہ ۱۹۸۰ء کا ہمدرد صحت ، جس کا پلان میں نے کل تیار کیا تھا اس کے پیش نظر کام شروع کردیا ہے ۔ تلاش مضامین میں میرے لکھے ہوئے ''حدیث زندگی،، کے عنوان سے ۱۵ - ۲۰ مضامین برآمد ہوئے ۔ البتہ یہ بالکل یاد نہیں آتا کہ میں نے یہ کب لکھے تھے

اور کس کے لیے لکھے تھے ۔

بہر حال اب یہ قیمتی مضامین دہ روزہ '' ہمدرد ،، کے کام آئیں گے جو میں جاری کرنا چاہتا ہوں ۔

۸ ۔ اگست ۱۹۷۹ء، بدھ، کراچی

صبح ۳ بجے سے انتہائے سحر تک مصروف عبادت رہا ۔ یہ بڑے سکون کی عبادت ہے ۔ سحری میں آج آڑو میسر آئے ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔ اس سال کے موسم میں آڑو پہلی بار کھائے ہیں ۔ گزستہ جمعرات یا جمعہ کو، ہاں یاد آیا جمعہ کو، ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب کے ہاں افطار کے لیے گیا تھا ۔ افطار میں آڑو آئے ۔ میرا دل چاہا کہ میں ایک آڑو ضرور نوش جاں کروں ۔ مگر میں نے اجتناب کیا، اس لیے کہ نفس نے زبردست خواہش ظاہر کی تھی ۔ میں نے نفس کو مار دیا ۔

خواہش کے بارے میں قرآن مجید نے بڑی رہنمائی کی ہے اور واضح طور پر بتا دیا ہے کہ '' اپنی خواہش ،، کے تابع نہ رہو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے ۔ سرور کائنات فخر موجودات صلعم نے فرمایا ہے، '' تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات مری بتائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائیں ،، ۔ واقعہ یہ ہے کہ خواہشات کو دبانے، مشکلات کو دور کرنے اور تکالیف کو برداشت کرنے سے کردار اعلا، مضبوط اور پاکیزہ ہوتا ہے ۔ اور جو انسان صرف خواہش کے سہارے زندہ رہے وہ جلد ہی بھوکا مرجائے گا ۔

نفس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں ۔ مثلاً نفس امارہ،

نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ ۔ اور بعض ماہرین کے نزدیک نفس ناطقہ ، نفس بہیمی ، نفس ملہمہ اور نفس وایسن بھی اسی زمرے میں آسکتے ہیں ۔ میرے نزدیک ایک اور بھی نفس ہوتا ہے جسے نفس غذائیہ کہا جاسکتا ہے جو انسان کو کھانے پینے کی چیزوں کی طرف رغبت دلاتا یا ان سے اجتناب کراتا ہے ۔ شاید اسی نفس کے بارے میں ماہرین نے کہا ہے کہ انسان اس کے مطالبوں سے زیر ہوجاتے ہیں اس کا نفس موٹا ہوجاتا ہے اور جسم بھی موٹا ہونے لگتا ہے ۔ موٹاپا بیماریوں کا گھر ہے ۔

ساڑھے پانچ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک میں سرکاری فائلوں پر کام کرتا رہا ۔ حالات نازک ہیں ۔ شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ میں بحیثیت مشیر صدر مملکت برائے طب زیادہ عرصے کام کرتا رہوں ۔ میرے مزاج اور طب کے خلاف کام ہورہے ہیں ۔ بعض غلط لوگوں سے واسطہ پڑا ہے ۔ اب ان کی زیادتیوں کی انتہا ہوچکی ہے ۔ اوسٹریلیا طبی کانفرنس میں یہ لوگ پاکستانی وفد کی سرکردگی کو غیر موثر بلکہ ناممکن بنانے پر تلے ہوئے ہیں ۔

قاہرہ کے فادر اناوابی شب گزشتہ آگئے ہیں ۔ میں آج شام ان سے ملاقات کے لیے کسھنڈرل گیا ۔ خانم ڈی سلوا ساتھ تھیں ۔ ان سے ایک گھنٹہ تبادلۂ خیال رہا ۔ ان کا پروگرام اس انداز سے بن گیا ہے کہ وہ اب تین شام ہمدرد لیکچرر ابن سینا پر ۱۴/۱۵/۱۶ اگست ہی کو دے سکتے ہیں ۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ کام کر گزرنا چاہیے اور پروگرام تیار کرلیا ہے ۔ بس کمی یہ ہے کہ میں ان دنوں یہاں نہیں ہوں گا ۔ مجھے ۱۴ اگست کو صدر مملکت نے یاد فرمایا ہے ، ۱۵ کو ان سے پھر ملاقات ہے ۔ ۱۶ کا علم نہیں ہے کیا ہوگا ۔ تاہم مجھے اطمینان ہے کہ میری غیر موجودگی میں میری سکریٹری خانم ڈی سلوا سب کام بحسن و

خوبی انجام دے لینگی اور پروگرام میں کوئی جھول پیدا نہیں ہوگا۔

آج ہز ایمی ننس کارڈینل جوزف کوڈیرو صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ بڑے اچھے انسان ہیں۔ میں ان کو عرصۂ دراز سے جانتا ہوں اور ملتا رہتا ہوں۔ ان کی سادگی، ان کا حسن اخلاق، ان کی خوش کلامی، ان کی انسانیت، یہ سب ہر ایک کا دل موہ لیتی ہیں۔ وہ کراچی میں پیدا ہوئے اور اپنی مسلسل محنت اور اپنی پیہم خدمت کی وجہ سے سارے منازل طے کرتے ہوئے کارڈینل کے منصب پر فائز ہیں کہ جو بڑی عظمت کا نشان ہے۔ اب ان کا براہ راست واسطہ ویٹکان سے ہے۔ انہوں نے میری درخواست منظور کرلی ہے، ۱۶ اگست ۱۹۷۹ء کو فادر اناواتی صاحب کے لکچر میں کارڈینل صاحب صدارت فرمائیں گے۔

۹۔ اگست ۱۹۷۹ء، جمعرات، کراچی

صبح ساڑھے تین بجے سے انتہائے سحر تک مصروف عبادت رہا۔ نماز فجر کے بعد میں نے اپنی میز پر آکر کام شروع کردیا اور ساڑھے آٹھ بجے تک مصروف رہا۔ سلسلۂ باد و باراں آج بھی جاری ہے۔ جل تھل ہوگئے ہیں۔ کراچی شہر کے لیے یہ بارش بڑی تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ شہری زندگی معطل ہوکر رہ گئی ہے۔

میں ۹ بجے دفتر ہمدرد آگیا۔ یہاں ڈیڑھ دو بجے تک مصروف رہا۔ فادر اناوانی صاحب کے تین "شام ہمدرد لکچرز" کے دعوت نامے آج تیار ہوگئے ہیں اور آج ہی ان کی تقسیم کا

انتظام کردیا گیا ہے۔ یہ تین لیکچرز ۱۳، ۱۵ اور ۱۶ اگست کو ہوں گے۔ دیکھیے حاضری کی صورت کیا رہتی ہے۔ کراچی میں لوگ خاصے مصروف رہتے ہیں۔ "شارٹ نوٹس" ان کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ ابن سینا پر یہ لیکچرز ایک خالص عالمی کورس ہے جس سے یہاں کم ہی لوگوں کو دل چسپی ہوسکتی ہے۔ فادر اناواتی صاحب نے تین موضوعات چنے ہیں:

۱۔ ابن سینا بہ حیثیت طبیب۔

۲۔ ابن سینا بہ حیثیت فلسفی۔

۳۔ ابن سینا بہ حیثیت صوفی۔

آخرالذکر عنوان خاصا پیچیدہ ہے۔ اس پر تقریر آسان نہیں ہے۔ اس میں داستان ابن سینا آئے گی اور اس کی وجہ سے "صوفی ابن سینا" کو برقرار رکھنا بڑا مشکل ہوجائے گا۔ میں نے فادر کو اشارات دیدیے ہیں۔ پاکستان کے سامعین کا مزاج تنقید کو برداشت کرنے کی کم طاقت رکھتا ہے۔ علمی مباحث میں درحقیقت یہ برداشت پیدا کرنی چاہیے۔ محض جذبات علمی دنیا میں کارآمد نہیں ہوتے۔

۱۰۔ اگست ۱۹۷۹ء، جمعۃ المبارک، کراچی

آج ذرا ذہنی آزادی نصیب ہوئی ہے۔ اگر میں آزاد نہ بھی ہوں تب بھی میں خود کو کام سے آزاد تصور کرتا ہوں۔ ایسی آزادی ہفتے میں ایک بار اعصاب کے سکون کے لیے ضروری ہے۔ صبح میں تین بجے اٹھ گیا تھا۔ نماز تہجد ادا کرکے انتہائے سحر تک تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہا۔ ان دنوں قرآن کے

کئی تراجم سامنے هیں - دو تفسیریں بھی هیں - ان کو دیکھ رها هوں - سحری میں آج خربوزہ ملا - خوب چیز ہے - معدے میں تیزابیت کو کم کرنے میں موثر ہے - مدر بول بھی ہے - میں گزشتہ ۵ - ۶ دن سے رات کھانے کے دوران خربوزہ کھا رہا ہوں - یعنی نوالے میں گوشت ترکاری کے ساتھ خربوزے کا ایک ٹکڑا بھی ہوتا ہے - مجھے اس سے بڑا ھی فائدہ ہوا ہے - تیزابیت معدہ نام کو نہ رہی - ایک تجربہ یہ بھی ہوا کہ کھانے کے دوران یعنی کھانے کے ساتھ خربوزہ کھانے کے اثرات قطعی مختلف ہیں بہ مقابلہ کھانے کے بعد کھانے کے-

نماز فجر ادا کرکے لیٹ گیا - نسیم حجازی کا ایک ناول " اندھیری رات کے مسافر ،، پڑھ رہا ہوں - یہ زوال اسپین کی داستان ہے - غرناطہ کے حالات ہیں - اس دور میں بھی علما نے بڑا عجیب کردار ادا کیا ہے - غرناطہ کے زوال اور سقوط میں علما کا کردار بڑا عجیب رہا ہے - آج پاکستان میں جو حالات ہیں وہ کسی طرح حالات غرناطہ سے مختلف نہیں - مجھے دونوں جگہ علما کے کردار میں حیرت انگیز یکسانیت ملتی ہے - یہ یکسانیت کم تشویش ناک نہیں ہے - آج کے اخبارات میں خبر ہے کہ حکومت ہند جماعت اسلامی کو ممنوع جماعت قرار دینے کا فیصلہ کرنا چاہتی ہے - حکومت ہند کے اس فیصلے کے محرکات واضح طور پر سامنے نہیں آئے ہیں - مگر یہ اندازہ لگا لینا زیادہ مشکل کام نہیں ہے کہ جماعت اسلامی ہندوستان میں ہو یا پاکستان میں اس کا مزاج اور ذہنی افتاد مختلف نہیں ہوسکتی- دینی معاملات میں اس جماعت کی خدمات انتہائی وقیع ہیں - ذہن اسلام کی تعمیر میں اس کا نمایاں حصہ ہے - علمی سطح پر اسلام کے لیے جو جدوجہد اس جماعت کے عظیم قائد سید ابوالا علی مودودی

صاحب بے فرمائی ہے اس کا ثانی بہ مشکل بتایا جاسکتا ہے ۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ اگر جماعت اسلامی اس میدان عمل کو ترک نہ کرتی تو ایک انقلاب اسلامی آ کر رہتا ۔ جماعت کے سیاست میں قدم رکھنے کا فیصلہ خود مولانائے محترم کے رفقا نے پسند نہ کیا اور اختلاف فکر و عمل کی بنا پر جماعت کے نہایت معتدل مزاج رہنما علاحدہ ہوگئے اور وہ آج بھی دینی میدان میں موثر خدمت کر رہے ہیں ۔

سیاست کے میدان میں جماعت اسلامی کا مزاج بڑا دل چسپ رہا ہے ۔ ایک بدیہی مزاجی کیفیت تو یہ ہے کہ یہ جماعت ہر حکمران کے خلاف ہوجاتی ہے ۔ ایوب خاں کے خلاف محاذ آرائی اس انداز سے ہوئی کہ ایوب خاں جیسا منکسرالمزاج اور معتدل المزاج شخص حکومت سے نکال دیا گیا اور جماعت نے اس جیسے انسان کے مقابلے میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا ساتھ دیا جن کا کردار کوئی راز نہ تھا ۔ بھٹو صاحب کو برسراقتدار لانے میں جماعت کی طاقت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ حال آں کہ انھی بھٹو صاحب نے انتخابات میں جماعت اسلامی کو عبرت ناک شکست دی اور پارلیمان میں چار سے زیادہ نمائندے اس جماعت کے نہ آسکے ۔ اس صورت حال نے پاکستان میں اسلام کے مقام کو زبردست زک پہنچائی اور خود جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ سیاست میں ان کا تجربہ بہ منزلۂ صفر ہے اور اس جماعت کی شکست نے پاکستانی عوام کو اسلام سے دور کردیا ۔

جس جماعت نے ایوب خاں کو ناکام بنانے کا کردار ادا کیا تھا اور ان کے مقابلے میں ایک معروف کردار خاص کے حامل بھٹو صاحب کی مدد کی تھی *انتخابات میں شکست کے بعد اس جماعت*

نے اپنا مخصوص کردار ادا کیا اور بالآخر وہ بھٹو صاحب کے خلاف صف آرا ہوئی ۔ یہ کہنا زیادہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ بھٹو صاحب کو اس جماعت نے اقتدار سے الگ کرایا ۔ در حقیقت بھٹو صاحب کے کردار نے ان کو شکست دی ہے ۔ بارے چشم فلک نے یہ دیکھا کہ جماعت اسلامی نئی حکومت حق میں داخل ہوئی ۔ اقتدار حاصل کرنے کا یہ پہلا موقع تھا ۔ مگر اقتدار میں رہ کر اس کی ناکامیوں کا اعتراف خود اس کے اپنے رہنماؤں کو بھی ہے ۔ حکومت حق سے ۹ ماہ بعد جب جماعت باہر آئی تو حسب مزاج و عادت ضیاء الحق صاحب کے خلاف بھی محاذ آرائی کی ۔

در حقیقت سیاست کے میدان میں جماعت نے بڑے دھوکے کھائے ہیں اور بڑی ذلتیں اٹھائی ہیں ۔ اس صورت حال نے اس جماعت کے انتہائی مخلص اور دیانت دار کارکنوں کو سیاست کی گندگیوں کے آغوش میں ڈال دیا ہے اور اس جماعت کے کردار میں اور پیپلز پارٹی کے کردار میں بہ ظاہر کوئی فرق مجھے نہیں دکھائی دیتا !

آج کے ایک اخبار نے جام صادق علی کا انٹرویو نیک صفحے میں رنگین شائع کیا ہے ۔ میں اس کو دیکھ کر بڑا ہی حیران ہوا ہوں ۔ پاکستان میں صحافت بے راہ رو تو خیر ہے ہی مگر اس کے علاوہ بھی کچھ ہے جسے دائرۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا ۔ آزادیِ صحافت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر بری چیز کو اچھا کہا جائے ۔ جام صادق علی کے کردار و مزاج کو کون پاکستانی نہیں جانتا ؟ مگر اخبار نے جام کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے وہ بڑے معصوم اور بے گناہ انسان ہیں ۔ میری رائے میں اخبار نے یہ اچھا نہیں کیا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ صحافت اور صنعت و تجارت میں فرق کرنا ضروری ہے ۔

میں ۸ بجے تک بستر میں دراز مطالعہ کرتا رہا - پھر اٹھ کر غسل کیا اور تیار ہوکر اپنی میز پر آگیا - جو فائل کاپی دنوں سے زیر غور رکھے تھے ان کا مطالعہ کیا اور تمام فیصلے آج کردیے - میں صبح ۸ بجے سے شام کے ۷ بجے تک گیارہ گھنٹے آج اس مطالعہ میں صرف ہوئے -

میں نے ماهنامہ " یونیسکو کورئیر " سنہ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء کے لیے آج غور و فکر کیا - مجھے ان دو سالوں کے لیے اس ماهنامے کی پلاننگ میں حصہ لینا ہے - ۱۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو پیرس میں یہ کام کرنا ہے - میں نے ۳۰ اہل علم کو مشورہ کے لیے خطوط لکھے تھے - تین کے جواب مکمل ، دو کے جواب نا مکمل (وعدہ) آئے ہیں - باقی ۲۵ نے کوئی توجہ نہیں کی ہے - ہمارے ہاں فکری توفیق برسر عمل کم ہی آتی ہے - اگر مجھے اہل علم سے اچھے مشورے مل جاتے تو وہ کم از کم دو سال ایک ایسے ماهنامے پر اثر انداز ہوتے کہ جو ۲۰ زبانوں میں ماهانہ چھپتا ہے - خیر میں نے ہی اپنی فکری صلاحیتوں سے کام لینا سروع کردیا ہے -

آج میں نے کنگرس عالمی تاریخ و فلسفۂ سائنس اور سمپوزیم بایولوجی اینڈ جینیٹکس کے بارے میں تمام خطوط کے مسودات تیار کردیے ہیں - یہ خطوط مختلف لوگوں کو جارہے ہیں -

آج کے تمام دن کے غور و فکر نے تحریرات کا ڈھیر لگا دیا ہے - ڈاک میں کوئی ۶۰ - ۶۵ ہدایات مختلف شعبہ ہائے ہمدرد کو جا رہی ہیں -

۱۱ - اگست ۱۹۷۹ء، هفته، کراچی

۱۵ ویں صدی هجری کا استقبال

آج ۱۷ رمضان المبارک هے، ۱۳۹۹ هجری - اگلا سال ۱۴ ویں صدی هجری کا سال آخر هوگا، اور پھر عالم اسلام ۱۵ ویں صدی هجری میں داخل هوجائے گا - معمولات اور عبادات سے فراغت پا کر جا نماز هی پر بیٹھا سوچتا رها که نئی صدی میں داخل هونے کی هم نے هنوز کوئی تیاری نهیں کی هے - ۱۹۷۴ء میں که جب پاکستان کے شهر لاهور میں اسلامی سربراهی کانفرنس منعقد هوئی تھی اس وقت میں نے اس تحریک کا آغاز کیا تھا که عالم اسلام کو ۱۵ ویں صدی میں داخل هونے کے لیے آج سے تیاریاں شروع کرنی چاهئیں - یه بات آج سے چھے سال پهلے کی هے - اس سلسلے میں میں نے بے چین هو هو کر ممالک اسلامیه کے وزرائے خارجه سے اپیلیں کیں - ان کو نراکت تحریک سے آگاه کیا - پانچ سال بعد وه بیدار هوئے اور انهوں نے مىری بات کو مانا - پھر ان کے بعد اورگنائزیشن اوف دی اسلامک کانفرنس، جده اس تحریک کو جامۂ عمل پهنانے کا مرکز بنی - وهاں بڑا زوردار ایک اجتماع عالم اسلام بھی هوا - پاکستان سے ایک وفد گیا جس کا رکن میں نه تھا - مگر میں به حیثیت مبصر کانفرنس اس اجتماع مىں شریک تھا - پاکستان کا یه بڑا عجیب مزاج هے که یهاں مردم کشی دھڑلے سے کی جاتی هے - اور اس حرکت ناشائسته پر کسی کو رنج هوتا هے نه شرم آتی هے - کردار کشی کو اس ملت اسلامیه نے اپنا کردار بنالیا هے - پاکستان میں نیشنل هجری کمیٹی بنی، اس میں میری آواز طوطی کی ! اس موضوع پر ایک وفد تشکیل دیا گیا، میں اس سے خارج - مکۃ المکرمه میں عالمی

اجتماع مس پاکستانی وفد کو یہ کہنے کی جراب نہیں ہوئی کہ اس نحرِیک کا محرک بھی اس اجتماع مس موجود ہے، جس نے ابتداء پوری منصوبہ بندی بھی کرکے دی ہے۔ یہ سارا منصوبہ کتابی سکل مس عربی اور انگریزی زبان مس موجود ہے۔ مگر ہوا یہ کہ مکہ المکرمہ کی یہ عالمی مشاورتی میٹنگ وعدوں پر ختم ہوئی اور آج تین سال کے بعد بھی عالم اسلام نے ۱۵ ویں صدی ہجری مس داخل ہونے کے لیے عملاً کوئی تیاری نہیں کی ہے! اب تک جو بھی پروگرام سامنے آئے ہیں ان میں کسی ایک ملک نے جائزۂ ماضی کی ضرورت نہیں سمجھی ہے حال آں کہ اس تحریک کی روح جائزۂ ماضی ہے، اور میں نے سارا زور اس پر صرف کیا۔ جائزۂ ماضی کے بغیر آخر کیسے اچھائیاں اور برائیاں سامنے آئیں گی اور کیسے ۱۵ ویں صدی ہجری کے لیے منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے۔ میں نے تو یہ بھی تجویز کیا تھا کہ ہر اسلامی ملک اپنے ملک کا جائزۂ ماضی لے اور ۱۵ ویں صدی کے لیے ایک منصوبۂ عمل تیار کرے۔ اور یہ کہ سارا عالم اسلام من حیث المجموع جائزۂ ماضی لےکر اس کی روشنی میں ۱۵ ویں صدی کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کرے اور اس عزم کے ساتھ ۱۵ ویں صدی مس داخل ہو کہ اب عالم اسلام ایک بار پھر قرآن کی روشنی میں اور رسول آخرالزماں صلعم کی ہدایت مس ساری دنیا میں انقلاب اسلامی بپا کرنے کی جدوجہد کرے۔ میں مایوس ہوچکا ہوں۔ اب وقت کے وقت سارا ہنگامہ ہوگا۔ بس بے روح تقریبات ہوں گی اور ختم۔

اس حقیقت سے انکار کی کسی کو مجال نہیں کہ اس کا محرک میں ہوں کہ ۱۵ ویں صدی ہجری کے آغاز کو ایک تقریب علمی کی سکل دی جائے اور ایک انقلاب اسلامی برپا کرنے کا عزم کیا جائے۔ یہ تحریک جس نے ہمدرد میں جنم لیا

آج سارے عالم کی تحریک بن گئی ہے ۔ اس کا ثواب تو مجھے مل کر ہی رہے گا ۔ میرے ہم وطن مجھے اس کا صلہ نہیں دیں گے کہ ان کا مزاج مردم کشی اور کردار کشی ہے ۔ مگر بالآخر اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے گا ۔

قومی اتحاد

آج کے اخبارات کی شہ سرخیاں یہ ہیں کہ قومی اتحاد بلدیاتی انتخابات میں حصہ نہیں لے گا ۔ اور یہ کہ وہ بلدیاتی انتخابات کے خلاف ہے اور ملک میں عام انتخابات کو اولیت و اہمیت دیتا ہے ۔ میں نے اتحاد کے صدر گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے اس پرجوش بیان کو ملے جلے جذبات کے ساتھ پڑھا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اب یہ قومی اتحاد ہے کہاں ؟ یہ قومی اتحاد جس دن معرض وجود میں آیا تھا اس کی بارہ پارگی کی پیش گوئی کردی گئی تھی ۔ وقت کا ریلا اس کو آگے بڑھا کر لے گیا ، مگر شکستِ حکومتِ عوامی کے بعد پیش گوئی صحیح ثابت ہوکر رہی ۔ یہ ایک انتہائی الم ناک سانحہ ہے اور اس کا پس خیمہ ہے کہ پاکستان میں " اتحاد بین المسلمین " کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا اور مسلمانوں کا یہاں باہمی نزاع حالات کی درستی میں کوئی مدد نہیں کرے گا ۔ مجھے اس نام نہاد اتحاد کے رہنماؤں سے ذاتی گفت گو کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ ان کو یہ یقین کامل ہے کہ پاکستان میں عسکری ہیئت حاکمہ بلدیاتی انتخابات نہیں کراسکے گی ۔ میں نے ان کو بتا دیا ہے کہ ان کا یہ اندازہ انتہائی غلط ہے ۔ بلدیاتی انتخابات ہوکر رہیں گے اور یہ انتخابات بالآخر عسکری نظام کو استحکام بخشیں گے اور منزل جمہوریت اور دور ہوتی جائے گی ۔ میں نے ایک بزرگ

سے کہا کہ خود آپ کی جماعت میں نظام شوریٰ ہے، مگر آپ ملکی سطح پر مجلس شوریٰ ملی کے حق میں آخر کیوں نہیں ہیں! وہ بے چارے کیا جواب دیتے۔

۱۲ - اگست ۱۹۷۹ء، اتوار، کراچی

فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون۔
وله الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا
و حین تظهرون۔ یخرج الحی من المیت
و یخرج المیت من الحی و یحی الارض
بعد موتها، وکذلك تخرجون۔

الروم : ۱۷ تا ۱۹

[جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو، اور آسمان و زمین میں وہی اللہ تعریف کے قابل ہے۔ اور پھر تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو (اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو)۔ وہی زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور وہی مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو مرے پیچھے زندہ و شاداب کرتا ہے اور اسی طرح تم (لوگ مرے پیچھے زمین سے) نکالے جاؤ گے۔]

حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح اس آیت کو پڑھتا ہے اس کی رات بھر کی چھوٹی ہوئی نیکیوں کا اسے ثواب مل جاتا ہے۔ اور

جو شام کے وقت پڑھتا ہے اس کو دن بھر کی چھوٹی ہوئی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کو صبح و شام پڑھوں۔ مجھے اس سے قلبی اطمینان ہوتا ہے۔ صبح آج حسب معمول عبادات و معمولات سے فراغت پا کر میں مطب ہمدرد پہنچ گیا اور سہ پہر تک مریضوں کی خدمت میں مصروف رہا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

دنیا کا معمر ترین انسان

آج اخبار "جنگ" نے صفحۂ اول پر دنیا کے معمر ترین شخص حاجی غلام محمد صاحب کی تصویر چھاپی ہے اور ان کے حالات درج کیے ہیں۔ اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ لاتعداد حج کرنے والے غلام محمد صاحب کی عمر ۲۶۶ سال ہے۔ ان کی صحت اچھی ہے۔ دانت ایک بار پھر نکل رہے ہیں، بال کالے ہو رہے ہیں۔ چست ہیں اور مستعد ہیں۔ اشتیاق پیدا ہوا ہے کہ حاجی صاحب سے میں بھی ملاقات کروں۔ میں نے ادارۂ ہمدرد کو مشورہ دیا ہے کہ ہمدرد صحت کے لیے ان سے ایک انٹرویو لے لیا جائے۔ در حقیقت حاجی غلام محمد سائنسی اور طبی تحقیق کے لیے ایک نہایت اہم موضوع ہیں۔ آخر ان کے نظام جسمانی میں کیا انقلاب بپا ہوا ہے کہ تجدید اور اعادۂ شباب ہو رہا ہے؟ حیاتیات و جینیات کا یہ ایک نہایت اہم موضوع ہوسکتے ہیں۔ اب تک صورت حال یہ ہے کہ زیادہ عمریں روس کے ان علاقوں میں ہیں جن کا تعلق سنٹرل ایشیا سے ہے۔ پاکستان کا علاقہ ہنزا بہرصورت سنٹرل ایشیا کا ایک حصہ ہے اور اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ صحت مند علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ حاجی غلام محمد اس علاقے سے کب خارج ہیں! ہنزا کا علاقہ دنیا کا صحت مند ترین حصہ

زمین اس لیے ہے کہ ہنوز تہذیب جدید نے یہاں قدم نہیں رکھا ہے ۔ ہنزا کے لوگ انتہائی طور پر آغوش فطرت میں ہیں ۔ جدید دواؤں سے وہ نا واقف ہیں اور مقامی جڑی بوٹیوں سے اپنا علاج کرلیتے ہیں ۔ قدرتی غذائیں کھاتے ہیں ، چشموں کا صاف شفاف پانی پیتے ہیں اور تازہ ہوا اور سورج کی شعاعوں میں شب روز گزارتے ہیں ۔

جب تک وہ بلا دخل در معقولات آغوش فطرت میں رہیں گے ، ہنزا دنیا کا صحت مند ترین علاقہ رہے گا ۔ مگر عوامی دور حکومت میں ریاست ہنزا کو صوبہ شمالی میں شریک کرنے کا فیصلہ ہوا ۔ اس ادغام کے خلاف میں نے آواز بلند کی تھی اور مشورہ دیا تھا کہ اچھا ہے کہ ہنزا کو " ڈسٹرب " نہ کیا جائے۔ نہ صرف پاکستان اس علاقے کی صحت مندی کا احترام کرے بلکہ دنیا کی ہر مملکت اس کا لحاظ کرے ، خواہ وہ ہنزا کے قریب ہی ہو ۔ میں سیاسی حالات کی نزاکت کو جانتا ہوں ۔ ریاست ہنزا ایک بڑی طاقت سے متاثر ہوسکتی ہے اور اگر کوئی لکیر نقشہ وسطی ایشیا پر کھینچ دی جائے اور ریاست ادھر سے ادھر ہوجائے تو پاکستان کے لیے اس کا دفاع ممکن نہیں ہے ۔ مگر ایسا اسی وقت ہوگا کہ احترام کو نظر انداز کیا جائے۔ مگر لوگ جانتے ہیں کہ آزادیاں سلب کرلینا بڑوں کا ہنر شمار ہوتا ہے ۔

سائنسی اور طبی مسئلہ یہ ہے کہ سنٹرل ایشیا میں آخر کیا خاص بات ہے کہ اس علاقے میں زیادہ عمر کے لوگ پائے جاتے ہیں ۔ اس طرح حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔

۱۳ - اگست ۱۹۷۹ء ، پیر ، کراچی

ایک دولت مند شخص یونان کے ایک حکیم کے پاس پہنچا ، اور اس سے درخواست کی کہ آپ میرے بچے کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت اپنے ذمے لے لیجیے -

حکیم نے کہا : معاوضہ کیا دو گے ؟

امیر نے کہا : فرمائیے کیا لیں گے آپ ؟

حکیم : پانچ سو نقرئی سکے -

یہ سن کر امیر کی تیوریاں چڑھ گئیں - اس نے کہا ، " اس سے کم رقم میں تو میں ایک غلام خرید سکتا ہوں " - حکیم نے اس مہمل بات کے جواب میں کہا :

ضرور خرید لو بھئی - آپ کے پاس دو غلام ہو جائیں گے - ایک نیا غلام اور دوسرے یہ خود صاحبزادے ، کیونکہ جاہل امیر بھی جہالت کا غلام ہی ہوتا ہے - اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے :

امام ابو حنیفہ رح کے صاحبزادے حماد نے سورۂ فاتحہ ختم کرلی تو امام رح نے معلم کو ایک ہزار درہم عطا فرمائے - معلم نے امام رح سے کہا : میں نے کون سا ایسا بڑا کام کیا ہے کہ اتنی بڑی رقم آپ نے عطا فرما دی ؟

امام ابو حنیفہ رح نے معلم کو جواب دیا :

" ہم نے میرے بچے کو جو کچھ سکھایا ہے اسے حقیر مت سمجھو ، اللہ کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو میں بلا تامل آپ کو وہ بھی دے ڈالتا " -

حضرت رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے کہ

ایک عالم شخص شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر

ہے ، اور عالم کو عابد پر ایسی فضلیت ہے جیسے
چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر ، کیونکہ
عالم وارث انبیا ہیں ، اور انبیا کی میراث نہ دنیا تھی
نہ درھم ، بلکہ ان کی میراث علم تھی - بس جس نے
علم حاصل کیا اس نے بہت حصہ حاصل کیا -

مخبر صادق صلعم کا ایک فرمان ہے :

دنیا میں تمہارے تین باپ ہیں : ایک وہ کہ جو
تمہاری پیدائش کا سبب ہے - دوسرا وہ کہ جس نے
اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دی - تیسرا وہ کہ جس
سے تم نے دولت علم حاصل کی - اور ان میں بہترین
باپ تمہارا استاد ہے !

آج کے روزنامچے میں یہ چند باتیں بے اختیار قلم سے نہیں نکلی ہیں بلکہ جامعۂ کراچی کے طلبہ و طالبات نے اپنے استاد ، وائس چانسلر ڈاکٹر احسان رشید صاحب کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اس سے میں بے حد غم زدہ و رنجور ہوں - ایک طرف علم کا یہ مقام اور استاد کا یہ مرتبۂ عز و شرف اور دوسری طرف جامعۂ کراچی میں طلبہ نے شیخ الجامعہ کو جامعہ بدر کردیا ہے !

ڈاکٹر احسان رشید صاحب نے جامعۂ کراچی کے لیے بڑی اچھی خدمات سر انجام دی ہیں - اس کو بھول جانا احسان فراموشی ہے - پھر وہ جامعۂ کراچی کے ایک موقر استاد ہیں - علم و فضل ان کا مسلم ہے - اور اب تو وہ استاذالاساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں - مگر طالب علموں نے ان کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا ہے وہ انتہائی افسوس ناک ہے -

درحقیقت اس سنگین مسئلے کی بنیادیں اس نظام تعلیم میں

تلاش کرنی ضروری ھیں کہ جو پاکستان میں گزشتہ ۳۱ - ۳۲ سال سے رائج ھے اور جو قطعی طور پر پاکستان کے نظریۂ حیات ملی سے متضاد اور اقدار اسلام سے متغائر ھے ، اور کوئی حکومت ایسی نہیں آئی کہ جس نے اس صورت حال کا حقیقت پسندانہ اور ایمان دارانہ جائزہ لیا ھو - ھمارا بالکل یہی حال صحت کے باب میں بھی ھے کہ ھمارا ھر منصوبۂ صحت فکر غیر کی بنیادوں پر بنایا گیا ھے اور اپنے مخصوص حالات و اقتضا کا ان مںں کبھی کوئی خیال نہیں رکھا گیا ھے - نتیجہ یہ ھے کہ پاکستان مںں ھر طالب علم اور خود ملت فکری اور جسمانی اعتبار سے علالت کے چنگل میں ھے اور بہ ظاھر اس گرفت سے نکل آنے کی کوئی صورت نہیں ھے -

ذھنی اور فکری علالت کا اس سے زیادہ سنگین اور اندوھناک مظہر اور کیا ھوسکتا ھے کہ طالب علم نے استاد کا احترام قطعاً چھوڑ دیا ھے !

یہ قیامت صغریٰ ھے !

۱۴ - اگست ۱۹۷۹ء ، منگل ، راولپنڈی

قصر صدر

امیرالمومنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کرایا - خلیفہ نے فرمایا کہ کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے کہ ناظرین یا تو دوست ھوں گے یا دشمن - اگر دوست ھیں تو خوش ھوں گے ، اور ھمیں دوستوں کی خوشی مطلوب ھے - اور اگر دشمن ھیں تو وہ رنج اٹھائیں گے اور دل گرفتہ ھوں گے

اور ہر شخص کی مراد یہی ہوا کرتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے ۔ نیز شاید کہ وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں اور اس سے خلل کا تدارک کیا جائے اور آفت کو دور کیا جاسکے ۔

ایک فقیر بھی محل دیکھنے آیا ۔ اس نے کہا کہ اس محل میں دو نقص ہیں :

ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے ۔

دوسرے یہ کہ یہ محل بھی ہمیشہ نہ رہے گا ۔

خلیفہ اس کلام سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے وہ محل غربا و فقرا کے لیے وقف کردیا ۔

میں آج اسلام آباد سے گزرا ۔ دیکھا کہ قصر صدر پر بڑی آب و تاب ہے ۔ خیال تھا کہ آج یوم آزادی کی تقریبات یہاں ہی ہوں گی ۔ مگر ایسا نہ ہوسکا ۔ اس قصر کی تعمیر جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے شروع کرائی تھی ۔ انہیں زعم تھا کہ پاکستان پر کم از کم بیس سال حکومت کریں گے ۔ مگر ایسا نہ ہوسکا ۔ ان کی حکومت بھی گئی ، اور وہ اس قصر صدر میں رہنے کے لیے زندہ بھی نہ رہ سکے ۔ اب یہ قصر صدر تعمیر تو ہو ہی رہا ہے ۔ اس پر کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے ۔ بڑے سازو سامان ہو رہے ہیں ۔ بڑے ٹھاٹ باٹ ہیں اس کے ۔

اندازہ یہی ہے کہ جب یہ مکمل ہوجائے گا تو پاکستان کی شاید یہ سب سے خوب صورت عمارت ہوگی ۔ میں اپنے سرکاری دفتر (بلاک ڈی ، کمرہ نمبر ۳۰۲) سے روزانہ ہی قصر صدر کو دیکھتا ہوں ۔ اور میں ہمیشہ یہ سوچا کرتا ہوں کہ ہماری توجہات اور ہماری دل چسپیوں کو آخر یہ زوال کیوں آیا ہے کہ ہم یہ غور نہیں کرتے اور یہ نہیں سوچ سکتے کہ ہم اپنی

تعلیم گاهیں ایسی رفیع الشان بنائیں اور اپنی درس گاهیں ایسی پرسکون تعمیر کریں ! آخر یه زوال فکر کیوں ہے کہ ہم اپنے مکانات ذاتی اور محلات سرکاری پر تمام تر توجہات اور اثاثے صرف کرکے ان کی آن بان اور ان کی شان میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں اور تعلیم وغیرہ کی عمارات پر پھٹکار برس رہی ہے۔ میرا ذہن ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ ایسی پرسکوہ عمارت کو صدر مملکت کی رہنے کی جگہ بنایا جائے ، اور میرے قلب و ضمیر کا مطالبہ یه ہے کہ اس عمارت کو اب " بیت الحکمت " کا نام دیا جائے اور اس کو مرکز علم و عالم بنا دیا جائے ۔ پاکستان میں علم و عالم ہمیشہ رہیں گے ۔

یوم استقلال پاکستان

آج کے اخبارات نے ۱۴ اگست کو یوم آزادی قرار دیتے ہوئے دھوم دھڑکے سے خصوصی نمبر شائع کیے ہیں ۔ تقریبات بھی آج اعلا سطح پر ہو رہی ہیں ۔ میں نے کسی میں حصه نہیں لیا ہے ۔ میں عقلاً اور ذہناً ۱۴ اگست کو یوم استقلال پاکستان تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں ۔ پاکستان جس دن عالم وجود میں آیا تھا ، یه مملکت اسلامیه پاکستانیه جس دن منصهٔ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی اس دن ۲۷ رمضان المبارک تھی ! یوم نزول القرآن تھا !

میں گزشته ۱۱ - ۱۲ سال سے پورے تسلسل کے ساتھ مطالبه کر رہا ہوں که ہم اپنی بدبختیوں کو دور کرنے کا سامان کریں ، ۱۴ اگست کو فراموش کریں اور ۲۷ رمضان المبارک ، یوم نزول القرآن کو یوم استقلال پاکستان قرار دیں ۔ مگر کوئی حکومت نہیں سنتی ۔ حتیٰ که موجودہ حکومت نے بھی میری

درخواست کو نظر انداز کردیا ۔ عالی مرتبت صدر مملکت پاکستان کی خواہش ہے کہ وہ ۲۷ رمضان المبارک کو یوم استقلال پاکستان قرار دیں ، مگر اس راز پر سے پردہ نہیں اٹھتا کہ ان کو سارے کے سارے اختیارات حاصل ہونے کے باوجود اس فیصلے سے کس چیز نے باز رکھا ہے ۔

میں آج حد درجہ ملول ہوں!

۱۵۔ اگست ۱۹۷۹ء ، بدھ ، راولپنڈی

سفیر سوئٹزر لینڈ کے ساتھ

پاکستان میں سوئٹزر لینڈ کے سفیر کم دل چسپ انسان نہیں ہیں ۔ آج انہوں نے ڈنر پر یاد کیا تھا ۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میرے عزیز دوست جناب مسرت حسین زبیری صاحب میرے ساتھ ہوں گے ۔ میں زبیری صاحب کو ساتھ لے کر سفیر صاحب کے گھر پہنچ گیا ۔ بڑے تپاک سے ملے ۔ میں نے زبیری صاحب کا تعارف کروایا کہ عرصہ دراز تک حکومت پاکستان میں سکریٹری رہے ہیں ۔ عہد منقسم ہند میں بھی ایڈیشنل سکریٹری بھی اور آخری دنوں میں وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ بھی کام کیا ۔ بعد میں آر۔ سی ۔ ڈی کے سربراہ رہے اور تہران میں مقیم رہے ، وغیرہ ۔ اتنے میں مشیر صدر مملکت جناب محمود علی صاحب بھی آگئے ۔ پتہ چلا کہ وہ تو سامنے ہی رہتے ہیں ۔

میں تو آج بھوکا بھی تھا ، پیاسا بھی ۔ سوئس آب فوا کہات افطار کے وقت آب حیات سے کم نہ تھا ۔ مگر میں بلا نوشی کا مظاہرہ بھی نہیں کرسکتا تھا ۔ پھر بھی سب سے زیادہ میں نے

ھی اپنے جسم کو اس سے سیراب کیا ۔ واقعی اس معاملے میں سوئس تکنالوجی خوب ھے ۔ سنگتروں کا اس قدر شیریں و خوش ذائقہ جوس میں نے کم ھی پیا ھے ۔ عرصے سے کوشاں ھوں کہ کوئی اس قسم کا فارمولا مل جائے اور میں پاکستان میں آب کینو اور آبِ مالٹا محفوظ کرسکوں اور پھر یہ برآمد ھو نہ کہ تازہ کینو اور مالٹا ۔ مگر اب تک سوئس ”نو ھاؤ،، نہیں مل سکی ھے ۔

یہ سفیر صاحب چھڑے ھیں ۔ ان کی اھلیہ ان کے ساتھ نہیں ھیں یا شاید غیر شادی شدہ ھوں ۔ مگر کھانا بہ ھر اعتبار سوئس تھا ، حال آں کہ ان کا باورچی پاکستانی ھے ۔ ایسا لگتا ھے کہ خود وہ کھانا پکانا جانتے ھیں اور باورچی کو انھوں نے شاید بتا دیا ھے ۔ بہ حیثیت مجموعی کھانا بہت مزے دار تھا اور خوب تھا ۔ بڑا ھی ھلکا ۔

۱۶ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، اسلام آباد

اسلام آباد میں آج چوتھا دن ھے ۔ صبح جب میں اپنے معمولات یاد الٰہی سے فراغت پاکر تیاری کرنے لگا تو محسوس ھوا کہ درد شکم ھے ۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ! صبح تین بجے میں نے آب تازہ کے چار گلاس نوش جان کرکے روزہ کی نیت کرلی تھی ۔ اس وقت یہ ذرا یاد نہ آیا کہ پیٹ خالی ھے ، بھانجے ستار آئے تھے ۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے اپنا کام کرلیا ھے ! یعنی اونٹ نے پانی اپنے خانہ ھائے شکم میں بھر لیا ھے ! غسل کے وقت درد شکم ھوا تو خیال آیا کہ شب گزشتہ کو نیم فاقہ ھی رھا تھا ۔ سوئزر لینڈ کا کھانا تھا ، نرم و نازک ، معدے

نے اسے پیسر، کر ڈال دیا ۔ گھر میں بہت کچھ تھا ۔ رات میں نے تکلف سے کام لیا ۔ صبح خیال ہی نہ آیا ! اب معدہ خالی ہے بڑی بھوک ہے اور تمام دن آگے ہے ۔ اللہ مالک ہے !

دو گھنٹے اپنے سرکاری دفتر میں کام کر کے میں دس بجے جامعۂ قائداعظم پہنچ گیا ۔ وائس چانسلر محترمی ڈاکٹر احمد محی الدین صاحب نے استقبال کیا ۔ آج دو قومی عالمی کانگرسوں کے بارے میں تبادلِ خیال تھا ۔ ڈاکٹر این ۔ اے ۔ بلوچ صاحب ، ڈاکٹر احمد حسن دانی صاحب اور ڈاکٹر قاضی صاحب بھی شریک تبادلِ خیال تھے ۔ ۱۲ بجے تک تمام مسائل پر غور و فکر کرلیا ۔ اطمینان ہوگیا ، دعوت ناموں کو سب نے بہت پسند کیا ۔ حیران تھے کہ کیسے یہ کام اس قدر جلد ہوگیا ۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ کام وہ بڑی آسانی سے پورے کرا دیتا ہے ، اشارہ بارگاہ الٰہی سے ہوتا ہے ، وسائل و ذرائع میں پیدا کرتا ہوں ۔ اُس کا کرم ہے کہ مجھے اچھے ساتھی اور کارکن مل گئے ہیں جو میرے منصوبوں کو خاطر خواہ عملی جامہ پہنانے میں تعاون کرتے ہیں ۔

اپنے دفتر واپس آکر سوا دو بجے تک کام کرتا رہا ۔ سب کام میں نے صاف کردیا ہے ۔ اب کوئی فائل باقی نہیں ہے ۔ اوسٹریلیا کا فائل میں نے واپس کردیا ہے ۔ میں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ اوسٹریلیا میں طبی کانفرنس میں پاکستان سے کوئی وفد نہیں جانے دیا جائے ۔ اب اگر یہ نیت ہے تو کوئی بھی کچھ نہیں کرسکے گا اور وفد نہیں جاسکے گا ۔

صدر مملکت کی خدمت میں

تین بجے سے ذرا قبل دولت کدہ' صدر مملکت پر پہنچ
گیا - عالی مرتب نے آج یاد فرمایا تھا - تین بجے ٹھیک ان سے
بادل خیال شروع ہوگیا جو سوا چار بجے تک جاری رہا - میں نے
دو بنیادی کام کرالیے ہیں :

" نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ " اپنی مرضی کے مطابق
منظور کرالی ہے - " نیشنل کاؤنسل فار طب " کے بارے
میں یہ اصول طے کرا لیا ہے کہ اس کی تشکیل بذریعہ
نام زدگی ہوگی -

جناب صدر گرامی قدر مجھے باہر موٹر تک چھوڑنے آئے
اور جب تک میری موٹر روانہ نہ ہوئی وہ وہیں کھڑے رہے -
مجھے آج یاد آیا ، ایک بار (شاید ۱۹٦۴ء میں) پنڈت جواہر لال
نہرو صاحب سے ملاقات کو ان کے دفتر میں نئی دھلی گیا تھا -
وہ بھی باہر تک چھوڑنے آئے تھے - صدر ضیاء الحق صاحب اس
اعتبار سے غیر معمولی انسان ہیں - انہوں نے اپنے صدر ہونے کا
اظہار ایک لمحے کے لیے میرے سامنے نہیں کیا -

صدر ضیاء الحق میں بڑی طاقت برداشت ہے - غیر معمولی
اعصاب ہیں - میں نے ان کو بلند اخلاق پایا ہے - وہ اللہ
سے ڈرتے ہیں - ان سب چیزوں نے ان میں خاکساری کی شان
پیدا کردی ہے - حضرت شیخ سعدی کا ایک قطعہ یاد آیا جس
میں انہوں نے خاکساری کی فضیلت کو ظاہر کیا ہے :

در خاک بلقان رسید عـــابدے
گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ
یا ہرچہ خواندہ ای ہمہ در زیر خاک کن

یعنی : علاقۂ ملتان میں میں ایک عابد کے پاس پہنچا۔
میں نے کہا کہ اپنی تربیت سے مجھے جہالت
سے پاک کر۔ اس نے کہا : اے فقیہ جا اور
خاک کی طرح تحمل اختیار کر، ورنہ ان تمام
علوم کو زیر خاک کردے جو تونے پڑھے ہیں!

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح خاکساری سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں اسی طرح دل آزاری سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے :

هزار گنج قناعت هزار گنج کرم
هزار طاعت شب ها هزار بیداری
هزار روزۂ هر روز و هزار نماز
قبول نیست اگر خاطرے بیازاری

گھر آگیا۔ لاہور ٹیلیفون ملانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ اب ہوائی میدان آیا تو یہاں آکر پتہ چلا کہ جہاز ۷ بجے کے بجائے ساڑھے آٹھ بجے جائے گا۔ رمضان المبارک کی وجہ سے وقت بدل دیا گیا ہے۔ تاہم ایر لائنس کے منتظمین کا فرض ہے کہ وہ کسی قسم کی تبدیلی کرنے سے قبل اخبارات میں اس کا اعلان کردیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسافر ہوائی اڈے پر جانے سے پہلے ٹیلیفون کرکے جہاز کی روانگی یا آمد کا صحیح وقت معلوم کرلے۔ اب ۵۰ منٹ کے لیے واپس جاکر پھر آنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ وہیں ٹھہرنا زیادہ مناسب تھا۔ لہذا یہ سطور وی آئی پی روم میں لکھ رہا ہوں۔ روزہ یہاں ہی افطار کیا ہے۔ نماز مغرب ادا کرنے کھڑا ہوا تو ایک عرب شریک ہوگئے۔ امام بنا۔ نماز با جماعت ہوگئی! اب ہوائی جہاز کراچی کی جانب پرواز کر رہا ہے۔

۱۷- اگست ۱۹۷۹ء، جمعۃ الوداع ، کراچی

اللہ سبحانہ ، و تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھے دن میں پیدا فرمایا - آج میں تلاوت قرآن پاک کے دوران اسی تصریح پر غور کر رہا تھا ، یہودیوں کا ادعا یہ ہے کہ تخلیق کائنات کا کام انوار کو شروع ہوا - اور جمعہ کو تخلق کائنات سے فارغ ہو کر ہفتے کو آرام فرمایا اور اس روز کوئی مصروفیت اختیار نہیں کی - لہذا جو دن اللہ نے خالی رکھا وہی افضل ہے ، اور یوم عبادت ہے - ہمارے حضور نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ افضل ترین دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے - اھل اسلام کے نردیک جمعہ افضل ترین دن ہے اور جمعۃ الوداع سیدالایام ہے - یہ دن اجتماعی عبادت کا دن قرار پایا ہے - سورۃ الجمعہ کی تلاوت بار بار کی اور تفاسیر میں اس کے بارے میں نقطۂ فکر کو سمجھا -

اس کے بعد میں غور کرتا رہا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جمعۃ الوداع تھا - اسی دن ۲۷ رمضان المبارک تھی یعنی یوم نزول قرآن ، اور اسی دن پاکستان عالم وجود میں آیا اور منصۂ شہود پر ایک مملکت اسلامیہ جلوہ گر ہوئی - پاکستان میں اب تک کسی حکومت نے یہ صحیح فیصلہ نہیں کیا کہ ہم پاکستان کا یوم استقلال ۲۷ رمضان المبارک ، یوم نزول قرآن کو قرار دیدیں - میں گزشتہ کئی سالوں سے کوشاں ہوں - مگر میں یہ اہم نکتہ حکمرانوں کے ذہن نشین نہ کراسکا - حاکم وقت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بھی اس اہمیت کو تسلیم کیا ہے - انہوں نے میری اپیل کے جواب میں مجھے اپنے دستخطوں سے ایک نامۂ گرامی بھی بھیجا ہے مگر ۱۴ اگست کو قائم رکھنا

مصلحت قرار بائی ھے ، ۲۷ رمضان المبارک کو یوم استقلال پاکستان قرار دیبے میں موانع ھیں۔

ان موانع کا اظہار اب تک کسی نے نہیں کیا ھے اور میں حیران ھوں ۔

میں نے آج اپنے دفتر میں صفائی کی ، اور چہروں کو ازسرنو مرتب کردیا ھے ۔ میں اپنے دفتر میں ھر سال جمعۃ الوداع کو تبدیلیاں کرتا ھوں اور پھر سال بھر اس پر قائم رھتا ھوں ۔

صلواۃ التسبیح

اس نماز کی بڑی اھمیت ھے ۔ میں رمضان المبارک میں ھر جمعہ کو صلواہ التسبح ادا کرتا ھوں ۔ یہ عرصۂ دراز سے میرا معمول رھا ھے ۔ ایک جمعہ کو میں مدینہ منورہ میں تھا اور اس دن دماغ اس درجہ کند ھوا کہ صلواہ التسبیح کے کلمات ذھن سے محو ھوگئے ۔ میں بے چین ھوگیا ۔ بالآخر برابر میں بیٹھے ھوئے ایک عرب سالم نے میری مدد کی اور میں یہ نماز ادا کرنے کے قابل ھوا ۔

نماز جمعہ ادا کرکے میں نے گھر آ کر آرام کیا اور پھر عصر تا مغرب عبادت میں مشغول رھا ۔ میں نے اپنے عزیزوں ، دوستوں کو یاد کیا کہ جو ابدی نیند سو رھے ھیں ۔ ان کی روحوں کو ایصال ثواب کرتا رھا ۔ آج عجیب انداز تھا ۔ سینکڑوں ھی پرانے لوگ ذھن پر ابھر آئے ۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو میرے بچپن میں ، جبکہ میں قرآن حکیم حفظ کر رھا تھا ، مجھ سے متعلق رھے ۔ حوض قاضی دھلی کے اکثر دکاندار بھی ذھن میں آئے اور میں نے ان سب کی روحوں کو ایصال ثواب کیا ۔

چچا جان ، چچی جان

آج سب سے زیادہ مجھے دو شخصیتیں یاد آئیں : چچا جان اور چچی جان ۔ یہ دونوں جگت چچا چچی تھے ۔ چچا جان تھانہ حوض قاضی میں کسی عہدے پر مامور تھے اور چچی جان درس قرآن مجید دیتی تھیں ۔ میری تعلیم و تربیت کا ابتدائی دور ان دونوں شخصیتوں کا رھین منت ھے ۔ میں ان کا احسان کبھی فراموش نہیں کرسکتا ۔ مگر اس باب میں میری کوتاھیاں بھی ھیں جن کا رنج و غم آج بھی تازہ ھے اور تا حیات قائم رھے گا ۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنی خود نوشت سوانح میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھوں گا ۔

۱۸ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، ھفتہ ، کراچی

کراچی کا اخبار " حریت " جس کے بانی اور مدیر ہمارے دوست فخر ماتری تھے ، بڑے احترام و التزام کے ساتھ افکار مولانا رومی اپنے کالم میں شائع کرتا ھے ۔ وہ میری دل چسپی کا بڑا سامان ھوتا ھے ۔ حریت آج بھی اردو روزناموں میں ایک با وقار اخبار ھے ۔ توازن اور دیانت کا اس میں زیادہ احترام ملتا ھے ۔

مولانا رومی کے حوالے سے ایک حکایت آج یاد آگئی ، اور بے اختیار یاد آگئی ۔

ایک شہ زور پہلوان جنگل میں سے گزر رھا تھا ۔ کیا دیکھتا ھے کہ ایک زبردست اژدھے نے ریچھ کو قابو میں کیا ھوا ھے اور یہ کہ ریچھ ھاتھ پیر مار کر بے جان ھوچکا ھے ۔ پہلوان کو بڑا ترس آیا ۔ تلوار سونت ، پینترا بدل اژدھے پر حملہ آور ھوا

اور ایک ھی وار میں اس کا قصہ پاک کردیا ، اس طرح کہ ریچھ کو خراش تک نہ آئی ۔ ریچھ کی جان بچ گئی اور وہ اس طرح پہلوان کا شکر گزار ہوا کہ سگ اصحاب کہف کی طرح پہلوان کے پیچھے پیچھے ھو لیا ۔

اژدھے سے ریچھ کی جان چھڑانے میں پہلوان کی قوت بہر حال صرف ھوئی تھی ، اور فاصلہ اس نے لمبا طے کیا تھا ۔ تھوڑی دیر سستانے کو لیٹ رہا ۔ ریچھ اس کی حفاظت کے لیے مستعد ھوگیا ۔

اتفاق یہ کہ ایک مرد دانا کا وھاں سے گزر ھوا ۔ انسان اور ریچھ کی دوستی کا حال دیکھا تو پہلوان کے نزدیک آیا اور کہا :

" بھائی جان ، آپ کون ھیں اور ریچھ سے یہ دوستی کیسی ؟ "

پہلوان نے سارا ماجرا سنایا ۔ راہ گیر انگشت بدنداں ھوا اور بولا : "اے سادہ لوح دوست ، یہ انسان اور ریچھ کی دوستی کیسی اور کیسی یاری ؟ خبردار ، اس حیوان پر ذرہ برابر بھروسا نہ کرنا ، ورنہ خطا پائے گا ۔ اس سے چھٹکارا حاصل کر یا اس کا قصہ تمام کر ۔ "

پہلوان نے یہ رائے قائم کی کہ مشورہ دینے والا حاسد ھے اور اس کی بات ماننے سے انکار کردیا ۔ تاھم راہ گیر نے کہا :

" — ارے بھائی ! میری نصیحت پر غور کر ، نادانوں اور بے وقوفوں کی محبت پائدار نہیں ھوتی ھے ۔ بھلا مجھے حسد کی ضرورت کیا ھے ۔ اور اگر حسد ھے بھی تو ریچھ کی محبت سے بہتر ھے کہ میں آدمی ھوں ، انسان ھوں ، ریچھ کو بھگادے اور مجھے رفیق بنا لے ، میرا دل ڈرتا

ہے کہ تیری اس کی یاری کا نتیجہ برا نکلے گا ۔ میرا یہ
وہم نہیں ہے بلکہ اللہ کا نور ہے جو میں ایسا کہتا
ہوں ۔ میں مومن ہوں اور مومن اللہ کے نور سے دیکھتا
ہے ـــ ‘‘

غرض اس شریف النفس راہ گیر کی ایک بات پہلوان نے مان کر نہ دی اور اس کی ہر پرخلوص نصیحت کا الٹا اثر قبول کیا ، حتیٰ کہ بات بگڑ گئی اور پہلوان اس طرح گویا ہوا :

”ـــ ارے اب جاتا ہے تو یا میں اٹھوں ۔ کیا
بک بک لگا رکھی ہے ! میرا پیچھا چھوڑ اور اپنا راستہ
ناپ ۔ خبردار جو اب ادھر آیا ـــ ‘‘

ہائے افسوس ، پہلوان کس قدر احمق اور بدگمان تھا ! اس نے اپنی بدگمانی اور حماقت سے دور اندیش ناصح پر حسد کی تہمت لگا دی اور ریچھ کو محبت اور وفا کا نشان سمجھا ۔ جب مرد مومن نے دیکھا کہ بے وقوف پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہے تو لاحول پڑھتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا ۔

ادھر پہلوان کی آنکھیں ٹھنڈی ہواؤں کے اثر سے بند ہونے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خراٹے لینے لگا ۔ ریچھ قریب بیٹھا مکھیاں اڑا رہا تھا ، لیکن مکھیاں تھیں کہ بار بار آنے لگیں اور ریچھ ان کو اڑا اڑا کر تنگ آ گیا ۔ آخر تیش میں آیا ، اٹھا اور ایک پہاڑی ٹیلے سے بڑا سا پتھر اٹھا کر لایا ۔ اس دوران بے شمار مکھیاں پہلوان کے منہ پر بھنبھنا رہی تھیں ۔ ریچھ نے وہ بھاری پتھر پہلوان کے منہ پر دے مارا ۔ ریچھ نے اپنی دانست میں یہ پتھر مکھیوں کے مارا تھا ، لیکن بدنصیب پہلوان کا منہ چپاتی بن گیا !

ان دنوں افغانستان میں جو حالات درپیش ہیں اور وہاں

جو پے در پے مسائل اور حالات پیش آرہے ہیں اس حکایت کا ان سے گہرا تعلق ہے ۔ پاکستان در حقیقت افغانستان کا دوست ہے ۔ انسان دوستی ، پڑوس دوستی ، مسلمان دوستی ، خلوص اور انس اس کی حقیقی بنیاد ہے ، افغانستان نے پاکستان سے حالات درست نہیں کیے اور پاکستان کا ہر مشورۂ پرخلوص اس نے رد کیا ہے ۔ افغانستان کو بہ ظاہر روس نے معاشی اعتبارات سے شاید مرفہ الحال کردیا ہے اور افغانستان نے اس بنا پر روس کو اپنا دوست سمجھا ہے ، مگر پاکستان کو بر بنائے حسد اپنا دشمن سمجھا ہے ، حال آں کہ پاکستان اس کا مشفق و ناصح ہے اور در حقیقت دوست ہے مگر افغانستان نے پاکستان کو دور کردیا ہے اور روس کی دوستی پر اعتماد کیا ہے ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ افغانستان کا انجام ایک دن وہی ہوجائے گا کہ جو پہلوان کا ہوا ہے ۔ ریچھ تاجیکستان کی پہاڑیوں سے ایک اتنا بڑا پتھر لائے گا اور افغانستان پر دے مارے گا کہ وہ خاکم بدہن نیست و نابود ہوجائے گا ۔

پاکستان کا انداز فکر تو یہ ہے :

شعر مردانند در عالم مدد
آں زماں کافغان مظلوماں رسد

۱۹ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، اتوار ، کراچی

آج کی سب سے اہم خبر یہ ہے کہ صدر مملکت پاکستان نے ترویج اردو کے لیے ایک ادارہ پورے اختیارات کے ساتھ قائم کردیا ہے جس کے مقاصد مختصراً یہ ہیں :

- ترقی اردو ۔

- تمام موجودہ اردو بورڈوں کے کاموں کو مربوط کرنا ۔
- سرکاری و نیم سرکاری دفاتر ، عدالتوں وغیرہ کے لیے ترویج اردو کی خاطر ڈکشنریاں اور مطالعے کا دوسرا مواد تیار کرنا ۔

جناب محترم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب، اس ادارے کے چیئرمین نام زد کیے گئے ہیں ۔ اس با اختیار ادارے (اتھاریٹی) کے یہ اراکان نام زد ہوئے ہیں :

۱۔ صدر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن
۲۔ معتمد وزارت تعلیم
۳۔ متعمد وزارت اطلاعات
۴۔ نمائندۂ وزارت مالیات
۵۔ نیشنل بک کاؤنسل کا ڈائریکٹر جنرل
۶۔ چاروں صوبوں سے ایک ایک ممتاز اسکالر
۷۔ اتھاریٹی کا سکریٹری
۸۔ صدر مملکت کا کوئی نام زد کردہ فرد یا افراد

جناب محترم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کا خلوص اور اردو زبان سے ان کا انس شبہے سے بالاتر ہے ۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو مہلت ملی اور ان کی صحت نے ان کا ساتھ دیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ ادارہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں پوری طرح مستعد ہوجائے اور کام یابی حاصل نہ کرے ۔ میں نے اس صورت حال پر غور کیا ہے ۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ادارہ ہر چند کہ بہت با اختیار ہے اس کی کام یابی مشتبہ ہے ۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس ادارے کا قیام جن حالات میں ہوا ہے وہ اردو کے بہت سے خدمت گزاروں کے لیے قابل قبول نہیں ہیں ، اس لیے سب

سے پہلے اس ادارے کو عدم تعاون کا مسئلہ درپیش ہوگا - پھر اس ادارے کی رکنیت میں جو حضرات آئے ہیں اردو کے لیے ان کی خدمات قابل غور ہیں - اور ایک اہم تر بات یہ ہے کہ اس ادارے کے چیئرمین اپنی ذاتی صحت کی بنا پر غالباً ادارے کو مستعد نہیں رکھ سکیں گے -

اس باب میں دو چیزوں کا مجھے شدید فقدان معلوم ہوتا ہے :

۱- اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ نہیں ہے کہ پاکستان کی قومی زبان کو سرکاری زبان بنایا جائے گا - اور یہی وہ بات ہے کہ جو اس ادارہ کو بے مقصد اور بے عمل بنا دے گی -

۲- پاکستان میں اردو کی خدمت جن لوگوں نے حقیقتاً کی ہے ان کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ان کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا جا رہا ہے -

میری رائے میں ایسے اگر ایک درجن اور با اختیار ادارے بنادیے جائیں تب بھی اردو کی خدمت نہیں ہوسکے گی - اولین چیز یہ ہے کہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہوگی -

۲۱ - اگست ۱۹۷۹ء ، منگل ، کراچی

" قرآن حکیم اور ہماری زندگی " کے قومی پروگرام میں آج ریڈیو پاکستان نے میری ایک اہم تقریر نشر کی ہے - یہ تقریر میں نے بڑی محنت و احتیاط کے ساتھ لکھی ہے - دل چاہتا

ہے کہ میں اس تقریر کو اپنی اس یاد داشت مں محفوظ کردوں :۔

آزادی اور قران

اس کرۂ ارض پر مختلف اور متعدد اقوام و ملل آباد ہیں ۔ کب سے آباد ھں یہ کوئی صحیح نہں جانتا ، کب تک آباد و قائم رھیں گی ، کوئی نہں کہ سکتا کہ فیصلۂ غیب کیا ہے ؟ ان اقوام و ملل کی بہر حال ایک تاریخ ہے ۔ یہ انسانی تاریخ کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب اگر یہ دیا جائے تو بجا ہوگا اور درست کہ اقوام و ملل نے اپنے ہر دور مں اور پورے تسلسل کے ساتھ اپنی آزادی اور اپنی حریت فکر کے لیے جو جدوجہد کی ہے ، ہر انسانی تاریخ اس کی ایک داستان مسلسل ہے ۔ انسانی تاریخ کے آپ کسی بھی دور میں چلے جائیے ، یہ دور غاروں کا دور ہو یا جھونبڑیوں یا محلات کا ، کاغذ کا دور ہو یا دھاتوں کا دور ہو یا پتھروں کا دور ، آپ دیکھں گے کہ ہر دور مں انسانی تمدن کے انداز بدلے ھں ۔ ثقافت کے نقشے نئے نئے قائم ہوئے ھں ۔ افکار و حوادث کے لیے نئے رنگ قائم ہوئے ھیں ۔ خیالات میں انقلابات آئے ھں ، اس کے باوجود تاریخ انسانی کے ہر دور مں ایک قدر مشترک ہر قوم و ملت مں رہی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ تضادات و تباین کے باوجود اور اختلاف و تنوع کے با وصف انسانی شعور نے جب سے آنکھ کھولی ہے اس نے ہمیشہ اور ہرحال میں اور ہمہ وقت آزادی کی حمد و ستائش کی ہے اور اپنی آزادی کو قائم اور باقی رکھنے کی جہد مسلسل اور سعی کامل کی ہے ۔ اسی جہد مسلسل اور سعی کامل کا نام تاریخ انسانی ہے ۔

ہندستان میں جب تحریک آزادی نےجنم لیا اور برطانوی استعمار کے خلاف اہل وطن جب صف آرا ہوئے تو اس وقت

تحریک آزادی کا مفہوم و منتہا اور مقصود یہ تھا کہ برطانوی استعمار اور انگریز کی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے اور اس کی جگہ اسی حکومت قائم کی جائے ۔ اس تحریک میں برصغیر کی تمام قومیں (امتیاز کے بغیر) شریک تھیں ۔ اس موقع پر شاعر مشرق ، حکیم الامت علامہ اقبال رح نے مسلمانوں کی رہ نمای قرآن کی روشنی میں کی ۔ علامہ اقبال رح نے مغرب کے جمہوری نظام کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا ۔ انہوں نے فرمایا کہ مغرب کا جمہوری نظام استبداد ملوکیت کی ایک نقاب پوش شکل ہے ، اس میں نوع انسانی کبھی آزادی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی ۔ دوسرے یہ کہ مغربی انداز فکر اور مغربی نظام جمہوریت اسلام کی ضد ہے ، اس لیے اس میں مسلمان کو وہ آزادی میسر نہیں آسکتی کہ جو اسے اسلام عطا کرتا ہے ۔ اس مغربی نظام جمہوریت نے اور اشتراکیت نے یہ آواز بلند کیا کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں ، انہی کو حق حکومت پہنچتا ہے ، مگر قرآن کریم اس مفروضے کو باطل قرار دیتا ہے ۔ قرآن کے نزدیک کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے ۔ اس صورت حال میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق حکومت اگر کسی انسان کو حاصل نہیں ہے تو پھر یہ حق کسے حاصل ہے ؟ قرآن انسانوں کی تمدنی زندگی کے لیے نظام حکومت کو ضروری قرار دیتا ہے ۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ حکومت کاحق صرف اللہ کو حاصل ہے :

ان الحکم الا للہ (الانعام : ۵۷)

وہ اپنے حق حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا ۔

ولا یشرك فی حکمه احدا (الکہف : ۲٦)

اس اساس پر اور اس بنا پر

امر الا تعبدوا الا ایاہ (یوسف : ۴۰)

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کی جائے۔

ذالک الدین القیم ولٰکن اکثر الناس لایعلمون

(یوسف: ۴۰)

یہی محکم نظام حیات ہے ، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اور وہ انسانی حکومتوں کی ہیئت بدل کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے غلامی کی زنجیریں کاٹ دی ہیں اور آزادی کا سانس لے لیا ہے۔

قرآن واضح الفاظ میں اور ذرہ برابر ابہام کے بغیر کہتا ہے کہ حکومت اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم کے ذریعہ سے قائم ہوگی جس میں کسی انسان کو دخل نہ ہوگا ، کیوں کہ اللہ اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا ۔ اس حقیقت کی توضیح و تشریح کے لیے خود زبان نبی کریم صلعم سے کہلوایا :

افغیر اللہ ابتغی حکما و ھوالذي انزل الیکم الکتاب مفصلا (انعام: ۱۱۴)

یعنی : "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور حاکم کی طلب و جستجو کرو ، حال آنکہ اس نے اپنی کتاب نازل کر دی ہے کہ جو مفصل ہے ۔"

بر صغیر کے مسلمان تحریک آزادی میں شریک ہوئے اور اس جدوجہد آزادی میں اس نظریۂ اساس کے ساتھ مستعد و متحرک ہوئے کہ وہ پاکستان قائم کریں گے جہاں قرآن کی حکومت ہوگی اور اللہ کا قانون نافذ ہوگا ۔ ان کے پاس جذبۂ صادق تھا ۔ یہ ان کا ایمان کامل تھا اور ان کا یقین محکم کہ دنیا

کی ہر بڑی طاقت مسلمانان برصغیر کے جوش ایمانی کے سامنے زیر
ہوگئی اور غیر ملکی استعمار نے ہار مان لی -

یہ عجب اور حیرت انگیز حقیقت ہے اور کرشمہ الٰہی
کہ پاکستان ٹھیک اس دن عالم وجود میں آیا اور منصۂ شہود
پر جلوہ گر ہوا کہ ۲۷ رمضان المبارک تھی ، یوم نزول قرآن تھا!
بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ، یہ نظام الٰہی تھا کہ پاکستان
اسی دن قائم ہوا کہ جو تمام عالم اسلام کے نزدیک مبارک و
متبرک ہے اور جس کی عظمت و تقدیس میں پورا عالم اسلام متفق
ہے - در حقیقت یہ ہماری بڑی خوش نصیبی تھی ، کیوں کہ منشائے
الٰہی یہی تھا کہ پاکستان قائم ہو اور اس میں حکومت قرآن
قائم ہو -

۲۷ رمضان المبارک یوم نزول قرآن ہے - اس یوم مبارک
کے بارے میں قول فیصل ہے اور حرف آخر کہ اسلام اور عالم اسلام
کے لیے یہ تاریخ ساز دن ہے ، اس دن قرآن کریم نازل ہوا اور
اس لیے نازل ہوا کہ کرۂ ارض کی ہر تاریکی کو روشنی سے منور
کر دے ، اور ہر باطل کو مٹا کر حق کو قائم کر دے ، اور اس
کرۂ ارض پر اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو -

اس باب میں قرآن کے احکامات واضح ہیں اور بین -
سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے :

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولائك هم الكافرون
(المائدہ : ۴۴)

یعنی : " جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم
نہیں کریے وہی کافر ہیں - "

اور اس کے ساتھ ھی رسول اللہ سے فرمایا گیا :

وان احکم بینهم بما انزل اللہ (المائدہ: ۴۹)

” ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو ۔ “

قرآن کریم میں اللہ کے سوا ھر طاقت کو طاغوت کہا گیا ھے ، اور کفر اور ایمان کے اس فرق کو ان الفاظ میں بیان کر دیا گیا ھے :

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسك بالعروة الوثقیٰ لا انفصام لها (البقرہ: ۲۵۶)

یعنی : ” جو اللہ پر ایمان لایا اور اس نے طاغوت سے کفر برتا تو اس نے ایسا محکم سر رشتہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا ۔ “

اس ارشاد باری تعالیٰ کی روشنی میں ھمیں یہ غور کرنا چاھیے کہ وہ لوگ جو دعوا کرتے ھیں کہ کتاب اللہ پر ایمان لائے ، لیکن عملاً ان کا حال یہ ھے کہ وہ چاھتے ھیں کہ

ان یتحاکموا الی الطاغوت (النسا : ۶۰)

اپنے مسائل و معاملات کے فیصلے طاغوت سے کرائیں حال آنکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت سے کفر برتیں ۔

ایسے لوگ صحیح راہ پر نہیں ھیں ۔ وہ ایک سانس میں اللہ کے قانون کی بات کرتے ھیں ، مگر دوسرے میں اس کی نفی کرتے ھیں ۔ ان کا قلب و ایمان متزلزل ھے ، حال آنکہ واقعہ یہ ھے :

وتمت کلمات ربك صدقا وعدلا لامبدل لکلماته

(الانعام : ۱۱۵)

" اللہ کے کلمات (قوانین الٰہی) صدق و عدل کے ساتھ
مکمل ہوگئے ۔ یہ قوانین غیر مبدل ہیں ۔"

آج ۲۷ رمضان المبارک کو پاکستان قائم ہوا تھا ، عالم وجود میں آیا تھا ۔ اس کی حیثیت تاریکی میں نور کی ہے ۔ ہم نے اللہ سبحانہ' و تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان کو اسلامی مملکت بنائیں گے ۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ کیا ہم نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے ؟ اگر نہیں تو جاگیے اور بیدار ہوجائیے : آج ۲۷ رمضان المبارک ہے ، یوم نزول قرآن ہے اور یوم استقلال پاکستان ہے ۔ ہم کو ایک تاریخ ساز فیصلہ کرنا ہے کہ

- ★ پاکستان میں اقتدار اعلا قرآن مجید و فرقان حمید کو حاصل ہوگا ۔
- ★ مملکت پاکستان کا فریضہ قرآنی احکام و قوانین کو عملاً نافذ کرنا ہوگا ۔
- ★ پاکستان کا ہر فرد احکام قرآن کے مطابق زندگیوں کو ڈھالے گا اور پیروی اور اتباع سنت رسول صلعم کرے گا ۔
- ★ اور ایک ایسا قرآنی نظام شوریٰ قائم کیا جائے گا کہ جو بازی گریِ سیاست اور مذہبی فرقہ بندیوں سے ماورا ہوگا ۔

۲۳ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، کراچی

صبح ۴ بجے بیدار ہوگیا تھا ۔ وضو کرکے فوراً عبادت

میں مشغول ہوگیا ۔ انتہائے سحر کے وقت سائرن بجا ، اور میں نے اطمینان سے ٹھنڈے پانی کا تھرماس خالی کر دیا ۔ پانی اس طرح پی لیتا ہوں کہ ہر خلیۂ جسم سیراب ہو جائے ۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میرے سکم میں صفت شکم جمل پیدا ہوگئی ہو کہ پانی پی لیا اور وہ محفوظ ہوگیا اور حسب ضرورت جسم اس سے سیراب ہوتا رہا ! سالہائے گزشتہ سے میں جس انداز سے ہر ماہ روزے رکھ رہا ہوں اور صبح اسی طرح پانی پی رہا ہوں ۔ نظام جسمانی نے ضرور کوئی "ایجاد بندہ" قسم کی خوبی پیدا کرلی ہوگی ۔ آخر جس بدل سکتی ہے تو نظام جسمانی میں پانی محفوظ رکھنے کے لیے تبدیلی بھی آ سکتی ہے !

۶ بجے بالکل تیار ہوکر اور چوکس ہوکر اپنی میز پر آ گیا ۔ ریڈیو کھولا اور خبریں سنیں ۔ پھر "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" کے موضوع پر تقریر سنی ۔ آج پہلی بار علم ہوا کہ اب اس پروگرام میں خواتین بھی حصہ لینے لگی ہیں ۔ ہاں ، کوئی غلط بات تو نہیں ہے ۔ مگر تقریروں کی نوک پلک درست کرنی چاہیے ۔

روداد ہمدرد فاؤنڈیشن

گزشتہ ایک سال سے میں کوشاں ہوں کہ ہمدرد فاؤنڈیشن کی ۲۰ سالہ رپورٹ مرتب کردوں ۔ مگر اس کے لیے وقت میسر آیا نہ سہولت ۔ بالآخر میں نے یہ کام ہمدرد فاؤنڈیشن کے ایڈمنسٹریٹو آفیسر جناب فرقان احمد شمسی صاحب کے سپرد کر دیا اور ان کے اردو کام کو محترم ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب کے حوالے کردیا اور ان کو ممکنہ معلومات فراہم کردیں ۔ انگریزی میں انہوں نے مدد کردی ۔ اب دو ماہ کے بعد آج میں نے قطعی فیصلہ کرلیا

کہ آج سے مس یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لوں گا ۔ خانم ڈی سلوا اور مس راھدہ بانو ۹ بجے آ گئیں اور مس اب مرتبہ رپورٹ سننے کے لیے تیار تھا ۔ ان دونوں نے ملکر ۵ گھنٹے مس یہ رپورٹ مجھے سنادی ۔ ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ ایسی نہیں ہے کہ جس سے مجھے اطمینان ہو ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مس صاحب معاملہ ہوں ۔ اگر میں یہ کام خود سر انجام نہیں دے سکتا تو دوسرے وہی کرسکتے ہیں جیسا کہ کیا ، بلکہ میں آج واقعی حیران ہوا کہ جس قدر کام کر دیا گیا ہے وہ خوب ہے ۔ بہر حال مس نے اس خوب کو خوب تر بنانے کا کام آج سے ہاتھ میں لے لیا ہے ۔ مجھے جہاں تبدیلیاں کرنی ہیں اور جہاں اضافات کرنے ہیں اس سب کے لیے نوٹ لے لیے ہیں ۔ اور بعض کاموں کے لیے خانم ڈی سلوا نے نوٹ لے لیے ہیں کہ وہ بھی ۲۳ سال سے میرے ساتھ شب و روز وابستہ ہیں اور ہمدرد کو میری طرح ہی جانتی ہیں اور میری طرح وہ سوچتی بھی ہیں ۔

۵ گھنٹے سے زیادہ اس قدر گہرائی کے ساتھ ذہن مرتکز کیا کہ ذہنی تھکن ہوگئی ، اور آرام ضروری ہوگیا ۔ ویسے بھی شب گزشتہ بیداری مس رہا تھا ۔ دو گھنٹے کی نیند میرے اعصاب کو سکون دینے کے لیے کافی تو نہیں ہوسکتی تھی !

چار بجے میں پھر میز پر آ کر بیٹھ گیا اور سات بجے افطار کے وقت تک رپورٹ پر غور و فکر کرتا رہا ۔ فکر کی ہر توانائی کو میں نے کام پر مرکوز کر دیا ہے ۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں کل صبح جمعہ کو ، کہ آخری روزہ ہے اور فرصت کا آخری دن ہے ، رپورٹ کا تحریری کام ہر حال میں شروع کر کے ختم کرلوں گا ۔ آج ۲۹ رمضان ہے ۔ کل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عید ہو جائے ۔ میں دعا کر رہا ہوں کہ عید کل نہ ہو ، ورنہ رپورٹ

کا کام پھر رک جائے گا ۔ میں عاشق مزاج نہیں ہوں کہ ۲۹ تاریخ
کو محبوب کا چہرہ دیکھ کر اسی کو مژدۂ عید سمجھ لوں ۔
بقول شاعر :

انتیسویں کو رخ کی ترے دید ہوگئی
اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہوگئی

افطار کے بعد میں حسب معمول سبزہ زار ہمدرد ہاؤس میں آ کر بیٹھ گیا ۔ رمضان بھر جب کہ میں کراچی میں رہا یہ معمول رہا ۔ ایک گھنٹے کا یہ سکون بڑا صحت افزا رہا ۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ رویت ہلال کمیٹی ان بادلوں میں چاند نہیں دیکھ سکتی ۔ الا یہ کہ وہ ہوائی جہاز میں سوار ہو جائے اور آسمان کی بلندیوں میں جا کر چاند کو تلاش کرلے ۔ شاید مل جائے ۔ ایسا پاکستان میں ایک بار ہوچکا ہے چاند مل گیا تھا ۔ اس کی شرعی حیثیت شدید معرض بحث میں آئی تھی ۔ معاملہ رفع دفع ہوگیا تھا ۔ میری رائے یہ بھی ہے کہ اگر ہوائی جہاز میں سوار ہوکر اور آسمان کی رفعتوں میں جا کر چاند دیکھا جاسکتا ہے تو پھر حرکات قمر پر نگاہ کے موجودہ سائنسی ذرائع کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا ۔ آج کے علوم سائنسی اس معراج اور مقام پر ہیں کہ وہ چاند کی سکنڈوں کی حرکات کو رکارڈ کرلیتے ہیں اور نمود قمر کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا جاسکتا ہے ۔ مگر مسئلہ شرعی ہے کہ آنکھ سے چاند دیکھ کر فیصلہ کیا جائے ۔ بہر حال میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں ، مبادا یہ روز نامچہ کوئی مولوی صاحب مطالعہ فرمائیں اور فتوائے کفر صادر فرمادیں کہ سب سے سہل کام ہے !

۸ بجے تک چاند کے لیے کوئی اعلان نہ ہوا ۔ رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس جاری ہے اور اب بعد نماز تراویح ر

۱۱ بجے تک جاری رہے گا اور رویت ہلال کمیٹی کا اعلان ہوگا ۔ لوگ جوق در جوق مساجد میں جمع ہوگئے اور عبادت میں مشغول ۔ میں بھی عبادت ختم کرکے ۱۱ بجے ریڈیو لگا کر لیٹ گیا ۔ مجھے اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آگیا جو بچپن میں سنا تھا ۔ ایک صاحب جبہ و دستار سے لیس ہوکر ایک محفل میں پہنچ گئے ۔ لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور احترام کے ساتھ مسند پر بیٹھا دیا ۔ اتفاق سے اس روز بھی قمری مہینے کی ۲۹ تاریخ تھی ۔ کچھ دیر بعد انہوں نے پوچھا : ''رویت ہلال کے لیے سب سے اہم شرط کیا ہے ؟'' لوگوں نے جواب دیا : ''چشم دید گواہ''۔ پھر انہوں نے پوچھا '' اگر چاند آدھی رات تک کسی کو نظر نہ آئے تو فیصلہ کیسے ہو ؟'' لوگوں نے اپنی رائے ان کے بارے میں بدل دی ۔ بہر نوع اعلان ہوا کہ پاکستان میں کہیں چاند نظر نہیں آیا ۔ ہندستان میں بھی کسی جگہ چاند دکھائی نہیں دیا ۔ کل عید نہیں ہے اور روزہ تیسواں ہے ۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا ۔ روشنی گل کی اور سوگیا ۔

۲۴ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعہ ، کراچی

صبح تین بجے بیدار ہوگیا ۔ رمضان المبارک کی نماز تہجد میں جو لطف و سرور ہے اس کا حال وہی جانیں کہ جو نیم شب بیدار ہوگئے اور بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگئے ۔ مجھے دکھ ہے کہ میں اس سال مسجد نبوی میں نہیں ہوں ۔ میں پاکستان میں اس لیے رک گیا کہ استاذی محترم مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کی بہ حیثیت مہمان دہلی سے تشریف آوری

یقینی نهی ـ مگر وہ نه آسکے اور میرا خیال صحیح نکلا که ان کی اهلیه کی آنکھ کے اپریشن کے بعد ان کی طبیعت سفر کے قابل نه هوسکی ـ اگر ایسا نه هوتا تو میں مدینه منورہ میں حسب معمول هوتا ـ میں نے تکلف سے کام لیا ـ اگر میں حرف درخواست زبان پر لے آتا تو ۲۷ رمضان المبارک مدینه منورہ هی میں هوتی ـ

۱۶ اگست کو مجھے اشارہ ملا تھا که صدر مملکت ۲۷ رمضان المبارک کو مدینه منورہ میں هوں گے ـ انهوں نے خود اشارہ کیا تھا ـ دل چاها که که دوں که میں ایڈ وائزر هوں آپ کا ، آپ کے ساتھ چلوں گا ، مگر ایسا کهنا میری رائے میں تعلق کا فائدہ اٹھانے کی تعریف میں آجاتا ـ میں نے اس سے گریز کیا ـ دل چاها تھا که جب استاذی محترم کا نه آنا طے هوگیا تھا تو میں فوراً عمرہ کے لیے روانه هو جاتا ـ مگر مدینه منورہ میں هوٹل کے یومیه اخراجات برداشت نهیں کر سکتا تھا اور اصطفیٰ منزل میں قیام ممکن نه تھا که ان کو اطلاع نه تھی ـ پاکستان هاؤس میں مجھے به حیثیت وزیر ، داخله مل سکتا تھا مگر یه ضرور کسی کو وهاں سے الگ کرنے کے بعد هوسکتا تھا ـ یه مجھے پسند نه تھا که میری سرکاری حیثیت کی وجه سے کسی مجھ سے زیادہ مستحق کو وهاں سے در بدر کردیا جائے ـ

۶ بجے میں اپنی میز پر آگیا ـ خبریں سنیں اور پھر قلم سنبھال لیا ـ شب گزشته میں نے اپنی میز کو آراسته کرلیا تھا ـ دن کے ایک بجے تک میں مسلسل مصروف تحریر رها ـ گنے تو ۲۷ صفحات تیار تھے ـ یه همدرد فاؤنڈیشن کی رپورٹ میں میرے اضافات تھے ـ میں نے موذن کی صدائے الله اکبر پر قلم هاتھ سے رکھ دیا اور بڑے اطمینان کا سانس لیا که ایک بڑا کام ختم کرلیا ہے ـ ابھی چار گھنٹے کا کام باقی ہے ـ انشاء الله بعد نماز

جمعہ پھر بیٹھ جاؤں گا ۔

میں نے ہر جمعہ رمضان المبارک میں صلواہ التسبیح پڑھی ہے ۔ میں وضو کرکے مسجد میں پہنچ گیا اور مصروف عبادت ہوگیا ۔ جب خطبہ جمعہ شروع ہوا تو میں فارغ ہو چکا تھا ۔ میں نے دست دعا دراز کیا اور آج تو بس پاکستان کے لیے فکری آزادی اور سیاسی آزادی کی دعائیں ہی مانگتا رہا ۔ میں پاکستان کے حالات داخلی و خارجی سے بے حد پریشان ہوں ۔ سیاسیین وطن کی راہ سیدھی نہیں لگ رہی ہے ۔ حدود پاکستان سے باہر اغیار کی نگاہیں ٹیڑھی ہیں ۔ میری رائے تھی کہ صدر مملکت آج قوم سے خطاب فرمائے ، مگر ایسا نہ ہوا ۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد چند ہی دن بعد قوم سے خطاب فرمائیں گے ۔ گزشتہ دنوں جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اب قوم کو سچی صورت حال بتانے کا فیصلہ فرمائیں اور اس وقت ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اس کی دیانت دارانہ نشان دہی کرنے میں تامل نہ فرمائیں ۔ ضرورت ہے کہ افراد ملت کو اعتماد میں لیا جائے ۔

جمعہ کے اس اجتماع میں موذن مسجد پیٹی لے کر ایک ایک نمازی سے امداد طلب کر رہے تھے ۔ مجھے اس سے انتہائی ذہنی اذیت ہوتی ہے ۔ میں مسجد کے لیے اس طریقے کی امداد طلبی کو نا پسند کرتا ہوں ۔ اس مسجد کو جس کی تعمیر میں میرے قلب و ذہن کو سب سے زیادہ دخل رہا ہے غلط لوگ اپنے ہاتھوں میں لے کر مکمل نہ کراسکے ۔ سازش نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا کہ میں اس کی صدارت سے الگ ہوجاؤں ۔ مگر جو لوگ سرمایۂ افتخار جمع کرنے کے خواہاں تھے وہ گزشتہ ۷ - ۸ سال میں ، جہاں کام میں نے چھوڑا تھا ، اس

سے آگے نہ بڑھا سکے اور ایک پیاری مسجد، جس کا خواب میں نے دیکھا تھا، مکمل نہ ہوسکی۔ اب کارو بار مسجد چلانے کے لیے ہر جمعہ کو بھیک مانگی جاری ہے۔ مسجد کے نام پر چندے لینے کے اور بھی شائستہ طریقے ہیں۔ بڑے بڑے سیٹھ کہ جو کروڑوں میں کھیلتے ہیں اس مسجد کے معمولی اخراجات پورے نہیں کرسکتے۔ صدارت کا شوق ان کو آج بھی ہے۔ مولانا روم کی ایک رباعی یاد آئی ہے:

بر محک زن کار خود اے مرد کار
تا نسازی مسجد اہل ضرار
پس بر آں مسجد کناں تسخر زدی
چوں نظر کردی تو خود ذیشاں بدی

میں چاہ رہا تھا کہ آج خطبہ جمعۃ الوداع "الوداع یا شہر رمضان" ہو۔ مگر ہمارے امام صاحب کو بس ایک ہی خطبہ یاد ہے۔ برس ہا برس سے وہ ایک ہی خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ نہ جانے کتاب خطبات سے استفادہ کرنے میں ان کو کیوں تامل ہوا کرتا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد ۳ بجے میں پھر میز پر ڈٹ گیا۔ افطار کے وقت میں نے ہمدرد فاؤنڈیشن کی رپورٹ کا کام ختم کردیا اور تمام ہدایات تیار کردی ہیں۔ تصاویر کا انتخاب بھی کرلیا ہے اور مزید تلاش و انتخاب تصاویر کے لیے آٹھ صفحات میں پوری نشان دہی کردی ہے۔ اب محترمی انوری صاحب اس رپورٹ کو از سر نو اول تا آخر انگریزی میں لکھیں گے۔ اس کا دوبارہ لکھنا ضروری ہے۔ انگریزی زبان کا معیار بلند کرنا لازمی ہے کہ یہ رپورٹ زیادہ تر دنیا بھر کے فاؤنڈیشنوں، علمی شخصیات، طبی اداروں، انجمنوں اور سرکاری محکموں کے نام جائے گی۔ حسابات

کے چارٹ جس انداز سے تیار ہوں گے ان کے بارے میں بھی ہدایت
لکھ دی ہے ۔

اب میرا کام یہ رہ گیا ہے کہ میں اس کے پیچھے پڑ جاؤں اور اس کو اکتوبر ۱۹۷۹ء کے اندر اندر طباعت کی منزل میں داخل کردوں ۔ اگر ایسا نہ ہوسکا تو پھر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ ۱۹۷۹ء کے حسابات بھی آخر میں دیے جائیں اور اس کو ۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۹ء پورا کردیا جائے ۔

افطار کا وقت ہوگیا ۔ سائرن شاید آج زیادہ زور سے اور زیادہ دیر بجا ہے ۔ آج اس رمضان کا یہ آخری وقت افطار ہے ۔ میں نے حسب معمول آب لیموں سے روزہ افطار کیا ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔ پورے تیس روزے ہوگئے ۔ اور تمام روزے میں نے بغیر سحری کے رکھے ۔ معمول یہی رہا کہ لیموں کے تازہ شربت کے چار پانچ گلاسوں سے روزہ افطار کیا ۔ نماز مغرب کے بعد اس پانی کو ۸ بجے تک جسم میں جذب ہونے کا موقع دیا ۔ پھر ہلکا سا کھانا کھا لیا جس میں دودھ بھی شریک تھا ۔ بس اتنا کافی ہے ۔ سحری کے وقت پانی ہی پیتا رہا ۔ ہاں کبھی کبھار لیموں شیریں یا سردہ نوش جان کیا ہے ۔ مگر روز نہیں ، گاہے گاہے ، بالکل اسی انداز میں جیسے شاعر نے اپنی شراب نوشی کے بارے میں کہا تھا :

روز پیتا نہیں ، پی لیتا ہوں گاہے گاہے
وہ بھی تھوڑی سی ، مزا منہ کا بدلنے کے لیے

پورے رمضان میں نے اپنی غذا کو بالکل سادہ رکھا ہے ۔ ایک دانہ پھلکی نہ کھائی ۔ چاول کا ایک دانہ نہیں کھایا ۔ تلی ہوئی ایک شے کو ہاتھ نہ لگایا ۔ انڈا ترک کر دیا ۔ غرض ذائقے کی ہر شے سے اجتناب برتا ہے ۔ جس چیز کو ذرا بھی دل

چاھا اس کو ھاتھ نہ لگایا ۔ اس کے باوجود میں پوری صحت کے ساتھ روزے رکھتا رھا اور ایک دن بھی گرانی ھوئی نہ پریشانی ۔ اندرون از طعام خالی رکھا اور نور معرفت دیکھتا رھا ۔ کوئی نماز ترک نہ ھوئی ، کبھی تہجد سے غفلت نہ ھوئی ۔ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کے خوف سے دل ایک لمحہ خالی نہ رھا ۔ سرور کائنات ، فخر موجودات ، نور مجسم صلعم نے فرمایا ھے کہ اللہ کے خوف سے جب کسی بندے کا دل کانپ جاتا ھے اور جسم لرز جاتا ھے تو اس کو جہنم پر حرام کردیا جاتا ھے ۔ زبور مقدس میں کہا گیا ھے کہ اللہ کا خوف دانائی کی ابتدا ھے ۔ واقعہ یہ ھے کہ خوف الٰہی بقدر علم ھوتا ھے اور اللہ سے بے خوفی بقدر جہالت ۔

میں حیران ھوں کہ رمضان المبارک میں لوگ کیوں بے چین ھوجاتے ھیں ۔ رمضان میں لوگوں کے اخراجات بڑھ جایا کرتے ھیں ۔ وہ معمول سے زیادہ کھانے لگتے ھیں اور اکثریت بلا ضرورت اپنے معدوں کو غذا سے بھرتی ھے جو ھر طرح غیر صحیح ھے ۔ برصغیر میں رمضان کا یہ دستور قدیم ھے اور میری سمجھ میں آج تک نہ آیا کہ آخر رمضان میں بسیار خوری کا کیا جواز ھے ۔ میری رائے میں تو یہ مہینہ کم خوری کا ھے ۔ کم خوری میں اللہ زیادہ یاد آتا ھے اور پوری توجہ کے ساتھ استغراق عبودیت ممکن ھے ۔

میں نے اس ماہ میں ریڈیو پاکستان سے چار تقریریں نشر کی ھیں اور مجھے بڑی خوشی ھے کہ میں نے یہ چاروں بڑی اچھی تقریریں کی ھیں ۔ ایک چاند دیکھنے کے بعد کی تقریر ھے ۔ ایک تقریر ”رمضان ماہ انقلاب“ کے موضوع پر ، ایک تقریر ”رمضان اور آواز اخلاق“ کے موضوع پر اور آخری تقریر ۲۷ رمضان المبارک کو ”قرآن اور آزادی“ کے موضوع پر کی ھے تقریر

میں نے ۲۷ رمضان المبارک کے روز نامچے میں نقل تقریر کردی ہے -

۲۵ - اگست ۱۹۷۹ء ، ہفتہ ، یوم عیدالفطر ، کراچی

صبح چار بجے بیدار ہو گیا - نماز تہجد کے لیے کھڑا ہو گیا - پورے رمضان کی طرح آج بھی میں نے یہ نماز مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر ادا کرلی ہے - میں نے اس ماہ کی ہر نماز مکہ میں پڑھی ہے یا مدینہ میں - میں خود کو آنکھیں بند کرکے مقامات مقدسہ و مطہرہ تک لے جاتا تھا - تلاوت قرآن پاک کی اور بعد نماز فجر ذرا دیر کے لیے لیٹ گیا - ٦ بجے اٹھ گیا - ریڈیو سے خبریں سنیں اور غسل کرکے اپنی میز پر ساڑھے چھے بجے آگیا - آج میں نے پاکستان کے اہل فکر و نظر کے نام ایک خط لکھنا شروع کردیا ہے - اس خط میں میں نے پاکستان میں زوال اخلاق کا جائزہ لیا ہے اور صاحبان قلم کو دعوت فکر و تحریر دی ہے - نماز عید ۹ بجے ہے مگر میں ۸ بجے تک اس خط کو ختم نہ کرسکا کہ مجھے اپنی ماموں زاد بہن کے ہاں جانا تھا جس کے شوہر کا دو ماہ ہوئے انتقال ہوا ہے - اس کے غم میں شریک ہونا تھا اور اس کے بچوں کو نماز عید کے لیے اپنے ساتھ لے جانا تھا - دلی والوں کی یہ رسم ہے جو دلی چھوڑ دینے کے بعد بھی ادا کی جاتی ہے - خوشی کے موقع پر غم کی یاد تازہ کرنا کوئی انوکھی بات نہیں - اس کا تعلق دل سے ہے اور دل والے ہی اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں - عید کے دن سویاں کھانا بھی ایک رسم ہے لیکن وہ محض دنیوی رواج ہے - اس کا تعلق نہ دل سے ہے نہ

مذھب سے - میں اپنے لیے اس کی پابندی ضروری نہیں سمجھتا -
البتہ شیر خرما مجھے مرغوب ہے کہ یہ سنت نبوی ہے -

نشتر پارک میں نماز عید ادا کی - امام محترمی جناب مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب تھے - سالھا سال سے نماز یہاں ھی ادا کرنے کا معمول رہا ہے - مولانا صاحب آج شاعرانہ موڈ مں تھے - نماز کے بعد خطبہ اور دعائے عربی میں کئی جگہ اسکال بھی پیدا ھوا - بارے دعا اثر انگیز تھی اور موضوع پاکستان تھا اور عالم اسلام کہ جو آج ھر دل کی آواز ہے - مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب سے بڑا قدیم رشتہ ہے - شاید یہ ۱۹۳۰ء کی یا اس کے لگ بھگ کی بات ہے - وطن مالوف یعنی دھلی کا ذکر ہے کہ میں صبح ھی صبح ٹہلنے اور دوڑنے کے لیے نکلا کرتا تھا - خواجہ مبر درد روڈ کی مسجد میں نماز فجر ادا کرتا تھا - بڑی چھوٹی سی مسجد ، سرکاری کوارٹروں مں گھری ھوئی تھی ، بہرن روڈ سے ملحق مولانا اس مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے - آواز اس وقت بھی بڑی ناٹ دار تھی اور تلاوت مزے دار ، لہک اب زیادہ آ گئی ہے ، بقول مولانا کوثر نیازی صاحب ، جب سے شمر پاؤ باغ (کراچی) میں شاہ خالد معظم نے مولانا کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی ہے ، لہک مں اضافہ ھوا ہے - ایک نقاضائے عمر بھی ہے - ساٹھ سے تو آگے نکل ھی چکے ھیں - مسجد فتح پوری دھلی سے بھی مولانا کا اسی بچپن کے دور میں تعلق رھا ہے - کسی حادثے کے نتیجے میں شاید میر درد کی مسجد مں جانا ھوا تھا - لاھور سے ایک ماھنامہ ” آتش فشاں “ جاری ھوا ہے - اس کی تازہ اشاعت میں مولانا تھانوی کا بڑا طویل انٹرویو شائع ھوا ہے - میں نے اسے بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھا ہے - بعض جگہ حیران کن باتیں بھی ھیں - مولانا کا زور مولانا مودودی صاحب

کے خلاف ہوتا ہے ۔ خود میری رائے یہ ہے کہ مولانا کا تشدد اس معاملے میں خوب بڑھا ہوا ہے ۔ ۱۹۷۰ء میں اتحاد علما جو نہ ہوسکا اور جس کی میں نے شدید جدوجہد کی اس میں مولانا تھانوی کے تشدد کو کم دخل نہیں رہا ہے ۔ حتیٰ کہ مولانا تھانوی ایک ایسی بزرگ اور برگزیدہ شخصیت سے بھی بگڑ گئے جن سے ان کی زندگی میں شاید ہی کوئی بگڑا ہو ۔ میری مراد حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رح سے ہے ۔ میں ان کا مرید نہیں تھا مگر میں ان کے قریب رہا ہوں اور ان کے دل کے پاس رہا ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ ان سے اگر کوئی ناخوش ہوتا ہے اور ناراض ہو وہ ضرور کسی نہ کسی غلطی پر ہے ۔ مجھے اس کا ہمیشہ ہی افسوس رہا ہے ۔ اس طرز عمل کی تلافی حضرت مفتی صاحب رح کی نماز جنازہ پڑھا دینے سے کیسے ہوسکتی ہے !

دلی میں ہوتا ہوں تو نماز عیدین کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ جاتا ہوں کہ جہاں میرے والدین ، دادا ، دادی ، نانا ، نانی ، ماموں ، تمامی عرض خاندان کے اکثر افراد مدفون ہیں ۔ بعض احاطۂ ہمدرد میں اور بعض احاطے سے باہر ۔ کراچی میں سوسائٹی کا قبرستان ہے ۔ یہاں جاتا ہوں ۔ یہاں میرے عزیز بھی مدفون ہیں اور بعض دوست بھی ، بھائی یحییٰ اور حضرت خالو ابا صاحب کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کرکے سب سے پہلے خاندان کے چند دیگر افراد اور اس کے بعد پیارے دوست شمس الاسلام حقی اور ان کی اہلیہ شگفتہ بانو کی قبروں پر جاتا ہوں۔ اس کے بعد رئیس احمد جعفری صاحب کے مزار پر پھر اپنے دوسرے عزیزوں کے مزاروں پر ۔ آج بھی گیا تھا ۔ اب تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے ، وقت زیادہ صرف ہوا کرتا ہے ۔

فریدہ میری بھتیجی هیں۔ آج میں ان سے اور ان کے شوهر اور بچیوں سے عید ملنے گیا اور اس کے بعد گھر آگیا۔ پہلے معمول تھا کئی جگہ جانے کا، مگر خلوص اب ملتا نہیں ھے، اس لیے معمول کو ترک کردیا ھے۔

صبح سے رات تک گھر هی میں رھا۔ کافی لوگ ملنے کو آئے اور بہت سے نہیں آئے۔ اب در اصل کسی کو یقین نہیں ہوتا کہ میں کراچی میں موجود ہوں یا باہر ہوں۔ سچ تو یہ ھے کہ مجھے تو اس بار عید کے موقع پر دهلی ہونا چاهیے تھا۔ پروگرام میں نے امسال ایسا هی بنایا تھا۔ مگر صدر مملکت کے ملٹری سکریٹری صاحب نے ادهر میں رکھا۔ جناب صدر نے هدایت فرمائی تھی کہ جب وہ عمرہ سے واپس تشریف لائیں تو منگل یا بدھ کو ان سے میں مل لوں۔ میں نے ملٹری سکریٹری صاحب کو یہی تار دیدیا اور سکریٹری هیلتھ سے بھی کہ دیا کہ ذرا توجہ کرلیں، ملٹری سکریٹری نے کہا کہ مصروفت ھے اور بعد عید ملاقات ہوسکتی ھے۔ یہ بعد عید نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ میں نہ صدر مملکت سے مل سکا اور نہ دهلی جا سکا۔ اعلا سطح پر ایسی بات نہ ہو تو اچھا ھے۔ صاف بات همیشہ اچھی ہوتی ھے۔ گ صدر مملکت نے مجھ سے کہ دیا ھے اور ملٹر سکریٹری صاحب کے سامنے کہ دیا ھے کہ حکیم صاحب مجھے براہ راست ٹیلیے فو کرلیا کریں۔ اپنا ذاتی ٹیلیے فون نمبر دیدیا ھے۔ مگر میں نے اپنے اس حق کو استعمال نہیں کیا ھے بلکہ ملٹری سکریٹر صاحب هی سے باضابطہ وقت ملاقات مانگا۔ اور انہوں نے نہ دیا، میں ان کے مزاج سے آشنا ہوں۔

میری طبیعت میں آج تمام دن انشراح کی کیفیت نہ رهی ھے، دل بجھا بجھا رہا۔ عید کی کوئی خوشی دل میں

تھی ۔ ایک رسم تھی کہ تمام دن ادا ھوتی رھی ۔ لوگ ملنے بھی آئے ، مگر خوسیاں لے کر نہ آئے ۔ میں آج یوم العید کے حوالے سے حالات عالم اسلام پر غرر کرتا رھا ھوں ۔ ایسا لگتا ھے کہ انسانی ضمیر کی روشنی ظلمت و ضلالت سے چھپ گئی ھے ۔ فطرت کے اصلی حسن پر انسانی بد اعمالیوں کے پردے پڑگئے ھیں ۔ قوانین الٰہی کا احترام اٹھ گیا ھے اور طغیان و سرکشی کے سیلاب میں اللہ کے رسولوں کی بنائی ھوئی عمارتیں بہ رھی ھیں ۔ سوچتا ھوں کہ جو ماہ مبارک گزر چکا ھے وہ کتنا عظیم ھے اور تاریخ ساز ۔ عظمتوں اور کامرانیوں کا ھم جشن عید مناتے ھیں ۔ مگر آج حقیقت حال یہ ھے کہ عید کا دن ھمارے لیے عیش و نشاط کا دن نہیں رھا ھے البتہ عبرت و موعظت کی ایک یاد گار ضرور ھے ۔

میں نے آج صبح اھل فکر و نظر کے نام جو خط لکھنا سروع کیا تھا اس کی ایک تجویز کے بارے میں جناب غفور صاحب کو ھدایات دیدی ھیں ۔ ٹیلی وژن پر سام ھمدرد لیکچرز کا اھتمام کرانا ھے ۔ عنوان تقاریر ” آواز اخلاق “ ۔ پندرہ منٹ کے اس پروگرام کے اخراجات کا تخمینہ لگانے کو کہا ھے ۔ ھر ماہ کم از کم دو ورنہ تین لیکچرز ھوں گے ۔ مقررین کا انتخاب میں کروں گا ۔ توقع نہیں ھے کہ ارباب ٹیلی وژن آواز اخلاق پر لبیک کہیں گے ۔

۱۹۸۰ء میں ” آواز اخلاق “ کا جو پروگرام شروع کرنے والا ھوں یہ اس مجموعی پروگرام کا ایک اھم حصہ ھوگا ۔

۲۶ - اگست ۱۹۷۹ء ، اتوار ، کراچی

تحریک اخلاق ملی

صبح پانچ بجے موذن کی اذان پر آنکھ کھلی - ھڑ بڑا کر اٹھا - میری آنکھ آج بھی چار بجے کھلنی چاھیے تھی - مس نے آج ختم قرآن کا پروگرام بنایا تھا ، وہ رہ گیا - میں جلدی سے تیار ھوا - نماز فجر ادا کرکے اپنی میز پر آگیا اور کل جو خط شروع کیا تھا اس کو ۷ بجے تک ختم کرلیا - مس نے آج اس پر نظرثانی نہیں کی ھے - ٹائپ میں دیدیا ھے - اب مسعود احمد برکاتی صاحب اس کام کو کرلیں گے - ان کو ھدایات دیدی ھیں کہ اس خط کو خوبصورتی کے ساتھ چھپوالیا جائے اور تمام اھل فکر و نظر کو بھجوا دیا جائے - مس نے سنہ ۱۹۸۰ء میں شام ھمدرد کا پروگرام یہ بنایا ھے کہ تمام سال پشاور ، راولپنڈی ، لاھور اور کراچی میں موضوع فکر " آواز اخلاق " ھوگا - میں نے مقررین شام ھمدرد سے خصوصاً اور صاحبان فکر و قلم سے عموماً درخواست کی ھے کہ وہ اپنی تقریروں کا موضوع چنیں اور مجھے جلد از جلد اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں - میں نے اس تحریک اخلاق ملی کا ذکر جناب محترم صدر مملکت سے کیا تھا - انہوں نے قوم کے نام " اخلاق " کا پیغام دینے کا وعدہ فرمایا ھے - ٹیلی وژن کے لیے خیال کیا ھے کہ اب ھمدرد لیکچرز کا آغاز صدر گرامی قدر کی تقریر ھی سے ھونا چاھیے - ان سے درخواست کروں گا - اب مجھے کم از کم ۲۴ اور زیادہ سے زیادہ ۳۲ ایسے صاحبان فکر کے نام تجویز کرنے ھیں کہ جن کا عوام میں اثر ھو اور " آواز اخلاق " جب یہ حضرات محترم بلند کریں تو اس کے سننے والے اس پر لبیک کہیں - شاید اس جدوجہد کا کوئی اثر مرتب

هوسکے ۔ اس کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ یہ حضرات ” آواز اخلاق “ کس انداز سے بلند فرماتے ھیں ۔ بارے ذھن نے کام کرنا شروع کردیا ہے ۔

ناگواری اور بد ھضمی

عرصهٔ دراز کے بعد آج صبح ٹینس کھیلنے گیا تھا ۔ ابھی چند ھی گیمز ھوئے تھے کہ دو مریض آگئے ۔ ان کو میں نے پہچان لیا ۔ ان کے سامنے کھیل جاری رکھنے میں تامل ھوا ۔ میں نے کھیل ترک کر کے ان کے پاس آ کر کہا کہ جس مقصد کے لیے آپ تشریف لائے ھیں یہ جگہ اس کے لیے موزوں نہیں ہے ۔ شاید میرے لہجے میں بے اختیار کرختگی تھی ۔ وہ دونوں چلے گئے ۔ بارے میں نے کھیل ترک کردیا ۔ ذھن خراب ھوگیا ۔ ان کا آنا ناگوار ھوا تھا ۔ ان کے کام نہ آنا بھی اچھا نہ لگا ۔ میں بس احبابِ ٹینس سے باتیں ھی کرتا رہا ۔ ان باتوں میں یوبین بھائی (عبدالحبیب مالک یونین انڈسٹریز) جو ٹافیاں لائے تھے شاید وہ میں نے ضرورت سے زیادہ کھالیں ۔ پھر سردا آیا ۔ وہ بھی دو قاش میں کھا گیا ۔ اس نے نظام ھضم میں ابتری پیدا کردی اور ارادتاً آج میں نے فاقہ کرلیا ۔ اگر کسی وجہ سے مزاج خراب ھوجائے اور غم و غصہ غالب آجائے تو لازماً اس سے ھضم کا نظام درھم برھم ھوجاتا ہے ۔ آج مجھ پر ایسا ھی اثر ھوا ہے ۔

۵ بجے بھائی نایاب الدین آگئے ۔ ان سے عہد مل کر میں چند اعزا کے ھاں چلا گیا ۔ بھائی نایاب الدین صاحب کے سپرد یہ کام کیا ھوا تھا کہ وہ خاندان ھمدرد کی بعض کڑیاں جوڑ دیں جن کا تعلق پہلی پشت سے ہے مگر وہ اب تک کوئی مدد نہیں کرسکے ھیں ۔ میں نے ان کو آج یاد دلایا ۔

اعزہ کے یہاں

عبدالستار صاحب بے چارے فالج میں مبتلا ہوکر ایسے گرے کہ اب ان کے اٹھنے کا امکان ختم ہوگیا ہے ۔ ان کے ذہن میں یہ خیال کہ فالج کے لیے ہوا مضر ہے ایسا جاگزیں ہوا ہے کہ وہ اب رات دن کمرہ بند کیے پڑے رہتے ہیں ۔ نہ تازہ ہوا مل رہی ہے اور نہ سورج کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں ، اس لیے جسم گھلتا جارہا ہے ۔ اور قویٰ کا اضمحلال اب آخری صورت کو پہنچ گیا ہے ۔ میں بارہا ان کو سمجھا کر ناکام ہوچکا ہوں ۔ میں نے آج بھی ان کو سمجھایا ہے ۔ اب تو وہ اس قدر کمزور ہوگئے ہیں کہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ۔ زبان لڑکھڑا گئی ہے ۔ نگلنے کی قوت سلب ہوتی جارہی ہے ۔ نہ جانے کس دن حادثہ فاجعہ پیش آجائے ۔ یہاں سے بھائی سعید لالی صاحب کے ہاں گیا تھا ۔ مگر ان کے ہاں آدمی تھا نہ آدم زاد ۔ سوچا کہ ذرا محترمہ بیگم نعیم سے مل لوں ۔ بمشکل ان کا گھر تلاش کیا ۔ گھر سے باہر جاچکی تھیں ۔ صاحبزادے احمد مل گئے ۔ ان سے مل لیا ۔

جناب خالد اسحاق صاحب

محترمی جناب خالد اسحاق صاحب کے ہاں گیا ، وہ بیچارے ابھی حیدرآباد سے آئے تھے ۔ بارے ان سے عبد ملا اور ذرا دیر باتیں کیں ۔ ان کو لندن میں پتہ چلا کہ اسلامی سکریٹری ایٹ کی سکریٹری جنرل شپ کے لیے جسٹس ابو سعید چودھری صاحب سرگرم عمل ہیں ۔ میرے لیے یہ نئی بات نہیں تھی ۔ کوئی دو ماہ ہوئے کہ میں نے صحیح صورت حال سمجھ لی اور سمجھا دی تھی ۔

سکریٹری جنرل شپ

اورگنائزیشن اوف دی اسلامک کانفرنس جدہ ایک اہم ادارہ ہے کہ جو اسلامی تحریکات کا معاون ہے اور اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے ۔ ان دنوں اس عظیم ادارہ کے سکرٹری جنرل جناب عبدالکریم گایا صاحب ہیں کہ جو اب رٹائر ہوں گے ۔ ان کی جگہ پر کرنے کے لیے پاکستان کے لیے بڑا اچھا موقع ہے ۔ ویسے اس عہدے کے لیے بنگلہ دیش کے سابق صدر جناب ابو سعید چودھری صاحب بھی امیدوار ہیں اور تونس کے جناب حبیب شطی صاحب بھی ۔

جناب محترم جسٹس ابو سعید چودھری صاحب میرے ذاتی دوست ہیں ۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں ۔ وہ اپنی نفاست طبع کی وجہ سے توازن فکر و عمل کے ساتھ اس مقام پر موزونیت کے ساتھ کام کرسکتے ہیں ۔ لیکن اگر پاکستان کو اس مقام پر قدرت حاصل کرنے کا فیصلہ کرنا ہے تو پھر پاکستان کے موزوں امید وار کے لیے سعی کرنے کی ضرورت ہے ۔

هارورڈ یونیورسٹی کے استاد جناب جان ایل ۔ اسپوسیٹو تشریف لا رہے ہیں ۔ امریکی قونصلٹ کی رائے یہ تھی کہ ان کو شام ہمدرد میں تقریر کا موقع مل جائے تو اچھا ہے ۔ میں نے قبول کرلیا تھا ۔ اب ١٠ ستمبر کو ان کا لیکچر ہے ۔ میں نے صدارت کے لیے جناب خالد اسحاق صاحب سے درخواست کردی ہے ۔ انہوں نے قبول کرلی ہے ۔

٢٧ ۔ اگست ١٩٧٩ء ، پیر ، کراچی

میرے سرکاری دفتر اسلام آباد سے چند فائل اور آگئے

هیں - کچھ فائل پہلے هی آچکے تھے - میں نے آج ان فائلوں پر کام شروع کردیا هے - مس فائلوں کا غائر مطالعه کرتا هوں اور ان کی ایک ایک چیز کو احتیاط کے ساتھ سمجھنے کے بعد اپنی رائے ان پر لکھتا هوں - بارے آج تک میرے پاس جتنے فائل آئے تھے ان پر میں نے کام ختم کردیا هے - اور ٹائپسٹوں کو کام دیدیا هے - بعض نوٹ انگریزی میں هیں اور بعض اردو مس هیں - وزارت صحت میں ۳۲ سال کے بعد اردو نوٹ لکھنے کی طرح میں نے ڈالی هے - اردو میں بعض نوٹ مس اپنے قلم سے لکھ دیا کرتا هوں - اب اردو ٹائپ کرانا شروع کردیا هے تاکه ان کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی هو اور ترجمه نه کرانا پڑے - تمام فائل پائلٹ سروس سے اسلام آباد بھجوادیے هیں -

مجھے بتایا گیا هے که "پاکستانی انگریز" میرے اردو میں کام کرنے کو بنگاه حقارت دیکھ رهے هیں - ان کی صدائے احتجاج هنوز زبانی هے مگر یه کالے انگریز میں جانتا هوں که کل تحریری مطالبه کرکے رهیں گے که مبں فائلوں پر نوٹنگ انگریزی میں کیا کروں - مس اس دن کا منتظر هوں - اس موضوع پر میں شدید اختلافات کا متوقع هوں ، کیونکه پاکستان میں بیورو کریسی کی فتح اسی میں هے که پاکستان کی سرکاری زبان انگریزی رهے - ابھی چند دن هوئے اردو کو سرکاری زبان بنانے میں مدد دینے کے لیے ایک با اختیار اداره عالم وجود میں آیا هے - اس میں متعدد بیورو کریٹی رکن بنائے گئے هیں - اس خود مختار ادارۂ اردو میں ان بیورو کریٹوں کی شمولیت سخت خطرناک هے اور یه خدشه هےکه یه لوگ اس اداره کو بے اختیار کردیں گے -

انٹرنیشنل کانفرنس اون ایشین ٹریڈیشنل مڈیسن

نیشنل یونیورسٹی ، کنبرا ، اوسٹریلیا کی اس کانفرنس میں پاکستانی وفد کی شرکت اب نہ ہونے کے برابر ہوگئی ہے۔ میری ہر کوشش ناکام ہوئی ۔ مرا یہ تاثر غلط نہیں ہے کہ چوں کہ یہ طبی کانفرنس ہے اس لیے وزارت صحت کے ڈاکٹروں کا یہ گویا فرض ہے کہ وہ اس میں پاکستان کی شرکت کو ناکام بنادیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے اور آج مس یہ کہ سکتا ہوں کہ وہ کام یاب ہوگئے ہیں ۔ میں یہ جانتا ہوں اور ثابت کرسکتا ہوں کہ ایسا جان بوجھ کر کیا گیا ہے ۔ مس نے عاجز آکر فائل پر لکھ دیا تھا کہ اب وقت ایسا آگیا ہے کہ کسی کو بھیجنا گویا اسے " سائٹ سی انگ " کرانا ہے ، اس لیے اب اس قصے کو ختم کر دیا جائے اور فائل کو بند کردیا جائے ۔ مجھے اس سے اب کوئی دل چسپی نہیں ہے ۔ ہیلتھ سکریٹری نے یہ فائل جناب ڈی ۔ جی ۔ ہیلتھ کو بھجوا دیا ہے ۔ انہوں نے مجھے ٹیلے فون کیا ۔ میں نے ان سے بھی کہ دیا کہ مجھے اب اس فائل سے کوئی دل چسپی نہیں ہے ، جو آپ کا دل چاہے کیجیے ۔

مجھے ایک نقل خط کی ملی ہے ۔ ان خداوندان وزارت صحت نے محترمی ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب اور ڈاکٹر اکرام صاحب کو نام زد کیا ہے کہ وہ دونوں اوسٹریلیا جائیں ۔ میں نے آج ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب کو ٹیلے فون کیا ۔ بمشکل ان سے رابطہ قائم ہوا ۔ ان کو اب تک ۲۱ اگست کا مراسلہ نہیں ملا ہے لیکن انہوں نے بتایا کہ اس قدر کم وقت میں ان کے لیے اوسٹریلیا کا سفر کرنا ممکن نہیں ہے ۔ بات صحیح ہے ۔ کون تین دن کے نوٹس پر اتنا طویل سفر اختیار کرسکتا ہے اور مقالہ تیار کرسکتا ہے ۔ میں نے سکریٹری ہلتھ صاحب، کو ٹیلے فون

کیا اور ان کو بتادیا کہ ڈاکٹر صاحب جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ بہ ظاہر تو ان کو بڑی خوشی ہوئی ہوگی۔ میں نے کہا کہ دوسرے ڈاکٹر اکرام صاحب سے بھی پوچھ لیجیے کہ وہ جائیں گے یا نہیں۔ مجھے شام تک پتہ چل گیا کہ ڈاکٹر اکرام صاحب نے بھی انکار کر دیا ہے۔ سکریٹری صاحب نے مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ اب تین دن رہ گئے ہیں۔ کون جانے پر تیار ہوگا۔ پھر بھی میں نے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب اور ڈاکٹر یوسف صاحب کے نام بتا دیے ہیں کہ ان سے رابطہ قائم کریں۔ شاید وہ تیار ہو جائیں۔ میں نے خود بھی ان کو ٹیلے فون کر دیا ہے بلکہ اتفاق سے ڈاکٹر یوسف صاحب تو میرے پاس ہی اس وقت بیٹھے تھے اور وہ جانے کو تیار ہوگئے ہیں۔ اب دیکھیے کہ سکریٹری ہیلتھ ان سے کیا رابطہ قائم کرتے ہیں۔

اوسٹریلیا یونانیوں کا دیا ہوا نام ہے۔ تقریباً تمام مغربی زبانوں میں ''اوسٹ'' یا ''ایسٹ'' مشرق کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ''مشرق کی سر زمین''۔ جب یورپ کے لوگ یہاں پہنچے تو وہ جغرافیائی اعتبار سے مشرق میں تھے اور اس سر زمین کا اصل نام معلوم نہیں تھا۔ شاید کوئی نام ہی نہ تھا، اس لیے وہ اسے مشرق کی سر زمین یا اوسٹریلیا کہنے لگے۔ یہ بحر ہند اور بحر الکاہل کے درمیان دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم یا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ شرقاً غرباً اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی دو ہزار چار سو میل اور شمالاً جنوباً دو ہزار میل ہے۔ کل رقبہ ۲۹ لاکھ ۷۴ ہزار ۵ سو ۸۱ مربع میل ہے۔ لیکن اسے مربع یا مستطیل حتیٰ کہ متوازی الاضلاع بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ساحل نہایت کٹا پھٹا بلکہ بہت ہی بے ڈھنگا ہے۔ ہر سمت کئی کئی میل لمبے کونے نکلے ہوئے ہیں۔ کئی کئی میل خلیجیں

ھیں۔ جانب جنوب کچھ فاصلے پر ایک جزیرہ تسمانیہ ھے ۔ اس سمیت یہ براعظم برطانوی دولت مشترکہ میں اس کا مقبوضہ رھا ھے ۔ اس کے پانچ بڑے حصے کوئنز لنڈ ، نیو ساؤتھ ویلز ، وکٹوریہ ، جنوبی اوسٹریلیا اور مغربی اوسٹریلیا ھیں جن کو براعظمی ریاستیں کہا جاتا ھے ۔ وفاقی صدر مقام کینبرا نیو ساؤتھ ویلز کا ایک حصہ ھے ۔ پہلے یہ شرف سڈنی کو حاصل تھا ۔ باقی ھر ریاست میں اپنا اپنا صدر مقام ھے ۔ کچھ اور قریبی علاقے ھیں جو اقوام متحدہ کے فیصلے کے مطابق اس براعظم کی تولیت میں ھیں ۔ مثلاً نیو گنی اور ٹاؤرو اسی کے حصے سمجھے جاتے ھیں ۔ اوسٹریلیا قدرتی طور پر بڑا خشک علاقہ ھے ، کیونکہ یہاں زیادہ اونچے پہاڑ نہیں ھیں ۔ صرف ایک پہاڑ کی چوٹی سات ہزار فیٹ ھے ۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ بلندی دو ہزار فٹ ھے ۔ اس لیے ظاھر ھے کہ بارش کم ھوتی ھے ۔ دریا ھیں لیکن سارے سال نہیں بہتے۔ جھیلیں ھیں لیکن زیادہ تر پایاب رھتی ھیں ۔ صرف خلیجوں کے آس پاس کے علاقے اور خاص طور سے مغربی اوسٹریلیا بے حد زرخیز ھیں ۔ سونے کی کانوں کے باعث بعض علاقے نہایت قیمتی سمجھے جاتے ھیں ۔ اس کے علاوہ چاندی ، سیسے ، جست اور ٹین کی کانیں بھی موجود ھیں ۔ چاروں طرف پھیلی ھوئی خلیجوں میں مچھلیاں اور دوسرے بحری جانور خصوصاً کچھوے بکثرت پائے جاتے ھیں ۔ اکثر مقامات پر موتی بھی نکالے جاتے ھیں ۔ کنگیرو ، دلابی ، ووم‌باٹ اور پلے ٹائفس یہاں کے خاص جانور ھیں ۔ خرگوشوں کی بھی کمی نہیں ھے ۔ پالتو جانوروں میں گائیں بھینسیں اور گھوڑے وغیرہ شامل ھیں ۔ یہاں کے اصل باشندے جو مضافات میں پھیلے ھوئے ھیں ، اب بھی وحشی یا نیم وحشی ھیں ۔ ان میں سے کچھ سفید اقوام کے ساتھ رس بس کر کسی قدر مہذب ھوگئے ھیں ۔

سترھویں صدی کے آغاز میں یورپین یہاں پہنچے تو ایک بالکل ھی نئی دنیا ان کی نظر کے سامنے آئی - شروع میں بد دل ھو کر انھوں نے واپس چلا جانا چاھا پھر ڈھسل گئے اور ایسے کہ اب اصل باشندے پس پشت جا پڑے ھیں اور یہ سر زمین یورپین اقوام کے آبا و اجداد کی میراث بن گئی ھے -

نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ

آج صبح کے اخبار ڈان میں " نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ " کے قیام کی خبر آ گئی ھے - میں نے اس خبر کو اطمینان اور حیرت کے ساتھ دیکھا ھے - اطمینان تو یہ کہ جس کام کا میں نے بیڑا اٹھایا تھا وہ پورا ھوگیا ھے - الحمد للہ - حیرت یہ ھے کہ میری ھدایت کے خلاف یہ خبر دیدی گئی ھے - میں نے کہا تھا کہ مسودہ مجھے دکھائے بغیر خبر جاری نہ کی جائے مگر اس ھدایت کی پروا نہ کی گئی - میں نے اس حرکت کے خلاف ایک نوٹ لکھ کر اسلام آباد بھجوا دیا ھے تا کہ اس احتجاج کو فائل میں ریکارڈ کر دیا جائے - کوشش یہ کی گئی ھے کہ اس پریس ریلیز میں کوئی کریڈٹ حکیم سعید کو نہ جانے پائے - کس قدر چھوٹی اور چھوٹی بات ھے ! اور کس قدر یہ " بڑے " چھوٹے ھیں !

یہ نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ بڑی کشمکش اور شدید تگ و دو کے بعد معرض وجود میں آئی ھے - کوشاں رھے کہ یہ کونسل جس انداز سے کہ میں بنانا چاھتا ھوں بننے نہ پائے - میرے مشورہ کے بغیر دو بار انھوں نے اس کے تشکیل کر دی مگر میں نے ان دونوں کو کسی قیمت پر قبول نہیں کیا -

یہ میرا قول فیصل ھے کہ پاکستان میں اساسی اور

بنیادی طبی تحقیق اور ریسرچ طب کو موضوع بنائے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ کہ اس کے لیے حکیم ، ڈاکٹر اور سائنس داں کا اتحاد ثلاثہ ضروری ہے ۔ جو قدم اس روشنی کے بغیر اٹھایا جائے گا ۔ قطعی طور پر وہ تاریکی میں پڑے گا اور لا یعنی اور بے مقصد ہوگا ۔ میری اس حتمی رائے کی صحت سے کوئی انکار ممکن نہیں ہے ۔

شام کو ٹھیک چھے بجے میں جامعۂ کراچی میں محترم ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی صاحب کے دولت کدہ پر پہنچ گیا ۔ وہاں اس وقت تک ڈاکٹر یوسف احمد صاحب اور ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب میری درخواست پر پہنچ چکے تھے ۔ ان دونوں کو نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کے لیے میں نے نام زد کیا ہے ۔ فیصلہ میں نے یہ کیا ہے کہ ۱۲ اور ۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۷۹ء کو نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کی پہلی میٹنگ ہو جانی چاہیے ۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب نے اتفاق رائے کرلیا ہے ۔ ہم چاروں نے ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ کر ایجنڈا تیار کرلیا ہے ۔

جامعۂ کراچی

برادر عزیز ڈاکٹر محبوب النبی ہمدرد ، کراچی یونیورسٹی کے اساتذہ کی انجمن کے صدر بنے ہیں ۔ میں ان کے گھر گیا ۔ برادر عزیز اب فیکلٹی فارمیسی میں پروفیسر ہوگئے ہیں ۔ یہاں پر پرو وائس چانسلر ڈاکٹر صابر علی صاحب بھی مل گئے ۔ ان دونوں سے یونیورسٹی کے موجودہ حالات پر تبادلہ خیال کیا ۔ اس وقت صورت حال جس پر مجھے تشویش ہے ، یہ ہے کہ کئی سیاست دانوں نے معاملات جامعۂ کراچی میں دخل اندازی شروع کردی ہے ۔ ان کے بیانات اخبارات میں آئے ہیں ۔ میری رائے میں سیاست

دانوں کی اس دخل اندازی نے معاملات جامعہ کو زیادہ الجھا دیا ھے ۔ میری اس رائے سے ڈاکٹر صابر علی صاحب اور ڈاکٹر محبوب صاحب نے اتفاق رائے کیا ھے ۔

مجھے یہ معلوم ھے کہ محترمی ڈاکٹر احسان رشید صاحب اب کسی قیمت پر اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر رھنے کو تیار نہیں ھیں ۔ اور وہ تو کیا اب زمانہ ھی ایسا آگیا ھے کہ کوئی شریف استاد وائس چانسلر بننے کو آمادہ نہیں ھوتا ۔ مجھے یاد ھے کہ ایک بار ایک بد اطوار طالب علم نے اسی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر محترم ڈاکٹر محمود حسن مرحوم پر ، جو انتہائی شریف النفس انسان تھے ، ھاتھ تک اٹھا لیا تھا اور انہوں نے انتہائی صبر و تحمل سے کام لے کر اس نالایق کو کچھ نہیں کہا لیکن خود جو اثر لیا اس سے ان کی صحت خراب ھوگئی اور انہوں نے اسی بنا پر یونیورسٹی سے علاحدگی اختیار کرلی ۔ استاد اور شاگرد کے مابین احترام کا جو رشتہ ھوتا ھے وہ ختم ھوگیا ھے ۔

ڈاکٹر صاحب پر اس واقعۂ فاجعہ کا اتنا برا اثر ھوا کہ وہ زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکے اور جب سانحہ ارتحال ھوگیا تو اسی یونیورسٹی کے کیمپس میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ھوا اور موصوف کو بڑے خلوص و محبت کے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کی خوبیاں بیان کی گئیں ۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ھائے اس زود پشیماں کا پشیماں ھونا

ان تمام غیر اخلاقی سرگرمیوں کا سبب یہ ھے کہ طلبہ کی سیاست نے اور سیاست دانوں کے طلبہ کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے نے جامعات پاکستان کا حال تباہ کردیا ھے ۔ ان کا وقار مجروح ھوگیا ھے اور معیارات تعلیم پست سے پست تر اور بد

سے بد تر ہوتے جارہے ہیں - طلبہ کی اس قسم سرگرمیوں نے رائے عامہ کو خود ان کے خلاف بھی کردیا ہے - طلبہ سے آنس و محبت کا جذبہ عوام کے دلوں سے رفتہ رفتہ ختم ہوتا جارہا ہے - اب تو بس والا بھی ان کو ٹکٹ میں رعایت دیتے ہوئے ناک بھوں چڑھاتا ہے - میں دیکھتا ہوں کہ دوسرے ممالک میں طلبہ سے ہر شعبۂ زندگی میں محبت کی جاتی ہے اور ان کو بڑی خوشی اور اطمینان کے ساتھ رعایتیں دی جاتی ہیں اور طالب علم اس سلوک سے خوش اور مطمئن ہوتے ہیں - ہمارے وطن کا طالب علم اب ہر شے پر اپنا حق تسلیم کرانا چاہتا ہے - مگر علم حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے - بہر حال میں آج جامعۂ کراچی کے حالات سے خاصا پریشان ہوکر گھر آیا ہوں - معاملہ اب طلبہ و اساتذہ کا نہیں رہا ہے اب فیصلہ سیاست دانوں کے ہاتھ میں آگیا ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کریں گے جو کبھی اچھا نہیں ہوسکتا ، کیونکہ ہر سیاسی جماعت اپنے سیاسی مقاصد رکھتی ہے اور تعلیم و تعلم ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے -

۲۸ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، منگل ، کراچی

میں نے دفتر آکر اسلام آباد ٹیلی فون کیا ، اور اپنے پرائیویٹ سکریٹری کو ایجنڈا نوٹ کرادیا ہے اور ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب (ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ) کو بھجوا دیا ہے - (میں نے ان کو سکریٹری برائے نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ نام زد کیا ہے) - ساتھ ہی تمام ہدایات دیدی ہیں - نیز کہہ دیا ہے کہ ڈاکٹر عزیز صاحب مجھ سے رابطہ قائم کرکے مزید ہدایات حاصل کرلیں -

ڈاکٹر عزیز صاحب نے بھی مشورہ کرلیا ہے ۔ اب کل یہ دعوت نامے جاری کردیے جائیں گے ۔ میں نے بہت احتیاط سے دو روزہ میٹنگ کا نقشہ تیار کردیا ہے ۔ ١٢ ستمبر سنہ ١٩٧٩ء کو اس نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کے اعزاز میں ایک ڈنر بھی مرتب کیا ہے ۔ اس باب میں بھی آج ہی پوری ہدایات دیدی ہیں ۔ مدعوئین کی فہرست بھی تیار کردی ہے ۔ دعوت نامہ چھپنے کے لیے بھی دیدیا ہے ۔ ڈاکٹر عزیز صاحب کو ڈنر کے بارے میں بھی سب ہدایات دیدی ہیں ۔ اس میٹنگ میں میں نے تین ماہرین کو دعوت خصوصی جاری کرنے کے لیے کہ دیا ہے : حکیم محمد نبی خان جمال سویدا ، ڈاکٹر جی ۔ ایم خٹک اور ڈاکٹر انعام الحق ۔

آج دفتر ہمدرد میں میری مصروفیتیں سوا ہی رہیں ۔ صبح ٩ بجے سے شام تک ایک لمحہ بھی فرصت کا نہیں ملا ۔ دسمبر سنہ ١٩٧٩ء میں بیک وقت دو عالمی کانفرنسوں کے بارے میں بھی آج تمام ضروری ہدایات دیدی ہیں ۔ اب یہ کام نازک مرحلوں میں داخل ہوگیا ہے ۔ اب ماہرین کہ جن کو مدعو کیا گیا ہے جوابات دے رہے ہیں ۔ کوئی سفر خرچ مانگ رہا ہے اور کوئی استفسار کر رہا ہے ۔ اب ان مسائل کا حل کرنا آسان نہیں ہے ۔ میں نے اس کام کو موخر کرایا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ١٥ ستمبر تک انتظار کروں اور اس کے بعد فائل اپنے ساتھ پیرس لے جاؤں اور وہاں پروفیسر خولودولین صاحب اور جناب پوشپا داس صاحب سے مل کر طے کروں کہ کن کن کو سفر خرچ دیا جائے۔

۲۹ - اگست ۱۹۷۹ء ، بدھ ، کراچی

صبح بعد نماز فجر میں نے نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ پر ایک اداریہ برائے ہمدرد صحت ، اخبار الطب ، اور خبر نامہ ہمدرد لکھنا شروع کر دیا ہے - چاہتا تھا کہ ٹینس کے لیے جانے سے قبل میں اس کو ختم کرلوں ، مگر ایسا نہ ہوسکا - میں نے فیصلہ کیا تھا کہ آج ٹینس ضرور کھیلوں گا - جسم کو ورزش کی شدید حاجت ہے - چنانچہ سات بجے میں ٹینس کورٹ میں پہنچ گیا - عبدالمجید صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادے اقبال مجید ، اسماعیل مجید بھی موجود تھے ، چوتھا میں - بس دو نہایت عمدہ سٹ ہوگئے اور خوب اچھی ورزش ہوگئی -

علم و عالم کی ناقدری

میں نے ۱۰ بجے مجلس منتظمۂ ہمدرد کی اہم میٹنگ رکھی تھی - مگر پیارے دوست ڈاکٹر محمد قمر خاں صاحب نے اپنے بھائی کا مسئلہ بتایا کہ ان کا سویڈن جانا طے ہوگیا ہے ، ٹکٹ بھی آگیا ہے ، مگر کاغذات آخری منظوری کے لیے وزارت سائنس میں پڑے ہیں - میں صورت حال کو جانتا ہوں - اہل علم کے لیے سرکاری دفاتر میں جو مسائل پیدا کیے جاتے ہیں اس سے واقف ہوں - میں نے وزارت سائنس اسلام آباد ٹیلی فون کیا - پتہ چلا کہ متعلقہ صاحب کراچی میں ہیں - ان کو تلاش کیا - قصر ناز میں مقیم ہیں - میں ڈاکٹر قمر صاحب کے بھائی صاحب کو اپنے ساتھ لے کر قصر ناز گیا - مگر وہ بزرگ نہیں مل سکے ، غالباً کہیں جاچکے تھے - پھر پتہ چلا کہ فلاں دفتر میں ۱۱ بجے پہنچیں گے - میں اس دفتر گیا ، وہ صاحب ابھی تک پہنچے

نہیں نہیں ـ ان کا انتظار کیا ـ آ گئے محبت سے ملے ـ بات کو سمجھ لیا ـ اندازہ ہوا کہ کاغذات بڑے صاحب کے پاس ہیں ـ میں نے کہا کہ بڑے صاحب تو ویانا سائنس کانفرنس میں گئے ہونگے ـ پتہ چلا کہ نہیں وہ تو نہیں گئے !

ویانا میں جو کانفرنس ہو رہی ہے اس کا محرک ادارہ اقوام متحدہ ہے اور دنیا بھر سے ماہرین اس میں جمع ہوئے ہیں ـ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مستقبل کے لیے نہایت اہم اور بنیادی فیصلے ہونے ہیں ـ پاکستان کے دو رکنی وفد میں ماہرین کے بجائے ایسے لوگ گئے ہیں کہ ان میں سے ایک کا سائنس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ، دوسرے صاحب کو اس ویانا کانفرنس سے قبل اجتماعات کا کوئی ذاتی تجربہ سرے سے ہے ہی نہیں ـ جو لوگ اس کانفرنس کے لیے کام کرتے رہے ہیں ان کو شرکت سے محروم رکھا گیا ہے ـ اس طرح پاکستان کی صحیح نمائندگی نہ ہونے سے یہی ہوسکتا ہے کہ پاکستان کا امیج بین الاقوامی سطح پر بگڑ جائے ـ اس صورت حال سے مجھے یہ اندازہ تکلیف ہوئی ہے ـ میری رائے میں اس کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ پاکستان کا یہ غیر ماہر وفد ویانا کانفرنس پر اپنے کوئی اثرات چھوڑ ہی نہیں سکتا اور فائدہ اٹھانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـ ہندستان نے سنا ہے کہ ایک درجن سے زیادہ اپنے ہاں کے چوٹی کے ماہرین بھجوائے ہیں ـ دنیا کے دوسرے ممالک بھی پوری اہمیت کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں ـ مگر پاکستان کی نمائندگی کمزور ہے اور اس کی آواز بلند ہو ہی نہیں سکتی ـ

اللہ تعالیٰ ہی ہم پر رحم فرمائیں !

مجلس منتظمۂ ہمدرد

مجلس منتظمہ کی میٹنگ ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوسکی۔ میں نے آج بعض اہم فیصلے کردیے ہیں۔ ایک بادل ناخواستہ فیصلہ یہ کیا ہے کہ اگر شکر نہیں مل رہی ہے تو جس راہ سے شکر سفید مل سکتی ہے حاصل کرلی جائے اور تیاری میں محنت شاقہ کی جائے اور منافع کا خیال ترک کرکے فراہمی روح افزا کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اشیائے خام کی قیمتیں اب اتنی بڑھ گئی ہیں کہ روح افزا کی قیمت میں ایک روپے فی بوتل کا اضافہ ناگزیر ہوگیا ہے۔ میں نے ایک روپیہ فی بوتل اضافہ کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ اس سے مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ مگر محاسب اعلا ہمدرد نے جو کاسٹنگ کی ہے اس کی روشنی میں فیصلہ یہی کیا جاسکتا تھا۔

کار مینا کے نئے پیکنگ پر غور کیا گیا۔ اس کی شیشی پولیتھین کی کرنے کا فیصلہ کیا جارہا ہے۔ اس وجہ سے کار مینا کے قرص بجائے پچاس کے اس میں ایک سو آئیں گے۔ اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ اس پیکنگ کی وجہ سے خریدار کو کم از کم تین روپے کا فائدہ ہوسکتا ہے۔ میں نے اس کی منظوری دیدی ہے۔ اب پوری صحت کے ساتھ کاسٹنگ ہوگی۔ اس وقت پچاس قرص کار مینا کی شیشی اور ایک سو قرص کی شیشی زیر غور ہے۔ انشاء اللہ ۱۵ - ۲۰ دن میں صحیح کاسٹنگ کرلی جائیگی۔ خریدار کو کافی فائدہ پہنچایا جاسکے گا۔

آج ہم نے کار مینا کی فروخت پر غور کیا۔ ہمدرد کی یہ دوا خاص و عام میں انتہائی مقبول ہے لیکن میری رائے میں اس کی مانگ اب بھی کم ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اس کی ایک شیشی یا سیلوفین کی پٹی میں لگی ہوئی ٹکیاں ہر گھر میں موجود

ہوں - روزمرہ کے استعمال کی چیز ہے اور اس کی ضرورت کسی وقت بھی لاحق ہوسکتی ہے - اس اعتبار سے اس کی پبلسٹی ہونی چاہیے -

رمضان المبارک سے قبل ایک میٹنگ میں یہ تجویز سامنے آئی تھی کہ کار مینا ڈویژن الگ ہوجانے کی وجہ سے تیاری کی رفتار تیز ہوگئی ہے اور ۶ ہزار شیشیاں روز بن رہی ہیں - اسٹاک بڑھتا جارہا ہے - اس لیے تیاری کم کر دینے کی اجازت دیدی جائے - میں نے اس کو منظور نہیں کیا بلکہ یومیہ ۶ ہزار شیشی کی تیاری جاری رکھنے کی ہدایت دی اور فروخت کے لیے پلاننگ کر کے دیدی - آج رپورٹ یہ آئی ہے کہ فروخت کی نئی پلاننگ کی وجہ سے رمضان المبارک میں ساڑھے تین لاکھ شیشیاں کار مینا کی فروخت ہوچکی ہے ! پروڈکشن جاری ہے - آج کار مینا کی تشہیر کے لیے فیصلے کر دیے ہیں -

شام کے ۶ بجے تک کام کرتا رہا - اب کل سفر درپیش ہے ، اس لیے ضروری ہدایت ہر شعبۂ ہمدرد کو دیتا رہا - کام ختم کر کے مس اپنی سکریٹری خانم ڈی سلوا کے ساتھ بازار گیا اور اوسٹریلیا طبی کانفرنس کے صدر ڈاکٹر باسام صاحب کے لیے چاندی کی منقش طشتری خریدی - یہ ان کے لیے تحفہ اور ہدیۂ ہمدرد ہوگا - ایسی طشتریاں ڈرائنگ روم میں آرائش کے کام آتی ہیں - اس کے نقش و نگار پاکستانی ہنر مندی کے آئینہ دار تھے -

میرے دوست اور ہمدرد کے ٹرسٹی جناب رحیم بخش خاں صاحب مڈ ایسٹ مڈیکل سنٹر میں داخل ہیں - ان کی عیادت کے لیے گیا - بے چارے خاں صاحب اب عمر رسیدہ ہیں - بینائی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے - ایک ماہ قبل غسل خانے میں گرگئے - ران اور بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں - یہاں ڈاکٹر سلیمان صاحب

کے زیر علاج ہیں ۔ ساکی بھے کہ جس کمرے مس وہ اس ہسپتال میں ہیں اس کا کرایہ ایک ہزار رپے روز ہے ، مگر ایک ہرار پیسے کے قابل بھی سروس نہس ہے ۔ میں نے کہا کہ کارکنان کی یہ کوتاہی توجہ دلانے سے دور ہوسکتی ہے ۔

یہ ہسپتال جن حالات مس بنا وہ داستان بڑی طویل اور دل چسپ ہے ۔ عربوں کے لیے تعمیر ہوا تھا کہ جس قدر اخراجات ہوں وہ برداشت کرلیتے ہس ۔ مگر اب پاکستان مس امتناع سراب و کباب وعیرہ کی وجہ سے عرب بھائیوں نے پاکستان کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے ۔ وہ اب مغرب کو جاتے ہس یا بمبئی جاتے ہیں ۔ یہ ہسپتال نقصان میں چلا گیا ہے ۔ نقصان سے رحیم بخس خاں صاحب جیسے مریض ہی بچا سکتے ہس کہ جو سروس نہ ہوتے ہوئے بھی ہرار رپیہ کرائے کا ادا کر رہے ہیں !

محترم ڈاکٹر ظفر یاب حسن صاحب طبیہ کالج دہلی مس میرے استاد رہے ہیں ۔ بھر ہمدرد طبیہ کالج میں رجسٹرار بھی رہے ، مگر اپنی مرضی سے بحرین وعیرہ چلے گئے جہاں حسب منشا سروس نہ مل سکی ۔ آج ان کے صاحبزادے کا ٹیلی فون آیا تھا کہ ابا بہت بیمار ہیں ۔ میں رات ۸ بجے ان کی عیادت کے لیے گیا ۔ زار زار روئے ۔ وہ اب چلنے سے معذور ہوگئے ہیں ۔ کمزور بھی بہت زیادہ ہوگئے ہس ۔ مس آدھ گھنٹے ان کی خدمت میں حاضر رہا ۔ دوائیں بھجوانے کا وعدہ کرلیا ۔

گھر آگیا ۔ اب تھکن اتنی ہے کہ فوراً ہی ناشتہ وغیرہ کرلیا ۔ آج تو مصروفیت بڑی ہی شدید رہی ، دوپہر کو ناشتہ تک نہ کرسکا ۔ اب ۲۴ گھنٹے بعد کھیل اڑ کر منہ میں گئی ہے ! کام تو میں ختم کرچکا تھا ۔ اپنا سامان بھی کل باندھ لیا

تھا ۔ بس ۱۰ بجے سوگیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ چار بجے اٹھونگا ۔

۳۰ ۔ اگست ، ۱۹۷۹ء ، جمعرات ۔ کراچی ، بنکاک ، سنگا پور

صبح تین بجے آنکھ کھل گئی ، حال آں کہ میں نے اپنے ذھن میں چار بجے اٹھنے کی بات طے کی تھی ۔ تین بجے آنکھ کھل جانے کے معنی یہ ھوئے کہ " ذھن کے الارم " میں کوئی خرابی آگئی ھے یا قدرت کی کوئی بڑی رھنمائی ھے اور منشا یہ ھے کہ میں اس معمول کو جاری رکھوں کہ جو رمضان المبارک میں رھا ھے ۔ میں تامل و تاخیر کے بغیر اٹھ بیٹھا اور سرعت رفتار کے ساتھ تیار ھوگیا اور مصروف عبادت ھوگیا ۔ نہایت اطمینان سے اپنے اللہ خالق دو جہاں سے لو لگائے رھا ۔ حتیٰ کہ ۵ بجے موذن نے وقت نماز فجر کا اعلان کردیا ۔ نماز سے فراغت پا کر میں نے اپنا سامان ھوائی میدان روانہ کردیا اور ھدایت دی کہ سامان از کراچی تا سڈنی بک کرا دیں تا کہ راہ میں جگہ جگہ سامان لینا دینا نہ پڑے ۔ میں نے یہ بھی ھدایت دی کہ ھوائی جہاز کے پروگرام میں کوئی تبدیلی ھو تو ٹیلے فون کردیں ۔ میں نے اپنی سکریٹری خانم ڈی سلوا کو ٹیلے فون کیا ۔ ان کو چند ضروری ھدایات دیں اور ایک ھدایت یہ کہ وہ ھوائی میدان نہ آئیں ۔ میں ان کو بلاوجہ زحمت دینا نہیں چاھتا تھا ۔

حکیم محمد احسن

سوا چھے بجے میں خود بھی ھوائی میدان پہنچ گیا ۔ اب

تک یہ اطلاع تھی کہ جہاز وقت پر پونے سات بجے روانہ ہوگا ، تاہم یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ مجھے انتظار گاہ خواص (وی آئی پی لاؤنج) جانا چاھیے ۔ میں اس مشورہ پر کھٹک گیا ، ضرور کوئی گڑبڑ ھے ۔ بارے میں نے بات مان لی اور ادھر چلا گیا ۔ برادر عزیز ڈاکٹر حافظ محمد الیاس کو رخصت کر دیا ۔ وہ منع کرنے کے باوجود آگئے تھے ۔ انتظار گاہ خواص میں داخل ھوا تو حکیم محمد احسن صاحب تشریف فرما تھے ۔ خوب ملاقات ھوئی ۔ ادھر آجانا مبارک ثابت ھوا ۔ ان کی اهلیہ لیڈی ڈاکٹر مہرو عباسی بھی تھیں ۔ عرصۂ دراز کے بعد ان دونوں سے ملا ۔ دل خوش ھوگیا ۔ حکیم محمد احسن ۱۹۴۷ء میں لارڈ میئر اوف کراچی تھے کہ جب میں پاکستان آیا تھا ۔ وہ میرے ھم جماعت چار سال تک طبیہ کالج دھلی میں رھے تھے ۔ مہرو عباسی بھی ان دنوں دھلی میں میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھیں ۔ طبیہ کالج دھلی میں ھم دونوں دوست اپنی دوستی اور اخوت کی وجہ سے بڑے مشہور تھے ۔ ھم ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے ۔ رات دن کا ساتھ تھا ۔ طبیہ کالج سے فراغت کے بعد حکیم محمد احسن صاحب کو ایسی تکلیف تھی کہ ان کو آرام کی ضرورت تھی ۔ مسوری پہاڑ موزوں تر تھا ۔ برادر محترم حکیم محمد یحییٰ سے میں نے درخواست کی کہ وہ حکیم محمد احسن صاحب کے ساتھ مسوری پہاڑ پر رھیں اور وہ ان کے ساتھ رھے اور پھر ھم نے بخیروعافیت ان کو کراچی روانہ کردیا ۔ کراچی میں میئر کے منصب جلیلہ سے سبکدوش ھونے کے بعد حکیم محمد احسن مختلف سفارتی عہدوں پر فائز رھے ، اور آج بھی وہ بحرین میں سفیر پاکستان ھیں ۔

سیدی میراں محمد شاہ

میں دھلی میں حضرات سندھ کا دوست مشہور تھا ۔ میرا غریب خانہ ان کا مرکز رھتا تھا ۔ کیا سیدی میراں محمد شاہ صاحب اور کیا جناب محترم محمد ایوب کھوڑو ، جناب محترم پیر الٰہی بخش ، جناب میر غلام رسول تالپور ، وغیرہ وغیرہ ، سب کی میزبانی کا مجھے فخر اور شرف حاصل رھتا تھا ۔ سندھ کی مشہور علمی شخصیت ڈاکٹر داؤد پوتہ صاحب سے بھی بڑا گہرا قلبی تعلق تھا ۔ غرض سندھ کا ہر باسی میرا دوست رھا تھا ۔ یہ بات تو ذھن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھی کہ ۱۰ سال بعد ایک وقت آئے گا کہ خود مجھے "سند باد جہازی" بننا پڑے گا !
سیدی میراں محمد شاہ صاحب ۱۹۳۷ء اور اس کے بعد وائسرائے کی کاؤنسل میں محکمہ ڈیفنس کے رکن تھے ۔ ان سے میرے دوستانہ تعلقات ان ھی دنوں ھوئے اور تعلقات نہایت برادرانہ اور دوستانہ اس وقت تک رھے کہ جب قدرت نے ۲۱ نومبر ۱۹۶۳ء کو انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دیدی ۔ میں ان دنوں چین کا دورہ کر رھا تھا ۔ اس سانحۂ ارتحال کی خبر مجھے چٹگانگ آ کر ھوئی ، جہاں میں چین سے رنگون ھوتا ھوا پہنچا تھا ۔ یہ جدائی بڑی شاق گزری تھی ۔ پاکستان میں ھمدرد کی مضبوط بنیاد رکھنے میں سیدی میراں محمد شاہ صاحب کا بڑا ھاتھ تھا ۔ وہ ایک ایسے دوست ثابت ھوئے کہ جو ہر لمحہ مستعد و معاون رھتے اور مجسم خلوص و انس ثابت ھوتے ھیں ۔ ۱۹۴۸ء میں کہ جب میں پاکستان آ گیا اپنے دم آخر ۱۹۶۳ء تک سید میراں محمد شاہ نے پورے خلوص اور بڑی محبت کے ساتھ میرا ساتھ دیا اور ایک لمحہ بھی مجھے یہ محسوس نہ ھونے دیا کہ میں تنہا ھوں ۔

اپنے پیروں پر

حکیم محمد احسن لارڈ منٹو تھے اور میں معمولی میر بھی نہ تھا ۔ میر نالپور کا دوست ہونے سے آدمی میر نہیں ہوجاتا ! میں نے یہ صحیح فیصلہ کیا تھا کہ کراچی میں مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی راہ اختیار کرنی چاہیے ، اور میں نے ایسا ہی کیا ۔ گو سخت افلاس کا عالم تھا ، کیونکہ اپنا سب مال و متاع دھلی چھوڑ کر خالی ہاتھ آ گیا تھا ۔ تاہم قدرت نے پوری مدد کی اور میں اپنے کسی سندھی دوست کے پاس اپنے کام کے لیے نہ گیا ۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری دوستی کو جو ہمیشہ مبنی برخلوص رہی ہے ، اس میں کوئی بھی ملاوٹ ڈالوں اور اپنی کسی غرض کو پورا کرکے اسے پامال کروں ۔ میں نے اپنے اس فیصلے پر پوری طرح عمل کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی ۔ میری یہ داستان بڑی دل چسپ ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنی خود نوشت سوانح میں اس کا حال بیان کروں گا ۔ ۱۹۳۰ء سے اب تک کے حالات کو میں نے لکھ کر محفوظ کیا ہوا ہے ۔ اور بچپن کے حالات تو مجھے اس طرح یاد ہیں کہ جیسے کل گزرے ہوں ۔ اگر وقت مل گیا تو یہ خود نوشت سوانح حیات کم مفید اور دل چسپ نہ ہوگی !

ہوائی میدان پر حکیم محمد احسن صاحب سے خوب باتیں ہوئیں ۔ ان دنوں وہ بحرین میں سفیر پاکستان ہیں ۔ پاکستان کی وزارت خارجہ سے ان کا تعلق اب قدیم ہوگیا ہے ۔ وہ عراق ، نائجیریا ، یوگوسلاویا وغیرہ ممالک میں پاکستان کے سفیر رہے ہیں ۔ طب سے وہ اس درجہ دور ہوگئے کہ ایک بار میں نے انجمن ترقی طب کی جانب سے ان کو بہ عہدۂ سفارت متعین ہونے پر استقبالیہ دینا چاہا تو اس کو انہوں نے اس لیے قبول نہ کیا کہ

طب پاکستان میں اختلافی مسئلہ ہے ۔ میں اس صدمہ کی تاب نہ لاسکا ۔ اور میں نے ان سے ملنا ترک کردیا ۔ پھر نہ جانے برادرانہ تعلقات کیسے استوار ہوگئے ۔ مگر ان تعلقات میں ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۰ء کا سا مزہ کبھی نہ آیا ۔ میں طب کے معاملے میں بڑا حساس ہوں ۔ اس طب کو عالمی حیثیت دلانے کے لیے میں نے حکیم محمد احسن تو کیا پاکستان کے ہر اس شخص سے لڑائی مول لی ہے کہ جس نے طب کے درجہ کو ذرا بھی کم کیا ہے ۔

معلوم ہوا کہ وہ ہوائی جہاز جو مجھے بنکاک لے جاتا ، ہنوز آیا ہی نہیں ہے ، لہٰذا کوئی دوسرا جہاز جائے گا جس کو پرواز کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اور اس میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا ۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ گھنٹے کی بات نہیں ہے ، زیادہ کی ہے ۔ ویسے یہ اچھا ہوا کہ بجائے اس کے کہ میں بنکاک کے ہوائی میدان پر سنگا پور/سڈنی والا جہاز پکڑنے کے لیے پانچ گھنٹے ٹھہرتا کراچی میں یہ وقت گزرا ۔ میں نے سب کو رخصت کر دیا اور اپنی تازہ کتاب "شب و روز" نکال لی ، یہ کتاب دو تین دن ہی ہوئے ہیں کہ چھپ کر آئی ہے ۔ خود میرے لیے اس کتاب کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں تھا !

ارشادِ کپتان

جہاز بجائے پونے سات بجے کے پونے دس بجے روانہ ہوا ۔ جب ہوا میں جہاز نے پوری بلندیوں کو چھولیا تو کپتان نے مخاطب ہوکر تاخیر کی وجہ بیان کی ۔ ان کا ارشاد تھا :

" — آپ بھی صبح ہی ہوائی میدان آئے ، ہم بھی صبح
ہی وقت پر آ گئے تھے اور اب تک آپ کی طرح
ہم بھی جہاز کے منتظر رہے ۔ اس جہاز میں سبز

لفافے ھیں ۔ آپ ان پر اپنے تاثرات لکھیے اور جو سلوک آپ کے اور ھمارے ساتھ ھوا ھے اس کی شکایت کیجیے ——"

یہ بڑا ھی غیر معمولی اعلان تھا ۔ اس پر میں نے بعض مسافروں کے قہقہوں کی آوازیں بھی سنیں ، اور مجھ جیسے انسانوں نے اس اعلان کو بڑی تکلیف کے ساتھ سنا ھے ، کپتان آخر پی ۔ آئی ۔ اے تنظیم کا ایک اھم رکن ھے ، وہ پی ۔ آئی ۔ اے کا ملازم بھی ھے ۔ وہ پاکستان کی قومی ھوائی کمپنی کا ایک اھم فرد ھے ۔ اس کو اپنے ادارے کی غلطیوں کی اس طرح برسرعام نشان دھی کرنے سے گریز کرنا چاھیے تھا ۔ اس کا اس قسم کا اعلان اخلاق و آداب کی کسی تعریف میں بھی نہیں آتا ھے ۔ پی ۔ آئی ۔ اے اپنے عملے کی کوتاھیوں کی وجہ سے ایک نیک نام ھوائی کمپنی نہیں ھے ۔ عملے کی وہ کوتاھیاں کہ جو ھوائی جہاز پر اور گراؤنڈ پر پی ۔ آئی ۔ اے کو ممتاز ھونے نہیں دیتیں اور لوگ دوسرے جہازوں کا انتخاب کرتے ھیں کم نقصان رساں نہیں ھیں ۔ اس پر مستزاد یہ کہ عملہ پی ۔ آئی ۔ اے باھم دست و گریباں ھے ۔ اس سے بھی نقصان کی صورتیں پیدا ھو رھی ھیں ۔ آج جہاز کے کپتان کا اعلان در حقیقت ایک تعاون کے مترادف ھے اور کسی طرح اس کے شایان شان نہیں ۔ مجھے اس سے بڑی تکلیف پہنچی ھے ۔

بنکاک کے ھوائی میدان پر

سوا چار گھنٹے میں ھم بنکاک (تھائی لینڈ) کے ھوائی میدان پر اتر گئے ۔ جہاز کا عملہ بڑا مستعد تھا ۔ میرے ساتھ اس کا نہایت اچھا سلوک رھا ۔ میں اس کی قدر کرتا ھوں ۔ ایک

بزرگ مجھ سے پہلے ہی جہاز میں آکر اس جگہ بیٹھ گئے تھے کہ جو میں نے اپنے لیے حاصل کی تھی ۔ میرے آنے پر وہ اٹھنے کے لیے تیار ہوگئے ، مگر میں نے دوسری جگہ بیٹھ جانا پسند کرلیا اور ان کو زحمت نہ دی ۔ بہ ظاہر وہ پی ۔ آئی ۔ اے کے عملے کے رکن معلوم ہوتے تھے ، اگرچہ مجھے یقین نہیں ہے ، مگر وہ اپنی اس حرکت پر ذرا بھی نادم نہ تھے کہ وہ زبردستی میری جگہ بیٹھ گئے تھے ۔ ان سے مجھے اس لیے بھی بعد رہا کہ وہ تمام راستے شراب نوشی کرتے رہے ۔

بنکاک جس کی آبادی تقریباً ۴۰ لاکھ ہے ، خلیج سیام کے قریب دریائے منام کے کنارے ۱۷۸۲ء سے تھائی لنڈ کا صدر مقام ہے ، ملک کا بڑا صنعتی مرکز ہے اور زرخیز میدانوں سے گھرا ہوا ہے ۔ ملک کی بڑی بندرگاہ ہونے کے اعتبار سے بھی اسے اہمیت حاصل ہے ۔ چاول ، ٹن ، عمارتی لکڑی (ٹیک) اور ربڑ یہاں سے برآمد ہوتا ہے ۔ شہر میں متعدد جگہ آرا مشینیں لگی ہوئی ہیں اور چاول صاف کرنے کے کارخانے بھی ہیں ۔ علاوہ ازیں تیل صاف کرنے کا ایک بڑا مرکز ہے ۔ ریل کے ذریعہ سے یہ شہر سنگاپور ، چیانگ مائی اور پنوم پنہ سے ملایا گیا ہے ۔ قدیم شہر کے گرد فصیل لمبی تھی جو اب ختم کردی گئی ہے ۔ انیسویں صدی کے آخر میں اس شہر کو جدید انداز میں ترقی دی گئی ۔ مغربی طرز پر بہت سی بلند عمارتیں وجود میں آئیں اور شمالی مضافات میں ایک محل بھی تعمیر کیا گیا ۔ جانب جنوب چینیوں نے اپنی کالونی بنا رکھی ہے ۔ بہ حیثیت مجموعی قابل دید شہر ہے ۔ میں بہت پہلے اسے دیکھ چکا ہوں ۔

بنکاک کے ہوائی میدان پر عملہ پی ۔ آئی ۔ اے جو ہوائی جہاز کے لیے متعین تھا اس کو میری آمد کی اطلاع تھی ۔

پی - آئی - اے کے ایک نمائندہ رکن نے مجھے ٹرانزٹ لاؤنج میں پہنچا دیا - یہاں معلوم ہوا کہ سڈنی جانے والا جہاز چار گھنٹے لیٹ ہے - اس وقت یہاں سام کے پانچ بجے تھے - گویا رات ۹ بجے تک انتظار کرنا ہوگا - پی - آئی - اے کے رکن جو مجھے یہاں لائے تھے یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں دوبارہ واپس آتا ہوں ، مگر وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے - پاکستانی بزرگ جنہوں نے ہوائی جہاز سے باہر نکلتے ہی بڑے جوش و خروش سے ہاتھ ملایا تھا خیال تھا کہ وہ آ کر حال تو پوچھیں گے ، مگر وہ بھی لوٹ کر نہ آئے - اور میں چار گھنٹے ٹرانزٹ لاؤنج میں بیٹھا رہا ، مگر یہ تجربہ کم دلچسپ نہ تھا - یہاں طرح طرح کے لوگ آتے رہے - میں ان سے دلچسپی لیتا رہا - چار گھنٹے مطالعہ میں صرف ہوگئے - ماحول سخت ہنگامہ آرائی کا تھا - نہ پڑھنے کا موقع تھا اور نہ لکھنے کا - ایک شور تھا کہ جس سے واسطہ پڑا تھا ! اگر عملہ پی - آئی - اے توجہ کرلیتا تو مجھے کوئی آرام کی جگہ مل سکتی تھی ، اور میں متوقع تھا کہ میرا اس طرح خیال کیا جائے گا - یہ وہ کوتاہیاں ہیں کہ جو مسافر کو بد دل کر دیتی ہیں

میں یہاں بیٹھا سوچتا رہا کہ ۱۹۵۲ء میں جب میں بھائی جان محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اس شہر بنکاک اور ملک سیام کا کیا حال تھا - سیام ایر ویز چند ڈکوٹا جہازوں کا نام تھا - بنکاک میں ہمیں ایک ٹیکسی میسر نہیں آئی تھی ، سڑکیں بھی خالی تھیں - آج یہ صورت ہے کہ اس شہر میں کچھ نہیں تو تین لاکھ موٹریں ہیں ا[ور] تھائی ایرویز اس وقت ایک بڑی ہوائی کمپنی شمار ہوتی ہے بنکاک کے ہوائی میدان سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ یہاں مسلسل جہاز اترتے چڑھتے ہیں - چار گھنٹوں میں سینکڑوں جہازوں

اعلان ھوا اور مس اعلانات سنتے سنتے تھک گیا ، کان پک گئے !
اگر میں شاعر ھوتا تو اپنے مشاھدات کی بنیاد پر کئی نظمیں لکھ ڈالتا ۔ خالی بیٹھے کی یہ بیگار زیادہ بھلی ثابت ھوتی ھے ، مگر شعر کا میدان میری جولا نگاہ نہیں ھے ۔ میں فقط نثر نگار ھوں ۔

۹ بجے شب کو تھائی ایرویز کے ھوائی جہاز ٹی جی ۹۸۱ میں سوار ھوگیا ۔ اب یہ جہاز سنگاپور اترے گا اور پھر وھاں سے سڈنی روانہ ھوگا ۔ غالباً تھائی ایرویز ھی ایک ایسی ھوائی کمپنی ھے کہ جو اپنے مہمانوں کو سب سے پہلی چیز جو پیش کرتی ھے وہ پھول ھوتے ھیں ۔ یہ میرا بارھا کا تجربہ ھے ۔ مجھے صحیح علم نہیں ھے ، مگر اندازہ یہ ھوتا ھے کہ تھائی ایرویز کا تعلق و شراکت پان امریکن یا ایسی ھی کسی دوسرے ھوائی کمپنی سے ھے ۔ ان کے جہاز بہت اچھے ھیں اور عملے کا انداز پان امریکن سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ھے ، اور نہایت اچھا ھے ۔

بنگلہ دیش

بنکاک کے ھوائی میدان پر " بنگلہ دیش بیمان " کی پرواز کا اعلان بھی ان کانوں نے سنا اور ڈھاکہ کا نام بھی آیا ۔ اس سے دل و دماغ میں جو ھلچل مچی ھے اس کا بیان کرنا مشکل ھے ۔ انتظار گاہ میں ایک صاحب میرے سامنے ھی تین گھنٹے بیٹھے رھے ، مگر ان سے شرف تعارف حاصل نہ ھوسکا ، اب جہاز میں وہ میرے پاس آ کر بیٹھے تھے ۔ یہاں ان سے شرف ھم کلامی حاصل ھوا ۔ بنگلہ دیش کے ایک ڈاکٹر صاحب تھے اور کینبرا ایشین ٹریڈیشنل مڈیسن کانفرنس میں جا رھے تھے ۔ میں ان کے لیے غیر تھا ، مگر میرا نام وہ جانتے تھے ۔ شاید وہ اس ملاقات

سے خوش تو ہوئے تھے ، مگر پھر بھی ان سے زیادہ باتیں نہ ہوسکیں ۔ خود میں بھی تاریخ کے مدوجزر میں گھر گیا ۔ بنکاک کے ہوائی میدان پر ریفریشمنٹ کارڈ ملا تھا ، مگر میں نے تھائی ایرویز کی اس میربانی سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔ ہوائی جہاز میں جو کھانا آیا میں کھا نہیں سکتا تھا ۔ میں نے دس ڈبل روٹی اور بسکٹ اور میٹھا کھا لیا ۔ گوشت میں نہیں کھا سکتا تھا ۔ جب آگے بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے اپنے لیے خصوصی کھانا منگوایا تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی دودھ مانگ سکتا تھا اور پھل بھی ۔ خیر ، اب جینے کے لیے وہ کافی تھا کہ جو میں نوش جان کر چکا تھا ۔

سنگاپور

سنگاپور جزیرہ نمائے ملایا کے جنوبی سرے پر ایک جزیرے کا نام ہے ۔ چینی الفاظ میں اس کا نام " ہن چھایؤکنگ ہوکوؤ " ہے ۔ اس کا مفہوم " شہر شیر ببر " سے ادا کیا جاتا ہے ۔ مورخین نے اس نام کی وضاحت نہیں کی ۔ اس جزیرے کی لمبائی تقریباً ۲۶ میل اور چوڑائی ۱۴ میل ہے، لیکن کل رقبہ تقریباً ۲ سو ۳۳ مربع میل ہے ۔ ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی ۲۰,۷۴,۵۰۷ تھی ۔ ان میں چینیوں کی تعداد ۱۵,۷۹,۸۶۶ ، ملایا والوں کی ۳,۱۱,۳۷۹ اور ہندستانیوں کی تعداد ۱۴۵,۱۹۶ تھی ۔ اندازہ ہے کہ موجودہ کل آبادی ۲۵ لاکھ کے قریب ہوگئی ہوگی ۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے تجارتی مرکزوں میں شمار ہوتا ہے اور مشرق بعید میں برطانیہ کا بہت بڑا بحری اڈا ہے ۔ شہر اور بندرگاہ جزیرے کے جنوبی حصے میں ہیں ۔ بحری اڈا آبنائے جوہور کے عین

مد مقابل واقع ہے ۔ ساحل بڑا کٹا پھٹا ہے ، کیونکہ بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا زمین کا سینہ چیر کر سمندر میں آ گرتے ھیں ۔ اسی لیے بعض علاقے بڑے دلدلی ھیں ۔ ایک خاکنائے جزیرے کو ریاست جوھور سے ملاتی ھے ۔ سنگا پور کسی زمانے میں اس کا ایک حصہ تھا ۔ ۱۸۰۶ء میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ایک معاھدے کے ذریعہ سے اس کی حیثیت جدا گانہ ھوگئی ۔ پھر ۱۸۲۴ء میں وہ برطانیہ عظمیٰ کا باقاعدہ ایک جزو بن گیا ۔ برطانوی تسلط سے قبل اسے ماھی گیروں کی ایک بستی کہا جاتا تھا ۔ لیکن چینی اور ملایائی تاجر تیزی سے یہاں آتے رھے ۔ انہوں نے اس بندرگاہ کو ایسی ترقی دی کہ پنانگ اور ملاکا کی حیثیت ثانوی ھوگئی ۔ انسویں صدی کے آخر اور موجودہ صدی کے شروع میں برطانیہ کے زیر نظام اس نے زبردست ترقی کی اور وہ ٹین اور ربڑ برآمد کرنے والی بڑی بندرگاھوں میں شمار ھونے لگا ۔ پھر جب ریل کی پٹری نے اس کو بنکاک سے ملا دیا تو یہاں کی تجارتی منڈی زیادہ چمک گئی ۔ اس کے بعد فضائی مستقر کی تعمیر نے اسے چار چاند لگا دیے ۔ وہ غیر ملکی مواصلات کا ایک اھم مرکز بھی بن گیا ۔ ۱۹۲۴ء میں بحری اڈا بننا شروع ھوا جو ۱۹۳۸ء میں مکمل ھوگیا ۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اسے مزید اھمیت حاصل ھوئی ۔ وہ جاپانیوں کے خلاف جنوب مشرقی ایشیا اور انڈونیشیا کا ایک دفاعی مرکز بن گیا ۔ تاھم لڑائی کے دوران اس پر سخت حملے ھوئے ۔ ساری دنیا سے اس کا سلسلہ منقطع ھوگیا ۔ یہاں تک کہ ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو جاپانیوں نے ھتھیار ڈلوا دیے ۔ ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو برطانیہ نے دوبارہ اس پر اقتدار حاصل کرلیا ۔ ۷ اگست ۱۹۶۵ء کو حکومت ملائیشیا اور ریاست سنگا پور کے مابین ایک معاھدہ ھوا ، جس پر دو دن

بعد سے عملدرآمد شروع ہوگا ۔ اس وقت سے سنگا پور وفاق ملایا کی چودہ ریاستوں میں شامل نہیں رہا بلکہ ایک آزاد خود مختار مملکت بن گیا ۔ ملائشیا نے اپنے دستورالعمل کے مطابق اس علاحدگی کی توثیق بھی کردی ۔ پھر دونوں حکومتیں اس بات پر متفق ہوگئیں کہ بیرونی دفاع اور باہمی امداد کے موضوع پر ان کے مابین ایک اقرار نامہ ہوجائے ۔ حکومت سنگا پور نے خود بھی اپنا دستور وضع کرلیا جس کی رو سے حکومت ملائشیا کو تفویض کیے ہوئے جملہ اختیارات کی بازیابی ہوگئی ۔ ملائشیا کی حکومت کے سربراہ کو جو اختیارات حاصل تھے ، وہ سلب ہوکر حکومت سنگا پور کو مل گئے ۔ سنگا پور کے دفتروں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین ، جو پہلے حکومت ملائشیا کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے ، حکومت سنگا پور کے ماتحت کام کرنے لگے ۔ اسی طرح سنگا پور کے شہری باشندے ملائشیا کے شہری باشندے نہیں رہے ۔ حکومت سنگا پور نے ان بین الاقوامی معاہدوں اور اقرار ناموں کی ذمہ داری قبول کرلی جن پر حکومت ملائشیا نے دستخط کیے تھے ۔ اب سنگا پور آزاد جمہوریہ بن چکا ہے ۔

اب سنگا پور میں ملایائی ، چینی ، تامل اور انگریزی سرکاری زبانیں ہیں ۔ تاہم مملکت کے انتظامی امور میں صرف انگریزی زبان استعمال ہوتی ہے ۔

جمہوریہ سنگا پور میں پارلیمان کے ارکان کی تعداد ۶۹ ہے جن کو پوشیدہ پرچیوں کے ذریعہ سے منتخب کیا جاتا ہے ۔ پارلیمان اپنے ارکان میں سے اسپیکر کا انتخاب کرتی ہے تاہم اسمبلی کے باہر سے بھی کوئی مناسب شخص اس منصب پر فائز کیا جاسکتا ہے ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ایسے اسپیکر کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا ، خواہ اسمبلی میں بحث کسی بھی

موضوع پر ہورھی ہو۔ اب ملک میں یورپی طرز کی عمارتیں بن گئی ھیں جن میں سرکاری دفاتر اور گرجا گھر بھی شامل ھیں۔ طبی تعلیم کے لیے کنگ ایڈورڈ مڈیکل کالج بڑی خدمات انجام دے رہا ہے۔

سنگا پور کا وقت بنکاک سے آدھا گھنٹا آگے ہے۔ دو گھنٹے پرواز کے بعد ہم سنگا پور پر اتر گئے۔ پہلے اعلان ھوا تھا کہ سڈنی جانے والے مسافر جہازوں پر تشریف فرما رھیں۔ مگر بعد میں کہا گیا کہ وہ ٹرانزٹ لاؤنج میں جاسکتے ھیں۔ میں تجربہ کار سیاح ھوں۔ جان گیا کہ جہاز میں گڑ بڑ ہے۔ چناں چہ ایسا ھی ھوا اور اعلان ھوا کہ جہاز ایک گھنٹہ تاخیر سے روانہ ھوگا، انجن میں کوئی "ٹربل" ہے!

سنگا پور میں بارھا آیا ھوں۔ سب سے پہلا دورہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔ ان دنوں سنگا پور میں انگریزوں کا چراغ گل کیے جانے کے سامان ھو رہے تھے۔ حکومت کے باغیوں نے انگریز کا ناک میں دم کیا ھوا تھا۔ انگریزوں پر حملے، ریلوں پر رات کے اندھیروں اور دن کے اجالوں میں گولیاں برسائی جارھی تھیں۔ راستے جگہ جگہ بند کیے جارہے تھے۔ سنگا پور سے کوالالمپور تک رات کا ریل کا سفر خالی از خطر نہ تھا۔ مسافر کی یہ اپنی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈالے اور اس ریل میں سفر کرے جس کی حفاظت کے لیے انگریز مسٹنڈے چلتے تھے۔ اس سے زیادہ دل چسپ تجربہ اور کیا ھوسکتا تھا۔ میں نے یہ سفر اختیار کیا، حال آں کہ یاد آتا ہے کہ خاندان نمازی نے مشورہ اس کے خلاف دیا تھا۔ درحقیقت یہ جنگ نہ صرف یہ کہ انگریز کے خلاف تھی بلکہ اس میں ساری شورش اور ھنگامے کے پس پشت وہ چینی ذھن اپنی پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کام کر رھا

تھا کہ جو سنگا پور میں اکثریت کا حامل تھا اور اپنا استحکام قائم کرنے کا آرزو مند تھا ۔ انقلاب خواہ مخواہ نہیں آ جایا کرتے ہیں ، صاحب فکر و نظر لوگ برسا برس آگے کی باتیں سوچا کرتے ہیں ۔

سنگا پور سے کوالالمپور ، اور پھر ملایا کے دوسرے اہم مقامات ، جوھور ، پنانگ وغیرہ بھی میں گیا ۔ مگر آزادی کی تڑپ کا دائرہ سنگا پور تک محدود تھا ۔ ملایا کے دوسرے علاقوں میں مکمل خاموشی تھی اور سنگا پور جیسی جدوجہد کے نشانات وہاں معدوم تھے ۔

بالآخر انگریز نے جنوب مشرقی ایشیا کے اپنے بڑے اہم جنگی مرکز کو خیر باد کہا اور پھر چشم فلک نے یہ بھی دیکھا کہ سنگا پور ایک آزاد مملکت بنا جس کی آبادی کی اکثریت چینی تھی ۔ آزادی کا یہ عمل بغیر کشت و خون کے ہوا ۔ تبادل خیال کی میز پر لوگ بیٹھے ، فیصلے ہوئے ، سنگا پور آزاد مملکت بنا اور ملایا ملائشیا بن گیا اور اس کا دارالحکومت کوالالمپور منتقل ہوگیا ۔

جاپان سے واپس آتے ہوئے ایک بار ۱۹۷۴ء میں سنگا پور گیا ۔ یہ وہ دن تھے کہ آزاد مملکت قائم کرنے کے بعد ایک فرد واحد ، مسٹرلی ، نے سنگا پور کو دنیا کا صاف ترین شہر بنادیا تھا ۔ نظم و نسق کا یہاں عروج تھا ۔ تعمیر و ترقی کا بازار گرم تھا ۔ دنیا کا سب سے بڑا پورٹ عالم وجود میں آ گیا تھا ۔

صفائی ستھرائی کا معیار یہ تھا کہ اگر کوئی سگرٹ کا پس سوزا سڑک پر پھینک دیتا تو اس پر جہاں کے تہاں کئی ڈالر جرمانہ ہوجاتا ۔ یہ فیصلہ بلا امتیاز ہوتا ، چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہ تھی ۔

ان ھی دنوں دفتر پاکستان میں جناب بھٹی صاحب نگراں تھے - بڑی خوبیوں کے انسان ھیں - ان کی وجہ سے سنگا پور کے مراکز صحت دیکھنے کا اتفاق ھوا - جنرل ھسپتال کی نگران اعلا سسٹر واگیز میرے لیے نئی نہیں تھیں - انھوں نے ھاتھوں ھاتھ لیا اور میرے مطالعہ کا ھر سامان کردیا -

سنگا پور پہلا ملک ھے جس نے آبادی منصوبہ بندی کے عمل میں سو فیصد کام یابی حاصل کی تھی - مس مارگریٹ اس کی نگران اعلا تھیں - ان کی کام یاب کوششوں کا مطالعہ میں نے تفصیل کے ساتھ کیا - بھٹی صاحب نے مس مارگریٹ اور سسٹر واگیز اور دوسرے ڈاکٹروں وغیرہ کو رات کے کھانے پر مدعو بھی کیا تاکہ رابطہ مستحکم کرلیا جائے - ان ھی دنوں صوبۂ سندھ پر خاندانی منصوبہ بندی کا جنون سوار تھا -

اس جنون میں خوب اور ناخوب کی تمیز بھی جاتی رھی تھی - میں نے سندھ میں صحت کے وزیر کو مشورہ دیا کہ سنگا پور کے تجربات سے استفادہ کے لیے مس مارگریٹ کو دعوت دینی مناسب ھوگی - اس پر کوئی عمل نہ ھوا - میرے مشورہ کا جواب تک نہ آیا -

اب ۱۹۷۹ء میں سنگا پور جانے کا اتفاق ھوا تو ھوائی میدان دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا - ایک انقلاب بپا ھے - سنگا پور ائیر لائنز معرض وجود میں آئی جس نے ھر ائیر لائن کو مات کردیا ھے - پاکستان ائیر لائنز کے ۱۷ پائلٹ بیک وقت یہاں آگئے اور سنگا پور ائیر لائنز دنیا کی ایک بہترین ائیر لائن بن گئی - ائیر پورٹ کی صفائی ستھرائی اور نظم و نسق قابل تعریف ، انسان خوش اخلاق اور ملنسار - ۱۹۵۲ء اور ۱۹۷۹ء کے سنگا پور میں زمین آسمان کا فرق ھے - میرے مطالعہ کے مطابق اس صورت

حال کے بڑے گہرے اثرات براہ راست کوالالمپور پر پڑ رہے ہیں - وہاں چینیوں کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے جس سے حکومت ملائشیا پریشان ہے - اگر لیل و نہار یہی رہے تو مسٹر لی (نگراں اعلا حکومت سنگاپور) کو اپنی جولانی طبع کے لیے ایک میدان تیار ملے گا -

١٩٦٥ء کی جنگ (مابین ہند و پاکستان) میں ملائشیا نے ہندستان کی حمایت کی تھی جس کا پاکستان میں شدید رد عمل ہوا تھا اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں مفرورانہ کی عظمتوں، دل کے ولولوں اور آنکھوں کے شراروں کے ساتھ پاکستان کے ملائشیا سے سفارتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کیا تھا -

اگر ہم مشرقی پاکستان میں سیاسی غلطیاں نہ کرتے اور اس علاقے سے جنوب مشرقی ایشیا کو اپنا دوست بناتے تو ہندستان کو اپنے اثر و نفوذ کی وجہ سے پاکستان کے خلاف حالات پیدا کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا -

جناب پوشپا داس

خوب ہوا کہ سنگاپور کے ہوائی میدان پر جناب محترم پوشپا داس صاحب سے ملاقات ہوگئی - داس صاحب یونیسکو میں ڈویژن آف کلچر کے صدر ہیں - میں ان کے یہاں ہونے کا ذرا بھی متوقع نہ تھا، اس لیے پہچاننے میں ایک منٹ لگ گیا! یہ ایک گھنٹہ بڑا قیمتی تھا، میں نے نہایت اہم مسائل پر ان سے بات کرلی -

مجھے یونیسکو سے قریبی تعلق اور دلی لگاؤ ہے - اقوام متحدہ کے اس ادارے کا ماہنامہ کورئیر پندرہ زبانوں میں چھپتا

تھا ، میں نے تجویز بھیجی کہ اس کا اردو ایڈیشن بھی نکلنا چاہیے اور اپنی خدمات پش کردیں ۔ دونوں باتیں مان لی گئیں ۔ اردو ایڈیشن کا نام '' پیامی '' رکھا گیا جو فروری ۱۹۷۷ء سے ہر مہینے نکلتا ہے ۔ اصل رسالہ یونیسکو کے صدر مقام پیرس میں مرتب ہوتا ہے اور سب زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہوتا ہے ۔ میری ادارت میں ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن اسے چھاپتی ہے ، میرے اشارے پر اس کا اگلا شمارہ دوائی نباتات کے موضوع پر مرتب کیا جارہا ہے ۔ خود میں نے '' قلب اور پھول '' کے عنوان سے ایک مصمون لکھا ہے ۔ میں نے اس میں مشرق کے ممتاز دانش ور طبیب سیخ بو علی سینا کی کتاب '' ادویۂ قلببہ '' کا تعارف کرایا ہے جس میں قلب کے لیے مفید بعض پھولوں کے خواص کا ذکر ہے ۔ مضمون مصور ہے ۔

تنظیم برائے مطالعہ علمی وسطی ایشا، یونیسکو کے تحت کام کرتی ہے ۔ مس بھی اسی کا اعزازی رکن ہوں ۔ اس تنظم کے انتخابات اب نومبر ۱۹۷۹ء میں ہونے ھس ۔ ہمارے دوست بابا جان غفوروف صاحب کے انتقال کے بعد سے اب تک اس کا کوئی صدر بھی منتخب نہیں ہوسکا ہے ۔ محترمی ڈاکٹر احمد حسن دانی صاحب دو تین ہفتے قبل تشریف لائے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حالات کا صحیح علم ہوجائے تو فیصلہ کیا جائے کہ اس نومبر کے جلسے میں شرکت کیسے کی جائے اور کیا راہ اختیار کی جائے ۔ میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ ہم چار اس تنظم کے رکن ھس ، اگر ممکن ہو تو ہم چاروں ہی کو جانا چاہیے ، انتخاب مس اہمیت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے ۔ میں نے نوشپا داس صاحب سے آج بات کی کہ کیا انداز فکر ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ صدارت کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے ۔ چوں کہ چین بھی اب اس تنظیم میں آچکا ہے ، اس

لیے صدارت کے لیے چین اور روس میں رسہ کشی ممکن ہے اور کسی چھوٹے ملک کے لیے ان دونوں کی دست برداری کا امکان موجود ہے ۔ منگولیا کے لیے چانس نہیں ہے ۔ ایران کے حالات بھی غیر متعین ہیں ، تاہم پاکستان کے لیے بھی واضح طور پر راہ موجود ہے ، اور اس پر غور کرلینا چاہیے ۔ پوشپا داس صاحب کا خیال ہے کہ روس سے پروفیسر عاصموف صاحب کی شرکت متوقع ہے ۔ مسری رائے بھی یہی تھی اور ڈاکٹر دانی صاحب سے میں نے کہا بھی تھا کہ بابا جان غفوروف کی جگہ عاصموف صاحب ہی آسکتے ہیں ۔ اگر وہ آجائیں اور روس کی صدارت قائم رہے تو یہ پاکستان کے لیے اچھا رہے گا ۔ ان معاملات میں پاکستان کی وزارت تعلیم کا مزاج عاشقانہ ہے ۔ وہ کبھی صحیح وقت پر صحیح فیصلے نہیں کرتی ہے ۔ اس معاملے میں اب تک وزارت تعلیم نے کوئی موقف اختیار نہیں کیا ہے ۔ ڈاکٹر دانی صاحب کا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ میں (حکیم سعید) صدارت کے لیے نام پیش کروں ۔ مگر میرا منشا یہ ہے کہ اگر مجھے شرکت اجلاس کی دعوت دی گئی تو میں پروفیسر عاصموف صاحب سے ذاتی دوستی کی بنا پر صاف بات کر کے پاکستان کے لیے راہ ہموار کرسکتا ہوں اور اس منصب پر ڈاکٹر دانی صاحب موزوں ہوں گے ۔ اگر وزارت تعلیم نے مجھ سے شرکت کے لیے کہا تو میں پاکستان کی خدمت کے لیے ضرور جاؤں گا ۔ مگر میں یہ خوب جانتا ہوں کہ پاکستان کی وزارت تعلیم فیصلہ اس وقت کرے گی کہ جب پیرس میں انتخابات ہوچکیں گے !

سنگاپور سے ایک بجے شب سڈنی کے لیے روانگی کا اعلان ہوا ۔ پوشپا داس صاحب خاصے پریشان تھے ، اس لیے کہ ان کو سڈنی سے ۱۲ بجے نمیبیا جانا تھا ۔ اگر وہ جہاز نکل گیا تو

ان کو بڑی پریشانی ہوگی ۔ بارے اب یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ ان کو وہ جہاز کسی نہ کسی طرح مل ہی جائے گا ۔

سنگا پور اور سڈنی (اوسٹریلیا) کے مابین وقت مس ڈھائی گھنٹے کا فرق ہے ۔ سنگا پور ڈھائی گھنٹے آگے ہے ۔ ہماری گھڑیوں مس ایک بجا تھا ، ہم نے ساڑھے تین بجا لیے تھے ۔ جہاز روانہ ہوتے ہوتے ڈیڑھ بج گیا ۔ اعلان ہوا کہ سنگا پور تا سڈنی چھے گھنٹے پچاس منٹ کا راستہ ہے ۔ بہت لمبا سفر ہے ۔ مجھے اتنا اندازہ نہ تھا ۔ میں نے بہر حال سو جانے کا فیصلہ کیا اور منع کر دیا کہ مجھے کافی وغیرہ کے لیے جگایا نہ جائے اور نہ میں "ڈیوٹی فری" کوئی چیز خریدوں گا جس کا اعلان کیا گیا تھا ۔ میں نے آنکھوں پر کالی پٹی چڑھالی کہ جو خاص ہوائی سفر کے لیے ہوتی ہے اور سوگیا ۔ گو مسلسل نیند نہ آئی مگر دو ڈھائی گھنٹے تو سو ہی لیا ۔ صبح کے چھے بج گئے تھے ، سورج پورا نکل آیا تھا ۔ افسوس ہوا کہ فجر کی نماز قضا ہوگئی ۔ پھر میں نے اپنی کتاب کا مطالعہ جاری کر دیا ۔ اس کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے میں نے اس پر نشانات لگا دیے ہیں ۔ شاید یہ فیصلہ کروں کہ ان کو کتاب بھجوا دوں ۔

سڈنی

اوسٹریلیا کے سب سے بڑے شہر سڈنی کی آبادی ۳۱,۱۵,۲۰۰ افراد پر مشتمل ہے ، اور اس شہر کا شمار دنیا کی عظیم ترین بندرگاہوں میں ہوتا ہے ۔ یہ بڑا ہی خوب صورت شہر ہے ملک کے مشرقی ساحل پر گہرے پانی کی وسیع خلیج پورٹ جیکسن کے کنارے پر واقع ہے ۔ ۱۷۸۸ء عیسوی میں قائم ہونے والا یہ شہر یورپی آبادی کا پہلا مقام تھا ۔

سڈنی شہر کا رقبہ چار ہزار مربع کلو میٹر سے زیادہ ہے ، اور یہ ساحل سے ۸۰ کلو میٹر مغرب میں واقع بلو ماؤنٹنز تک پھیلا ہوا ہے ۔ صنعت و تجارت کا بڑا مرکز ہے ۔

سڈنی قومی تعلم و تربیت کے اعتبار سے بھی مشہور شہر ہے ۔ سڈنی یونیورسٹی ۱۸۵۲ء میں قائم ہوئی تھی ۔ کئی کالج پہلے سے موجود تھے ۔ دو سال بعد سینٹ پال کالج ، اس کے تین سال بعد سنٹ جان کالج ، اس کے تین سال بعد ویزلے کالج اور پھر اس کے بھی بارہ سال بعد ۱۸۸۹ء مس خواتین کا کالج قائم ہوا ۔ رومن کیتھولک اور ایگلیکن گرجا گھر اب سے بہت پہلے تعمیر ہوگئے تھے ۔ مسلمانوں نے کئی مسجدیں بھی بنائی ہیں ۔ مذہبی پابندی کسی کے لیے نہیں ہے ۔

۱۸۳۰ء میں یہاں پہلا قومی عجائب گھر قائم ہوا اور کوئی تین چوتھائی صدی گزرنے کے بعد ۱۹۰۴ء میں نیشنل آرٹ گیلری وجود میں آئی ۔ سہر کے مضافات میں پارچہ بافی کے ملز اور موٹر سازی ، پیتل کی ظروف سازی اور دواسازی کے کارخانے قائم ہیں ۔ اس کی بندرگاہوں سے بڑی مقدار میں اناج ، کوئلہ اور عمارتی لکڑی برآمد کی جاتی ہے ۔ کوئلے کی کانیں اس علاقے مس ۱۷۶۶ء میں کھدنی شروع ہوگئی تھیں جب شہر کا وجود بھی نہیں تھا ۔ یہ شہر دراصل ۱۷۸۸ء میں ان مجرموں کی آبادکاری کے لیے قائم کیا گیا تھا جنھیں برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں عمر قید کی سزا دے کر جلا وطن کیا جاتا تھا ۔ اسی وقت سے یہ نیو ساؤتھ ویلز کی نوآبادی کا صدر مقام ہے ۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اتحادیوں کی بحری اور بری فوجوں کا مرکز بن گیا تھا ۔

اعلان ہوا کہ اب ہم سڈنی اترنے والے ہیں ۔ گیارہ

بجے کا عمل تھا ۔ ھدایت یہ ھوئی کہ سب اپنی جگہ بیٹھے رھیں ، کیونکہ محکمۂ صحت کا عملہ پہلے اندر آئے گا اور پھر اترنے کی اجازت ملے گی ۔ عملہ اندر آیا اور اس نے کرم کش اسیا کا چھڑکاؤ کیا ۔ بہت دیر یہ ھوتا رھا ۔ کسٹم فارم جو ھم نے بھرے ھیں اس میں کھانے پینے کی اشیا کا ذکر خاص طور پر ہے ۔ پودے بیج وغیرہ کا ذکر بھی ہے ۔ یہ چیزیں ممنوع ھیں ۔ ملک میں لے جائی نہیں جا سکتیں ۔

بارے جہاز کا دروازہ کھلا اور ھم باھر آگئے ۔ سامان لیا ، کسٹم میں مجھے دیکھتے ھی افسر نے باھر جانے کو کہ دیا ۔ میں باھر آگیا ۔ جناب محمد عفیف صاحب موجود تھے ۔ ان سے پہلی ملاقات ہے مگر ان کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ھوئی ۔ ان کی نورانی صورت اور شروانی پہچاننے کے لیے کم نہ تھیں !

۳۱ ۔ اگست ۱۹۷۹ء ، جمعۃ المبارک ، سڈنی (اوسٹریلیا)

جناب عفیف صاحب

شب گزشتہ مسز پاشا آئی تھیں ۔ وہ عفیف صاحب کی صاحبزادی ھیں ۔ انہوں نے عفیف صاحب کا حلیہ بتا دیا تھا ۔ دراز قد ، دبلا بدن ، شبروانی پہنتے ھیں ، داڑھی ہے ، سفید کالی ملی جلی ۔ عینک لگائے ھیں ۔

میں تو ھوائی جہاز سے اس طرح اترا کہ جیسے ابھی تیار ھوکر آیا ھوں ۔ صبح میں نے ھوائی جہاز میں شیو کرلیا تھا ۔ کوئی ۱۲ بجے تھے ، موٹر میں سوار ھوکر ھم ھوائی میدان سے شہر کی جانب روانہ ھوئے ۔ عفیف صاحب خود موٹر چلاتے ھیں ۔

ایک بجے نماز جمعہ ہے ۔ طے پایا کہ ہوائی میدان سے سیدھے مسجد جانا چاہیے ۔ ایسا ہی کیا ۔ میں نے طہارت کی ، وضو کیا اور تیار ہوکر مسجد مںں آگیا ۔ کوئی عرب تلاوت قرآن کر رہے تھے ، مگر جگہ جگہ غلط پڑھ رہے تھے ۔ خطبہ اور نماز جمعہ مصری سفارت خانہ کے کسی صاحب نے پڑھائی ۔ خطبہ مجھے پسند نہیں آیا ۔ انگریزی میں خطبہ اچھا بھی ہوسکتا تھا ۔ نماز جمعہ میں بہت سے پاکستانی ملے ۔ ان میں سڈنی میں پاکستان کے قونصل جنرل جناب محمد آصف سلیم صاحب بھی ہیں ۔ تپاک سے ملے ۔ نوجوان ہیں ۔ ان سے ملکر خوشی ہوئی ۔ ان ہی سے پتہ چلا کہ کینبرا میں سکریٹری سفارت نہال وارث صاحب ہیں اور وہاں میرے منتظر ہیں ۔ نہال صاحب کو میں جانتا ہوں ۔ ان سے بیروت وغیرہ میں ملاقات ہوتی رہی ہے ۔

موسمان کے علاقے میں جناب عفیف صاحب کا اپنا مکان ہے ۔ یہاں انہوں نے میرے قیام کا انتظام کیا ہے ۔ سڈنی کے مسلمانوں میں عفیف صاحب خوب معروف ہیں ۔ ہر شخص ان کی عزت کرتا ہے اور احترام ۔ وہ خود پہلے وزارت تجارت ، پاکستان میں افسر تھے ۔ اسی ذیل میں سڈنی بھیجے گئے تھے ۔ یہ وہ دور تھا کہ جناب یوسف ہارون صاحب یہاں سفیر پاکستان تھے ۔ رٹائر ہوکر اب وہ مستقلاً یہاں ہی مقیم ہوگئے ہیں ۔ اچھا گھر ہے ۔ میں ان کے نواسے کا علاج کر رہا ہوں جس کی بیماری بہ ظاہر لا علاج ہے ۔ میں اس ۷ سالہ بچے کے لیے ہی سڈنی میں رکا ہوں ، ورنہ میرا مقام مقصود تو کینبرا ہے جو ملک کا وفاقی صدر مقام ہے ۔ یہ بچہ کراچی بھی گیا تھا اور وہاں میرے علاج معالجہ سے سنبھل گیا تھا ، بولنے لگا تھا ۔ ہاتھ ملاتا تھا ۔ اب وہاں سے واپس آیا ہے تو ہوائی جہاز کے طویل سفر کے بعد حرکات

جسمانی کم تر ہوگئی ہیں اور زبان بند ہے ۔ میں نے آتے ہی اس بچے کو دیکھا ۔ حالت زیادہ اچھی نہیں ہے ۔ تاہم میں ادویہ اپنے ساتھ لایا ہوں ۔ کل ان کو دوں گا ۔

سڈنی میں زندگی کا پہلا ناشتہ

میں نے جہاز مس کھانا نہیں کھایا تھا ۔ صبح ناشتہ آیا تو اس میں لحم خنزیز بھی تھا ۔ میں نے ناشتہ جوں کا توں واپس کر دیا اور فقط جوس پی لیا ۔ بھوک شدید تھی ۔ عفیف صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا مگر میں نے دودھ اور پھلوں کو زیادہ پسند کیا ۔ خالص دودھ اور تازہ پھل ، لطف آگیا ۔ پھلوں میں کیلا ، ناشپاتی ، سیب ، سنگترہ چار چیزیں تھیں اور چاروں اوسٹریلیا کی پیداوار تھیں ۔ عفیف صاحب کہنے لگے کہ آپ ان پھلوں کی بات کرتے ہیں ، اس قوم نے اب اپنے ہاں روئی تک پیدا کرلی ہے ۔ پہلے روئی پاکستان سے درآمد کرتے تھے اور آج یہ قوم روئی باہر برآمد کر رہی ہے ۔ اوسٹریلیا کے پاس زمین کی کوئی کمی نہیں ہے ۔ کل رقبہ ۲۷ لاکھ ۶۶ ہزار ۸ سو ۸۹ مربع کلو میٹر ہے اور آبادی ۲ کروڑ ۹۳ لاکھ تیرانوے ہزار ہے ۔ گزشتہ مردم شماری ۱۹۷۸ء کے آخر میں ہوئی تھی ۔ رقبے کے لحاظ سے اوسٹریلیا روس سے بھی بڑا ہوا جو یورپ کا سب سے بڑا ملک ہے ۔

یاد آتا ہے کہ ایک بار چین نے کہا تھا : ہماری آبادی زیادہ ہے اور گنجائش کم ہے اس لیے ہم اوسٹریلیا سے زمین لے کر چینیوں کو وہاں آباد کریں گے ۔ ناشتے کے بعد میں ذرا لیٹ گیا ۔ نیند بھی آگئی ۔ نماز مغرب کے وقت اٹھا ۔ جماعت سے نماز مغرب ادا کی ۔

جناب عفیف صاحب نے آج میرے احترام میں ایک عشائیہ کا انتظام کرلیا تھا - ۸ بجے مہمان آنے شروع ہوگئے - ان میں محمد آصف سلیم بھی تھے اور ان کی اھلیہ ساتھ تھیں - ان کی اھلیہ میرے دوست جناب مسعود الرؤف کی ھمشیر ھیں - مسعودالرؤف صاحب ایڈیشنل سکریٹری وزارت اطلاعات پاکستان ھیں - ان دنوں وہ ھوانا گئے ھوئے ھیں جہاں ۵ ستمبر ۱۹۷۹ء سے ممالک دنیائے سوم کی کانفرنس ھو رھی ھے اور جس میں صدر پاکستان بھی شریک ھوں گے -

سلطان حیدر صاحب پہلے پی - آئی - اے میں تھے ، مگر اب ابوظہبی میں ملازم ھیں - ان کی اھلیہ ، مسز شہناز حیدر اوسٹریلیا میں ھیں - وہ ایشین براڈ کاسٹنگ سروس میں کام کرتی ھیں - پی - آئی - اے کے ایک ریٹائرڈ افسر بھی اپنی اھلیہ اور بیٹی کے ساتھ آئے - ان دنوں سعودی عرب میں کام کرتے ھیں - رات ۱۱ بجے یہ ملاقاتیں ختم ھوئیں -

یکم ستمبر ۱۹۷۹ء ، ھفتہ ، سڈنی - (اوسٹریلیا)

شب گزشتہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ ھفتے کا دن شہر گردی میں گزارا جائے گا ، یعنی سڈنی شہر کی ادھر ادھر سے سیر کی جائے گی ، جہاں سینگ سمائیں گے گھس جاؤں گا - پیدل ، موٹر میں ، بسوں میں ، زیر زمین ٹرین میں - بس صبح سے اس پروگرام پر عمل شروع ھوگیا - جناب نصرت عفیف صاحب ساتھ ھوگئے - یہ میرے میزبان جناب محمد عفیف صاحب کے بڑے صاحبزادے ھیں - ھفتہ ھے اور آج ان کی چھٹی ھے - انہوں

نے ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور میں نے ان کو شہر گردی کے لیے خوش آمدید کہا - ہم دونوں کے علاوہ طلعت عفیف بھی ساتھ ہوگئے کہ ان کا پرائمری اسکول بھی آج بند ہے -

موسمان سڈنی کا ایک دور کا علاقہ ہے کہ جہاں قدیم آبادی ہے - سمندر کے کنارے آباد ہے ، ویسے تو سڈنی پہاڑوں پر اور سمندر کے کنارے پر آباد ہے مگر بعض علاقے اس باب میں خصوصیت رکھتے ہیں ، موسمان ان میں سے ایک ہے ، میرا قیام اسی علاقے مس ہے -

سڈنی اوپیرا ھاؤس

بیروت کا اوپیرا ھاؤس دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے - بارہا میں بیروت گیا ، مگر اوپرا ھاؤس دیکھنے کا موقع نہ مل سکا - اس کے بعد سڈنی اوپیرا ھاؤس کو لڑی شہرت حاصل ہے - کل جب میں سڈنی کے لڑے خوب صورت پل ھاربر برج سے گزر رہا تھا تو سمندر کے کنارے ایک عجیب عمارت نظر آئی - بتایا گیا کہ اوپیرا ھاؤس ہے - بڑی دل چسپ عمارت ہے - ڈزائن خوب ہے - ایسا لگتا ہے کہ دریا میں سیپیوں نے اپنے منہ کھول دیے ہیں ! آج صبح میں نے اسی اوپیرا ھاؤس کا رخ کیا کہ دیکھں کیا عمارت ہے - میں ایسے وقت پہنچا کہ رہنما سفر اوپیرا (گائیڈڈ ٹور) تیار تھا - ٹکٹ خریدا اور سیر کے لیے ہم کوئی ۳۰ - ۳۵ سیلانی ایک چلبلی لڑکی کے ساتھ چل پڑے ، اس نے ۴۵ منٹ میں بڑی خوبی کے ساتھ اوپیرا کی سیر کرادی اور ضروری معلومات بہم پہنچادیں -

اوسٹریلین ڈالر

آج حساب لگایا تو ایک اوسٹریلین ڈالر پاکستان کے تقریباً ۱۰ روپے کے برابر ہے اور دیکھیے تو اس کی قوت خرید ایک پاکستانی روپے کے برابر ہے - گرانی کا یہاں بھی شباب ہے - جو لوگ یہاں رہتے ہیں اور کماتے ہیں ان کے لیے یہ معمولی بات ہے - یہاں ایک مزدور کی فی ہفتہ آمدنی ۲۰۰ اوسٹریلین ڈالر ہے ، یعنی ۲۷۰۰ روپے ہفتہ ! اسی حساب سے یہاں قمتیں بھی ہیں - لوگ خرچ کرتے ہیں ، ان کو پتہ بھی نہیں چلتا - میں نے ایک اوسٹریلین ڈالر کے روپے بھنائے اور پھر قیمتوں کو دیکھا - ظاہر ہے کہ سرا تو دل دھک سے ہوگیا - اب یہاں ایک ہوٹل کا کمرہ ۵۰ اوسٹریلیں ڈالر سے کم نہیں ہے ، زیادہ ہی ہوسکتا ہے - یعنی ۶۷۵ روپے یومیہ تو معمولی بات ہے ، پھر اس پر ٹیکس ، ٹپ ادا کریں اور ناشتہ کریں تو کم از کم ۱۰ اوسٹریلین ڈالر مزید - یہ سب مل ملا کر ایک ہزار روپے یومیہ چاہیے - حکومت زیادہ سے زیادہ پانچ سو امریکی ڈالر دیتی ہے ، وہ تو پانچ دن میں چٹنی ہوجائیں گے - میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ حکومت پاکستان اس رقم میں اضافہ کرے ، کیونکہ ہمارے ملک کے حالات اب بالکل ایسے نہیں رہے کہ فراخ دلی کا سامان کیا جائے مگر کفایت اس کا نام بھی نہیں ہوسکتا کہ پاکستان سے باہر لوگوں کے جانے پر قدغن لگائی جائے - مگر اب لازماً یہ کرنا چاہیے کہ تمام سامان تعیش یک قلم درآمد کرنا بند کر دینا چاہیے - میری رائے میں حکومت کو اس باب میں پوری طاقت سے برسر عمل ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی عادتیں بدلنے کی مہم چلانی چاہیے - اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ ہم نے بیرونی امداد کا نہایت غلط استعمال کیا ہے - اس غلط استعمال نے ملک کے ہر

فرد بشر کی زندگی مبن انقلاب برپا کر دیا ہے اور ہر انسان آرا
طلب اور عیش کوش ہوگیا ہے ۔ وہ پاکستان کی ہر شے سے
متنفر ہے اور باہر کی ہر چیز کا عاشق ہے ۔ پاکستانی کہ جو باہ
ممالک میں کام کر رہے ہیں وہ پاکستان میں ایسی اشیا درآمد
کر رہے ہیں کہ جو آرام و عیش کی تعریف میں آتی ہیں ۔ و
کما کر جو روپیہ بھجوا رہے ہیں اس کو استعمال کرنے والے نہایت
بے دردی سے استعمال کر کے ملک میں افراط زر پیدا کر رہے ہیں ۔
پاکستان کا مسئلہ معاشی صورت حال کی طویل رپورٹوں اور علمی
موشگافیوں سے حل نہیں ہوگا ، اس کے لیے پوری قوت ارادی سے
کام لینا ہوگا اور باہر کی ہر اس چیز کو خیرباد کہنا ہوگا کہ جس
کے بغیر بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں ۔

ہائیڈرو فوائل

یہ ایک نئی قسم کی کشتی ہے ۔ میں نے پہلی بار اسے
دیکھا ہے ۔ اس کا مکینزم عام کشتیوں سے مختلف ہے ۔ یہ چلتے
وقت پانی سے ادھر ہوجاتی ہے ۔ اس کی رفتار بہت تیز ہے ۔ میں
نے اس میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا اور اس میں بیٹھ کر سمندر کے
دوسرے طرف مینلی (MANLY) تک گیا ۔ یہ بھی سڈنی کا ایک
علاقہ ہے ۔ اور شاید اس برطانوی مصنفہ کے نام پر اس کا نام رکھ
گیا ہے جس نے بہت سے ڈرامے لکھے تھے اور ایک ڈرامے پر اس
کے خلاف عدالتی کارروائی بھی ہوگئی تھی ، اس لیے اس کو
بڑی شہرت نصیب ہوئی ۔ سڑکوں کے نام اس کے نام پر رکھے جانے
لگے تھے ۔ یہ کوئی ۷ ۔ ۸ منٹ کا سفر تھا ۔ ٹکٹ ڈیڑھ اوسٹریلین
ڈالر تھا ۔ مینلی میں ایک جگہ شارک مچھلی کی نمائش تھی ۔
میں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی اہم مچھلی گھر ہوگا ۔ ڈیڑھ

ڈالر کا ٹکٹ لیا اور اندر جا کر دیکھا تو بس ایک تالاب تھا ۔ اس میں ایک بڑی اور دو تین چھوٹی شارک مچھلیاں نیم جان سر رہی تھیں ۔ تالاب کے آس پاس جوئے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں کہ ٹکٹ خریدیے اور رقم لگائیے ۔ اس سیر کے لیے جو پانچ منٹ سے زیادہ کی نہ تھی ۲۲ روپے کا ٹکٹ تھا ! بڑا تعجب ہوا اور سخت افسوس بھی کہ خواہ مخواہ اتنی رقم ضائع کردی ۔

ہائیڈرو فوائل ایک پتی یا پر نما آلہ ہے ۔ جسے کچھ اس انداز مس بنایا جاتا ہے کہ اس کے پانی مس حرکت میں آنے سے اوپر اٹھنے کی قوت پیدا ہوتی ہے ۔ اس اصطلاح یعنی ہائیڈرو فوائل کو ان کشتیوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جن میں یہ آلہ لگا ہوتا ہے ۔ اس آلے کے حرکت میں آنے سے کشتی کا ڈھانچا ایک خاص رفتار سے پانی سے اوپر اٹھ جاتا ہے ۔ اس طرح کشتی کے ڈھانچے کے خلاف پانی کی مدافعت اور رکاوٹ ختم ہو جاتی ہے اور کشتی اپنی اسی قوت سے دگنی رفتار کے ساتھ آگے بڑھتی ہے ۔

ہائیڈرو فوائل پانی میں بالکل اسی طرح کام کرتا ہے جس طرح ایئر فوائل فضا میں کرتا ہے ۔ ہائیڈرو فوائل کا اگلا حصہ گول ہوتا ہے جب کہ اس کا پچھلا حصہ نکیلا ہوتا ہے ، اس کی اوپری اور نچلی سطحیں ذرا مڑی ہوئی ہوتی ہیں ۔ پانی مس اس کے حرکت کرنے سے اوپری سطح میں دباؤ کم ہو جاتا ہے ۔ دباؤ کے اس فرق سے اوپر اٹھنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے جسے اچھال کی قوت کہتے ہیں ۔ انتہائی رفتار پر یہ قوت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کشتی کا ڈھانچا پانی کی سطح سے اوپر اٹھ جاتا ہے ۔ فضا میں متحرک ایئر فوائل کے مقابلے مس اسی رفتار اور اسی شکل و ساخت کے ہائیڈرو فوائل کے پانی میں حرکت کرنے سے اوپر اٹھنے

کی کئی گنا زیادہ قوت پیدا ہوتی ہے۔

عمل خلا : ہائیڈرو فوائل کی پانی میں تیز رفتاری سے اوپر کی سطح پر دباؤ کی کمی کے باعث بلبلے بننے لگتے ہیں۔ اس کیفیت کو عمل خلا کہتے ہیں۔ اس عمل کے پیدا ہوتے ہی اٹھنے یا ابھار کا عمل بہت گھٹ جاتا ہے اور متحرک ہائیڈرو فوائل پانی میں گھسٹنے یا رکاوٹ کا مقابلہ کرنے یا اسے بے عمل کرنے لگتا ہے۔ اس سے رفتار میں مزید اضافہ ممکن ہو جاتا ہے۔ عمل خلا سے ہائیڈرو فوائل پر دھکے لگنے یا ضرب پڑنے کا عمل بھی ہونے لگتا ہے جس سے اس کی ساخت کے ٹوٹنے کا خطرہ بھی لاحق ہوسکتا ہے۔ بہت سے ہائیڈرو فوائل میں عمل خلا ۴۰ سے ۶۰ ناٹ کی رفتار پر پیش آتا ہے۔ ہائیڈرو فوائل کو پیش آنے والی اس صورت حال کا مقابلہ دوران پرواز آواز سے تیز رفتار کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ہائیڈرو فوائل کو پیش آنے والی اس صورت حال کے سلسلے میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

ہائیڈرو فوائل کشتی کا ڈیزائن : ہائیڈرو فوائل کشتیاں ممکنہ حد تک ہلکی بنائی جاتی ہیں تا کہ وہ نسبتاً کم رفتار پر پانی سے اوپر اٹھ آئیں۔ کشتی کے ڈھانچے کے پیندے اور اگلے حصے کو مضبوط بنایا جاتا ہے تا کہ وہ کشتی کے ڈھانچے کے پانی میں دوبارہ داخل ہوتے وقت موجوں کی ضرب اور ان کی شدت کو سہار سکے۔ یہ صورت حال کشتی کی رفتار کے کم ہونے پر پیش آتی ہے۔ اس قسم کی کشتی کے عرشے اور پورے ڈھانچے کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف دوران سفر رکاوٹ کا عمل کم سے کم ہو جائے۔

دو قسم کی فوائل کشتیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ سطح

کو توڑنے والے فوائل جزوی طور پر ڈوبے ہوتے ہیں ۔ جب فوائل کسی موج سے دو چار ہوتا ہے تو اس کا زیادہ تر حصہ ڈوبا رہتا ہے اور اس طرح اوپر اٹھنے کی طاقت بڑھ جاتی ہے ۔ اوپر اٹھنے کی طاقت میں اضافے سے کشتی کا ڈھانچا موج پر سے گزر جاتا ہے ۔ ڈوبے ہوئے فوائل ہر وقت اوپر اٹھنے کی قوت پیدا کرنے کے لیے اپنی پوری سطح کو کام میں لاتے ہیں ۔ تاہم یہ ایک ہی حالت پر کم رہتے ہیں ، اس لیے انہیں ایک مقررہ گہرائی پر برقرار و قائم رکھنے کے لیے مہنگے قسم کے خود کار کنٹرول سسٹم استعمال کرنے پڑتے ہیں ۔

مسجد لاکمبا

واپس دولت کدہ عفیف آگئے ۔ میاں نصرت عفیف نے آج صبح سے اب تک بڑی اچھی سیر کرا دی ہے ۔ ناشتہ کیا اور پھر نماز ظہر ادا کرکے گھر سے روانہ ہوگئے ۔ مس سڈنی کی خوب صورت مسجد میں تو نماز جمعہ ادا کرچکا تھا ۔ آج لاکمبا (LAKEMBA) مسجد دیکھنے کا فیصلہ کیا ۔ یہ سڈنی سے باہر ۲۲ - ۲۳ میل پر ہے ۔ نماز عصر کے وقت ہم یہاں پہنچ گئے ۔ ایک بڑی سادہ سی مسجد ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ڈیڑھ سو فیٹ × ڈیڑھ سو فیٹ کا ہال ہے ۔ درمیان مس روشنی کے لیے مانے کا گنبد ہے ۔ نہایت شاندار قالین پڑا ہوا ہے ۔ مصلئے اور منبر درمیان میں نہیں ہے ، کونے میں ہے ۔ نقشہ بنانے میں غلطی ہوئی ہے کہ داخلے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اس طرف ہے جہاں کونے میں مصلئے اور منبر ہے ۔ اب فرمائیے اندر لوگ کیسے جائیں گے ۔ حیرت ہوئی کہ سڈنی جیسی ترقی یافتہ جگہ میں نقشے کی یہ غلطی ہوجائے ۔ شاید کسی مقامی غیر مسلم

انجنیئر سے نقشہ بنوایا ہوگا ۔ اس علاقے میں لبنانی اور ترک زیادہ آباد ہیں اور ان ہی کے چندوں سے یہ مسجد بنی ہے ۔ مجموعی طور پر خوب صورت جگہ ہے ۔ بتایا گیا کہ سعودی عرب نے بھی اس کی تعمیر اور آرائش کے لیے ۲۰ ہزار ڈالر دیے ہیں ۔ اندازہ نہ ہوسکا کہ نمازی کتنے ہوتے ہیں ۔ عصر کی نماز کے وقت صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے ، کیونکہ اس وقت کاروباری لوگ زیادہ تر اپنے علاقے سے دور ہوتے ہیں اور گھروں میں رہنے والے ہی مسجدوں میں آتے ہیں ۔

ایس ۔ بی ۔ ایس ۔ ریڈیو

مسز شہناز سلطان حیدر ، کبھی کراچی سے فوجیوں کے پروگرام میں حصہ لیا کرتی تھیں ۔ ان کے شوہر سلطان حیدر صاحب پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز میں ۲۲ سال کام کرکے بیروت سے مستعفی ہوئے اور کسی اوسٹریلین ایئر لائن میں آگئے ۔ مگر یہاں بنی نہیں ، الگ ہوگئے اور بےکار رہے ۔ پی ۔ آئی ۔ اے نے ان کو واپس نہیں لیا ، اب وہ ابوظہبی میں کسی کمپنی میں ملازم ہوگئے ہیں ۔ چوں کہ بچے اوسٹریلیا میں پڑھ رہے ہیں ، تعلیم ادھوری چھوڑی نہیں جاسکتی ، اس لیے ان کی بیگم اوسٹریلیا ریڈیو کے اس شعبے میں کام کر رہی ہیں ۔ یہاں سے ۲۱ زبانوں میں براڈ کاسٹ ہوتی ہے ۔ ان زبانوں میں ایک زبان اردو بھی ہے ، شب گزشتہ مسز شہناز حیدر عشائیہ پر آئی تھیں ۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا تھا کہ میں اردو اور انگریزی میں تقریریں رکارڈ کرادوں گا ۔ چنانچہ میں یہاں آگیا اور میں نے دو تقریریں رکارڈ کرادی ہیں ۔ ان کی رائے ہے کہ میں ان تقاریر کے علاوہ ۲ ۔ ۳ منٹ کی چند تقریریں صحت پر رکارڈ کرادوں ۔ میں نے ان

سے وعدہ کیا ھے کہ میں پاکستان سے یہ رکارڈ کرا کے بھجوا دوں گا تا کہ وہ جب چاھیں نشر کرلیں -

زمین دوز ٹرین

سڈنی میں ۱۹۰۱ء میں ایک زمین دوز ٹرین کا تصور پیدا ھوا تھا - بارے کام سروع ھوا اور بند ھوگیا - تاھم اب یہ زمین دوز سرکار ریلوے تیار ھے - میں نے آج اس کو دیکھنے کا فیصلہ کیا - مرا خیال تھا کہ روس نے ماسکو میں زمین دوز ریلوں کا جو نظام قائم کیا ھے شاید اس سے اچھا کہیں بھی نہ ھو ، مگر اب میرا خیال ھے کہ سڈنی کی زمین دوز ریلیں شاید سب سے زیادہ اچھی ھیں - شاید اس لیے کہ یہ بعد میں بنی ھیں اور نقش ثانی ھونے کا درجہ رکھتی ھیں - اس ٹرین کے ڈبے بڑے اور نئے اسٹائل کے ھیں - ڈبل ڈیکر ھیں - یہ زمین دوز ڈبل ڈیکر دیکھنے کا یہ میرا پہلا اتفاق ھے - آواز کم از کم ھے اور ھلنا جلنا نہ ھونے کے برابر ھے - پیرس میں ربر کے پہیوں کا تجربہ ناکام ھوگیا ، ورنہ وہ ساز بے آواز تھا - سڈنی کی زمین دوز ٹرین بہر حال ترقی یافتہ شکل میں ھے - میں نے کوئی ۱۰ منٹ فاصلے کا سفر نصرت عفیف صاحب کے ساتھ کیا - مارٹن پلیس سے پونڈ جنکشن تک گیا اور آیا - ٹکٹ کوئی ڈیڑھ ڈالر کا تھا - تین ڈالر خرچ ھوئے -

سڈنی یونیورسٹی

یونیورسٹی میں آج تعطیل ھے - میں بہر حال گیا اور اس میں گھومتا رھا - جیسا کہ اظہار خیال کرچکا ھوں سڈنی میں تین یونیورسٹیاں ھیں - تعلیم کا زور ھے - سڈنی یونیورسٹی جہاں

میں آج گیا زیادہ زور دار نہیں ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ شوق شاں نہیں ہے ، اس لیے تعلیم کا معیار اچھا ہو !

سفر کینبرا

پروگرام ایسا بنا تھا کہ میں عفیف صاحب کے ساتھ دوسرے دن کار میں سڈنی سے کینبرا جاؤں گا ، مگر آج میں نے اصرار کیا کہ وہ ۲۳۸ کلو میٹر (۱۴۹ میل) کا طویل سفر میری خاطر نہ کریں ، اس میں سراسر تکلیف ہوگی ۔ ان کی عمر زیادہ ہے اور پھر ان کی کمر میں درد بھی ہے ۔ میں نے ان کو راضی کرلیا ہے ، مگر وہ کل قطعی فیصلہ کریں گے ۔ انہوں نے بڑے خلوص و انس کے ساتھ مہمان نوازی اب تک کی تھی ، ان کو مزید زحمت دینا میں نے گوارا نہیں کیا ۔ سڈنی سے کینبرا تک راستہ بتایا گیا ہے کہ بے حد دل چسپ ہے ۔ دل کشی کا ہر سامان موجود ہے ۔ اگر وقت ہوتا تو میں بس کے ذریعہ سے یہ راستہ طے کرتا ۔

سڈنی ہاربر برج —— زندہ اور متنفس !

سڈنی میں کوئی تین دن قیام رہا اور سڈنی ہاربر برج سے بارہا گزر ہوا ۔ میں نے ہر بار یہ محسوس کیا کہ اس پل میں کوئی ایسی بات ضرور ہے کہ مجھے اس پر سے گزرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے ۔ یہ پل مجھے پسند آتا ہے ۔ جب میں اس پل پر سے گزرتا ہوں تو مجھے پاکستان میں کراچی ملیر کا پل اور لاہور میں شیر پاؤ پل بھی یاد آتے ہیں ۔ ملیر کا پل بارشوں کی کثرت سے ٹوٹ گیا اور بہہ گیا اور لاہور کے شیر پاؤ پل میں بارش نے دراڑیں ڈال دیں ۔ پاکستانی انجنیئروں کا کمال دیکھا اور اب

سڈنی میں ھاربر برج کے انجنیئروں کا کمال دیکھ رہا ہوں ۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں جب پہلی بار سڈنی بندرگاہ کے پل پر گاڑیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو اس کی شاہانہ عظمت جلوہ گر ہوئی ۔ افق شہر کے ارگرد نظر آنے والی دوسری چیزیں بساط زندگی پر رکھے ہوئے پیادے کی طرح تھیں ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فلک بوس عمارتیں ساحل کے دونوں طرف سر افتخار بلند کرکے ابھرنی شروع ہوئیں ، دنیا کے بڑے شہروں کی انجمن میں سڈنی کا شمار ہونے لگا ۔ زندگی کی چہل پہل میں یہ پل اپنا سر بلند کیے کھڑا رہا اور پھر اس کے آھنی شانوں کو ایک چیلنج کا سامنا ہوا ۔ حقیقی معنوں میں ایک حسین و جمیل ملکہ کے انداز میں عظمت و شان کا تاج پہنے ہوئے اپنے وقار کی یقین دھانی کے ساتھ اوپیرا ھاؤس وجود میں آ گیا ۔ کیا بساط زندگی پر مات کے آثار رونما ہوگئے ؟

مشکل سے یقین آئیگا ۔ بندرگاہ کے پل میں جس قدر مردانہ قوت و توانائی نظر آتی ھے اوپیرا ھاؤس میں اتنی ھی نسوانی نزاکت و رعنائی پائی جاتی ھے ۔ گویا ایک شاہانہ تمکنت کے ساتھ یہ جوڑا ایک دوسرے کو خراج تحسین ادا کرتا ھے ۔ اس طرح شہر کی نوعیت بے مثال ہوجاتی ھے ۔

پل کی شاہانہ عظمت ہنوز برقرار ھے ۔ سینتالیس سال گزرنے کے بعد اس کا استحکام اتنا ھی یقینی ھے جتنا کہ تعمیر کے وقت تھا اور تعمیر کرنے والوں کے دل کی رعنائی بھی بدستور جلوہ گر ھے ۔ ذرا فاصلے پر کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ مکڑی کے جالے کی طرح پھیلا ہوا لوھے کی پتیوں اور سریوں کا جال اس کو اٹھائے ہوئے ھے ۔ قریب سے بھی اندازہ ہوگا کہ وہ قوت و استحکام کا مظہر ھے ۔

دنیا بھر کے پلوں میں وہ دیو قامت نظر آتا ھے - لوھے کی ایسی قوی ھیکل محرابیں شاید پہلے کبھی نہیں بنیں جن پر سے بیک وقت دو ریل گاڑیاں اور موٹروں کی آٹھ قطاریں گزرتی ھیں - پیدل چلنے والوں کے راستے ان کے علاوہ ھیں - شمالی سمت میں ختم ھونے تک ان کی تعداد بڑھ جاتی ھے - ایک تخمینے کے مطابق ھر سال تقریباً ۵ کروڑ ۳۰ لاکھ گاڑیاں اس پل سے گزرتی ھیں -

ضمنی راستوں سمیت پل کی لمبائی ۳ ھزار ۷ سو ۷۰ فیٹ ھے ، محراب کی قوس سولہ سو ۵۰ فٹ لمبی اور ۴ سو ۴۰ فیٹ بلند ھے - بندرگاہ سے فاصلہ صرف ایک سو ۷۲ فیٹ ھے - زنگ آلودگی سے پاک خصوصی فولاد کی محراب کا وزن ۳۷ ھزار ٹن ھے اور سارے پل میں جو فولاد استعمال ھوا ھے اس کا مجموعی وزن تقریباً ۲۵ ھزار ٹن ھے -

اس کی لاگت کا میزان ایک کروڑ ۹۰ لاکھ ڈالر تھا - یہ رقم ریاست نیو ساؤتھ ویلز کی حکومت نے طویل المدت قرضوں کی صورت میں اس شرط پر ادا کی کہ واپسی ۵۰ سال میں ھوجائے - پھر شہر کے پیچیدہ کاروباری علاقوں سے گزرنے والی گاڑیوں کے راستے بنانے کا خرچ بھی اسی طرح حاصل کیا گیا - پل پر سے گزرنے والی گاڑیاں ھر سال تقریباً ۵۰ لاکھ ڈالر محصول راھداری ادا کرتی ھیں -

اس پل کو اپنے قد و قامت اور استعمال ھونے والے سازو سامان پر فخر و ناز ھے - سڈنی میں تیز ھوا کے جھکڑ چلتے ھیں - سب سے زبردست طوفان باد ۳۱- اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء کو رونما ھوا جس کی رفتار ۹۰ کوس فی گھنٹہ تھی - ھوا کے جھونکے آھنی شہتیروں میں سنسناتے گزر گئے - شاید انہیں مایوسی ھوئی ھوگی ،

کیونکہ آہنی شہتیروں میں ڈھائی سو کوس فی گھنٹے کی رفتار سے چلنے والی ہوا کو برداشت کرنے کی سکت موجود ہے۔

پل کی تعمیر اور اس کی دیکھ بھال سے متعلق انجنئر مسٹر کے ون بلاسئیے کا کہنا ہے کہ یہ پل ایک زندہ ہستی کی مانند حرکت کرتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے یہی حقیقت مجھے محسوس ہوئی کہ وہ ہمہ وقت حرکت پذیر رہتا ہے۔ سورج کی کرنیں پڑنے ہی وہ اپنے آپکو پھیلاتا ہے اور جب کوئی ریل گاڑی یا بھاری ٹرک اس پر سے گزرتے ہیں تو گونج پیدا ہوتی ہے۔ وہ متواتر پھیلتا اور سکڑتا رہتا ہے۔ گویا پھیلانے والے پرزے ہر وقت حرکت کرتے رہتے ہیں۔ سخت گرمی کے دنوں اور سخت سردی کی راتوں کے درمیان پل کے وسطی حصے میں اس کی اونچائی تقریباً ۱۴ انچ کی حد تک گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اس کا عرشہ سخت سردی میں جھکتا اور سخت گرمی میں ابھر جاتا ہے۔ جب پہلی بار میں نے یہ کام سنبھالا تو ایک بوڑھے کارکن نے جو حقیقتاً پلوں کا نبض شناس تھا، مجھ سے کہا، " یہ پل محض پھیلتا اور سکڑتا ہی نہیں ہے، یہ سانس بھی لیتا ہے "۔

سوال یہ ہے کہ کیا وہ خود بھی یہی محسوس کرتا ہے؟

اس نے کہا: " ہم یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ ۱۹۳۲ء میں پائے تکمیل کو پہنچا تھا۔ اور یہ فن تعمیر کا ایک حیرت انگیز شاہکار ہے۔ اس کی ساخت میں جس صحت نظام کا خیال رکھا گیا ہے وہ ناقابل یقین ہے۔ یہ اپنی قسم کا سب سے بڑا پل ہے اور دنیا میں دوھری آہنی پٹیوں والی محراب کا عریض ترین پل ہے۔ لہذا اس کو سر فہرست رکھنا چاہیے۔ موجودہ زمانے میں آپ کوئی ایسا پل تعمیر نہیں کرسکتے

جس میں ۶۰ لاکھ کابلے کسے گئے ہوں ۔ اقتصادی اعتبار سے یہ ممکن نہیں ہوسکےگا ۔"

مسٹر بلانشے نے کہا کہ اس پل کا خاکہ حقیقتاً ڈاکٹر جان بریڈ فیلڈ نے تجویز کیا تھا جو حکومت اوسٹریلیا کے مشیر خاص تھے ۔

انہوں نے یہ بھی کہا ، " انہوں نے ایک ایسا خاکہ تیار کیا جو مناسب تھا اور اب بھی مناسب سمجھا جارہا ہے ۔ اس وقت ان کے ذہن میں ایک ایسے شہر کا ہیولا تھا جسے مقابلۃً بہت چھوٹا کہا جاسکتا تھا لیکن بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ایک ایسے شہر کا تصور کیا جو بین الاقوامی نوعیت کی فلک بوس عمارتوں سے بٹا پڑا ہو ۔ آج وہ نہیں ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ شہر کس قسم کا نظر آتا ہے ۔ اور اب جبکہ حسن نظر کی راہیں یکسر بدل گئی ہیں ، یہ پل مناسب و موزوں معلوم ہوتا ہے ۔ کسی بھی چیز نے اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا ہے ۔"

پل کی طاقت بہت گہرائی تک پہنچی ہوئی ہے ۔ سیمنٹ ، بجری اور لوہے سے بنی ہوئی چار عظیم سلیں چالیس فٹ کی گہرائی میں ڈالی گئی ہیں جن پر لوہے کے وہ شہتیر جڑے ہوئے ہیں جو محراب کو سہارا دیتے ہیں ۔ ہر آہنی شہتیر افقی سطح سے ۴۵ درجے کا زاویہ بنائے ہوئے ۲۰ ہزار ٹن کا بوجھ سنبھال سکتا ہے ۔

بندرگاہ کے دونوں جانب دو آہنی شہتیر جن میں سے ہر ایک کا وزن ۲ سو ۹۸ ٹن ہے بنیادوں پر کھڑے ہوئے ہیں ۔ ایسے ہر شہتیر میں جو کمانیاں لگی ہوئی ہیں ان میں سے ہر ایک کا قطر تقریباً ساڑھے چودہ انچ اور لمبائی ۱۳ فٹ ۸ انچ ہے ۔ یہ پتیاں لوہے کے پایوں پر جڑی گئی ہیں جن کی وجہ سے

محراب کا وزن بنیاد میں لگی ہوئی سیمنٹ کی سلوں وغیرہ پر تقسیم ہو جاتا ہے ۔

جنوبی ساحل سمندر کے قریب موروبا کے مقام پر واقع کانوں سے نکال کر ۲۰ ہزار ۶ سو مکعب گز سنگ سرخ سمندری راستے سے اس جگہ لایا گیا اور اس کو ۴۰ ہزار ٹکڑوں کی صورت میں تراشا گیا ۔ اور پھر پل کے چار پایوں پر انہیں نصب کیا گیا ۔ یہ پائے پل کو کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے اور نہ اس کا وزن اٹھاتے ہیں ۔ ان کے وجود کا مقصد صرف آرائشی ہے اور وہ پل کی ساخت میں ایک توازن قائم کرتے ہیں ۔ یہ ایک قابل تعریف انداز تعمیر ہے ۔

مسٹر بلانشیے نے کہا کہ کوئی بھی شخص پل کو لافانی نہیں کہہ سکتا ۔ ایک نہ ایک دن اس کا عرصۂ حیات ختم ہونا ہے ۔

انہوں نے یہ بھی کہا : " تاہم اس میں شک نہیں ہے کہ اس کے خاکے کو دائمی زندگی مل گئی ہے ۔ بظاہر یہ بیان محض خوش فہمی پر محمول کیا جائیگا لیکن یہ بالکل حقیقت ہے کہ دنیا میں محفوظ رہ جانے والے آہنی پلوں میں یہ بہترین ہے ۔ یہ رائے صرف میری نہیں ہے بلکہ فولاد کی زنگ آلودگی سے متعلق عالمی ماہرین کا یہی خیال ہے ۔ شاید دوسرے نمبر پر اسکاٹ لینڈ کے ایک پل کو جگہ دی جاسکتی ہے ۔ "

پل میں استعمال ہونے والے فولاد کی نوع اعلا ترین ہے لیکن ایک قباحت یہ ہے کہ مسلسل گونجتی ہوئی آوازوں کے زیر اثر فولاد کی سطح پر سفاف ہونے کی کیفیت محسوس ہوتی ہے ، تاہم یہ صورت اس پل کی ساخت میں ابھی تک پیدا نہیں ہوئی ہے اور بعد میں یہ نقص نظر نہیں آئیگا ، کیونکہ اس میں لگایا

ہوا فولاد آگ میں بہت زیادہ تپا کر استعمال کیا گیا ہے اور جو حصہ خراب ہوگا اسے بدلا جاسکتا ہے۔

اس پل کی دیکھ بھال اور مرمت کرنے کے لیے ۹۲ افراد کی ایک جماعت متعین ہے جس میں پینٹر، الیکٹریشن، فٹر، بڑھئی، پلاسٹر کرنے والے اور دھات کے ماہرین شامل ہیں۔ اس جماعت میں جو ۲۰ پینٹر ہیں، ان کا کام بہت آہستہ روی سے ہوتا ہے۔ پانچ سال پورے ہونے کے بعد وہ پل پر رنگ و روغن شروع کریں گے جس کی سطح مجموعی طور پر ایک سو بیس ایکڑ کے برابر ہے۔

یہ حقیقت بھی بہت ہی زیادہ قابل ذکر ہے کہ آج تک پل میں لگی ہوئی بے شمار ڈھبریوں میں سے کسی ایک کو بھی بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہے۔

ان میں سے بعض ڈھبریاں سولہ انچ لمبی ہیں اور جب کبھی تمازت آفتاب یا سرد موسم کے باعث فولاد کے پھیلنے یا سکڑنے سے وہ ڈھیلی پڑتی ہیں تو ان کو معمولی طور پر کس دیا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً ان کی جانچ پڑتال ہوتی رہتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک روز کوئی ڈھبری ڈھیلی نظر آئی اور دوسرے روز دیکھا تو وہ خود بخود کسی ہوئی معلوم ہوئی۔

اوسٹریلیا میں جس ماہر تعمیرات نے سب سے پہلے کام شروع کیا، اس کا نام فرانسس ہوورڈ گرین وے تھا۔ اندازہ ہے کہ بندرگاہ کے آر پار پل تعمیر کرنے کی ابتدائی تجویز انھی نے پیش کی تھی۔ یہ ۱۸۱۵ء کا ذکر ہے۔ گورنر ماقوری کے سامنے رپورٹ پیش کرتے ہوئے انہوں مشورہ دیا تھا کہ یہ پل ڈاوس پوائنٹ سے ملسن پوائنٹ تک بنایا جائے۔ حسن اتفاق ہے کہ موجودہ پل کی جائے وقوع تقریباً وہی ہے۔

سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد یہ تسلیم کیا گیا کہ گرین وے نے اچھی بات کہی تھی۔ چنانچہ پل تعمیر کرنے کے لیے ایک آئینی منظوری دی گئی۔

نئے منصوبے کے لیے حکومت کے چیف انجنیئر ڈاکٹر بریڈ فیلڈ تھے۔ انھوں نے ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مختلف اقسام کے پلوں کی تفصیلات منضبط کیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں پسندیدہ خاکہ سر رالف فری مین نے تیار کیا جو انگلستان کے شہر مڈل بورو میں قائم شدہ ڈورمن لانگ اینڈ کمپنی لمیٹڈ کے ٹھیکداروں کے مشاورتی انجنیئر تھے۔ پل کی بڑی محراب بنانے سے پہلے ہر ساحل پر لوہے کے پتروں اور سریوں کا ایک جال بچھایا گیا۔ جب ان کی تیاری عمل میں آئی تو آدھی چھوٹی محرابوں کو موٹے کیبلوں کے لنگر لگا کر کس دیا گیا۔ وہ موٹے کیبل دریوں ساحلوں کی زمین میں اتار دیے گئے تاکہ ان کو بڑی خوبی کے ساتھ حسب ضرورت ڈھیلا یا سخت کیا جاسکے۔ یہ موٹے کیبل فولاد کے خصوصی تاروں کو بٹ کر بنائے گئے تھے جن کی لمبائی ۱۶ ہزار میل کے برابر تھی۔ اس طرح ہر کیبل تقریباً تین انچ موٹا اور بارہ سو فیٹ لمبا ہوگیا تھا۔ اور ان میں سے ہی ایک میں اتنی سکت تھی کہ ایک سو ۲۷ ٹن وزن سہار سکتا تھا۔

جب کام چل پڑا تو آگے پیچھے کھسکنے والی زنجیر کی کرینیں چھوٹی محرابوں کی بالائی سطح پر نصب کی گئیں اور ان کے ذریعہ سے تعمیر کا کام ہونے لگا۔

۱۹ اگست سنہ ۱۹۳۰ء کی صبح کو دو عدد نصف محرابیں ایک دوسرے میں پیوست ہوگئیں لیکن وہ ایک سیدھ میں نہیں تھیں۔ جو افقی اعتبار سے ساڑھے تین انچ اور عمودی اعتبار

سے دو انچ الگ تھیں ۔

سب سے بڑا ستم سورج نے ڈھایا ۔ اس نے محراب کے شمالی حصے کو گرم کردیا اور اس کے کمل کسی قدر جنوبی حصے کی طرف کھسک گئے اور مشرقی حصہ کسی قدر مغرب کی طرف چلا گیا ۔

لیکن اسی رات کو دس بجے جب درجۂ حرارت گھٹ کر ۱٦٫٦ سنٹی گریڈ (٦۲ درجہ فارن ھائٹ) ہوگیا تو کیمل اپنی جگہ پر آگئے اور نصف محرابیں ایک دوسرے میں مدغم ہوگئیں ۔

ڈاکٹر بریڈ فیلڈ نے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ، ”حالات بہت زیادہ سازگار ثابت ہوئے ، کیونکہ رات کے باقی لمحات میں بھی درجۂ حرارت اتنا ہی رہا ، حتیٰ کہ صبح کو سورج طلوع ہونے پر وہ بڑھنے لگا ۔ اس بات نے یقین دلایا کہ اگر درجۂ حرارت گرنے سے کیمل پہلے ہی ایک دوسرے میں مدغم ہوجاتے تو درجۂ حرارت بڑھنے پر وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے پاتے ۔ ایک بار جب وہ پوری طرح مدغم ہوگئے تو نصف محرابیں درمیانی کھڑنٹوں کے ساتھ پیوست ہوگئیں اور شدت اختیار کر گئیں ۔

سرکاری طور پر پل کا افتتاح ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کو وزیر اعلا مسٹر جیک لینگ نے کیا ۔ البتہ غیر سرکاری طور پر اس کا افتتاح ذرا دیر پہلے ہوا کہ جب کپتان فرانسس ایڈورڈ ڈا گروٹ نے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر پروگرام میں رخنہ ڈالتے ہوئے اپنے خنجر سے فیتہ کاٹ دیا یعنی وزیر اعلا کی قینچی چلنے سے چند لمحے پہلے ایسا ہوا ۔

اس منصوبے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے مسٹر لارنس اینس نے جو ڈورمن لانگ کمپنی کے ڈائریکٹر اور اس

تعمیر کے بھی ڈائریکٹر تھے ایک بیان میں کہا کہ ابتدائی منزلوں میں بہت سے کرسی نشین نقادوں نے اعتراضات کیے اور قنوطی رجحانات رکھنے والے انجینئروں نے، جن میں اوسٹریلیا کے اور سمندر پار کے ماہرین یکساں شامل تھے، رائے پیش کی کہ اس درجے وسیع پیمانے کی محراب کو تعمیر کرنا ایک ایسے احمق کی سعیٔ نا مشکور کے مترادف ہے جو نا ممکن کو ممکن کرنا چاہتا ہو۔

یہ اعتراض اتنا قطعی سمجھا جانے لگا کہ کابینہ کے بعض ارکان نے بھی خطرے کی گھنٹی بجادی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کو یقین دہانی کرانے کے لیے مجھے کئی بار طلب کیا گیا۔

کوئی بھی کام ہو اس میں ضبط و تحمل ضروری ہوتا ہے۔ تمام منزلوں پر نصف محرابوں کی کیفیت پر گہری نظر رکھی گئی اور اس مقصد کے لیے سروے کے خاص آلات استعمال کیے گئے جن کو ستونوں کے اوپر لگا دیا گیا تھا۔

اپنے مشاہدات میں آسانی پیدا کرنے کے لیے روغن کے نشانات پل کے مختلف حصوں پر لگائے جاتے رہے تا کہ تعمیر سے پہلے صحیح صورت حالات معلوم ہوسکے۔ پھر جس طرح ایک بندوقچی نشانے پر گولی چلاتا ہے اسی طرح ان حالات کا رخ لگائے ہوئے نشانات کی طرف کردیا گیا۔

جب بھاری وزن اٹھانے والے لفٹ لگائے جارہے تھے تو آلات کا مرکز ان نشانات کو بنایا گیا جو ۷ سو بلکہ ۸ سو فیٹ تک فاصلے پر تھے۔ اور جب لفٹ کا وزن کرین کے ذریعہ سے اوپر اٹھایا جارہا تھا تا کہ نصف محراب کے آخری سرے تک پہنچایا جاسکے تو ان محرابوں کا جھکاؤ واضح طور پر نظر آنے لگا تھا۔

کئی بار تشویش کے لمحات اس وقت گزرے کہ جب ضرورت سے زیادہ جھکاؤ پیدا ہوگیا اور کام روک دینا پڑا، تا کہ

کیبل کے ذریعہ سے لنگر ڈالنے کے طریق کار کا اچھی طرح معائنہ کرلیا جائے ۔ جب ہر چیز قاعدے میں نظر آئی تو لفٹ کا کام شروع کردیا گیا ۔

کیبل کے لنگر کا طریق کار قطعی طور پر اچھا ثابت ہوا اور اس سے تعمیر پر کڑی نظر رکھی جاسکی ۔ جانب جنوب محراب کا آٹھواں حصہ مکمل ہوجانے پر انجنیئروں نے محسوس کیا کہ کسی کام میں سرمو فرق نہیں ہے ۔ تاہم شمال کی طرف نصف حصے کو تعمیر کرنے کی منزل آئی تو یہ معلوم ہوا کہ نیچے لگائی ہوئی ارواڑ جانبِ مغرب کھسک رہی ہے ۔ اس کو درست کرنے کے لیے کیبل کو نصف انچ کے قریب ڈھیلا کردیا گیا ۔

یہ صورت اس وقت ممکن ہوئی کہ جب ہر پہلو کا جائزہ بڑی احتیاط سے لے لیا گیا ۔ اس طرح دونوں نصف محرابیں بالکل ایک دوسرے کی سیدھ میں آ گئیں ۔

مسٹر اینس نے ذرا ترشروئی کے ساتھ خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا :

" پلوں کی تعمیر سے متعلق کنیڈا کے ایک مشہور انجنیئر نے یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ میں سڈنی بندرگاہ کا پل تعمیر کرنے والا ہوں ، مونٹریل میں بوقت ملاقات مجھ سے کہا :

" تم اب کوئی اور کام کبھی نہیں کرسکو گے ۔ " میں نے پوچھا ، " آپ کا مطلب کیا ہے ؟ " تو انہوں نے کہا کہ جب تم اس کام کو ختم کر لوگے تو خود ھی سمجھ لو گے ۔ اور میں نے واقعی سمجھ لیا ۔

۲ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، اتوار ، سڈنی ، کنبرا

آج کہیں جانے کا پروگرام اس لیے نہیں بنایا گیا کہ دن کو ۱۲ بجے سڈنی سے کنبرا روانہ ہونا تھا ۔ تاہم ۸ بجے صبح ہی یہ فیصلہ ہوگیا کہ میں اب شام کو ۴ بجے کے جہاز سے سڈنی سے کینبرا جاؤں گا ۔ عفیف صاحب نے ٹیلی فون پر بکنگ کرادی ہے ۔ میں نے اطمینان سے اپنا تحریری کام کرلیا اور ۱۱ بجے تک مصروف رہا ۔

شب گزشتہ واقعی خوب سردی تھی ۔ مزہ آگیا ۔ میں جس بستر پر آرام کر رہا ہوں اس میں برقی کمبل بچھا ہوا ہے ۔ عفیف صاحب نے مجھے اس کو "آن" کرنے کی ترکیب بتادی تھی ۔ جب سردی کم نہ ہوئی ، پھر گرم نہ ہوئے ، مجھے جھرجھریاں آتی رہیں تو میں نے برقی کمبل "آن" کر دیا ۔ ۱۰ منٹ کے بعد بستر خوب گرم ہوگیا ۔ میں نے ۱۰ منٹ مزید چلا کر اسے بند کر دیا اور آرام سے سوگیا ، صبح ۵ بجے اٹھا ۔ زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے شب گزستہ برقی کمبل استعمال کیا ۔ اس کے بارے میں سنا بہت تھا ۔ خیال ہے کہ اگر اس بار موقع ملا تو لندن سے ایک کمبل خریدوں گا ۔

"دی اوسٹریلیا" کو انٹرویو

مسٹر ایرس کومنڈس (Ehris Comminds) "دی اوسٹریلیا" کے نمائندے ہیں ۔ ان کو میری آمد کی اطلاع ہوئی ۔ وہ اپنے فوٹو گرافر کے ساتھ ساڑھے گیارہ بجے آگئے اور ایک گھنٹہ میرے ساتھ رہے ۔ میں نے ان کو طب مشرقی کے بارے میں طویل انٹرویو دیا ۔ میں ان انگریزوں سے بہت ڈرتا ہوں ۔

انٹرویو میں کوئی نا معقول بات نہ لکھ دیں ۔ اس لیے میں نے ان سے اپنا پورا تعارف کرا دیا ہے کہ میں اپنے ملک کی ہئیت اقتدار میں شامل ہوں اور اپنے قول و فعل کے لیے یا جو باتیں مجھ سے منسوب کرکے شائع کی جائیں ، ان کے لیے حکومت کے سامنے جواب دہ ہوسکتا ہوں ۔ یہ احتیاطاً بتا دیا گیا تا کہ ان کا قلم محتاط رہے ۔ اب دیکھیے یہ کیا کرتے ہیں ۔ توڑ مروڑ کر کچھ نہ چھاپ دیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ کی طرح اوسٹریلیا کے اخبارات بھی پاکستان کے خلاف لکھ رہے ہیں ۔

طب سے عالمی دل چسپی سے مجھے بڑا قلبی اطمنان ہوتا ہے ۔ اگر میرے وطن میں عاقبت نا اندیشی کا دور دورہ نہ ہوتا اور پاکستان کے ڈاکٹر حالات حاضرہ اور اقتضائے وقت و ملت کا حقیقت پسندانہ ادراک کرتے تو میری تگ و تاز واقعی پاکستان تک محدود ہوکر رہ جاتی ۔ طب کی پاکستان میں شدید مخالفت نے مجھے آمادۂ عمل کیا اور میں پاکسان کو چھوڑ کر دنیا بھر میں نکل گیا ۔ ۱۹۷۰ء سے آج تک طب کے لیے دنیا بھر میں جارہا ہوں اور تحریر و تقریر سے میں نے طب کے لیے بالآخر عالمی رائے کو ہموار کر ہی لیا ۔ حتیٰ کہ عالمی ادارۂ صحت نے بھی بالآخر ۱۹ سال کی جدوجہد کے بعد میری بات تسلم کرلی ۔

اب اوسٹریلیا میں میں نے طب کے لیے اپنا کام شروع کر دیا ہے جس کی ابتدا آج اخباراب کے انٹرویو سے ہوئی ہے ۔

طب کے بارے میں اس علاقۂ دنیا میں دل چسپی نہ ہونے کے برابر ہے اور اس پر مجھے حیرت ہے ۔ اوسٹریلیا کو چین و جاپان سے وابستگی ہے ، جنوب مشرقی ایشیا میں طب کا زور ہے ، بایں ہمہ اوسٹریلیا میں اس سے واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے ۔ نمائندۂ " دی اوسٹریلیا " کو میں نے ایک گھنٹے تک طب

کے بارے میں بتایا ۔ اس کو میں نے بہت کافی لٹریچر بھی دے دیا ہے ۔ اس کو طب کی کئی ادویہ بھی دیدی ہیں ۔

کینبرا میں جو عالمی طبی کانفرنس ہو رہی ہے اس کے بارے میں اس کو بتایا کہ اس کی اہمیت کیا ہے ، اور اس کانفرنس کے نتائج بڑے دور رس ہوں گے ۔ اور جب میں نے نمائندے کو یہ بتایا کہ میری رائے میں اگلے دس سال میں اینٹی بایوٹکس کا استعمال متروک ہوجائے گا تو اس نے یہ نکتہ بڑی اہمیت کے ساتھ نوٹ کیا ۔ میں نے کہا کہ کل کی طب وہی ہے جس کا میں ایڈوکیٹ ہوں اور جو فطرت سے قریب تر ہے ۔ آج کا انسان فطرت کے آغوش میں جانے کے لیے بے چین ہے ۔

اسلامی بم

اوسٹریلیا کے صحافیوں اور سیاست کاروں کے ہاتھ میں " اسلامی بم " آگیا ہے ۔ بتایا گیا ہے کہ اوسٹریلیا کے تمام ہی اخبارات نے پاکستان کے خلاف لکھا ہے ۔ یہاں تاثر یہ ہے کہ پاکستان کی اگر کوئی خبر یہاں کے اخبارات میں شائع ہوتی ہے تو وہ پاکستان کے خلاف ہی ہوتی ہے ، اچھی خبریں نہیں آتیں ۔

پاکستان کے خلاف نہ صرف مغربی ممالک کا یہ حال ہے بلکہ وہ ممالک کہ جو پاکستان کے دوست کہلاتے ہیں ، ان کے انداز بھی موافقت میں نہیں ۔ اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ حالات بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد زیادہ شدت سے پیدا ہوئے ہیں ۔ ہم اس موضوع پر دنیا کے کسی ملک کو اب تک مطمئن نہیں کرسکے ہیں ۔ میں اگر یہ کہوں تو زیادہ غلط نہ ہوگا کہ ہماری خارجہ پالیسی پر کامیابی سے عمل نہیں ہوا ۔ ہمارے سفارت خانے بھی

حالات پر قابو نہیں پاسکے ہیں ، اور بہ ظاہر اگلے دو تین سال تک حالات بے قابو رہیں گے۔ امریکا کا معاملہ خاص طور پر نازک ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ امریکا پاکستان کی موجودہ قیادت کو بدلنا چاہتا ہے۔ میں پاکستان کے بجٹ اور اس کے بعد کے حالات کو امریکی پالیسی سے الگ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ یہ حالات امریکی دخل اندازی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ادھر اسلام دشمن طاقتوں نے پاکستان میں ہڑتالوں کے حالات پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے کہ اس کے لیے صرف سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات اب کون نہیں جانتا کہ ایک ملک نے پاکستانی کرنسی چھاپ کر پاکستان میں تقسیم کرادی ہے اور اس ناجائز کرنسی نے پاکستان کے ہڑتالیوں اور پہیا جامیوں کو مستعد تر بنا دیا ہے۔ ناجائز دولت ناجائز کاموں پر خرچ ہو رہی ہے اور اس لحاظ سے زوال اخلاق بھی رونما ہو رہا ہے۔ اگر پاکستان کی خارجہ پالیسی موثر ہوتی تو اندرونی حالات مختلف ہونے چاہیے تھے۔ اسلامی بم کا معاملہ بڑا ہی دل چسپ ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان ایٹم بم بنا ہی نہیں سکتا ، یہ اس کی صلاحیت اور استعداد سے قطعی باہر ہے۔ اس کے باوجود اس کو جان بوجھ کر مسئلہ بنایا گیا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

" اسلامی بم " کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندستانی جہاز " گنگا " کا تھا۔ " گنگا " ہمارے ہاں جان بوجھ کر لایا گیا ، اور اس لیے لایا گیا کہ مشرقی پاکستان میں بوڑھی گنگا شعلہ بداماں ہوجائے۔ اس عنوان پر پاکستان کے ہوائی جہازوں کو انڈیا سے گزر کر ڈھاکہ جانے سے روک دیا گیا۔ یہ اقدام اس لیے تھا کہ جب بنگلہ دیش کی تحریک زور پر آئے تو پاکستان کا ہوائی

راستہ مسدود رہے ۔ "اسلامی بم" کے بارے میں میری رائے ہے کہ یہ کسی آنے والے خطرے کی علامت ہے ۔ نہ جانے کیا درپیش آنے والا ہے ۔

آن سیٹ ، ایئرلائن اوف اوسٹریلیا

ساڑھے تین بجے سڈنی کے ھوائی میدان پر آگیا ۔ ٹکٹ لے لیا ۔ جب روانگی کا وقت آیا تو معلوم ھوا کہ جہاز ساڑھے پانچ بجے روانہ ھوگا ۔ یہ بُرا ھوا ۔ اس لیے کہ ۶ بجے اس طبی کانفرنس کا آغاز ھونا ہے کہ جس کے لیے میں یہاں آیا ھوں ۔ یہ آغاز مندوبین کا آپس میں تعارف ہے ۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں ملاقاتیں ھوجاتی ھیں اور پروگرام بن جاتے ھیں ۔

یہاں تک تو یہ خیال تھا کہ میں بھاگ دوڑ کر کے پہنچ ھی جاؤں گا ۔ مگر ساڑھے پانچ بجے اعلان ھوا کہ ۶ بجے روانہ ھوں گے ۔ دوسرا کوئی جہاز بھی نہ تھا ورنہ میں ھر قیمت پر اس میں سوار ھو جاتا ۔ بارے جہاز ساڑھے چھے بجے روانہ ھوا ۔ ۳۰ منٹ کا راستہ ہے ۔ ۷ بجے کینبرا پہنچ گیا ۔ ھوائی میدان پر سب سے پہلے جناب پروفیسر سید عباس رضوی صاحب نظر آئے ۔ چھے فٹ کا قد ہے ، چھے انچ کی ٹوپی ، وہ سب سے الگ دکھائی دے رہے تھے ۔ سفارت خانۂ پاکستان کے جناب نہال وارث صاحب بھی تھے ۔ وہ مجھے لینے آئے تھے ۔

بارے سامان لیا ۔ نہال صاحب نے میری قیام گاہ کو پہلے ھی دیکھ لیا تھا ۔ ان کی موٹر میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی (کینبرا) روانہ ھوئے ۔ بیگم نہال موٹر چلا رھی تھیں ۔ ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس تھا !

میرے قیام کا انتظام " یونیورسٹی ہاؤس " مس ہوا تھا۔ کمرہ نمبر 1 - 6 - E تھا۔ یہ تیسری منزل پر تھا۔ یہاں کتابوں سے بھرا ہوا ۳۰ کیلو کا سوٹ کیس لے جانا میرے لیے خاصا مشکل رہا۔ سانس پھول گیا۔ مگر مس نے ہمت نہ ہاری۔ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں " یونیورسٹی ہاؤس " قیام کے لیے سب سے موقر جگہ ہے۔ یہاں بلند مرتبہ علمی شخصیات کے قیام کا انتظام کیا جاتا ہے اور اس ہاؤس کے کمرے مہینوں اور سالوں پہلے بک ہوجایا کرتے ہیں۔ میرا کمرہ بہت کشادہ تھا۔ اس میں سونے کے کمرے کے علاوہ ڈرائنگ روم بھی تھا اور لکھنے پڑھنے کے لیے پوری آسانیاں میسر تھیں۔ غسل خانہ خوب تھا۔ اس کا فرش گرم رہتا تھا۔ غالباً اس کے نیچے سے گرم پانی گزارا جاتا ہے۔ میں نے باتھ روم میں گرم فرش پہلی بار دیکھا ہے۔ یہ واقعی آرام دہ تھا۔ علی الصباح گرم گرم بستر سے اٹھ کر باتھ روم جانا ہوتا ہے اور وہاں ٹھنڈا فرش واقعی تکلیف دہ ہوتا ہے۔

میں نے سامان رکھا اور فوراً یونین ہال روانہ ہوگیا کہ جہاں استقبالیہ اور بوفے ڈنر کا اہتمام تھا۔ میں پہنچ ہی گیا۔ لوگ کھانا شروع کرچکے تھے۔ میں ان میں گھل مل گیا۔ ایک ہی نظر میں اندازہ ہوگیا کہ اس کانفرنس پر " انڈین انویژن " ہوچکا ہے! پتہ چلا کہ ۴۲ رکنی وفد انڈیا سے آیا تھا۔ دوسرا بڑا وفد ملائشیا کا تھا۔ انڈونیشیا، چین، جاپان، تھائی لینڈ، کوریا، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے ۲۰۰ سے اوپر نمائندے آچکے تھے۔ بڑی چہل پہل تھی۔ کھانے کا انتظام بھی خوب تھا۔ میں نے صرف چاول لیے۔ بعد میں پتہ چلا کہ کھانے کا انتظام مسز قریشی نے کیا ہے اور گوشت حلال ہے۔ میں نے پھر گوشت بھی لے لیا۔ کھانا مزیدار تھا!

کینبرا

کینبرا دولت مشترکہ اوسٹریلیا کا وفاقی صدر مقام ہے۔ ۱۹۰۸ء میں اس شہر کے جائے وقوع کو پسند کیا گیا اور ۱۹۱۳ء میں اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ انتخابات کے بعد پارلیمان کا پہلا اجلاس ۱۹۲۷ء میں منعقد ہوا۔ یہ سڈنی کے جنوب مغرب میں اور خلیج جرویس کے مغرب میں واقع ہے۔ آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ اس سے قبل دولت مشترکہ کا صدر مقام میلبرن تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں صدر مقام ایک بار پھر مگر عارضی طور پر میلبرن منتقل کردیا گیا تھا تا کہ کینبرا غیر متوقع تباہی سے بچا رہے۔ میلبرن جنگ کا نشانہ نہیں بن سکتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں یعنی پارلیمان کے قیام کے دو سال بعد کینبرا یونیورسٹی قائم ہوئی۔ ملٹری کالج بھی اسی جگہ ہے۔ اوسٹریلیا کے علم حیوانات کا عجائب گھر بھی یہیں قائم ہے۔ باقی وہ سب دلچسپیاں ہیں جو دوسرے بڑے شہروں میں ہوتی ہیں۔

کینبرا دریائے مولونگلو کے کنارے شمالی مشرقی حصے پر واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یہ خانہ بدوش کاروباری لوگوں کی معمولی سی بستی تھی جسے کین بیری یا کین بوری کہا جاتا تھا، جس کے لفظی معنی "مقام اجتماع" تھے۔ ۱۸۲۴ء میں اس کو کسی قدر عروج حاصل ہوا، یہاں تک کہ ۱۸۳٦ء میں اس مقام کا نام اپنی ارتقائی منزلیں طے کر کے کینبرا ہوگیا۔ ۱۸۹۹ء میں اسے دولت مشترکہ میں شامل کرلیا گیا۔ پھر بھی اس کی حیثیت اتنی اعلا نہیں تھی کہ اسے اوسٹریلیا کا صدر مقام بنایا جاتا۔ تاہم جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے یہ مقام بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں نیا وفاقی صدر مقام بنانے کی خاطر شہر کا نیا خاکہ تیار کرنے کے لئے عالمگیر مقابلہ

ہوا ۔ امریکا کے ایک ماہر تعمیرات والٹر برلے گریفن کا تیار کردہ خا کہ اتفاق رائے سے پسند کیا گیا ۔ اس کے مطابق ۱۹۱۳ء میں شہر کی نئی منصوبہ بندی کر کے تعمیر کا کام شروع کردیا گیا لیکن جلدی ہی پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس میں رخنہ پڑ گیا ۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد دوبارہ کام شروع ہوا اور آٹھ نو سال کے عرصے میں یہ کام پائے تکمیل کو پہنچ گیا ۔ ۹ مئی سنہ ۱۹۲۷ء کی ایک تقریب میں اعلان کیا گیا کہ اب وفاقی پارلیمان سابق صدر مقام مسلبرن کے بجائے نئے شہر میں منعقد ہوا کریگی ۔

یہ شہر ۶ ہزار ۲ سو ۳۲ فیٹ اونچے پہاڑ " اوسٹریلوی ایلپس " کے دامن میں ایک وسیع ہموار سطح پر واقع ہے ۔ موسم گرما میں خاصی گرمی اور موسم سرما میں خاصی سردی پڑتی ہے ۔ البتہ موسم برشگال میں آس پاس کے علاقوں کے مقابلے میں کم بارش ہوتی ہے ۔ پارلیمان قائم ہونے کے بعد شہر کی حدود تیزی سے پھیلتی رہیں ، آبادی بھی اس اعتبار سے بڑھتی رہی ۔ اس وقت آبادی ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ ہے جو ۲۰ سال کے عرصے میں بڑھ کر ۵ لاکھ ہوجائیگی ۔ صرف مرکزی حصہ اور اندرونی مضافاتی علاقے اصل نقشے کے مطابق ہیں جن کے بیچ میں ایک خوبصورت جھیل بھی واقع ہے جو ماہر تعمیرات کے نام پر جھیل برلے گریفن کہلاتی ہے ۔ بیرونی مضافاتی حصے یورپ کے جدید طرز تعمیرات کے حامل ہیں ۔

آئندہ شہری توسیع اور تزئین کے لیے ایک قومی کمیشن قائم کردیا گیا ہے ۔ ویسے انتظامی اعتبار سے وزارت داخلہ دیکھ بھال کرتی ہے ، جس کی اعانت و امداد کے لیے مقامی مشاورتی کونسلیں بھی تشکیل کی گئی ہیں ۔ پارلیمان کے ایک رکن اس شہر کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ اقتصادی سرگرمیاں بھی زور پکڑ

رہی ھیں ۔ چنانچه مضافاتی علاقے صنعتی اور تجارتی اعتبار سے بڑی ترقی کر گئے ھیں ۔ سیاحوں کے استقبال اور ان کے رکھ رکھاؤ کے لیے ایک شعبه قائم ھے ۔ قابل دید مقامات میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ھے جو ۱۹۳۶ء میں قائم ہوئی تھی ۔ سیاح کوہ اوسٹرومـلو کی چوٹی تک پہنچ کر بڑی فرحت محسوس کرتے ھیں ، جس کی بالائی سطح پر رصد گاہ قائم ھے ، جہاں سے اجرام فلکی کا نظارہ کیا جاتا ھے ۔ اسی شہر میں اوسٹریلیا کی نیشنل لائبریری بھی ھے ، جوھر موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے نعمت ھے ۔ ۱۹۶۵ء میں قومی ٹکسال قائم کی گئی جو نوٹ چھاپتی ھے اور سکے ڈھالتی ھے ۔ جنگ کی قومی یادگار عمارت ، ٹکنیکل کالج اور اعلا تعلیم کے کالج طالبان علم کی تشنگی کو آسودگی بخشتے ھیں ۔ ۱۹۷۰ء میں پارلیمنٹ ھاؤس کی نئی عمارت کا نقشه منظور ھوا ۔ اب اسی میں سارے دفاتر قائم ھیں ۔ یه عمارت بھی جھیل برلے گریفن کے کنارے واقع ھے ۔

۳ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، پیر ، کینبرا

جیٹ ھوائی جہاز کا اب میرے اعصاب اور نظام جسمانی پر اثر ھونے لگا ھے ۔ کراچی تا سڈنی مسلسل سفر نے اعصاب پر دو اثرات مرتب کیے ھیں جن کو میں نے اس بار محسوس کیا ھے ۔ ایک یه که غنودگی کی سی کیفیت طاری ھے ۔ کل تمام دن میں مصروف رھا ، مگر موٹر میں جب بھی بیٹھا غنودگی کا حمله ھوا ۔ دوسرے یه که کل تمام دن ذھن کند رھا ۔ ذھن نے کسی چیز کو قبول نہیں کیا ۔ مثلاً ھائڈرو فوائل کشتی کا نام کئی بار میں

نے یاد کیا مگر بھول بھول گیا ۔ آج صبح ٥ بجے آنکھ کھل گئی ۔ میں اٹھا ، تیار ہوکر نماز فجر ادا کی ۔

طبی کنگرس اوسٹریلیا

جس کام کو پاکستان مںں ہونا چاہیے تھا ماشاء اللہ وہ اوسٹریلیا میں ہو رہا ہے ۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹٦٥ء میں میں نے اس تحریک کا آغاز کیا تھا کہ طب پر پاکستان میں ایک عالمی کنگرس ہونی چاہیے اور اس میدان میں خشت اول رکھنے کا اعزاز حاصل کرلینا چاہیے اور بنیاد رکھ دینی چاہیے اس عظمت کی کہ جس کو کل چار چاند لگیں گے ۔ مگر پاکستان کے اہل نظر نے میری رائے سے اتفاق نہیں کیا اور وزارت صحت پاکستان کے لیے تو یہ سب سے بڑی گالی تھی ۔ طب اور اطبا کی جو ناقدری میرے وطن مںں ڈاکٹروں اور ان کی وزارت صحت میں ہوئی وہ تاریخ طب کا ایک المیہ ہے ۔

اللہ خوش رکھے ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ ہاشم صاحب کو کہ ان کو اللہ نے یہ توفیق دی کہ وہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ، کینبرا میں ایک عالمی طبی کنگرس کا اہتمام کر رہے ہیں ۔ بلاشبہ یہ ایک تاریخ ساز اقدام ہے اور اس کے نتائج انتہائی دور رس ہوں گے ۔ طب میں تحقیقات و تجربات کی راہیں بڑی تیزی کے ساتھ کھل جائیں گی اور اب انسان ایک فطری طب کو جلد تر پالے گا ۔

میں اس عالمی کنگرس میں مہمان کی حیثیت سے شرکت کر رہا ہوں اور میری حیثیت ایک مندوب کی ہے ۔ یہاں میری حیثیت ایک مشیر کی بھی ہے اور یہاں میں طب کے تین ڈسپلنز یعنی طب چین ، طب ہند (ایور ویدا) اور طب عربی/یونانی میں

سے طب یونانی کی نمائندگی کر رہا ہوں ۔ آج میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ اگر میں یہ'ں نہ آتا تو یہاں طب کا کوئی ایک نمائندہ بھی نہ ہوتا۔ اور نہ جانے یہاں کیا فیصلے ہوجاتے اور طب نظر انداز ہوجاتی ۔ اس عظیم عالمی طبی اجتماع میں طب کا میں تنہا نمائندہ ہوں ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور آج سے کمر ہمت باندھ لی ہے ۔ من حیث المجموع کوئی ڈھائی سو نمائندگان طب مس بجر اس خاکسار ویدک اور چینی طب کے علم بردار ہیں اور اس اجتماع میں طب یونانی/عربی کے لیے تنہا مجھے جد و جہد کرنی ہے ۔

افتتاح کانفرنس

مجھے جو پروگرام ملا تھا اس میں ۱۰ بجے کا وقت دیا گیا تھا ۔ مگر پتہ چلا کہ ساڑھے نو بجے کا وقت ہے ۔ میں نے تو اس خیال سے ۹ بجے نیچے آنے کا فیصلہ کیا تھا کہ ذرا لوگوں سے ملوں گا ۔ اگر میں ۱۰ بجے کے خیال میں رہتا تو کام خراب ہوگیا ہوتا ۔ ہوا یہ ہے کہ میں کل رجسٹریشن نہیں کراسکا کہ مجھے مسرا پروگرام کا کانفرنس بیگ مل جاتا ۔

پروفسر اے ۔ ایل باشم صاحب نے مجھے پاکستان لکھا تھا کہ مس افتتاحی جلسے مس ۵ ۔ ٦ منٹ تقریر کروں اور طب کے بارے میں ہلکا سا تعارف کرادوں ۔ میں نے اس کو منظور کرلیا تھا ، اور آج صبح میں نے اس تقریر پر " پالش " کرلیا اور اس کو حسب حال بنالیا تھا ۔

پنڈت شیوشرما

کانفرنس کا افتتاح کومبس لیکچر تھیٹر (Coombs

(Lecture Theatre) میں ھونا تھا ۔ میں نے اس طرف کا رخ کیا ۔ اس عظیم یونیورسٹی کا نقشہ میرے پاس تھا ۔ راہ میں ایک بزرگ ملے ، '' ھاں ، میں پہچان گیا ، آپ حکیم محمد سعید ھیں ''۔ میں نے جواب دیا : '' میں بھی جانتا ھوں کہ آپ پنڈت شیو شرما جی ھیں ! ''

ہم ایک دوسرے سے بغل گیر ھوگئے ۔ ھماری غائبانہ ملاقات کچھ نہیں تو ۱۵ - ۱٦ سال سے تو ھے ۔ میں پنڈت جی کا مشیر اور وہ میرے مشیر ! ہم نے ایک بار سیلون (اب سری لنکا) کے آیور ویدک سنٹر کے لیے خطوں سے تبادل خیال کیا تھا ۔ اس انسٹی ٹیوٹ کا نام بھی میں نے تجویز کیا جسے سیلون کی حکومت نے منظور کرلیا تھا ۔ اس سنٹر کے لیے کافی کام کرنے کے بعد میں اس کے جشن افتتاح میں نہ جاسکا ۔ افتتاح پنڈت جواھر لال نہرو صاحب نے کیا تھا ۔ میرے نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ اسٹیٹ بنک اوف پاکستان نے میرے ۵ دن کے سفر کے لیے شاید ۳۰ پونڈ زرمبادلہ منظور کیا تھا کہ جو اس قدر کم تھا کہ میں اس رقم سے ۵ دن تک سیلون میں گزارا نہیں کرسکتا تھا ۔ میں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا ، اور اس طرح پنڈت شیو شرما صاحب سے ملاقات کا موقع ھاتھ سے نکل گیا تھا ۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات یہ ھے کہ ایک علمی طبی تقریب میں میں شرکت سے محروم کر دیا گیا ۔ اب اسٹیٹ بنک کے فیصلے پر حیرت کرنی چاھیے یا ماتم ، اس کا فیصلہ قارئین کریں گے ۔

پنڈت جی سے ۱۰ - ۱۲ منٹ باتیں ھوئیں اور پھر ہم دونوں کومبس لیکچر تھیئٹر کی جانب روانہ ھوگئے ۔ ھمارے ساتھ ایک خاتون ڈاکٹر بھی ھیں ۔ یہ خاتون ھندستان میں مہاراشٹر کی وزیر صحت ھیں ۔ راستے میں ان سے تبادل خیال

ھوتا رھا اور کومبس لکچر تھیٹر کے ھال میں ھم دونوں جا کر ساتھ بیٹھ گئے ۔

دی آنریبل آر۔ جے۔ بلی کوٹ (R J Bellicott) وزیر دارالحکومت (Minister Capital Territory) کو افتتاح کرنا تھا ۔ مگر وہ ساڑھے نو بجے نہیں آئے بلکہ ۱۰ بجکر ۳ منٹ پر پہنچے ۔ مجھے یہ خیال آیا کہ ان کو بھی ضرور ۱۰ بجے کا وقت دیا گیا ہوگا جیسا کہ مطبوعہ پروگرام میں لکھا تھا ۔ ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ باشم صاحب نے انتظار نہیں کیا اور جلسے کی کارروائی کا آغاز پونے دس بجے کر دیا ۔ وزیر موصوف آ کر اطمینان سے بیٹھ گئے اور جب اس بیطس پروفیسر سرمارک اولی فنٹ (Sir Mark Oliphant) نے بہ حیثیت سرپرست اپنا خطبہ ختم کرلیا تو جناب وزیر نے اپنا خطبۂ استقبالیہ پیش کیا ۔ میں یہ غور کرتا رہا کہ اگر ھمارے ھاں ایسا واقعہ پیش آجاتا تو جناب وزیر کے تشریف لائے بغیر کیا مجال کہ کانفرنس کا آغاز کر دیا جاتا ۔ اور اگر ان وزیر کے بغیر یونیورسٹی کے پروفیسر صاحب جرات کرلیتے اور کارروائی شروع کرادیتے تو جناب وزیر اس بے چارے پروفیسر کا جن بچہ کولھو پلوا دیتے ۔ زیادہ رعایت کرتے تو ان کا تبادلہ ضرور کرا دیتے ۔ ایسا صرف ان ھی ممالک میں ھوسکتا ھے کہ جہاں عالم کی قدر نہ ھو ۔ یہ اوسٹریلیا ھے ۔ یہاں علم اور عالم دونوں کی قدر کی جاتی ھے ۔ ڈاکٹر باشم صاحب نے وزیر کی کوئی پروا نہیں کی اور علمائے طب کے جلسے کی کارروائی شروع کرادی ، اور ھم نے یہ دیکھا کہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفسر ڈی ۔ اے ۔ لو (D A. Low) نے اپنے خطبے میں پروفیسر باشم کی زبردست تعریف کی ، اور ان کو ایک بڑی شخصیت قرار دیا ۔ اگر ھمارے ھاں اس گستاخ پروفیسر کی تعریف کہ جس نے وزیر

کی پروا کیے بغیر جلسے کی کارروائی شروع کرادی تھی ، وائس چانسلر صاحب کرتے تو ان کی بھی شامت آجاتی ۔ ان کو ضرور ٹوبہ ٹیک سنگھ اسکول میں ماسٹر بنا کر بھجوا دیا جاتا ، اور یہ ان کے لیے کم سے کم سزا ہوتی !

اس انٹرنیشنل کانفرنس میں تین اہم تر طبوں کی نمائندگی ہوئی : طب یونانی (عربی) ، طب ہندی (آیور ویدا) اور طب چینی ۔ ان تینوں طریق ہائے علاج کے تینوں نمائندوں کو بھی جلسۂ افتتاحی میں تقریریں کرنی تھیں ۔ پروگرام جو چھپا اس میں ترتیب اس طرح تھی :

حکیم محمد سعید	(طب یونانی/عربی)
پنڈت شو شرما	(آیور ویدا)
پروفیسر لیوشن یان	(طب چینی)

میری تقریر

میں نے صبح اپنی تقریر کی نوک پلک ٹھیک کرلی تھی ۔ میرے خطاب میں طب کا تعارف تھا ۔ مگر اس کے ساتھ میں نے حالات حاضرہ اور طب کے استعمال کی ضرورت کا احاطہ بھی کیا تھا ۔ میں نے اپنی تقریر میں اہم مشورے بھی دیے اور میں نے لفظ " ٹریڈیشنل " سے عدم اتفاق رائے بھی کیا ۔ یہ بڑی جرأت کی بات تھی ۔ اتنے بڑے فورم میں کہ جس میں متعدد ممالک کے نمائندے شریک ہوں اور بڑے ماہرین موجود ہوں ، اور عالمی ادارۂ صحت کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہوں کانفرنس کے کام سے نیز ڈبلیو ۔ ایچ ۔ او ۔ سے بھی عدم اتفاق کرنا مشکل کام تھا ۔ یہ جرأت میں ہی کرسکتا تھا ، اور میں نے ببانگ دھل یہ رائے ظاہر کی ۔

میری تقریر کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے :

افتتاحی تقریر

اس قسم کے موقع پر ہر انسان کا یہ اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ وہ دل کی بات زبان پر لے آئے ۔ اس کے علاوہ یہ امر باعث مسرت بھی ہے ، خصوصاً ایسی صورت میں کہ ہم سب دوستانہ اور تعمیری تعاون کی ایسی فضا میں مل بیٹھے ہیں جو بنی نوع انسان کے مفاد کی خاطر ہماری جدوجہد میں ہماری معاونت کرتی اور ہمارے ارادوں کو تقویت بخشتی ہے ۔ اس وقت دنیا کی آبادی تین ارب نوے کروڑ سے زیادہ ہوگئی ہے اور محتاط تخمینے کے مطابق اس صدی کے آخر تک وہ تیزی سے بڑھ کر سات ارب تک ہو جائیگی ۔ اتنی کثیر آبادی کے لیے جس طبی نگہداشت اور علاج معالجے کی ضرورت ہے ، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی تمام موجودہ طبی معلومات اور صلاحیت و استعداد کو کام میں لاتے ہوئے اپنی صحت مند زندگی کے لیے نہایت خوشگوار اقتصادی اور معاشرتی حالات پیدا کریں ، بیماریوں کی روک تھام کریں اور صحت کو فروغ دیں ۔ میں اس موقع پر عالمی ادارہ صحت کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر هافڈان سہلر کے ان الفاظ کا حوالہ دیتا ہوں :

" فی زمانہ حفظ صحت کے سلسلے میں ہماری خدمات محض مروجہ طریقوں کو بروئے کار لانے سے پائے تکمیل کو نہیں پہنچائی جاسکتیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی نئی سرعت پذیر راہ عمل اختیار کی جائے جو صحت کے وسائل کو منصفانہ طور پر پھیلائے ، قومی اور بین الاقوامی ذرائع کو جمع کرے ، روایتی طب

اور اس کے معالجین سے معقول صورت میں استفادہ کرے ، صحت کے ضمن میں ایسے مناسب فنی طریقوں کی تحقیقات و ترقی میں حصہ لے جو مقامی ضروریات کو پورا کرسکیں اور دنیا بھر کی قوموں کے مابین قریبی رابطہ قائم کرسکے ۔''

میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کو ، خصوصاً پروفیسر اے ۔ ایل ۔ باشم اور ان کے ساتھیوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہیں اس صورت حالات سے تشویش ہے اور اسی لیے ان کو روایتی ایشیائی طب سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرنس بلانے کا خیال آیا ہے اور اس طرح عظیم ایشائی ملکوں کے نمائندوں کے لیے یہ موقع فراہم ہوگیا ہے کہ وہ جمع ہوکر تبادل خیالات کر سکیں ۔ بلاشبہ اس پہلے قدم کی آواز ساری دنیا کے ان حصوں میں سنی جائیگی جہاں روایتی طریقۂ علاج رائج ہے ۔

میں ذاتی طور پر لفظ '' روایتی '' (ٹریڈیشنل) استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہوں ، خصوصاً جب اسے طب کے ضمن میں استعمال کیا جائے ۔ یہ اس طریق کار کی وکالت کرتا ہے جس سے موجودہ لفظ '' سائنس '' کی تکذیب ہوتی ہے اور اسے سن کر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ طب (خواہ وہ چینی ہو ، آیورویدک یا یونانی/عربی) '' سائنس '' پر مبنی نہیں ہے ۔ حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے ۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اگر اسی لفظ کے استعمال پر اصرار کیا جائے تو میں یقیناً یہ سمجھ لونگا کہ عصر حاضر کے دانشور ، '' سائنس '' کی صحیح تعریف منضبط کرنے سے قاصر رہے ہیں ۔ میرے نزدیک تمام مشرقی طریقہ ہائے علاج جو ایشیا اور افریقہ میں رائج ہیں ، ایک دوسرے سے الحاق رکھتے ہیں ۔ علاج معالجے کے نظریات اور اصولوں میں جو بنیادی

مماثلت پائی جاتی ہے ، اس کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ ان کے ماسن ایک ناریخی سلسلے کا پتہ چلتا ہے ۔ میں پر زور الفاظ میں یہ بتا دینا چاھتا ھوں کہ اخلاط اور مسلانات طبع کا نظریہ ، جسم انسانی میں روح حیوانی کا وجود اور نفس کے تقاضے اس سائنس کے مختلف مظاھر ھیں جن کی تردید ممکن نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ موجودہ سائنس اور سائنسی راہ عمل کے لیے مناسب الفاظ استعمال کئے جائیں ۔

گزشتہ بیس سال کے دوران خط وکتابت یا داتی ملاقاتوں کے دریعہ سے میں نے عالمی ادارۂ صحت پر زور ڈالا ہے کہ مشرقی طب کے ضمن میں حقیقت پسندانہ انداز فکر اختیار کیا جائے ، اس کی خوبیوں کا جائزہ لیا جائے اور جدید طب کے ساتھ اس کا رابطہ قائم کیا جائے ۔ میں نے ڈاکٹروں ، حکیموں اور سائنس دانوں کے سہ گانہ اشتراک ـــــ اتحاد ثلاثہ کی یہ تجویز کہ وہ مل جل کر علاج معالجے ، صحت کی دیکھ بھال اور مختلف النوع تحقیقات کے ضمن میں ایک ساتھ کام کریں ، ۱۹۶۲ء میں پہلی بار پیش کی تھی اور اس وقت سے برابر اسے پسند کیا جا رہا ہے ۔ مجھے یہ اعلان کرنے میں خوشی ہو رہی ہے کہ خود میرے ملک میں اسی اتحاد ثلاثہ کے اصول پر طبی تحققات کی ایک قومی کونسل صدر پاکستان کی مساعی جمیلہ سے قائم ہوگئی ہے جو بہت جلد اپنا کام شروع کر دیگی ۔

اس زمانے میں مشرقی طب کی حمایت میں بین الاقوامی شعور بیدار ہوگیا ہے اور مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا ہے کہ شعور کی یہ عالمگیر بیداری اس مقصد سے نہیں ہوئی ہے کہ مغربی طب کی کوتاھیوں کو افریقی ایشیائی ملکوں میں کرید کر سامنے لایا جائے اور اس کے بجائے مشرقی طب کو فروغ دیا جائے یا

صحت کی دیکھ بھال کے لیے مقامی طریق علاج پر اکتفا کیا جائے ، بلکہ صحیح سائنسی راہ عمل پیش نظر ہے جسے کم سے کم پچھلی دو صدیوں میں فراموش کر دیا گیا ہے ۔

ماضی میں عرب دنیا نے اور وسطی ایشیا کے بہت سے ملکوں نے جو بعض کامرانیاں پہلی بار حاصل کیں ، ان پر امتداد زمانہ کے ھاتھوں خاک پڑتی رھی جس سے اس کے نقش و نگار دھندلے پڑ گئے اور اسے جدید سائنس کے روپ سے ممیز کرنا مشکل ھوگیا ۔ تاھم اب دانشور اور صاحبان علم اس خاک کو دور کرنے میں مصروف ھیں تاکہ کامرانی کا صحیح چہرہ روشنی میں آجائے ۔ یہاں تک کہ عرب دنیا نے بھی جس نے طب عربی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا ، طب عربی کے مراکز قائم کرنے شروع کر دیے ھیں ۔ نظام اسلام کے تحت پندرھویں صدی ھجری کے آغاز سے متعلق جن عالم گیر تقریبات کا اھتمام ھو رھا ہے ، ان کے سلسلے میں پتہ چلا ہے کہ طب اسلامی کے موضوع پر کم سے کم دو بین الاقوامی کنگرسیں منعقد کی جائینگی ۔

مجھے یقین ہے کہ جدید سائنسوں کے ارباب دانش مذکورہ بالا شعور کی بیداری کے ضمن میں اپنے تعاون سے دریغ نہیں کریں گے بلکہ نہایت خلوص کے ساتھ کوشش کریں گے کہ ایسا طریقۂ علاج تخلیق کرنے میں مددگار ھوں جس کے لیے فخر و اطمینان کے ساتھ " عالمگیر طب " کی اصطلاح استعمال کی جاسکے ۔

بنیادی طور پر میں ایک معالج ھوں اور یونانی طریق علاج کے مطابق جسے " گریکو عرب " طریق علاج بھی کہا جاتا ہے ، مریضوں کی دیکھ بھال کرتا ھوں ۔ میں اس کے نظریات اور فلسفے سے پوری طرح وابستہ ھوں ۔ مجھے کامل یقین ہے کہ

طب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی صحت کا خیال رکھا جائے ۔ جسم کے ایک یا ایک سے زیادہ اعضا کے معذور ہو جانے کا نام بیماری ہے اور فضلات کو زائل کر دینے سے اس کا تدارک ممکن ہے ۔ یونانی محاورے کے مطابق بیماری اخلاط کے عدم توازن سے یا اخلاط کی ہم آہنگی میں فتور پیدا ہوجانے سے ظہور میں آتی ہے ۔ چار اخلاط میں خون ، بلغم ، صفرا اور سودا شامل ہیں ۔ چار اخلاط کا نظریہ بقراط نے پیش کیا تھا جو یونانی طب کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے ۔ ایک اور بنیادی اصول اشخاص کے اخلاط کے اور ادویہ کے مزاج سے تعلق رکھتا ہے ۔ یونانی طب کا تعلق افراد کے مزاج سے ہے ۔ مزاج دراصل نفسیات ، اعصاب اور غدود کے طریق عمل سے تعلق رکھتا ہے ۔ ہر شخص میں اس کی نوعیت جدا گانہ ہوتی ہے ۔ طب اور جدید طریق علاج کے مابین بنیادی اختلاف یہی ہے ۔ اگرچہ جدید طب میں بھی علامات مرض کا مشاہدہ گہری نظر سے کیا جاتا ہے اور علاج کے لیے ایک دوا یا بہت سی دواؤں کا مرکب استعمال کیا جاتا ہے ، طب مشرق میں اسی عمل کے ساتھ ساتھ کوشش کی جاتی ہے کہ بہ حیثیت مجموعی مریض کے سارے جسم کو بحال کر کے اصل حالت پر لایا جائے ۔ اس مقصد کے لیے آس پاس نباتاتی ، حیوانی ، معدنی اور بحری ادویہ کا ایک قیمتی خزانہ برائے دفع امراض موجود ہے ۔ یونانی طب کی ایک کلیدی حیثیت یہ ہے کہ مریض کے لیے ایسی دوا تجویز کی جائے جو فی الفور علاج نہ کرے اور اس طرح شدید رد عمل کا سامنا نہ ہوسکے ۔ اس کے طریق عمل کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ انسان کے مزاج کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے طور پر راہ عمل اختیار کرسکے اور نوامیس فطرت کے تحت اس عمل کو جاری رکھ سکے اور جس

طرح بھی ممکن ہو ، اس عمل میں تعاون کیا جائے ۔

مس نے یونانی طب کے اصل جوہر کو مختصر الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ تاہم اس پر صحیح غور و خوض مختصر انداز میں نہیں ہو سکتا اور نہ اسے متروک کہ کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں اس معالجے کا سلسلہ کسی تعطل کے بغیر تیرھویں صدی سے چلا آرہا ہے ۔ اس کا قیمتی ورثہ ہمارے پاس ہے اور برصغیر کے ستر فیصد باشندوں کا علاج کرنے کے لیے وہ تن دھی سے خدمات انجام دے رہا ہے ۔ اس لحاظ سے اس کا شمار اس طرح کیا جائے کہ عالمگیر طب میں مستقبل کے طریق علاج میں اس کے لیے اعلا مقام پیدا کیا جائے ۔

افتتاحی تقریب بخیر و خوبی ختم ہوئی ۔ ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ باشم صاحب نے اپنے خطاب میں کہ جو انہوں نے وقفہٗ چائے کے بعد کیا میرے عدم اتفاق رائے کا اشارہً ذکر کیا ۔ انہوں نے کہا کہ فی الحال انہیں ٹریڈیشنل سے بہتر لفظ نہیں مل رہا ہے اور اس کانفرنس کی حد تک تو لفظ " ٹریڈیشنل مڈیسن " استعمال کرنا ناگریز ہے ۔ ان کو میرے عدم اتفاق سے کوئی ذہنی تکلیف بہ ظاہر نہیں ہوئی مگر انہوں نے اپنے خطاب میں کئی بار اسارةً ذکر کرکے مسئلے کو قابل غور بنا دیا ۔

جناب سفیر پاکستان

میرا خیال ہے کہ اس جلسہ افتتاح میں ہمارے پاکستان کے سفیر جناب محترم نور صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا سفیر نو شریک نہ تھا ۔ اگر ہوگا بھی تو مجھے اندازہ نہیں ہوا ۔ جناب نور صاحب کے آنے کا مجھے علم نہ ہوا ۔ وہ تو کانفرنس کے افتتاح

کے بعد چائے کے لیے جاتے ہوئے میں نے ان کو پہچان لیا ، اور ملاقات ہوگئی ۔ چائے کی میز پر ان سے بس سرسری باتیں ھی ہو سکیں ، مگر میں نے ان کو بتا دیا کہ یہاں صورت حال کیا ھے ۔ اس کانفرنس میں ھندستان کے کم از کم چالس نمائندے ھیں ، ملائشیا کے کم از کم آٹھ ، انڈونیشیا کے کم از کم چھے ، چین کے کم از کم سترہ ، تھائی لینڈ کے پانچ چھے ، کوریا کے کم از کم سات ، جاپان کے کم از کم آٹھ لیکن پاکستان سے تنہا میں ھوں ۔ میں نے جناب سفیر صاحب سے کہا ، ”فرمائیے میں تنہا یہاں کیا کروں گا ، کس طرح فرائض سے عہدہ برآ ھوں گا اور مسائل سے نمٹونگا ؟ اس عالمی مجلس میں کہ جہاں نہ صرف ایشیا سے بلکہ انگلستان ، جرمنی ، ھالینڈ ، امریکا وغیرہ سے بڑے بڑے ماھرین طب آئے ہوئے ھیں ، میں تنہا ان کے سوالات کے جوابات کیسے دوں گا اور طب یونانی و عربی کا کس کیسے پیش کروں گا ، جبکہ آیورویدا اور چینی طب کے لیے ایک نہیں درجنوں نمائندے موجود ھیں ! “

بے چارے سفیر صاحب کیا کہتے ۔ ان کو بھی میری طرح پریشانی تھی اور تکلیف تھی ۔ انہوں نے کہا ، پروفیسر فاطمی صاحب بھی تو ھیں ! میں نے کہا کہ ھاں وہ ھیں ، مگر ان کا میدان تو تاریخ ھے اور یہ کانفرنس تاریخ سے تعلق نہیں رکھتی ، یہاں طریق علاج اور اصول علاج کا مسئلہ در پیش ھے اور قطعی طور پر میدان طب میں ایک عالمی پیش رفت کا یہاں سے آغاز ہوگا ۔

میری پریشانی

میری یہ پریشانی اس قدر بجا ھے کہ کوئی صاحب عقل

اس سے انکار نہیں کرسکتا ۔ ان مسائل کو بہت سے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے ۔ اور بعض لوگوں کے لیے تو یہ مقام مسرت و شادمانی ہے کہ اس عالمی کانفرنس میں طب کا موقف پیش نہیں ہوسکے گا ۔ انھوں نے اس لیے تو سارا جتن کیا ہے اور سارے سامان کیے ہیں کہ اس کانفرنس میں میں بھی تنہا ٹکریں ماروں !

کاش ان کو میری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا !

اور یہ بیوروکریسی زیادہ فراخ دل ہوتی اور عقل سلیم سے عاری نہ ہوتی !

احترام

کانفرنس بیگ میں اوسٹریلیا کا مشہور دو ماہہ رسالہ " ہیمی سفیئر " (Hemi Sphere) رکھا گیا تھا ۔ اس رسالے کی یہ اشاعت خصوصی " طب " کے موضوع پر ہے اور اس کانفرنس کی مناسبت سے اشاعت پذیر ہوئی ہے ۔ میں نے اس میں طب پر ایک مضمون لکھا ہے کہ جو بڑی اہمیت کے ساتھ مدیر جناب رسل ہنڈرسن نے شائع کیا ہے ۔ تمام مندوبین نے اس کا مطالعہ کرلیا ہے ۔ پھر افتتاحی تقریر میں نے جس انداز سے کی ہے اس کا اثر شرکا نے قبول کیا ہے ، میں اب یہاں احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوں ۔

در اصل " ہیمی سفیئر " کا میرا مضمون بہت اہم ہے ۔ یاد آیا اس کا معاوضہ ۱۸ سو روپے مجھے پاکستان میں سفیر اوسٹریلیا نے بھجوایا تھا ۔ مگر میں نے یہ معاوضہ یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ میں طب و علم کی خدمت کرتا ہوں ، اس خدمت کا معاوضہ نہیں لیا کرتا ۔ مدیر رسل ہنڈرسن صاحب نے جواب

میں مجھے بڑا اچھا خط لکھا تھا -

توقع ہے کہ اس کانفرنس میں رسل ہنڈرسن صاحب سے ملاقات تو ہوگی ! ان کے نائب تو آج مل گئے تھے !

رجسٹریشن

میں ڈاکٹر عباس رضوی صاحب کی معیت میں کانفرنس کے دفتر گیا - یہاں میں رجسٹریشن کے لیے آیا ہوں - مرے آتے ہی مسز ہلیوک (Holyoak) نے کانفرنس بیگ میرے حوالے کر دیا اور رجسٹریشن فیس نہیں لی - مرے ساتھ احتراماً ایسا کیا گیا تھا - کہا گیا کہ آپ سے غالباً ہاسٹل کا کرایہ وغیرہ بھی نہیں لیا جائے گا - ڈاکٹر عباس رضوی صاحب اس کانفرنس کے منتظمین میں سے ہیں - وہ میرے ساتھ تھے - میں نے اس احترام و عنایت کو قبول کرلیا -

پروفیسر عباس رضوی کے ساتھ

رجسٹریشن کے بعد میں پروفیسر عباس رضوی صاحب کے ساتھ ان کے کمرہ نمبر ۱۱٦ میں گیا - دیکھا کہ کمرہ کتابوں سے اٹا ہوا ہے اور ان کی میز کاغذات سے بھری ہوئی ہے - ان کے اس کمرے میں ایک الماری ایسی ہے کہ جس میں ان کی تصانیف رکھی ہیں - مجھے اندازہ ہے کہ اس الماری سے پروفیسر رضوی کس قدر ”انسپائر“ ہوتے ہوں گے - وہ درجنوں نہایت اہم و ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں - اور یہ سلسلہ جاری ہے - ان دنوں ایران پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں - اس کتاب میں وہ ایران کے موجودہ ”انقلاب اسلامی“ کا ایک باب بڑھا رہے ہیں -

"اطلاعات" کا ایک مضمون

ڈاکٹر عباس رضوی انقلاب ایران کے بارے میں بڑی حتمی رائے رکھتے ھیں۔ ان سے مجھے معلوم ھوا کہ ایران کے ایک بڑے اخبار " اطلاعات " نے جناب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب کے بارے میں ایک توھین آمیز مضمون شائع کیا ھے۔ اس مضمون میں خمینی صاحب کے بارے میں من جملہ دوسرے الزامات کے ایک جھوٹا الزام یہ تھا کہ وہ " جنسیات " میں گرفتار ھیں۔ اس پر مشکل ھی سے کوئی یقین کرسکتا ھے۔ ڈاکٹر رضوی صاحب کی رائے یہ ھے اور یہ رائے اھل ایران کی بھی ھے کہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد انقلاب رونما ھوا اور اس نے اس قدر شدت اختیار کی۔

کانفرنس کے اجلاس

سہ پہر سے کانفرنس کے اجلاس شروع ھوگئے ھیں۔ میں نے ناشتہ ڈاکٹر رضوی صاحب کے ساتھ کیا۔ ایک گلاس دودھ اور آلو کے قتلے (فرنچ پوٹاٹوز) ۔ سب سے پہلے دن ایک اجلاس کی صدارت کا شرف مجھے حاصل ھوا۔ اس کا موضوع تھا :

"Classical Studies of Traditional Medical Text"

مجموعی طور پر چھے مقررین تھے۔ ان میں تین چینی تھے۔ ان تینوں کے مقالات پر میں زیادہ متوجہ رھا۔ بلکہ ایک سوال جب ھوا تو انگریزی سوال کا چینی ترجمہ میری رائے میں صحیح نہ تھا۔ میں نے ٹوک دیا اور سوال کو دھرانے کو کہا تاکہ مقرر کے لیے صحیح ترجمہ کیا جاسکے۔ اجلاس بہ حیثیت مجموعی اچھا رھا۔

پبلک لیکچر

عالمی ادارہ صحت کے ڈاکٹر آر۔ ایچ۔ بنرمین (R. H Bannerman) نے آج رات ۸ بجے ایک لیکچر کوپ لینڈ لیکچر ہال (Copland Lecture Hall) میں دیا ان کا موضوع تھا :

Traditional Medicine : Current Pattern of Usage : Strength and Deficiencies

مجموعی طور پر لیکچر بہت جامع تھا اور اس سے بہت سی نئی باتیں بھی معلوم ہوئیں جن کا علم مجھے ہونا چاہیے تھا ۔

انار کلی ریستوران

کینبرا میں دو انڈین ریستوران تو پہلے ہی سے ہیں ۔ انارکلی پہلا پاکستانی ریستوران ہے ۔ شب گزشتہ جو "اکٹھام ڈنر" تھا اس کا انتظام اس ریستوران نے کیا تھا ۔ بڑا اچھا کھانا تھا ۔ میں نے گوشت سے گریز کیا تھا مگر بتایا گیا کہ یہ پاکستانی ریستوران کا انتظام ہے اور مسز قریشی اس کی نگراں ہیں ۔ مسز قریشی بھی آگئی تھیں اور انہوں نے اطمینان دلایا تھا کہ گوشت حلال ہے ۔ مسز قریشی اور مسٹر قریشی نے اصرار کیا تھا کہ ہم آج رات ان کے ساتھ کھانا کھائیں ۔ میں رات لیکچر کے بعد پروفیسر رضوی کے ساتھ انارکلی ریستوران گیا ۔ چھوٹا مگر بڑا ہی صاف ستھرا اور اعلا ریستوران ہے اور جب کھانا ملا تو حیرت ہوئی کہ اس قدر لذیذ کھانا کیسے تیار ہوسکتا ہے ۔ میرے ساتھ جدہ مڈیکل کالج کے ڈاکٹر بسلامہ اور ان کی پاکستانی اہلیہ (دختر پروفیسر ابراهیم پرنسپل این ۔ ای ۔ ڈی کالج، کراچی) اور محترمہ ڈاکٹر سلام تھیں اور پروفیسر قدرت اللہ فاطمی صاحب بھی تھے ۔ سب ہی کھانے کی تعریف میں رطب اللسان

تھے - کھانا مسز قریشی خود پکاتی ہیں - چھے ہفتے ہوئے ریستوران کا افتتاح ہوا ہے اور رجوعہ خوب ہے -

پروفیسر رضوی صاحب نے مسز قریشی کی تعریف کی اور انہوں نے بتایا ایک حقیقت یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہاں غذا کی ہر چیز خالص ملتی ہے - دودھ، دھی، گھی وغیرہ وغیرہ - اس لیے غذا کا امتزاج اگر صحیح ہو، جیسا کہ مسز قریشی کو یہ فن معلوم ہے، تو پھر آدمی انگلیاں ہی چاٹتا رہ جاتا ہے - واقعی بات صحیح ہے - میں لذت کام و دہن میں لگ گیا اور اپنی حد سے زیادہ غذا کھا گیا !

کھانے کے سلسلے میں ایک حکایت یاد آگئی :

خراسان کے رہنے والے دو درویش ایک ساتھ سفر کر رہے تھے - ایک فربہ و بسیار خور تھا اور دوسرا دبلا تھا اور کم خوراک - اتفاق کہ دونوں درویش ایک شہر میں گرفتار ہوئے، الزام جاسوسی کا لگا - دونوں قید خانے میں ڈال دیے گئے - چند دنوں بعد معلوم ہوا کہ بے گناہ ہیں، حکم رہائی آیا - قید خانے کا دروازہ کھولا گیا تو لوگ حیران ہوئے یہ دیکھ کر کہ فربہ و بسیار خور درویش اللہ کو پیارا ہوچکا ہے اور دبلا درویش ہنوز بہ قید حیات ہے !

ایک بزرگ دانا نے کہا : یہ تو عین قانون فطرت ہے - ہاں اگر اس کے برعکس ہوتا یعنی دبلا مرجاتا تو ضرور حیرت کی بات تھی ! موٹا بہت کھانے والا تھا، فاقوں کی مصیبت برداشت نہ کرسکا اور ہلاک ہوگیا - دوسرا کم خور تھا، اس نے اپنی عادت کے مطابق صبر کیا اور زندہ بچ نکلا -

سعدی شیراز نے اس پر فرمایا ہے :

چوں کم خوردن طبیعت شد کسے را
چوں سختی پیشس آیـــد سہل گیرد
دگر تن پـــرورست اندر فـــراخی
چـــو تـنــــگی بیند از سختی بمیرد

لذائذ کے معاملے میں بسیار خوری ایک بڑا نفسیاتی مسئلہ ھے ۔ اگر کوئی انسان عقل سے کام لے تو مسئلے پر اس انداز سے غور کرسکتا ھے کہ لذت کا تعلق قطعی طور پر حافظے سے ھے ۔ اگر کوئی انسان لذیذ شے کو بار بار زبان آشنا کرتا رھے یا ایک بار آشنائے زبان کرکے قناعت کرے اور لذت کو فراموش نہ کرے تو ان دونوں مں کیا فرق ھے ؟ فرق صرف اس قدر ھے کہ لذائذ خوری کے وقت انسان حافظے سے عارضی طور پر محروم ھوجاتا ھے اور نتیجہً بار بار کھاتا ھے ۔ لیکن اگر حافظے کو یاوری کا موقع دے تو لذائذ ایک بار کھانے اور بار بار کھانے میں کوئی فرق نہیں ھے !

بچوں کی تعلیم

مسز قریشی سے دوران گفت گو بچوں کا ذکر آیا ۔ انھوں نے بتایا کہ اپنے بچوں کی جانب سے انھیں کوئی مدد نہیں ملتی ، اس لیے کہ اوسٹریلیا مں بچوں کی تعلیم لازمی ھے ۔ اگر وہ بھاگنا بھی چاھیں تو یہ ممکن نہیں ھے ۔ حکومت کے کارندے بچوں کو زبردستی تعلیم گاھوں میں لے جاتے ھیں ۔ میں نے اس حقیقت کو بڑی دل چسپی کے ساتھ سنا ۔ میں غور کرتا رھا کہ میرے وطن میں بچے اسکولوں میں داخلے کے لیے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بے قرار اور پریشان رھتے ھیں اور جگہ نہ ھونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم رھتے ھیں

اور یہاں اوسٹریلیا میں حال یہ ہے کہ تعلیم کے لیے حکومت بچوں کو تلاش کرتی ہے ۔

یا اللہ کس قدر فرق ہے ! ہم کہاں ہیں اور یہ اقوام عالم کہاں ہیں !

میرے وطن میں بچے محلوں ، گلیوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور اوسٹریلیا مں بچے پکڑ پکڑ کر تعلیم گاہوں میں لے جائے جارہے ہیں ! مرے وطن میں محرومی تعلیم نے آزادی فکر اور سیاسی آرادی کے شدید مسائل پیدا کیے ہیں !

۴ ستمبر ۱۹۷۹ء ، منگل ، کنبرا (اوسٹریلیا)

مں کام کا زبردست دباؤ محسوس کر رہا ہوں اور احساسات کی دنیا میں بھی ہلچل سی پیدا ہوگئی ہے ۔ مسئلہ درحقیقت یہ ہے کہ کنگرس جس مں میں آیا ہوں عملاً طب یونانی/عربی کے لیے سازگار اگر نہ ہوسکی تو کیا ہوگا ۔ یہ خطرہ درپیش ہے اور یہ شدید غم لاحق ہے ۔ اس کانفرنس مبں کم از کم چالیس ہندستان کے وید ، سائنس داں اور ماڈرن ڈاکٹر شریک ہیں ۔ مہاراشٹرا کی وزیر صحت صاحبہ بھی بہ نفس نفیس تشریف لائی ہیں ۔ بوٹا نکل سروے آف انڈیا کے ڈائریکٹر بھی ہیں ، جام نگر آیور ویدک یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی موجود ہیں وغیرہ ۔ کانفرنس کا کوئی سیشن ایسا نہیں ہے کہ جہاں یہ ہندستانی دوست آیور ویدا کی خدمت نہ کر رہے ہوں ۔ وہ آیور ویدا کے لیے دیوانہ وار رات دن بھاگ دوڑ کر رہے ہیں ۔ ان کے اتنے ہی مقالات ہیں جتنے تعداد مں وہ خود ہیں ۔ یہی حال چینی مندوبین کا ہے ۔ ملائشیا اور انڈونیشیا کے لوگ چینی

طریق علاج کی وکالت کر رہے ہیں ۔ طب یونانی/عربی کے لیے بس جو کچھ ہے وہ حکیم سعید ہے ۔ بھلا یہ تنہا حکیم سعید کیا کرسکتا ہے ۔ پاکستان سے پروفیسر فاطمی صاحب کانفرنس کے اخراجات پر آئے ہیں مگر ان کا میدان طب نہیں ہے اور وہ تاریخی موضوع پر بول رہے ہیں جو اس کانفرنس کے مزاج کے مطابق نہیں ہے ۔ پاکستانی وفد کے بچے کھچے کم از کم دو ارکان بھی دفتری سرخ فیتے کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے ہیں ۔ ان میں سے اب تک ایک بھی نہیں آیا ہے ۔

سچ ہے کہ جب کوئی ملت برے وقت کی گرفت میں آتی ہے تو وہ نابینا اور بہری ہو جایا کرتی ہے اور زوال اخلاق کی گرفت میں آجاتی ہے ، اور اپنے علوم و علما کی ناقدر داں ہو جاتی ہے اور اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں چلانے لگتی ہے ۔ جس ملت کے افراد احساس زیاں کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں باور کرنا چاہیے کہ وہ اب مرنے پر راضی اور رضامند ہیں اور ملی وقار ان کے لیے لا یعنی اور سرفرازی وطن کا مسئلہ ان کے لیے بے حمیت اور بے وقعت ہو جایا کرتا ہے ۔

ایک عالمی انجمن طب ایشیائی

” عالمی کانفرنس طب قدیم ایشائی “ واقعی اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس ہے ۔ اوسٹریلیا میں کہ جو درحقیقت ایک انتہائی درقی یافتہ ملک ہے ، اس قسم کی کانفرنس بڑی اھمیت کی حامل ہے مگر جیسا کہ ڈاکٹر باشم صاحب نے بارہا اظہار کیا ہے اس طبی کانفرنس کی مخالفت کم نہیں ہوئی ۔ ماڈرن مڈیسن کے حاملین نے نیشنل یونیورسٹی اوسٹریلیا میں اس اقدام کو بزعم خود پسند نہیں کیا ہے ۔ اس کانفرنس کو کوئی مالی امداد بھی

نہیں ملی ہے ۔ اس کے باوجود پروفسر ہاشم کو پوری پوری داد دینی چاہیے کہ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات مس کینبرا میں کم از کم دو سو مندوبین کو جمع کرلیا ہے ۔ ان کو محسن طب کہنا بجا ہے ۔ وہ اس خطاب کے بجا طور پر مستحق ھیں ۔ ڈاکٹر ہاشم صاحب کی شخصیت عالمگیر ہے ۔ دنیا کے اکثر ممالک میں ان کے شاگرد ھیں کہ جو جامعات میں اساتذہ ھیں ۔ ان کی شخصیت اور ان کے بلند کردار کی وجہ سے دور دور سے لوگ کھنچ کر چلے آئے ھیں اور کانفرنس میں دل و جان سے حصہ لے رہے ھیں ۔ پروفیسر ہاشم صاحب کی رائے ہے کہ اس موقع پر ایک عالمی انجمن بنالینی چاہیے ۔ میں نے ان کی رائے سے مکمل اتفاق کیا ہے ۔ آج صبح ۹ بجے ایک عالمی انجمن کی داغ بیل ڈالنے کے لیے تمام مندوبین غور و فکر کے لیے جمع ہوئے ھیں ۔ یہ اجتماع دی اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے لا لیکچر ہال میں ہوا ہے ۔ میں ہال کا نام خاص طور پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آج کی یہ کارروائی تاریخ ساز ہوگی اور یہ رکارڈ ہونا چاہیے کہ یہ تاریخ ساز کام کہاں ہوا ہے ۔

ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ ہاشم صاحب نے اس جلسے کی کارروائی کو پوری احتیاط کے ساتھ اور پورے وقار کے ساتھ آگے بڑھایا ہے ۔ انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اور محتاط انداز اور مناسب الفاظ میں ایک عالمی انجمن کی ضرورت پر اظہار خیال کیا ۔ ان کو اب یہ یقین ہوگیا ہے کہ طب کے لیے بڑے پیمانے پر کام کرنا صحت عالم کے لیے ضروری ہے ۔

تبادل خیال کے بعد یہ اصول اتفاق رائے سے طے پا گیا ہے کہ ایک عالمی انجمن طب ایشیائی قائم ہونی چاہیے ۔ میں نے یہ تجویز ہاؤس میں پیش کی ، اور تمام ہاؤس نے میری اس تجویز

سے اتفاق رائے کیا ۔ تالیوں کی گونج میں میں نے کھڑے ہوکر سکریہ ادا کیا ۔ ہاؤس نے اس مسئلے پر غور کیا کہ کیا ہماری یہ انجمن عالمی ہونی چاہیے یا ہم اس کو فی الحال ایشیا اور شمالی افریقہ تک محدود رکھیں ۔ چوں کہ افریقہ کے حالات کا صحیح احاطہ نہیں کیا گیا ہے اور افریقہ (یوگنڈا) کے عالمی ادارۂ صحت کے نمائندے ڈاکٹر بنر مین نے ہاؤس کو بتایا ہے کہ وہاں انجمن موجود ہے اس لیے اس اپنی انجمن کو ایشیا اور شمالی افریقہ تک محدود کرنا چاہیے اور مستقبل میں الحاقات پر غور کرنا چاہیے ۔

ٹریڈیشنل

لفظ " ٹریڈیشنل " پر غور کر لینا مناسب سمجھا گیا ۔ میری رائے اب تک یہی ہے کہ یہ لفظ اگر اختیار کیا گیا تو طب کو طب مغربی کے مقابلے میں ہمیشہ کم تر اور غیر سائنسی سمجھا جائے گا ۔ میں طب کے بارے میں مغربی مزاج اور انداز کا تجربہ رکھتا ہوں اس لیے نفسیات شناسی کی بنا پر میری اس رائے میں کوئی ابہام نہیں ہے ۔ ہر چند کہ ٹریڈیشنل یا روایتی ہونا ایک اہم اور طاقت ور شے ہے مگر محل استعمال کا فرق بہر حال اپنی جگہ ہے ۔ میں نے یہ مشورہ دیا کہ ٹریڈیشنل کی جگہ " ایسٹرن " کہا جاسکتا ہے ۔ مگر ہاؤس کو مجموعی طور پر ٹریڈیشنل سے اختلاف نہیں ہے ۔ مباحثہ کے بعد ووٹنگ ہوئی اور اتفاق رائے میں سارے ہاؤس نے ہاتھ بلند کرلیے ۔ مخالفت میں صرف ایک ہاتھ تھا ۔ رپورٹر نے اس میں صرف میرا نام لکھا ! بعد میں دوسرا ہاتھ حکیم عزیز الاسلام (بنگلہ دیش) اور تیسرا ہاتھ ڈاکٹر گورو (انڈیا) کا اٹھا مگر میرے ہاتھ کو

اھمیت کے ساتھ نوٹ کرلیا گیا ۔ میں نے اکثریت کو قبول کرلیا مگر اپنی رائے کو واپس نہیں لیا ھے ۔

ھیئت انجمن

اس کے بعد کارروائی اس مرحلے میں داخل ھوگئی کہ اس عالمی انجمن کا "سیٹ اپ" کیا ھونا چاھیے۔ غور و بحث کے بعد میری تجویز پر طے یہ پایا کہ ایک صدر اور تین نائب صدور، ایک سکریٹری، ایک جنرل خازن اور کم از کم چھے ارکان ھونے چاھئیں ۔ پھر طے پایا کہ آج صدر اور تین نائب صدور کا انتخاب کرلینا چاھیے ۔

میری خواھش اور منشا کے مطابق ڈاکٹر اے۔ ایل۔ باشم صاحب کا نام صدارت کے لیے پیش ھوا اور پورے ھاؤس نے کسی اختلاف کے بغیر اس کو منظور کرلیا ھے ۔ یہ نہایت دیانتدارانہ اور حق پسندانہ فیصلہ ھوا ھے ۔ مجھے اس سے بڑی مسرت حاصل ھوئی ھے ۔ نائب صدور کے لیے خاصی گرما گرمی رھی ۔ آخر کار طے یہی پایا کہ اس کانفرنس مبں تین بڑے ڈسپلنز ھیں : طب چینی، طب آیور ویدا، طب یونانی/عربی، اس لیے ان تینوں ڈسپلنز سے تین نائب صدور لے لینے چاھئیں اور کیوں نہ وھی تین اشخاص لے لیے جائیں جنہوں نے افتتاح کے دن افتتاحی تقریریں کی ھیں ۔

ھاؤس نے اس رائے کے حق میں جذبات کا اظہار کیا ۔ مگر ڈاکٹر باشم صاحب نے چینی مقرر کے بارے میں بتایا کہ وہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں کام کرتے ھیں اور وہ اس ذمہ داری کو قبول نہیں کریں گے ۔ اس لیے ان کا نام خارج از بحث سمجھنا چاھیے ۔ ایک چینی (ھانگ کانگ) مندوب نے

ڈاکٹر کونگ کا نام پیش کیا - مس ان کو جانتا ہوں - میں نے ان کے نام کی پر زور تائید کردی - مگر یہ رائے بھی دی ہے کہ پیپلز ری پبلک اوف چائنا کا مسئلہ سامنے رکھنا چاہیے -

ہاؤس میں دوسرے نام بھی پیش ہوئے - مگر پنڈت شو شرما صاحب (انڈیا) نے ایک پر مغز تقریر کی اور آخر میں انہوں نے کہا کہ میں اپنا نام واپس لیتا ہوں اور حکیم محمد سعید کا نام پیس کرنا ضروری سمجھتا ہوں - میرے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ اس کانفرنس میں ہنوز ان کا صحیح تعارف نہیں ہوا اور ان کا مقام متعین نہیں ہوسکا ہے - حکیم صاحب کی صلاحیتوں سے میں اور دنیا واقف ہے - وہ اس پوری "اکثام" کو تنہا چلا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں -

انڈیا نے میرا نام نائب صدارت کے لیے پیش کیا اور میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انڈیا ہی کے تمام مندوبین نے میرے نام کی پرجوش تائید کی - میں نے پنڈت سیو شرما کا نام پیش کیا - اس کی زبردست تائید ہوئی - اور تیسرا نام ڈاکٹر کونگ کا تھا جس کی تائید میں پہلے ہی کرچکا تھا - اب اتفاق رائے سے تین نائب صدور منتخب ہوئے :

حکیم محمد سعید ، پنڈت شیو شرما ، ڈاکٹر سی - کونگ

ایک مخالف آواز

تمام ہاؤس نے تالیاں بجا کر ہمیں مبارک بادیاں دیں - بس میری مخالفت میں ایک آواز بلند ہوئی ، اور یہ آواز عرب مڈیکل اسکول کی ڈاکٹر سلامہ صاحبہ کی تھی - ان کا زور عرب پر تھا - سایدان کو یہ گوارا نہ ہوسکا کہ ایک پاکستانی عرب دنیا کی نمائندگی کرے - وہ عرب دنیا کے لیے ڈاکٹر بسلامہ

صاحب کا نام پش کر رھی تھیں کہ جو خود ھاؤس میں موجود تھے ۔ اس موقع پر ڈاکٹر باشم صاحب نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا اور انھوں نے کہا کہ ھم پاکستان اور عرب دنیا کو شرق اوسط میں ایک سمجھتے ھیں ۔ اس علاقے کی نمائندگی کے لیے حکیم سعید سے بھتر دوسرا کوئی انتخاب نہیں ھوسکتا ۔

میں نے اس ناگوار صورت حال کو اپنی اس ڈائری میں اس لیے لکھ دیا ھے کہ آج جو حالات ھیں اور جو رخ ھے اس کا صحیح ادراک کیا جاسکے ۔ تمام عرب دنیا نے عرب و عجم کا مسئلہ بڑی سد و مد کے سانھ پیش کیا ھے ۔ وہ عرب اور مسلم میں بین فرق کرتے ھیں ۔ وہ عرب پھلے ھیں اور مسلمان بعد میں ھیں ۔ عربیت کا یہ زور شاید جمال عبدالناصر کی قیادت مس زیادہ ھوا ، اور اس کے بعد عرب دولت نے اس نقطۂ خیال کو ھوا دی ھے اور اب عرب خود کو بلند مرتبہ قرار دیتا ھے او ر دوسرے ھر مسلم کو وہ اپنے سے کم تر قرار دینے پر اصرار کرتا ھے ۔ یہ صورت حال اس عظیم رھنمائی کے سراسر خلاف ھے کہ جو خطبۂ حجۃ الوداع میں پورے وثوق و یقین کے ساتھ ھادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ، اور جو تا قیام قیامت مشعل راہ ھونی چاھیے ۔ اس سے انحراف عرب و عجم کا مسئلہ پیدا کرے گا اور ایک کے دوسرے پر تفوق اور برتری کا مسئلہ سنگین ھو جائے گا اور عالم اسلام میں شدید نفاق کی صورت پیدا ھوجائے گی جس کے مظاھر سامنے آرھے ھیں ۔

ھاؤس نے صدر اور نائب صدور کو اختیار دیدیا ھے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق دوسرے عھدیداروں کا فیصلہ کریں ۔ اور ایک عارضی دستور تیار کرلیں ۔ چنانچہ کل صبح ۹ بجے ھم چاروں یہ کام کریں گے ۔ اور جمعہ ۷ ستمبر کو اختتامی اجلاس

میں اسے منظوری کے لیے پیش کر دیا جائے گا ۔

آیورویدا سیشن

میں نے آج اپنا تمام وقت عالمی انجمن طب ایشیائی کے آیورویدا سیشن میں صرف کیا ۔ اس بحث میں ہندستان اور مغربی ممالک کے اسکالرز نے کہ جو اس میدان میں علمی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں ، حصہ لیا ۔ مسئلہ وہی ہے کہ اب تک اصول و نظریات طب کو آج کی زبان میں بیان نہیں کیا جاسکا ہے ۔ حیدرآباد دکن کے سند یافتہ ڈاکٹر لولی صاحب (جامعہ عثمانیہ مڈیکل کالج) نے بلا رو و رعایت کہا کہ جب تک آپ ایورویدا کے حامل اپنی بات کو واضح نہیں کرسکتے تو میرا دم گھٹتا ہے ۔ دم گھٹنے کی بات ہی ہے ۔ میں نے یہاں بیٹھ کر شدت اس کو پھر محسوس کیا کہ طب کے بارے میں بھی صورت حال یہی ہے اور ہمیں سائنس دانوں کی مدد سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہیے ، ورنہ سنگین مسائل پیدا ہوں گے اور مغرب کی مخالفت اور بے اعتنائیوں کو کم نہیں کیا جاسکے گا ۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ یہاں یہ پیدا ہوا ہے کہ چوتھی خلط سودا کے بارے میں کیا کہا جاسکے گا کہ جس کا پیدا ہونا طحال میں بیان کیا گیا ہے ۔ میں نے اپنی طحال کے زود فعل ہوجانے کی وجہ سے اسے نکلوا دیا ہے ۔ اب میرے جسم میں خلط سودا کی صورت کیا ہے اور میرے جسم میں طب کے نظریۂ پیدائش امراض کی صورت کیا ہے ؟ اگر کوئی یہی سوال مجھ سے کرے تو میں اعتراف کروں گا کہ اس کا جواب میرے پاس کچھ نہیں ہے ۔ میں آج رات تک اس خلجان میں مبتلا رہا ہوں ۔ میں نے اس موضوع پر بہت مطالعہ کیا ہے مگر خاطر خواہ جواب نہیں مل سکا ہے ۔

جناب سفیر پاکستان

جناب سفیر پاکستان محترم نور صاحب نے آج ازراہ لطف و کرم میرے لیے عشائیہ کا انتظام فرمایا تھا اور مجھے اجازت دی تھی کہ میں اپنے ساتھ اپنی پسند کے سات آٹھ مندوبین لے آؤں ۔ میری پسند کے مطابق کام نہ ہو سکا ۔ ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ باشم صاحب نے انکار کر دیا کہ نور خود میرے جاننے والے ہیں ، مگر کانفرنس کا فکر و نظم مجھے دعوتیں قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا ۔ ڈاکٹر بنر مین کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے ۔ میں نے سعودی دوست ڈاکٹر بسلامہ اور ان کی اہلیہ ، ڈاکٹر سلامہ ، ڈاکٹر رضوی ، اور ایران کے آقائے معصومی سے کہا ۔ نیز پروفیسر فاطمی صاحب سے درخواست کی ۔ بس ہم کل سات نفر سفارت خانۂ پاکستان پہنچ گئے اور رات جناب سفیر صاحب کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرا ۔ میں نے ذرا بھی اس کا اظہار نہیں کیا کہ آج ان سعودی دوستوں نے میری مخالفت کی تھی ۔ میں ان سے حسب معمول ملتا رہا ۔ ایران کے دوست بھی ذرا ماڈرن خیالات کے ہیں اور طب کے بارے میں ان کا علم نہ ہونے کے برابر ہے ، بایں ہمہ وہ اس کانفرنس میں آئے ہیں ۔ جناب سفیر صاحب کے ہاں دعوت میں ایرانی اور سعودی یہ دونوں اسکالرز طب کے بارے میں مجھ سے سمجھنے کے لیے سوالات کرتے رہے ۔ اپنی اس بے خبری کے باوجود وہ نائب صدر بننے کے خواہاں تھے ۔ مجھے ایک سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ملی کہ ڈاکٹر سلامہ صاحبہ نے محترمی پنڈت شیو شرما صاحب کو ایک نامہ لکھ کر دیا کہ گورننگ کاؤنسل میں ڈاکٹر بسلامہ کا نام ضرور دیا جائے ۔ پنڈت جی نے یہ پرچہ مجھے دے دیا ۔ ظاہر ہے کہ میں اس کی تائید نہیں کروں گا ۔ اگر وہ خاتون پرچہ

مجھے بھی دیتیں تو بھی میں اس کی پروا نہ کرتا ۔ میری رائے میں اس وقت دنیائے عرب میں ڈاکٹر احمد یوسف الحسن (صدر جامعہ حلب ، شام) ہی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جو تاریخ عربی سائنس پر اہم کام کر رہے ہیں ۔ اگر گورننگ کاؤنسل میں ضرورت ہوئی تو وہی رکن بنائے جائیں گے نہ کہ ڈاکٹر بسلامہ جن کو طب کی واقفیت حاصل نہیں ہے ۔

چاول

میں نے یہ محسوس کیا کہ جناب سفیر صاحب کے ہاں جو چاول پکے ہیں وہ پاکستانی نہیں ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ میری رائے صحیح نہ ہو ، کیونکہ میں ماہر غذائیات اور عاشق لذائذ نہیں ہوں ۔ ویسے واقعہ یہ ہے کہ اوسٹریلیا پاکستان سے چاول منگوایا کرتا تھا ، مگر اب اوسٹریلیا نے اپنی تمام توجہات مبذول کر کے اور کاؤنسل آف سائنٹفک ریسرچ (سی ایس آر) نے اوسٹریلیا میں چاول پیدا کر دیا ہے ، اور اب اوسٹریلیا چاول برآمد کر رہا ہے ۔ اوسٹریلیا میں زمین کی تو کوئی کمی نہیں ہے ۔ عقل ان کے پاس ہے ۔ ملک سے محبت وہ کرتے ہیں ، لہذا اپنے مسائل خود ہی حل کرلیتے ہیں ۔

روئی

اوسٹریلیا کو پاکستان کی روئی بہت پسند تھی ۔ وہ پاکستان سے روئی درآمد کرتا رہا ہے ۔ مگر اب اوسٹریلیا میں سی ایس آر اس قدر مستعد ہے کہ اس نے اپنے ملک میں روئی پیدا کردی ہے اور اب اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی روئی برآمد کر رہا ہے ۔

مجھے یاد آیا کہ عوامی حکومت کے فاضل و لائق وزیر خزانہ نے جاپان جانے والی روئی پر ٥ فیصد برآمدی ٹیکس عائد کر دیا تھا۔ جاپان نے اس کے خلاف احتجاج کیا ، مگر وزیر خزانہ ٹس سے مس نہ ھوئے۔ نتیجہ یہ ھوا کہ جاپان نے پاکستان سے اس بنا پر روئی خریدنے سے انکار کر دیا۔ جاپان نے روئی اوسٹریلیا سے خرید لی۔ اور پاکستان کے زعما (یعنی بیورو کریٹس) پاکستان کی پس ماندہ روئی کو فروخت کرنے کے لیے در بدر پھر رہے تھے۔ میں ان دنوں سنگاپور میں تھا۔ معلوم ھوا کہ یہ لوگ اونے پونے روئی فروخت کرنے کی جدوجہد کر رہے ھیں۔ اس کے بعد یہ ھوا کہ پاکستان میں روئی کی پیداوار متاثر ھوئی۔ جب فروخت نہ ھوئی تو ملک میں پڑی رھی۔ پورٹ پر اس میں آگیں لگیں۔ وہ سڑتی رھی ، زمیندار اور کسان نے توجہ کم کر دی۔ تمباکو اگا لیا ھوگا کہ یہ بھی ذریعہ آمدنی ھے اور اس کے ساتھ ھی موجب پیدائش مرض سرطان بھی ھے۔ ادھر غضب یہ ھوا کہ وزیر خزانہ نے " ایک بڑا بت توڑ دیا " یعنی پاکستان کی صنعت پارچہ بافی کو مفلوج کر دیا۔ وہ اس کارنامے پر اپنی پرائیوٹ مجلسوں میں ، کہا جاتا ھے کہ ، فخر کیا کرتے تھے کہ " بت کو توڑ دیا ھے " ! پاکستان میں پارچہ بافی کا معیار دنیا میں مقبول و مشہور تھا۔ پاکستان کی اس صنعت نے ھندستان کی صنعت کو مات کر دیا تھا مگر عوامی حکومت میں روئی کے ساتھ یہ مذاق ھوا اور صنعت کا بت توڑا گیا۔ نتیجہ یہ ھوا کہ کپڑا مل بند ھوگئے اور جو روئی پیدا ھوئی وہ سڑ کر رہ گئی یا جل جلا کر بھسم ھوگئی۔

فخر و مباهات

دولت کدهٔ سفیر پاکستان میں اکثر و بیشتر اشیا پاکستان کی تھیں۔ ان کو اس پر بڑا فخر تھا اور اس فخر سے وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ یقیناً تعریف کے مستحق تھے۔ قالین سب پاکستان کے تھے۔ میں نے بھی ان قالینوں کو فخر کے ساتھ دیکھا۔ بعض فرنیچر بھی پاکستان کا تھا وغیرہ وغیرہ۔

مجھے اپنے اس سفیر وطن پر بڑا پیار آیا۔ اس کے برعکس میں یہ واقعہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا کہ ایک بار میں سفارت خانۂ پاکستان، جدہ میں تھا۔ ان دنوں پاکستان میں پنکھوں کی صنعت عروج پر تھی۔ ہندستان کا پنکھا مصر میں قبول عام حاصل کر کے اب سعودی عرب آرہا تھا اور پاکستان کے صنعت کاروں کی زبردست کوشش تھی کہ سعودی عرب میں پاکستان کے پنکھے قبول کر لیے جائیں۔ مگر میں نے یہ دیکھا کہ جس سفارت خانے میں پاکستانی پنکھوں کی فروخت کے لیے انتظامات ہو رہے تھے وہاں ہر پنکھا جاپان کا بنا ہوا تھا!

اس وطن عزیز کے ساتھ کوئی ایک مذاق ہوا ہو تو رو لوں، یہاں تو ہم نے خود اس وطن کی آن بان اور شان تک کو ٹھوکریں ماری ہیں۔

۵ ستمبر ۱۹۷۹ء، بدھ، کینبرا

صبح دیر سے آنکھ کھلی، نماز فجر قضا ہوگئی، افسوس کہ سفر میں کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے، اور میں اس پر ہنوز قابو نہیں پاسکا ہوں۔ اپنے اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اور توبہ

کرتا ہوں ۔ میں نے آج اپنی تقریر پر نظرثانی کی ہے جو مجھے جمعہ کے دن کرنی ہے ۔ یہ تقریر میں نے کوئی ایک ماہ ہوا یا شاید کم ، ہوائی ڈاک کے ذریعہ سے اوسٹریلیا بھجوادی تھی ، مگر مجھے بتایا گیا کہ یہاں پہنچی نہیں ہے ۔ میں نے کل اپنی کاپی کی نقل دیدی تھی ۔ تاہم آج مسز ہولیوک نے بتایا کہ وہ ان کو اپنی میز پر رکھی ہوئی مل گئی ہے ۔ کون رکھ گیا ، خود ان کو پتہ نہیں تھا ۔ میں نے اپنی تقریر کا عنوان دیکھا ۔ یہ عنوان پروگرام میں ایم ۔ ایم ۔ سعید صاحب کے نام کے سامنے چھپ گیا ہے ۔ یہ بات میں نے مسز ہولیوک کو بتادی ۔

عالمی انجمن طب ایشیائی

میں ۹ بجے کانفرنس سنٹر (لا فیکلٹی) پہنچ گیا ۔ ارادہ تھا کہ آدھ گھنٹہ میں بھی اکیوپنکچر سیشن میں ضرور شرکت کروں گا ، کیونکہ مجھے لندن سے اس بار یہ سامان خریدنا ہے ۔ میں اس کو عملاً دیکھنے کا خواہاں تھا ۔ مگر تلاش کیا ، پتہ نہیں چل سکا کہ یہ سیشن کہاں ہو رہا ہے ۔ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کہ جو ناٹنگھم یونیورسٹی ، انگلستان سے آئے ہیں وہ بھی تلاش کرتے رہے ۔ اتنے میں وقت ہوگیا ۔ اور میں ڈاکٹر ہاشم صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا ۔ وہاں جلد ہی ڈاکٹر کونگ اور پھر پنڈت شیو شرما صاحب بھی پہنچ گئے ۔ ڈاکٹر ہاشم صاحب خود بھی آگئے ۔ ہم صدر اور تین نائب صدور نے بڑے اطمینان کی فضا میں عالمی انجمن طب ایشیائی کے نام ، دستور اور طریق عمل جیسے عنوانات پر غور کرنا شروع کر دیا ۔ " سوسائٹی " " ارگنائزیشن " اور " ایسوسی ایشن " یہ تین الفاظ تھے ۔ غور و فکر کے بعد " ایسوسی ایشن " کا لفظ پسند کرلیا گیا ۔

" سوسائٹی " کم درجے کا لفظ ھے ، " ارگنائزیشن " بساط سے بڑا ھے ، لفظ " ایسوسی ایشن " میں توازن ھے ۔

دستور کے اھم نکات پر غور کیا گیا ۔ ڈاکٹر کوبگ کی رائے کے مطابق ایک پیش لفظ ھونا چاھیے ۔ میں نے رائے دی کہ اس پیش لفظ میں عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو ، ایچ ، او) کا ذکر ضرورکرنا چاھیے تاکہ اس انجمن کا تعلق اس عالمی ادارے سے واضح طور پر منضبط ھوجائے ۔ میرے ذھن میں یہ بات تھی کہ ھم اپنی انجمن کو عالمی ادارۂ صحت سے وابستہ رکھیں ۔ میری اس رائے سے اتفاق کیا گیا اور پیش لفظ میں شریک کرلیا گیا ۔ پیس لفظ ڈاکٹر کوبگ نے لکھ لیا اور پھر اس کے لفظ لفظ پر غور کرکے اس کو اختیار کرلیا گیا ۔

الحمد للہ ایسوسی ایشن کے دستور کی تیاری میں مجھے کام کرنے کا موقع مل گیا ۔ ڈاکٹر باشم صاحب خود اس میدان میں فکر توانا رکھتے ھیں ۔ ھم چاروں نے تین گھنٹے میں دستور کی اھم شقیں تیار کرلی ھیں ۔ اب اس کی تفصیلات قانون داں طے کرے گا ، دستور اس قابل ھوگیا کہ اختتامی اجلاس میں پیش کیا جاسکے ۔ ھم نے اس عالمی انجمن طب ایشائی کے علاقائی دفاتر (میں نے لفظ چیپٹر CHAPTER کو اپنانے کا مشورہ دیا) قائم کرنے کا اصول بھی طے کر دیا ھے ۔ مجموعی طور پر یہ کام قابل اطمینان ھوگیا ھے ۔ ایک سکریٹری جنرل کا ھونا اشد ضروری ھے اور اس کو نہایت مستعد انسان ھونا چاھیے ۔ ڈاکٹر باشم صاحب کی رائے میں ڈاکٹر چارلس لیزلی اس کے لیے موزوں تر انسان ھیں ۔ وہ " طب ایشیائی " کے مصنف بھی ھیں ، اور اس میدان میں بڑی دل چسپی کےساتھ کام کر رھے ھیں ۔ میں خود بھی ان کو جانتا ھوں ۔ میں نے ان کے نام کی تائید کی ھے ،

اگر وہ قبول کرلیں تو ایک اچھے سکریٹری جنرل بن سکتے ھیں ۔ غالباً طے یہی کیا جائے گا کہ انجمن کا دفتر وھاں ھی ھو کہ جہاں کا سکریٹری جنرل ھو ۔ چارلس لیزلی امریکا میں ھیں ۔ یہ بات پنڈت شیو شرما صاحب نے کہی کہ اگر چارلس لیزلی قبول نہ کریں تو پھر یہ کام حکیم محمد سعید کے سپرد کر دینا چاھیے ۔ اس سے اتفاق رائے ھوگیا ھے ۔ میں نے بہر حال یہی مناسب خیال کیا ھے کہ یہ کام چارلس لیزلی اگر کریں تو اچھا ھے ، یہ انجمن کے مفاد میں رھے گا ۔

اب حتمی طور پر انجمن کا نام یہ طے پاگیا ھے ۔ میں نے لفظ ٹریڈیشنل سے اتفاق رائے کرلیا ھے ۔ اس سے ڈاکٹر باشم کو اطمینان ھوگیا ھے اور پنڈت شیو شرما صاحب بھی خوش ھوگئے ھیں ۔ نام یہ ھے :

INTERNATIONAL ASSOCIATION FOR THE STUDY
OF TRADITIONAL ASIAN MEDICINE
(IASTAM)

انجمن عالمی مطالعۂ طب قدیم ایشیائی
(ا ع م ط ق ا)

ہم نے یہ طے کر دیا کہ ۱۹۸۰ء کے بالکل شروع میں IASTAM کے نام سے ایک نیوز بلیٹین شائع کیا جائے گا ۔ میں نے ڈاکٹر کونگ کی رائے سے اتفاق کیا کہ یہ بلیٹین ھانگ کانگ سے شائع ھوگا اور ڈاکٹر کونگ اس کے ذمہ دار ھوں گے ۔

سیر کینبرا

آج کی سہ پہر خالی تھی اور طے یہ پایا تھا کہ کینبرا کی سیر ھوگی اور "ٹڈ بن بلاّ نیچر ریزرو" (Tid Bin Billa

(Nature Reserve جائیں گے - میں نے تو حدیقہ' نباتات یعنی بوٹانیکل گارڈن جانے کا فیصلہ کیا تھا ، مگر ڈاکٹر محمد اسلم صاحب نے اصرار کیا ، بلکہ ٹکٹ بھی خرید کر لا دیا ، کہ ٹڈ بن بلاّ جانا چاھیے - میں نے ان کی بات مان لی -

آج واشنگٹن سے میاں محمد سعید صاحب بھی آگئے ھیں - آتے ھی انہوں نے مجھے پوچھا تھا - ایک وید جی نے ان کو بتا دیا کہ حکیم سعید موجود ھیں - میں نے ٹیلے فون کر کے رجسٹریشن کے دفتر سے معلوم کیا اور وھاں ایک اچھی خاتون نے میاں صاحب کو تلاش کر کے ان سے میری بات کرادی - میں نے ان سے کہا کہ وہ تیار ھوکر یونیورسٹی ھاؤس آجائیں - میں نماز ظہر ادا کر کے خود نیچے آتا ھوں - میاں صاحب آگئے - ان سے مل کر دل خوش ھوگیا - واقعی میاں صاحب خوب آدمی ھیں - یہ ایک بڑی دل چسپ بات ھے کہ وہ پاکستان آتے ھیں تو ان کی مجھ سے ملاقات نہیں ھوتی اور میں واشنگٹن جاتا ھوں تو میری ان سے ملاقات نہیں ھوتی - اب تک ایسا ھوا ھے کہ ھم دونوں کسی تیسری جگہ ھی ملے ھیں ! مکسیکو ، تہران ، سعودی عرب ، وغیرہ اور اب کنبرا (اوسٹریلیا) میں ملاقات ھوئی !

میاں محمد سعید صاحب واشنگٹن کے ایک کالج میں استاد ھیں - انہوں نے بتایا کہ وہ انیس سو ڈالر کا ٹکٹ خرید کر چلے ھیں ، مگر راستے میں پان امریکان جہاز خراب ھوگیا اور یہ کسی جزیرے میں کھڑے ھوگئے - اب بمشکل تمام پہنچ پائے ھیں - انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے کالج سے چھٹی لے کر اپنا مقالہ تیار کیا اور یہ مقالہ انہوں نے میرے مقالے پر مبنی کیا ھے اور میرے حوالے دیدیے ھیں - ان کو یقین تھا کہ میں یہاں ضرور ملوں گا - پھر ڈاکٹر ہاشم ان کے استاد ھیں - یہ استاد کی محبت

ہے جو ان کو امریکا سے اوسٹریلیا لائی ہے ۔

ایک حکایت یاد آئی :

نظام الملک طوسی کا دستور تھا کہ جب اکابر مملکت میں سے کوئی شخص اس کے پاس آتا تو وہ سروقد کھڑے ہوکر اس کی تعظم کرتا تھا اور پھر اپنی جگہ بیٹھ جایا کرتا تھا ، لیکن اس کا ایک محترم عالم استاد جب آتا تھا تو وہ سروقد کھڑے ہوکر اس کی تعظیم کرتا تھا ، پھر اسے اپنی مسند پر بٹھاتا تھا اور خود مؤدب ہوکر دو زانو اس کے سامنے بیٹھ جاتا تھا ۔

ایک بار ایک بے تکلف نے پوچھا :

اس فرق و امتیاز کی علت اور سبب کیا ہے ؟

نظام الملک نے جواب دیا :

اکابر مملکت جب میرے پاس آتے ہیں تو میرے منھ پر میری مدح اور توصیف کرتے ہیں جس سے میرے پندار اور نخوت میں اضافہ ہوتا ہے ، میں معصیت اور گناہ میں شیر ہوجاتا ہوں ۔ اور یہ عالم فاضل جب آتا ہے تو میرے عیب مجھے یاد دلاتا ہے ، خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ اس سے میرے نفس میں انکسار اور فروتنی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور میں بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہوں ۔

کنبرا شہر سے بہت دور نکل گئے ۔ قدرت کا ازلی حسن جاذب نظر ہوا ۔ پہاڑیاں ، وادیاں ، سبزہ زار ، جھیلیں ، آزاد چرند و پرند ، گل و بلبل ، واقعی عجیب سماں تھا ۔ اچھا ہوا کہ میں اس سیر کے لیے آگیا ۔ راہ میں جگہ جگہ کنگرو دیکھے گئے ۔ اس چوپائے کے نام کی وجہ تسمیہ بڑی عجیب ہے بلکہ ایک سچا لطیفہ ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ جب برطانوی سیاح کپتان اسکاٹ

صاحب پہلی بار اوسٹریلیا پہنچے اور اس جانورکو دیکھا تو مقامی لوگوں سے کچھ لفظوں مس اور کچھ اشاروں میں اس کا نام پوچھا۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ انگریزی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کہا : ”کونگے رو“ یعنی ”تم کیا کہتے ہو؟“ اسکاٹ صاحب نے خیال کیا کہ وہ مرا مطلب سمجھ گئے ھس اور اس جانور کا نام ”کنگرو“ بتا رہے ھیں - چنانچہ انہوں نے سفر نامے میں لکھ دیا کہ اوسٹریلیا میں ایک جانور پایا جاتا ہے جس کی ھیئت عجیب و غریب ھونے کے علاوہ سب سے زیادہ خاص بات یہ ہے کہ نر جانور کے پیٹ پر ایک بڑی سی جیب نما تھیلی ھوتی ہے۔ مادہ جونہی بچہ جن دیتی ہے نر اسے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے ، بس وھیں اس کی پرورش ھوتی ہے۔کبھی وہ باھر نکل آتا ہے اور پھر پھدک کر اندر چلا جاتا ہے۔ ایک خاص عمر تک اس کی یہ عادت نہیں جاتی۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک یہ جانور کنگرو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور شاید اس زمانے کے مقامی باشندے بھی نہ جانتے ھوں کہ اس کا اصل نام کیا ہے۔ انہیں دیکھ کر مجھے یہ دلچسپ تاریخی واقعہ یاد آگیا۔ میں نے ان کو پہلی بار بھاگتے دیکھا۔ ان کے آگے کے پیر تو بہت ھی چھوٹے ھیں۔ پیچھے کے لمبے تڑنگے پیروں سے یہ چلتے نہیں پھدکتے ھیں ، مگر بڑی تیز رفتار سے۔ انسان سے بہر حال گھبراتے ھس مگر ایک جگہ ایسا ھوا کہ ایک کنگرو دوست بن گیا۔ مس نے اس کو پیار بھی کر لیا۔ در اصل جانور بھی پیار کے بھوکے ھوتے ھیں۔ ان سے پیار کا برتاؤ کیا جائے تو وہ جلد مانوس ھو جاتے ھیں۔ انسان شیر ببر تک کو قابو میں کر کے سرکس میں نچا ڈالتا ہے۔ میں اس جانور کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ شاید ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ سعید صاحب نے فوٹو بھی

کھینچ لیا ۔

راستے میں جگہ جگہ ٹھہرے ۔ فوٹو گرافی ہوئی ۔ میں بھی کئی " فوٹو گرافروں " کی زد میں آ گیا ۔ ڈاکٹر محمد اسلم پیش پیش تھے ۔ وہ ضرور کاپیاں بھجوا دیں گے ۔ ڈاکٹر بانر مان صاحب نے اپنا کیمرہ ایک وید جی کو دے کر اپنا میرے ساتھ فوٹو کھنچوایا ۔

ٹڈ بن بلاّ

کینبرا کے جنوب مغربی ساحل سے ۴۳ کلو میٹر دور ایک قدرتی کنج عزلت ہے جہاں کوٹر روڈ پر چل کر پہنچا جاسکتا ہے ۔

اس کا قدرتی منظر بڑا دلفریب ہے ۔ بہت سے درخت ، جھاڑیاں ، بیلیں اور پودے ہر سمت لہلہاتے نظر آتے ہیں ۔ اوسٹریلیا کی جنوب مشرقی پہاڑیوں سے اتر کر آنے والے جانور خصوصاً چوپائے اچھلتے کودتے نظر آتے ہیں ۔ وہ زائرین کی موجودگی سے بے نیاز ہوکر قدرت کی نوازشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ یوکلپٹس کے پودے دوائی اعتبار سے مفید ہیں ، ان کی سخت لکڑی کواڑوں اور کھڑکیوں کے کام آتی ہے ۔ سایہ دار درختوں کی خوشگوار چھاؤں میں لوگ ٹانگیں پسار کر آسودگی حاصل کرتے ہیں ۔ پہاڑوں کی ڈھلانوں سے اترنے والی ندیاں سبزہ زار کو پروان چڑھاتی ہیں ۔

بلند ہونے والی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ درختوں کا قد و قامت بھی بڑھتا جاتا ہے اور دور کی پہاڑیاں برف پڑنے سے سفید پوش ہو جاتی ہیں ، ایک عمر رسیدہ بزرگ کے مانند سر اٹھائے آسمان کا نظارہ کرتی ہیں ۔ وہاں ہوا کے جھونکے تیز تر

ہو جاتے ہیں -

مشرقی ڈھلانوں پر خشک جنگل ہے - البتہ وادی میں سبز گھاس کے قطعات چراگاہوں کا کام دیتے ہیں - سب سے اونچے پہاڑ کا نام ٹڈ بن بلاّ ہے - لیکن یہ نام کیوں پڑا ؟ مورخین اس کا سبب بتانے سے قاصر ہیں - پہاڑ کی رعایت سے سارا علاقہ اسی نام سے مشہور ہوگیا ہے -

یورپی اقوام کی آبادکاری سے قبل نگونا وال قوم کے قدیمی باشندے صرف موسم گرما میں وقت گزارنے کے لیے یہاں چلے آتے تھے - بعض مذہبی تقریبات کے لیے بھی اجتماعات اسی جگہ ہوتے تھے - ماہرین آثار قدیمہ نے کھدائی کے بعد پتہ لگایا ہے کہ سایہ فگن پہاڑی کے دامن میں کیمپ لگتے تھے اور کھانے پینے کی محفلیں جمتی تھیں - قدرتی آماجگاہوں میں یہ وادی بہت ہی دلفریب سمجھی جاتی تھی - یورپ سے آنے والے سب سے پہلے اسی وادی میں براجمان ہوئے - یہ ۱۸۴۰ء کا ذکر ہے - اس کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغربی دنیا کے بہت سے پودوں کو اس جگہ پروان چڑھانے کا سہرا انہی کے سر ہے - پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدرتی پیداوار میں تبدیلیاں ہوتی رہیں - آب و ہوا کی مناسبت سے بطور خاص یوکاپٹس کے پودے لگائے گئے جن کا تیل مقطر کرکے مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے -

اس ساری وادی کا رقبہ ۵٫۵۱۵ ہیکٹر کے قریب ہے - ۱۹۳۶ء میں صرف ۸۱۰ ہیکٹر تھا - بعض پہاڑیوں پر چڑھنا دشوار اور بعض پر ناممکن ہے - لیکن باقی کی چوٹیوں تک پہنچنے کے لیے پکی سڑکیں بنی ہوئی ہیں - بعض چوٹیوں تک ۲۰ منٹ میں پہنچا جا سکتا ہے اور بعض کو سر کرنے کے لیے ۸ گھنٹے لگتے ہیں -

بعض درختوں پر کیڑے مکوڑے پرورش پاتے ھیں - ان میں سے بعض بے ضرر اور بعض تکلیف دہ ھوتے ھیں - جھاڑیوں میں مینڈک ، گرگٹ اور سانپ تک پرورش پاتے ھیں -

دودھ پلانے والے بعض جانوروں میں کوآلہ اور کنگرو سب سے زیادہ تعداد میں نظر آتے ھیں - بچے ان کے ساتھ کھیل کر خوش ھوتے ھیں - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ وہ پالتو جانور ھیں - بعض جانور صرف رات کے وقت گشت پر نکلتے ھیں ، جنھیں بزدل کہا جاتا ھے ، کیونکہ وہ موقع ملنے پر بھی انسان پر حملہ نہیں کرتے - گویا ان کی فطرت انسانی سرست کے برعکس ھوتی ھے - بعض شکاری ان معصوم جانوروں کو بھی پکڑ لینے سے دریغ نہیں کرتے - ھر شخص جنگل مس گھس کر ان سب کو دیکھ نہس سکتا - اس لیے چڑیا گھر کے اندر کہیں کہیں جنگلے لگا کر ان جانوروں کو محصور کرلیا گیا ھے - لیکن ان کی نگہداشت اور خور و نوش کا انتظام اچھی طرح ھوتا ھے - دن کے دو بجے عموماً پرندوں اور تمام جانوروں کو ان کے ذوق کے مطابق غذا دی جاتی ھے - پرندوں کی مختلف قسموں کی تعداد ایک سو ٦٥ کے قریب ھے - ان مس سنہری کلغی کے طوطے سب سے زیادہ جاذب نظر ھوتے ھیں - بہت سے پرندے صرف اسی علاقے کے لیے مخصوص ھیں - کہیں اور ان کے وجود کا پتہ نہیں چلتا - ان کے نام مقامی زبان میں لیے جاتے ھیں ، جن کا تلفظ غیر مقامی باسندوں کے لیے ذرا مشکل ھوتا ھے - مثلاً بگلے کی طرح سفید پروں والا ایک پرندہ ’’ چوغ ‘‘ کہلاتا ھے - یہ آسان ترین نام ھے -

یہاں پک نک منانے والوں کو سارا سامان اپنے ساتھ لانا پڑتا ھے - نہ صرف اشیائے خوراک بلکہ پٹرول اور فلم تک نہیں ملتے - قریب ترین جنرل اسٹور اس وادی سے ۲۲ کلو مٹر

کے فاصلے پر واقع ہے ۔ کتوں ، بلیوں اور ہتھیاروں کو ساتھ لے جانا سخت منع ہے ۔ جانوروں یا پرندوں کو کچھ کھلانے کی بھی ممانعت ہے ۔ کچھ عرصے کے لیے یہاں آمد و رفت بند کی جاتی ہے ۔ اس کا اعلان اخبارات میں کر دیا جاتا ہے ۔

اس کنج عزلت میں پہنچ کر میرا جی چاہا کہ وہاں بیٹھ کر اطمینان سے مطالعہ شروع کردوں یا کم سے کم اپنی ڈائری میں اس کے حالات قلم بند کرلوں ، مگر وقت کم تھا ۔ اس لیے فیصلہ کیا کہ ہوٹل پہنچ کر ہی یہ کام کیا جائیگا ۔

ڈاکٹر محمد اسلم سے تبادل خیال

گزشتہ دو تین دن ڈاکٹر اسلم صاحب سے چلتے پھرتے باتیں ہوتی رہی ہیں ۔ آج ان کی خواہش پر میں نے ان کو وقت دیدیا اور میں ان کو اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا ۔ ڈاکٹر محمد اسلم کا ڈاکٹریٹ کا موضوع " برطانیہ میں طب ایشائی ، حکما اور وئید " رہا ہے ۔ اس میدان میں انھوں نے ڈاکٹر ایس ۔ ایس ڈیوس کی نگرانی میں کام کیا ہے ۔ برطانیہ کی وزارت صحت نے ایشائی مہاجرین کے لیے کہ جو برطانیہ میں مقیم ہیں ، طب ایشیائی کے استعمال پر غور و فکر کرنے کے لیے ناٹنگھم یونیورسٹی کے پروفیسر فارمیسی ڈاکٹر ڈیوس کو مقرر کیا ہے ۔ ڈاکٹر ڈیوس جوان آدمی ہیں اور بہت مستعد ہیں اور مسئلہ طب و اطبا کا جائزہ لینے کے لیے کام کر رہے ہیں ۔

برطانیہ میں بعض اطبا اور وئید بھی ہیں اور بعض ہندستان اور پاکستان سے جاتے ہیں ۔ ان میں ایک میں بھی ہوں ۔ وزارت صحت برطانیہ ان معالجین کے بارے میں معلومات جمع کر رہی ہے کہ آخر لوگ ان کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں جبکہ برطانیہ

میں ہیلتھ سروس اسکیم موجود ہے اور وہ بلا معاوضہ علاج کی سہولتیں دیتی ہے۔

میں ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر ڈیوس سے ناٹنگھم یونیورسٹی، ناٹنگھم جاکر ملا تھا اور میں نے ان کو طریق کار کی جانب تمام رہنمائی دیدی تھی۔ میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ اس طریق علاج یا طبی دواؤں پر قانونی پابندی مفید نہیں ہوگی بلکہ مناسب ہے کہ اس کے لیے ضوابط تیار کیے جائیں اور ان کے تحت طب ایشیائی اور طبیبوں، ویدوں کو لایا جائے۔ میری اس رائے سے انھوں نے صریحاً اتفاق کیا تھا کہ قانونی پابندیوں کے باوجود طب کی پریکٹس جاری رہے گی اور ادویۂ طب برطانیہ میں درآمد ہوتی رہیں گی اور ان کو کوئی نہیں روک سکے گا۔

میں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ میں ڈاکٹر ڈیوس کو پاکستان آنے کی دعوت دوں اور ان کو طب کے مطالعہ کا موقع دوں۔ چنانچہ میں نے ان کو دعوت دی اور ان کو سفر خرچ اور قیام پاکستان، نیز سفر ہندستان کی پوری سہولت فراہم کردی۔ وہ پاکستان آئے۔ میں نے ان کے چار لیکچرز پشاور، اسلام آباد، لاھور اور کراچی میں کرائے اور ان کو مطالعہ کی ایسی سہولتیں فراہم کر دیں کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔

ایک بات جس نے مجھے انتہائی اذیت پہنچائی وہ یہ تھی کہ جن دنوں ڈاکٹر ڈیوس اپنے مطالعاتی دورے کے درمیان میرے گھر پر مقیم تھے پیاری فاخرہ بیٹی زچگی کے دوران اللہ کو پیاری ھوگئی۔ خاندان ہمدرد کے لیے یہ حادثہ فاجعہ ناقابل برداشت تھا۔ میں اس غم سے نڈھال ھوگیا۔ ڈاکٹر ڈیوس کو اس واقعہ کا ظاھر ہے کہ علم ھوا۔ مگر حیرت یہ ہے کہ اس شخص نے تعزیت کا ایک لفظ نہیں کہا۔ میں فاخرہ کے غم میں

نڈھال تھا مگر مس نے ڈاکٹر ڈیوس کے پروگرام کو ہر حال میں پورا کردیا ۔ خود فاخرہ کی فاتحہ سوئم چھوڑ کر ان کے ساتھ گیا اور بالآخر ان کو رخصت کر دیا ۔

اس سب کے باوجود ڈاکٹر ڈیوس نے لندن جا کر سب سے پہلا حملہ ہمدرد ھی پر کیا اور ہمدرد کے ایجنٹس نقوی برادرز کو اس درجہ پریشان کیا کہ ان کے پاس جو کم و بیش دس ہزار پاؤنڈ کی ہمدرد کی ادویہ تھیں ان کے بارے میں یہ مشورہ دیا کہ ان کو ضائع کر دیا جائے ورنہ وزارت صحت کا چھاپہ پڑ جائے گا اور وہ خود ھی تمام ادویہ کو تلف کر دیں گے ۔ اس زمانے میں نقوی صاحب کا یہ نقصان کیسے کرایا جاسکتا تھا ۔ میں خود لندن گیا ، اور ڈاکٹر ڈیوس صاحب کے پاس ناٹنگھم یونیورسٹی گیا ، اور ان سے تبادل خیال کیا ۔ یہ ڈاکٹر ڈیوس جس سے میں مل رہا تھا ، اب ایک قطعی مختلف انسان تھا ۔ وہ اب ایک ایسا انگریز تھا جس کی آنکھ میں لحاظ نہیں ہوا کرتا ھے ، اور پاس و احترام اور احسان مندی و حیا جس کے پاس نہیں ہوا کرتی ھے ۔ اس سے قبل پہلی ملاقات میں وہ بچھا جارھا تھا ۔ مجھے ڈاکٹر اسلم صاحب نے اس وقت مشورہ دیا تھا کہ اس کو پاکستان بلا لیجیے تاکہ یہ برطانوی وزارت صحت کو رپورٹ دینے میں احتیاط و لحاظ سے کام لے اور طب ایشیائی کے لیے راستہ ہموار ہوجائے ۔ اب دوبارہ ملاقات کے وقت ڈاکٹر ڈیوس کے پاس نہ تو آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت تھا اور نہ اس کے پاس اس درجہ خیال تھا کہ وہ مجھے ایک پیالی چائے کی پیش کش کر دے ۔ میں واقعی حیران رہ گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ ڈاکٹر اسلم نے مشورہ دیا کہ دس ہزار پاؤنڈ کی ادویہ جو نقوی برادرز کے پاس ھیں وہ ناٹنگھم یونیورسٹی کو ہدیہ کر دی جائیں ۔ اس سلوک نے مجھے سخت

ناراض کر دیا ۔ تاهم میں نے اپنی حکمت عملی کی وجه سے نقوی برادرز کی دس هزار پاؤنڈ کی ادویه کو نقصان سے بچا دیا ۔ مجھے یه یقین کامل هوگیا تھا که یه رقم '' یار لوگ '' کھا جانے کا فیصله کر چکے هیں ۔ میں نے اس کو ان کے حلق سے بهر طور نکال لیا ۔

طب کے لیے جدوجهد

طب ایشیائی کے لیے میں نے کئی سال برطانیه میں جو جدوجهد کی تھی اور ڈاکٹر ڈیوس کو اس کے حق میں کرنے کے لیے جو سعی کی تھی به ظاهر وه رائگاں گئی ۔ میں نے برطانیه میں طب و طبیب کی جو بلند و عالی روایات قائم کی تھیں ان کے اثرات دور رس تھے ۔ شاید برطانیه مس پهلا معالج میں هی هوں که جس نے هزارها مریض بلا معاوضه دیکھے هیں ۔ یه مشرقی روایت اطبا میں نے قائم کر دی ۔ جب میں نے لندن آنا بند کیا تو وزارت صحت برطانیه کو میرے زیر علاج مریضوں نے سینکڑوں خطوط لکھے که یه غلط فیصله هوا هے اور هم طب ایشیائی چاهتے هیں اور یه که اس کو نیشنل هیلتھ اسکیم میں شریک کیا جائے۔ یه احتجاج رائگاں نهیں گیا هے اور آج بھی وزارت صحت برطانیه غور کر رهی هے ۔

گارجین کی شرارت

میں نے ناٹنگھم یونیورسٹی سے قطع تعلق کرلیا ۔ ایک واقعه یه پیش آیا که مارچ ۱۹۷۹ء میں لندن کے کثیرالاشاعت اخبار '' گارجین '' نے طب و اطبا پر ایک مضمون شائع کیا ۔ ظاهر هے که یه مضمون ناٹنگھم یونیورسٹی کی طرف سے فراهم کرده معلومات کے مطابق تھا ، اور اس میں ڈاکٹر ڈیوس کا هاتھ تھا ۔

اس مضمون مس لکھا گیا کہ " حکیم محمد سعید پاکستان سے آتا ہے، هلٹن هوٹل لندن میں قیام کرنا ہے اور ایک مریض سے دو سو پاؤنڈ فیس وصول کرتا ہے۔ " اخبار کا تراشہ چند هی دنوں میں مرے کسی مریض نے مجھے بھجوا دیا۔ میں نے لندن میں سفارت پاکستان میں وزیر جناب قطب الدین عزیز صاحب کو بھجوایا۔ مگر وہ ان دنوں رٹائر هو رہے تھے، اس لیے گارجین کے خلاف کوئی کارروائی نہ هوسکی۔ جناب نقوی صاحب نے لندن سے اطلاع دی کہ " گارجین " معذرت کے لیے تیار نہیں ہے۔ بالآخر میں نے جناب محترم بروهی صاحب کے حوالے یہ کیس کر دیا۔ انہوں نے قانونی چارہ جوئی کی۔ فوراً هی لندن سے گارجن کے مشیر قانونی کا جواب آیا اور معذرت کا مضمون آیا جسے هم نے منظور کرلیا اور " گارجن " نے اپنی معذرت نمایاں طور پر چھاپ دی۔ اس طرح یہ قصہ ختم هوگیا۔ اس کے فوراً بعد هی کہ جب مضمون گارجن سے میرے خلاف چھپا ڈاکٹر ڈیوس کا ایک چناں چنیں کا خط آیا۔ اس مں مجھ سے کہا گیا کہ وزارت صحت برطانیہ میں اب طب ایشیائی کے لیے زمین هموار ہے اور یہ کہ میں تبادل خیال کے لیے لندن آجاؤں۔ مں نے خط پر " بی بی " لکھ فائل کرادیا۔ گارجن میں معافی نامہ کی اشاعت کے بعد ڈیوس کا ایک خط اور آیا، جس مں ذکر تھا کہ نوٹس آیا ہے اور هم نے گارجین کو معافی کا مشورہ دیا ہے وغیرہ۔ حالات اور نزاکت نے ثابت کردیا کہ گارجین کے مضمون کی اشاعت میں ڈاکٹر ڈیوس کا هاتھ تھا اور معافی کے مسئلے پر گارجین نے ڈاکٹر ڈیوس کو آڑے هاتھوں لیا ہے۔

بارے آج ڈاکٹر اسلم صاحب سے تبادل خیال هوا۔ انہوں نے همدرد کی دوا سازی میں بعض اصلاحات کا مشورہ دیا ہے اور

میں نے ان کے مشورہ کو بہ خوشی قبول کرلیا ہے اور ان سے کہا کہ انسانی ہمدردی اور طب دوستی کی بنا پر میں ان کے مشوروں کو آئندہ بھی قبول کروں گا ۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کو مشیر کی حیثیت دیدی جائے ۔ میں نے ان کی اس خواہش کا احترام کیا ہے بشرطے کہ وہ بلا تکلف معقولیت کی حد میں اپنی شرائط پیش کریں ۔

آج کی ڈائری میں بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کر دی گئیں جو براہ راست اس روز نامچے سے تعلق نہیں رکھتیں لیکن بالواسطہ ان کا تعلق ضرور ہے ۔ اس بیان ہی سے بعض لوگوں کی اور خصوصاً انگریز کی فطرت کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے ۔

عشائیۂ کانفرنس

میں نے ۱۲ ڈالر اوسٹریلیوی (۱۸۰ روپے) کا ڈنر ٹکٹ خرید لیا تھا ۔ ایسا کرنا مناسب تھا اس لیے کہ اس آفیشل ڈنر میں عدم شرکت نامناسب تھی ۔ آج رات برٹن ہال میں یہ ڈنر تھا ۔ برٹن ہال یونیورسٹی ہاؤس سے کافی دور ہے ، شاید ایک میل ۔ ڈاکٹر محمد اسلم اور کئی احباب بھی ساتھ ہوئے ۔ راستہ کسی کو معلوم نہ تھا ، بارے پوچھتے پاچھتے پہنچ ہی گئے ۔ راستے میں ایک ہال میں داخل ہوئے ، مگر یہاں تو لوگ بڑے مؤدب اور شائشتہ بیٹھے تھے ۔ پتہ چلا کہ یہ تو گرجا گھر ہے ۔ جو اندر داخل ہو رہا ہے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہا ہے !

برٹن ہال میں سارے تو نہیں ، مگر کم سے کم ڈیڑھ سو مندوبین ضرور ہیں ۔ باقی دوسری جگہوں پر مدعو ہیں اور وہاں گئے ہیں ۔ چند بھاری اخراجات کی وجہ سے نہیں آئے ہیں ۔

میاں محمد سعید صاحب بھی مل گئے ۔ ان کو ڈنر ٹکٹ

نہیں مل سکا مگر مس نے بہ حیثیت وائس پریزیڈینٹ ان کو دعوت دیدی تھی ۔ ہندستان سے کم از کم دو ویئد جی ایسے آئے ہیں کہ ان کے دماغی توازن پر مجھے واقعی شبہ ہے ۔ خود ان کے ساتھی بھی ان کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ یہاں لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب مرار جی ڈیسائی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے کہ ہندستان سے بڑا مضبوط وفد بھجوا دیا ہے ۔ مگر وہ خود کیوں نہ آگئے ۔ اب تو وہ فارغ ہیں ۔ ان کے اپنے "طریق علاج پیش آبی" کے بارے مس ان کو یہاں ایک پیپر پڑھنا چاہیے تھا !

ڈاکٹر ہاشم صاحب آگئے ۔ انہوں نے میرے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کا کارڈ تھما دیا ۔ اس پر (High Table) لکھا تھا ، جس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے وی آئی پی (VIP) میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا ہے ۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا ۔ ہائی ٹیبل پر درمیان میں وہ تھے ۔ ان کی کرسی ہائی تھی ، ان کے دائیں مس اور بائیں ڈاکٹر کونگ تھے ۔ میرے دائیں محترمہ بیگم ڈاکٹر ہاشم تھیں اور بائیں نارمان ۔ میں نے اپنے دائیں ایک جوان سال ہندو خاتون کو بیٹھے دیکھا ۔ چپکے سے میں نے ڈاکٹر ہاشم صاحب سے معلوم کیا کہ یہ خاتون محترم بھلا کون ہیں ؟ انہوں نے فرمایا : مائی وائف ! پھر میرا ان سے تعارف کرایا ۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ڈاکٹر ہاشم ہندستان میں بحیثیت پروفیسر کافی عرصے رہے ہیں اور ان کا رجحان اس اعتبار سے ہندستان ہی کی جانب ہے اور صحیح ہے ، مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ ان کی اہلیہ بھی ہندستان کی ہیں ! ان خاتون کے والد جے پور کے تھے اور والدہ شیلانگ کی ہیں اور بقید حیات ہیں ۔

رات ساڑھے دس بجے تک ڈنر کا سلسلہ جاری رہا ۔ نہایت نفیس کھانا تھا ، گو دونوں قسم کا کھانا تھا ! مسلمان کھانا ،

ھندو کھانا ، مگر یہ دور ایسا ھے کہ ھندو بڑے اطمینان سے مسلمان کھانا کھا لیتا ھے ۔ اور مسلمان خود ھندو کھانا کھاتا ھے اور ناپسند کرتا ھے ! اس کو تو گوشت چاھیے ۔ حرام حلال کی اسے اب کوئی تمیز نہیں رھی ۔ اس چشم گنہ گار نے شرق اوسط میں مسلمان کو لحم خنزیر تک کھاتے دیکھا ھے اور اس کے جواز پر بحث کرتے سنا ھے !

فاعتبروا یا اولی الابصار !

۶ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، کینبرا

شب گزشتہ کی پُر خوری نے معدے کو پریشان تو کیا ، مگر بغاوت کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ھوئی ۔ اس کے باوجود میں نے آج تمام دن کچھ بھی کھانے سے گریز کیا ۔ مجھے ایک بجے خیال آیا کہ مجھے تو ڈاکٹر ہانرمان کے ساتھ لنچ میں جانا تھا ۔ میں جلد از جلد نیچے پہنچا ، مگر سوا بج چکا تھا ۔ میزبان میرا انتظار کر کے جا چکے تھے ۔ ضرور اس میں اللہ میاں کی کوئی مصلحت ھوگی !

میں نے اپنی اختتامی تقریر کو آج حتمی شکل دیدی ھے ۔ اب کل صبح انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے موقف کو خوبی کے ساتھ پیش کرسکوں گا ۔ روز نامچہ کے صفحات لکھنے تھے ۔ میں نے یہ کام بھی ۱۱ بجے تک پورا کر دیا ، پھر خیال آیا کہ دھلی خط لکھ دینا چاھیے ۔ بھائی جان محترم کو ایک مفصل خط لکھ کر ڈال دیا ھے ، ان کو کینبرا میں طبی کانفرنس کے کوائف لکھ کر بھجوا دیے ھیں ۔

آج دو بجے سے پانچ بجے تک کا سشن بڑا اہم تھا ۔ میں اس میں شرکت کے لیے پہنچ گیا ، موضوع ہے " یونانی/اسلامی طب ، مغرب اور جنوب مشرقی ایشیا میں" (Greco - Islamic Medicine in West and South-East Asia) میں نے مقالات کے بعد تبادل خیال میں حصہ لیا جو بہت ہی دل چسپ رہا ، مجھے بڑا ہی اطمینان ہوا کہ میرے یہاں آنے سے تبادل خیال میں ضروری اضافات ہوگئے ۔ مقررین میں پاکستان کے پروفیسر قدرت فاطمی صاحب ، واشنگٹن کے ایم ۔ ایم سعید صاحب ، ایران کے ڈاکٹر نوربوری (ہمدان) بنگلہ دیش کے حکیم عزیز الاسلام ، شامل تھے ۔ سوئزرلینڈ کے پروفیسر برگل کا مقالہ خود پروفیسر ہاشم نے پڑھا ۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن

اے ، بی ، سی (اوسٹریلیا براڈ کاسٹنگ کارپوریشن) سے صبح ساڑھے ۷ بجے کی خبریں سنیں ۔ خبروں کے بعد بی ۔ بی ۔ سی کو سوئچ اوور کر دیا گیا ۔ وہاں سے لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کی تدفین کا آنکھوں دیکھا حال نشر ہو رہا تھا ۔ میں نے اسے غور سے سنا ۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں بتایا جارہا تھا کہ وہ کس قدر عظیم انسان تھے ۔ رائل نیوی کے لیے ان کی خدمات کا ذکر تھا ، پھر ساؤتھ ایسٹ ایشیا کمان میں ان کے کارناموں کا بیان تھا ، وائسرائے ہند ہونے کا ذکر تھا کہ وہ آخری وائسرائے تھے اور گورنر جنرل آف انڈیا بھی تھے ۔ حادثے میں ان کے انتقال کی خبر کو پاکستان نے صفحہ اول پر شائع کیا تھا ۔ مگر پاکستان کے کسی ایک شخص نے بھی ان کے انتقال پر تعزیتی پیغام نہیں دیا ، بہ جز صدر پاکستان کے کہ انہوں نے ملکۂ برطانیہ کو

تعزیتی پیغام بھجوایا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور خصوصاً لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے جواہر دوستی کی بنا پرتقسیم ہند میں جانب داری سے کام لیا اور ریڈ کلف ایوارڈ کو متاثر کیا تھا ، جس کی وجہ سے مسئلہ کشمیر پیدا ہوا اور دار جلنگ وغیرہ ہندستان کو صریحاً نا انصافی کی بنا پر دیدیے گئے۔ اس صورت حال سے پاکستان غیر منصفانہ طور پر کشمیر اور دوسرے بڑے علاقوں سے محروم کر دیا گیا ۔ اهل پاکستان اس زیادتی کو هرگز نہیں بھول سکتے ۔ کئی سال ہوئے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندستان جاتے ہوئے پاکستان کے اوپر سے گزرنے والے تھے۔ پاکستان کے عوام نے بڑا ھی شدید احتجاج کیا کہ ان کو پاکستان پر سے نہیں گزرنا چاھیے اور وہ شاید نہیں گزرے ۔ میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے بہ سلسلۂ " قائداعظم لیکچرز " خط و کتابت کی تھی ۔ ان کا ایک خط خود ان کے ھاتھ کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے جس میں انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضروری معلومات فراہم کریں گے ۔ اور انہوں نے اپنے سکریٹری کا حوالہ بھی دیا تھا ۔

قائداعظم لیکچرز

میں نے عرصہ ہوا ۱۹۶۹ء میں اس پر غور کیا کہ اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ قائداعظم کے بہت سے ساتھی بچھڑتے جا رہے ھیں مناسب ہے کہ ان کے خیالات و افکار رکارڈ کر لیے جائیں ۔ میں نے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے اس سلسلے کو بہت منظم اور مربوط انداز پر شروع کیا ۔ میں نے تمام ان لوگوں سے روابط قائم کیے کہ جن کا کسی نہ کسی درجے میں قائداعظم سے رابطہ اور تعلق رہا تھا ۔ مجھے مسرت ہے

کہ لوگوں نے اتفاق رائے کیا اور پورے تعاون کے ساتھ عملی حصہ لیا۔

ان ہی دنوں پاکستان کی وزارت اطلاعات و نشریات کے ایک سکریٹری صاحب کو جوش آیا۔ ڈھاکہ میں انہوں نے میرے ایک دوست سے کہا : یہ حکیم سعید تو ذاتی پروپگنڈے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ قائداعظم پر لیکچرز میں کراؤں گا۔ مجھے ان کے اس انداز فکر سے انتہائی تکلیف ہوئی۔ میں واقعہ کی تمام '' روئداد '' جانتا ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام لیکچرز بند کردوں گا، کیونکہ ان سکریٹری صاحب نے پاکستان ٹیلی وژن پر لیکچرز شروع کرا دیے اور ہوا یہ کہ توازن برقرار نہ رہا اور دوسرے لیکچر ہی پر اختلاف رائے شروع ہوگیا، احتجاج ہوا اور بالآخر ٹیلی وژن سے یہ لیکچرز بند ہوگئے۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ میں اب اس کام میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ اللہ کو پیارے ہوگئے اور ایک اہم تعلق ختم ہوگیا۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ سرکاری ارباب اقتدار کی رخنہ اندازیوں سے بہت سے اچھے کام ادھورے رہ گئے یا بالکل عملی جامہ نہ پہن سکے۔

مجھے اس کا دلی افسوس ہے۔ اب خیال کرتا ہوں کہ میرے پاس اب تک جو کچھ اس سلسلے میں جمع ہے اس کو مرتب کرکے شائع کر دیا جائے۔ میرے ذخیرے میں لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کا خط بھی ہے اور سرفرانسس موڈی وغیرہ کے خطوط بھی جمع ہیں۔ وہ سکریٹری صاحب ہنوز مرکزی حکومت میں ایک وزارت کے سکریٹری ہیں۔ میں نے اس کے بعد ان سے آج تک بات نہیں کی ہے۔ معلوم نہیں ان کو اپنی حرکت پر شرم و

ندامت بھی ہے یا نہیں !

سرفرانسس موڈی

تقسیم ہند کے دوران اور قیام پاکستان کے وقت سرفرانسس موڈی گورنر پنجاب تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سلیم الطبع انسان تھے۔ مہاجرین کہ جو ھندستان سے لٹ پٹ کر آ رہے تھے موڈی صاحب اور ان کی بھتیجی نے ان کی بڑی خدمت کی تھی۔ کسی نے آج کہا کہ سرفرانسس موڈی اوسٹریلیا میں کسی جگہ آکر بس گئے ھیں۔ شاید بقید حیات ھیں۔ تلاش کروں گا۔ شاید مل جائیں۔ ان سے ملاقات رھیگی۔ کچھ پرانی باتوں کا اعادہ ہو جائے گا۔

مسجد کینبرا

رات جناب ڈاکٹر اطہر عباس رضوی صاحب پروفیسر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے ھاں کھانا تھا۔ بڑا ھی پر تکلف کھانا تھا۔ میں نے تو آج روزہ رکھ لیا تھا۔ گو اب کم کھایا، پھر بھی زیادہ ہو ھی گیا !

ہوٹل واپس آتے ہوئے میاں محمد سعید نے خواھش ظاھر کی کہ کم از کم کینبرا کی مسجد تو دیکھ ھی لینی چاھیے۔ قریشی صاحب نے فوراً حامی بھر لی اور مسجد دکھا دی۔ بڑی اچھی جگہ ہے اور بڑی خوب صورت ہے۔ تانبے کا گنبد، ایک مینار، مسجد بند تھی، اندر نہیں جاسکے۔ رات ۱۱ بجے کسے جگاتے۔ بعض لوگ کھنڈرات دیکھ کر عمارت کے عظیم ہونے کا تصور کرلیتے ھیں۔ اس مسجد کی بیرونی زیبائش ھی اس حقیقت کا پتہ دے رھی تھی کہ اندرونی حصہ زیادہ حسین اور قابل دید ہوگا۔ دن

کے وقت آنے کا سوال ھی نہس تھا ۔ نپے تلے پروگرام میں گنجائش کس طرح نکل سکتی تھی ! پھر بھی یہ ارادہ کیا کہ کل جمعۃ المبارک کو کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر فریضۂ نماز اسی مسجد میں ادا کیا جائیگا ۔

لیکچر پنڈت شیوشرما

۸ بجے شب پبلک لیکچر میں گیا ۔ بارش ھورھی تھی ، ٹھنڈ بھی شباب پر تھی ، پھر بھی خاصے لوگ آئے۔ عنوان تھا : " موجودہ سوسائٹی میں ایک وید کا مقام " ۔ پنڈت جی نے طویل تقریر کی ، سوا گھنٹے بعد وہ تھمے ۔ سوال و جواب قیامت کے تھے ، سوال بھی طویل اور جواب بھی طویل ۔ ۸ بجے سے رات کے پونے دس بج گئے۔ بعض لوگ گھبرا کر اٹھ کر چلے بھی گئے ۔ مجموعی طور پر لیکچر دل چسپ تھا ۔ اگر حد میں رھتا تو لطف کافی عرصہ باقی رھتا ۔ پنڈت شیو شرما بہت گہرا مطالعہ رکھتے ھیں اور ھندستان میں انھوں نے آیورویدا کے لیے در حقیقت مہم جوئی کی ھے اور مجنونوں کی طرح کام کیا ھے اور اس زمانے میں آیورویدا کو تسلیم کرانے میں اور اس کے لیے ترقی کی راھیں کھولنے میں ان کا بہت دخل ھے اور وہ قابل مبارک باد ھیں ۔ پنڈت جی اب ۷۰ سال کے ھیں مگر ان کے قویٰ مضبوط ھیں ، دل جوان ھے اور ذھن بیدار۔

جلسۂ اختتامی میں میری تقریر کا اردو ترجمہ

برصغیر ھند و پاک میں کم و بیش دو سو سال برطانوی اثرات و نفوذ اور حکومت کے بعد لازمی طور پر وھی حالات پیدا ھوئے کہ جن سے ایک مغلوب اور غلام قوم کے لیے کوئی مفر نہیں ۔

یعنی علوم و فنون کے میدان میں شکست خوردگی ، ثقافت و تمدن کی دنیا میں احساس کمتری اور فکر و عمل کی دنیا میں حاکم قوم کا اتباع - برطانیہ عظمیٰ کی نعمبر مس برصغیر نے جو ناقابل تردید حصہ لیا ہے اس کے بار احسان کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں کے علوم و فنون کا تحفظ کیا جاتا اور تہذیب و ثقافت کو پامال نہ کیا جاتا اور احساس عظمت کو شکستہ نہ کیا جاتا - مگر اس مرتبے کو پہونچنے کے لیے شرف انسان کے انتہائی ادراک کی ضرورت ہوتی ہے مگر کالے اور گورے کی تمیز نے اس حس و ادراک کو کند کر دیا اور ہندستان کا ہر فرد غلام قرار پایا اور گوری عظمت کا علم سر زمین ہند پر لہراتا رہا -

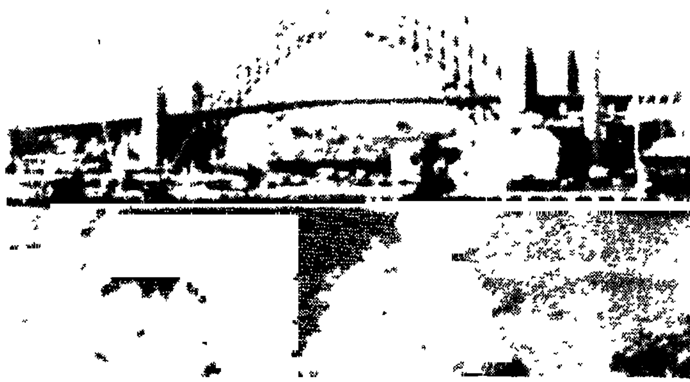
یہ ادعا کسی طرح مبنی بر حقیقت نہیں ہے کہ برصغیر میں طب کا وجود بے اثر تھا اور علاج امراض کی دنیا ویران تھی - یہ سراسر غلط ہے - ہر چند کہ اس دور کی تاریخ طب کو مسخ کر دینے میں اور اس دور کے طبی رکارڈ کو خرد و برد کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے بہ ایں همه حقائق کو تاریخ اپنے جسد میں بہر حال محفوظ رکھتی ہے اور کسی نہ کسی وقت سچ کا بول بالا ہوکر رہتا ہے -

سنٹرل ایشیا کے جس دور (۹ ویں تا ۱۴ ویں صدی عیسوی) کو سارے مغرب نے یک زبان ہوکر ایک دور تاریک کا نام دیا آج ان علاقوں میں آزادی کا سورج جب طلوع ہوا تو یہ حقائق سامنے آئے کہ یہی وہ دور تھا کہ جب سنٹرل ایشیا کے مسلم علمائے طب و سائنس نے وہ اساسی کارنامے اور بنیادی کام سر انجام دیے جن پر طب و سائنس کا آج کے دور کا قصر رفیع تعمیر ہوا ہے - اور اس ایک عجیب و حیرت انگیز حقیقت پر سے پردہ اٹھا کہ ان قدما کی تحقیقات کو مغربی علما نے کس طرح

اپنے کارناموں سے منسوب کیا تھا ۔

بلا شبہ میرا موضوع سیاست نہیں ہے ، مگر برصغیر اور پاکستان میں طب کے زوال اور نظریات طب کے اضمحلال کے بدیہی وجوہ جاننے اور سمجھنے کے لیے اس قدر پس منظر کا جاننا غیر ضروری نہیں ہے ۔ اقوام مشرق پر اقوام مغرب کی بیک آن یلغار اور ایشیا اور افریقہ میں مغربی استعمار کے حقائق اور ان کی تاریخ درد ناک بھی ہے اور ہولناک بھی ، کیونکہ اس عمل سے اس کرۂ ارض کی جو بڑی عظیم تہذیبیں اور ثقافتیں پامال ہوئی ہیں اور افریقہ اور ایشیا کی علمی اور فنی عظمتیں سرنگوں ہوئی ہیں ان میں ایک طب بھی ہے ۔

جب غلامی کا طوق گلے میں پڑ جاتا ہے تو تدریج کے ساتھ مگر یقین کے ساتھ فکری آزادیاں سلب ہونے لگتی ہیں اور ایک وقت وہ اس منتہا کو پہنچ جاتی ہیں کہ جہاں پہنچ کر عقل و خردگروی رکھ دی جاتی ہے اور اپنے علوم و فنون اور اپنی تہذیب و ثقافت سے بیزاری شروع ہوجاتی ہے ۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ جب غیر ملکی نظریات اور غیر ملکی علوم و فنون ذہنوں میں جگہ پالیتے ہیں اور انسان کا دل شکستہ ہوکر ہر ناخوب کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے ۔ ایشیا ہو یا افریقہ ، ہر جگہ طب کے ساتھ یہی صورت حال پیش آئی ہے ۔ خواہ وہ طب عربی ہو کہ طب افریقی ، ان سب نے اپنے نہایت وقیع اور پختہ نظریات کے باوجود طب مغربی کو قبول کرلیا اور اس قبولیت کے نتیجے میں کم از کم گزشتہ دو ڈھائی صدیوں میں افریشیا کے طبی نظریات پردۂ خفا میں چلے گئے اور فکری آزادیوں سے محروم اقوام ایشیا نے خود اپنی طبوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فکر و نظر کی ہر خوبی و شان سے خود کو محروم کرکے



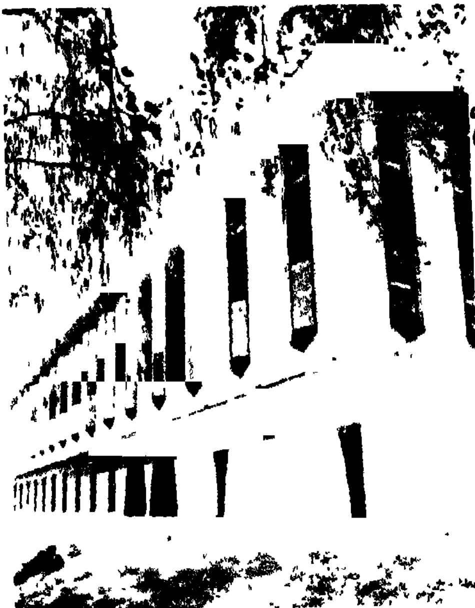
سڈنی ہاربر برج جو ایک مہارتِ فنی کا کمال ہے



ہائیڈرو فوائل: ایک تیز رفتار موٹر بوٹ



سڈنی کا ایک عام منظر



اوسٹریلین نیشنل یونی ورسٹی
کینبرا

یہ یونی ورسٹی کانفرنس عالمی طلب ایشیائی اور اوّل قرآن کانگرس کا مرکز رہی ہے۔ ہزارہا ایکڑ میں پھیلی ہوئی اِس یونی ورسٹی میں ایک فیکلٹی سے دوسری میں جانے کے لیے رہنما نقشے کی ضرورت پڑتی ہے۔

چفلی لائبریری، یونی ورسٹی



یونی ورسٹی ہاؤس کا ایک داخلی منظر
صاحبانِ علم وفضل اور اہلِ تحقیقاتِ علمی کے قیام کی یہاں ہر ممکن سہولت موجود ہے

اوسٹریلین

نیشنل

یونی ورسٹی

کینبرا



دو مناظر





قرآن کنگرس

وسٹرلین نیشنل یونی ورسٹی،
کینبرا کو یہ شرف حاصل ہوا
کہ بسلسلۂ آغاز ۱۵ ویں
صدی ہجری اوّلین قرآن
کنگرس یہاں انعقاد پذیر ہوئی

(دائیں سے بائیں)
پروفیسر ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ جونز
(روح رواں کنگرس)
ڈاکٹر احمد شبول
حکیم محمد سعید
ڈاکٹر قاضی



ڈاکٹر اطہر عباس رضوی، حکیم محمد سعید، پروفیسر جونز

اوّل قرآن کنگرس

اوسٹریلین نیشنل یونی ورسٹی

کینبرا

مندوبین : تبادل خیال









اوّل قرآن کنگرس



ڈاکٹر اطہر عباس رضوی، ڈاکٹر حسین محمد جعفری
پروفیسر جونز



حکیم محمد سعید، قادر جومیٹر (قاہرہ)،
ڈاکٹر جعفری



ڈاکٹر قاضی (سڈنی یونی ورسٹی)



پروفیسر ایف۔ ایم۔ ڈینی (یونی ورسٹی کولیراڈو)

اوّل قرآن کنگرس



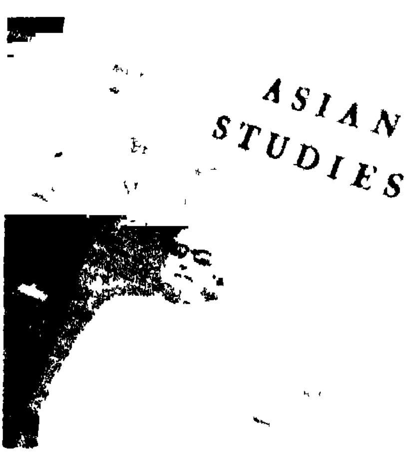
ڈاکٹر محمد ایوب، ڈاکٹر جعفری وغیرہ کے ساتھ



بیگم پروفیسر جونز



فادر جومیئر

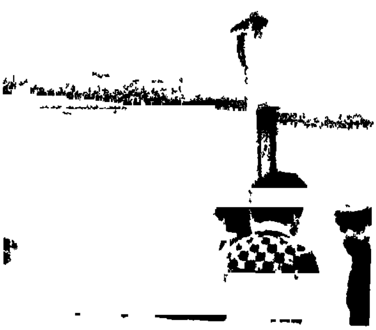


حکیم محمد سعید

کینبرا، اوسٹریلیا



مسجد کینبرا کا بیرونی منظر



حکیم محمد سعید مسجد کینبرا میں



اکیڈمی اوف سائنس، کینبرا



ڈاکٹر اطہر عباس رضوی، حکیم محمد سعید



کانفرنس عالمی طبّ ایشیائی ستمبر ۱۹۷۹ء

INTERNATIONAL CONFERENCE ON
TRADITIONAL ASIAN MEDICINE

اس عالمی کانفرنس نے ایک انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار دی اسٹڈی آف ٹریڈیشنل ایشین مڈیسن قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ گروپ میں ایسوسی ایشن کے عہدے دار :

دائیں سے بائیں :

ڈاکٹر وائی سی کونگ (چین) وائس پریزیڈنٹ؛ ڈاکٹر اے۔ ایل۔ باشم (اوسٹریلیا) پریزیڈنٹ ڈاکٹر ایس۔ بی۔ فرنس؛ پنڈت شیو شرما (انڈیا)، وائس پریزیڈنٹ؛ حکیم محمد سعید (پاکستان) وائس پریزیڈنٹ۔

طب و سائنس

اوسٹریلیا طب و سائنس کے میدان میں پیش پیش ہے۔ اسے بڑی اہم طبی اور سائنسی تحقیقات کا شرف حاصل ہے



بچے کی نگہداشت پر ماں کے لیے
ہدایات و رہنمائی کا مرکز



انسانی تغذیہ کو اوسٹریلیا میں
بدرجۂ کمال اہمیت دی جاتی ہے



ایک مریض معائنہ گاہ میں

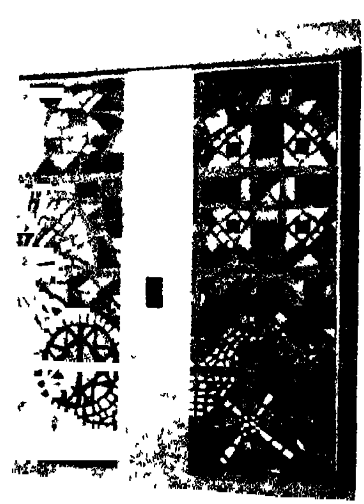


معالج و نرس مریض کی دیکھ بھال میں



نیشنل لائبریری کینبرا

یہ چھے منزلہ لائبریری جھیل برلے گریفن کے کنارے واقع ہے۔ ۱۹۶۸ء میں جونہی مکمل ہوئی سیاحوں اور دانش وروں کی دلچسپی کا مرکز بن گئی۔ اس میں کوئی دس لاکھ مطبوعات ہیں تین نادر دستاویزات جنھیں لوگ دیکھنے آتے ہیں یہ ہیں: برک اور ولز کی ڈائریاں، کیپٹن کک کی لاگ بک اور پہلے اوسٹریلوی وزیراعظم کے کاغذات۔ اس میں مزید توسیع سے ایک کروڑ دس لاکھ مطبوعات و مخطوطات سما سکیں گی۔ اس میں سات دارالمطالعے، دو چھوٹے تھیٹر اور حوالہ جات کے کمرے ہیں۔

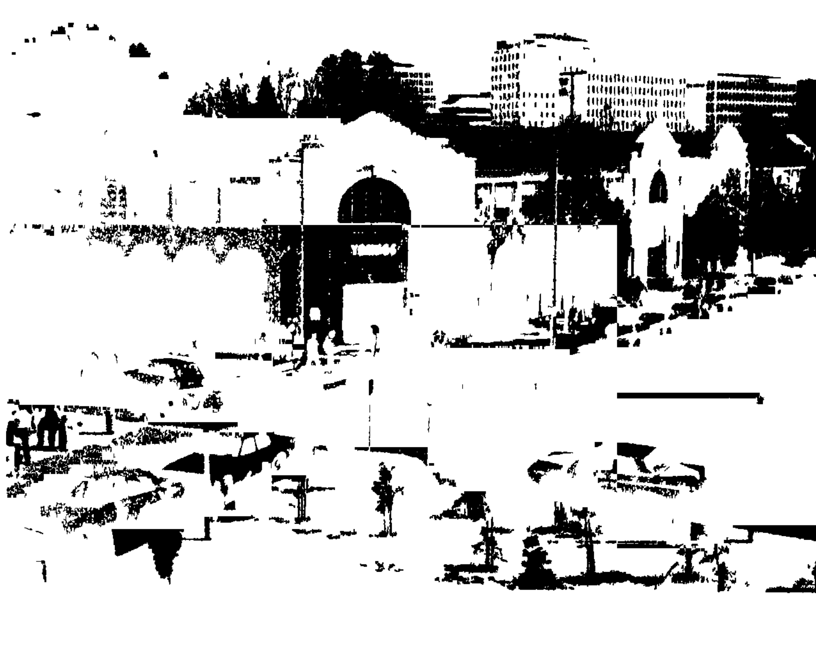


لائبریری کے ایوان کا ایک حصہ جس کی تزئین اوسٹریلوی آرٹسٹ لیونارڈ فرنچ نے کی۔ اس میں رنگین شیشے والے ۱۶ دریچے ہیں۔

شہری مرکز۔ کینبرا
دفاتر کی عمارتوں اور شہری
مراکز کے اسٹوروں کے
اطراف میں خوب صورت دکانیں
ہیں جہاں تفریح کی فضا
میں سوداسلف خریدا
جاسکتا ہے۔



شہری مرکز (سی وک سنٹر) کی رونق کا ایک منظر





باغِ نباتات، کینبرا

بلیک ماؤنٹین کی ترائی میں واقع یہ جگہ اس لیے پسند کی گئی تھی کہ پہاڑ کی اوٹ کی وجہ سے آندھیوں سے بچاؤ رہے گا۔ چناں چہ یہ انتخاب مناسب ثابت ہوا۔ پہلے دو درخت ۱۹۴۹ء میں لگائے گئے تھے۔ اس کے بعد لوگوں کے شوق سے منصوبہ پروان چڑھنے لگا۔ پانی کی پائپ لائن بچھائی گئی، تالاب بنائے گئے اور پگڈنڈیاں اور آبشاریں تعمیر کی گئیں۔ ۱۹۶۷ء میں یہ باغ مکمل ہوا۔ اور ستمبر میں سیر کے لیے کھول دیا گیا۔ یہ دونوں تصویریں باغ نباتات کے خوب صورت رومانی مناظر پیش کرتی ہیں۔



قابلِ دید عمارتیں

گورنمنٹ ہاؤس

ابتداءً ۲۵ ہزار ایکڑ زمین پر بنایا گیا۔ اب اس کے اطراف ۱۳۰ ایکڑ زمین ہے۔ عمارت وہی ہے جو فریڈرک کیمبل نے ایک بار گروا کر بنوائی تھی۔



"دی لاج"
وزیر اعظم
کی
سرکاری اقامت گاہ



پارلیمنٹ ہاؤس

یہ شاندار عمارت جھیل برلے گریفن کے کنارے ہے۔ ۱۹۲۷ء میں افتتاح ہوا۔ اب توسیع کی ضرورت ہے۔ سالانہ اسے دس لاکھ سے زیادہ افراد دیکھنے آتے ہیں۔



کیپٹن کک کا فوّارہ

اوسٹریلیا کی دریافت کی دو صد سالہ یادگار کے طور پر حکومت نے یہ فوّارہ تعمیر کروایا تھا۔ اس میں ۷۵۰ ہارس پاور اور ۳۰۰۰ وولٹ کی طاقت سے پانی دو مرحلوں میں پمپ کیا جاتا ہے۔ پانی کی دھار ۲۰۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ۱۵۰ میٹر کی بلندی تک جاتی ہے۔ فوّارے کے طاس میں پانچ پانچ سو واٹ کے چھے قمقمے ہیں۔ ۱۵۰۰ واٹ کا ایک قمقمہ جھیل کے بائیں کنارے پر ہے۔ رات کو اس روشنی کی وجہ سے پانی کی دھار کا نظارہ حیرت انگیز طور پر دل کش ہوتا ہے۔





یونیسکو کا مصوّر علمی رسالہ
'کوریئر' دنیا کی ۲۵ زبانوں
میں شائع ہوتا ہے۔ پیرس
میں مُدیرانِ کوریئر کی
میٹنگ کا ایک منظر۔

طب مغربی کو بھر طور قبول کرلیا ۔

یہ کچھ زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے کہ " چینی لونگ مارچ " کے زمانے میں چین پر غیر ملکی استعمار پسند کومن تانگ نے ایک اندوھناک فیصلہ یہ کیا کہ طب چینی کو چین میں ممنوع قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ ھی کم و بیش پانچ لاکھ چینی طبیبوں کی پریکٹس حکماً بند کردی گئی ۔ یہ چین پر غیر چینی استعمار کا سب سے بڑا حربہ تھا کہ پانچ لاکھ چینی حکیموں کی طبی پریکٹس ممنوع قرار دیکر کروڑھا چینیوں کو طبی سہولت سے محروم کر دیا گیا اور طب مغربی کے لیے اس طرح راہ ھموار کرنے کی سعی کی گئی ۔ شاید تاریخ عالم میں طب کا یہ سب سے زیادہ الم ناک سانحہ تھا ۔

اس کے بعد فن طب و علاج کا بد ترین اور ناقابل فراموش المیہ تھالبڈو مائڈ المیہ ہے کہ جو طب مغربی کے پرفیکشن کے عنوان پر پیش آیا ہے ۔ اور پھر یہ سانحہ بھی کسی طرح کم درجے کا نہیں ہے کہ پاکستان میں تیسرے پنج سالہ منصوبۂ صحت میں شامل صحت دیہات کے لیے مخصوص کثیر رقم اس لیے صرف نہ ھوسکی کہ وھاں کام کرنے کے لیے ماڈرن ڈاکٹر موجود نہ تھے ۔

ایسے المناک حوادث اس وقت پیش آتے ھیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کے شرف کے احساس سے یا ایک قوم دوسری قوم کے شرف کے ادراک سے محروم ھوکر انسانی عظمتوں کو پامال کر دیتی ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنا لینے کی غیر اخلاقی ، غیر انسانی اور غیر فطری حس بیدار ھو جایا کرتی ہے ۔

طب مغربی یا طب جدید میں گزشتہ پچاس سال کے عرصے

مس جو انکشافات اور ا کتشافات ہوئے ہیں اور جسم انسانی کے اسرار و رموز کی جو فہم پیدا ہوئی ہے اور افعال اعضا پر جو تحقیقی کام ہوئے ہیں وہ وزنی ہیں اور محیرالعقول بھی ہیں - اس سب کے باوجود یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ طب مشرقی یا طب چینی و ہندی اور طب عربی و افریقی کے اساسی نظریات اور بنیادی اصول غلط اور کالعدم قرار پائیں جبکہ طب مغربی یا طب جدید خود اپنے منتہا اور پر فنکشن کے بارے میں مشتبہ ہے اور جسم انسانی کی کامل فہم کی مدعی نہیں ، مگر اس مس فساد و انتشار پیدا کرنے پر خود شرم سار ہے -

بایں همه افریشا مس صدیوں کے غیر ملکی استعمار نے بزعم خود ماہرین طب کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے کہ جو کسی قیمت پر ، اور اب آزاد ہو جانے کے بعد بھی کسی حالت میں ، طب مشرقی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے اور اس کا ہر سانس طب مغربی کا ثنا خواں ہے اور اس کا ہر لمحہ طب مشرقی کی تکذیب و تضحیک کے لیے وقف ہے -

شاید اس حقیقت کا اعتراف غلط نہیں کہ مشرق میں سب سے پہلے مغربی طوق غلامی چین نے اتار کر پھینکا ہے ، چیرمین ماؤزے تنگ شاید سب سے پہلی مشرقی شخصیت ہیں کہ طب کے بارے مس انہوں نے قول فیصل دیا اور طب چینی کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کیا اور موجودہ سائنس سے کامل استفادہ کر کے طب چینی کے اصول و نظریات کو جدید زبان مس بیان کرنے کی ہدایت کی - چین میں اکیو پنکچر کا عمل اس فکر و نظر اور اس امتزاج قدیم و جدید کا بہترین نمونہ ہے جس کو آج ساری دنیائے طب و سائنس نے قبول کرلیا ہے - یہی وہ طاقت و عظمت تھی کہ جب چین نے عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو ، ایچ ، او) میں

پہلی بار شرکت کی تو اس میں چین کے وفد کے قائد نے ببانگ دھل اعلان کیا کہ میرا ملک طب چینی اور طب مغربی دونوں کا حامی و حامل ہے اور میں یہاں دونوں کی بات کروں گا !

عالمی ادارۂ صحت میں سب سے پہلی آواز یہ تھی جس کو گوش عالم نے بہ قید ہوش سنا ۔ میں بذات خود کم از کم سنہ ۱۹۰۰ء سے پورے تسلسل کے ساتھ ڈبلیو ، ایچ ، او کو یہ بتانے کی سعی کرتا رہا ہوں کہ افریشیا میں علاقائی طبوں کو فروغ دیے بغیر مسئلۂ صحت ہرگز حل نہ ہوگا ۔ میں یہاں بڑی شرم ساری کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ اسی ڈبلیو ، ایچ ، او میں خود میرے ملک کے ڈاکٹروں پر مشتمل وفد نے میری مخالفت کی ۔ میرے ملک کے ماڈرن ڈاکٹر طب مشرق کے عالمی تسلیم و رضا کے باوجود آج بھی اس کی عظمت کو قبول کرنے کو تیار نہیں ھیں ۔ اور شاید ہندستان میں بھی ڈاکٹری سطح پر صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے ۔

نامناسب نہ ہوگا اگر میں اس موقع پر تہران (ایران) میں منعقدہ انٹرنیشنل کنگرس اون رورل ہیلتھ اینڈ ایگریکلچرل مڈیسن (۱۹۷۰ء) کا ذکر کروں ۔ یہی وہ عالمی کنگرس ہے جس میں افریقہ اور ایشیا کے مندوبین جمع تھے ۔ میں نے اس کنگرس میں درج ذیل تجویز پیش کی تھی :

” کہ یہ کنگرس اُن راھنما اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو واضح طور پر علیا حضرت شہزادی اشرف پہلوی اور عزت مآب جناب مجید راھنما نے پیش کیے ھیں ، تسلیم کرتی ہے کہ ایشیائی ملکوں کے دیہی علاقوں میں حفظ صحت کا ہو شربا بار عظیم ان معالجین کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو روایتی طب کے مختلف طریقوں

کو عملی جامہ پہناتے ھیں ۔ یہ کنگرس شریک اجلاس اقوام کی حکومتوں سے سفارش کرتی ھے کہ وہ اپنے ھر ممکن اثر و اقتدار سے کام لیتے ہوئے سرکاری طور پر ان طریقہ ھائے طب کے مستند معالجین کو تسلیم کریں اور جدید طریقہ ھائے طب کے معالجین کی ھمت افزائی کریں کہ وہ اس مقصد مشترک کے تحت کہ مصیبت زدہ انسانیت کی امداد اپنا فرض ھے ، ان کی طرف دست تعاون بڑھانے میں پہل کریں "۔

یہ تجویز اتفاق رائے سے وھاں منظور ہوئی تھی ۔ شاید جنوبی کوریا نے اس سے اتفاق رائے نہیں کیا تھا ۔ مگر یہ دل چسپ حقیقت ھے کہ اس کے بعد خود کوریا میں طب قدیم پر ایک عالمی کانفرنس ہوئی اور وھاں طب قدیم کو تسلیم کرنے کا اصول وضع کیا گیا ۔ اس کی شائع شدہ روداد بڑی دل چسپ ھے ۔

اس کے بعد تسوید عالمی صحت کی اسمبلی کی درج ذیل قرار داد ھے کہ جس نے فکری استواریوں کا مزید سامان کیا ھے :

عالمی ادارۂ صحت کی ان کوششوں کو پسندیدگی کے ساتھ سراہتے ہوئے کہ طب جدید کے پہلو بہ پہلو روایتی طریقہ ھائے علاج کے استعمال کے لیے مطالعہ کرنے میں پہل کی جائے ، یہ اسمبلی دل چسپی لینے والی حکومتوں پر زور دیتی ھے کہ وہ اپنے روایتی طریقہ ھائے طب سے استفادہ کرنے کو کما حقہٗ اھمیت دیں اور اس ضمن میں ایسے مناسب قواعد مرتب کریں جو صحت سے متعلق ان کے قومی طریقوں کے لیے موزوں ہوں "۔

یہ وھی عالمی ادارۂ صحت ھے کہ جس نے ماھنامہ " ورلڈ ھلتھ " کے اردو ایڈیشن کا منظور کردہ معاھدہ اس لیے منسوخ

کر دیا تھا کہ میں (حکیم سعید) طب مشرقی کا نام لیوا ہوں اور اس نے اس تمام بہترین تعاون تک کو نظر انداز کر دیا کہ جو میں نے ھمدرد فاؤنڈیشن کی جانب سے کیا تھا۔ میں اس موقع پر ڈبلیو ایچ او کے ڈائریکٹر جنرل جناب هافڈان ماھلر صاحب کو بھرپور داد دیتا ہوں کہ انہوں نے فکر و خرد کی پوری سلامتی کے ساتھ اور شدید مخالفتوں کے باوجود عالمی صحت کی اسملی کے ایوان سے طب مشرقی کی پُر جوش تائید اور پر زور حمایت کی۔

میری رائے میں یہ حالات حاضرہ کا بھرپور احساس اور دیانت دارانہ ادراک ھے۔ ڈاکٹر ماھلر کی یہ تائید تاریخ ساز ھے اور بلا شبہ اس نے اقوام و ملل کو طب مشرقی کے اصول و نظریات پر غور و فکر کرنے کے لیے ہر راستہ کھول دیا ھے۔ آج ھم دیکھتے ھیں کہ دنیا بھر میں ماھرین صحت و طب میدان طب میں عدل و توازن کو اھمیت دے رھے ھیں۔ دوائی پودے کہ جو کل تک ''کروڈ'' تھے آج وہ ساری دنیا کے لیے فطری علاج کا سرچشمہ بنے ہوئے ھیں اور یہ احساس عام ہو رہا ھے کہ فطرت کبھی کروڈ نہیں ھوسکتی۔

اس موقع پر مجھے یہ خیال آتا ھے کہ البیرونی ، ابن سینا اور رازی ، ان سنٹرل ایشیا کے اکابر رجال کے پاس آخر وہ کیا ذریعہ تھا کہ انہوں نے ھزارھا پودوں کے دوائی افعال و خواص متعین کیے اور آج کی جدید سائنس اور تکنیک ان کی تائید ھی کر رھی ھے۔ حتیٰ کہ کسی ایک کی تکذیب آج تک نہیں ھوسکی ھے۔ واضح ھو کہ یہ اکابر رجال سنٹرل ایشیا کے اسی دور میں علم کی جوت جگا چکے ھیں کہ جسے تاریک دور کہا جاتا رہا ھے۔ آج ان کی عربی کتابوں کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں ھو رھے ھیں اور موضوع تحقیقات بنے ہوئے ھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس فکری اور ذہنی انقلاب کے باوجود کہ روایتی طب مشرق اور مغربی طب میں کوئی قرب موجود نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ جب تک جسم و روح کی ہم آہنگی قابل قبول نہ ہوگی ان دونوں طبوں میں بعد برقرار رہے گا۔ مشرقی طب جسم اور روح دونوں کی قائل ہے اور مابعد الطبیعیات اور نفسیاتی علاج کے پہلو کو وہ نظر انداز کبھی نہیں کرے گی جبکہ طب جدید جسم انسانی کو محض گوشت کا ایک لوتھڑا اور ایک حیاتیاتی وجود تسلیم کرتی ہے۔ غالباً یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کے باعث طب جدید بڑی آسانی کے ساتھ جراثیم کشی اور صنعتی راہوں پر چل کھڑی ہوئی ہے اور تصور صنعت محض نے اس کو روحانی اقدار سے محروم اور جسم انسانی میں نفسیاتی کوائف کے وجود سے غافل بنادیا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ جدید ترین طب کو نظریاتِ طبِ قدیم کو موضوع تحقیق بنانا چاہیے۔ طب کا نظریۂ اخلاط اربعہ اور طب کا نظریۂ مزاج وغیرہ زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور ان پر ضرور غور کرنا چاہیے۔ قدما نے ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس بحث کو سمجھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے اور آج سائنسی دماغ کو آج کی زبان سائنس میں ان حقائق کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش ایک صحیح سمت میں طبی خدمت ہوگی۔

میں یہ ضرورت شد و مد کے ساتھ اس لیے پیش نہیں کر رہا ہوں کہ میرا طب جدید پر ایمان متزلزل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج دنیا بھر میں ایک بہت بڑی، وزنی اور قابل لحاظ تعداد ایسے علمائے طب کی ہے کہ جو یہ غور کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ جدید دوائی ایجادات نے جسم انسانی کے ساتھ صحیح معاملہ

نہیں کیا ھے ، اور اس طب پر سے ان کا یقین ختم اور ان کا ایمان متزلزل ھوگیا ھے ۔ میں طب قدیم کے اصول و نظریات اور معالجات پر تحقیق کی بات اس لیے کہلوانا چاھتا ھوں کہ اس کے بغیر طب قدیم کی تردید سائنسی بات نہیں ھوسکتی ۔ اب تک ، کم از کم گزشتہ دو سو سال میں ، طب قدیم کے ساتھ یہی سلوک ھوتا رھا ھے کہ یہ قدیم ھے اس لیے ناقابل اعتنا ھے ۔ اس غیر حقیقی سلوک اور غیر سائنسی طرز عمل نے دنیائے طب میں واقعی بہت سے مسائل پیدا کیے ھیں اور شاید ان کا احساس اور ادراک اب ھونے لگا ھے ۔

مجھے اس اختتامی اجلاس کو یہ بھی بتانا ھے کہ پاکستان میں صورت حال کیا ھے ، اور طب کا مقام پہلے کیا تھا اور اب کیا ھے ۔ واقعی یہ صورت حال کم دل چسپ نہیں ھے !

مکمل آزادی سے قبل ھندستان کی عبوری حکومت کے دور میں " بھور کمیٹی رپورٹ " منظور ھوگئی تھی ۔ یہ کمیٹی کئی سال تک قدیم طبوں کے بارے میں غور فکر کرتی رھی تھی اور اس کا حقیقی منشا یہ تھا کہ ھندستان میں طب ھندی اور طب یونانی/عربی سے مسئلۂ صحت حل کرنے میں کس درجہ استفادہ کیا جاسکتا ھے ۔ میں اس کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا ۔ باوجودیکہ یہ کمیٹی فنی تعصبات میں کسی نہ کسی حد تک مبتلا رھی پھر بھی اس کا حتمی فیصلہ یہی تھا کہ قومی منصوبۂ صحت میں اس کی شمولیت مناسب ھے ۔

آزادی کے بعد پاکستان جب عالم وجود میں آیا تو اصولاً اور اخلاقاً حکومت پاکستان کی وزارت صحت بھور کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرنے کی پابند تھی ۔ مگر پاکستان میں ایسا نہ ھوا اور یہاں مسائل صحت کو ، جو یقیناً تقسیم ھند کے بعد

سنگین و شدید ہوگئے تھے ، حل کرنے کا سامان طب مغربی سے ہوتا رہا اور طب مشرقی کو سرکاری طور پر یکسر نظر انداز کیا گیا ۔ یہ فیصلہ یقیناً غیر حقیقت پسندانہ تھا اور اہل پاکستان سے دوستی کا نقیب نہ تھا ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ طبی امداد صرف شہروں تک محدود رہی اور دیہات تک اس کی کوئی رسائی نہ ہوسکی ۔ اور ہم آج بھی دیہاتوں تک اس کی رسائی کا کوئی دعوا نہیں کرسکتے ۔ ہماری بدقسمتی ایک یہ بھی رہی کہ ہم اپنے فکر و عمل میں آزادی کے حق دار ہونے کے باوجود طبی اور صحی منصوبوں میں اقوام مغرب کی امداد و تعاون کے طلبگار رہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طب و صحت کی حد تک برطانیہ کا اثر و نفوذ قائم رہا جس میں بعد میں امریکی اثرات نے بھی نفوذ کیا ۔ اس وقت بھی کہ میں یہاں تقریر کر رہا ہوں میرے وطن کے دیہات میں امریکی تعاون سے صحت بخشی کا کام صرف چند جدید دواؤں اور حیاتین وغیرہ کی تقسیم سے ہو رہا ہے اور پاکستان میں بہ افراط پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں سے استفادہ کا کوئی سامان نہیں کیا جارہا ہے ۔

پاکستان میں میدان طب و صحت میں اب ایک انقلاب نے کروٹ لی ہے ۔ ۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء کو صدر مملکت پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک کل پاکستان طبی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پر مہر توثیق ثبت کی اور اس کانفرنس کی خود صدارت فرمائی اور اس میں مسائل طب مشرقی کے صحیح فہم و ادراک کے بعد انہوں نے یہ قول فیصل دیا کہ ہم پاکستان میں مسئلۂ صحت حل کرنے میں طب کو نظر انداز نہیں کرسکتے ۔ ہمیں دونوں ٹانگوں پر چلنا چاہیے اور منصوبۂ صحت میں طب کو شامل کرنے کا فیصلہ کرنا چاہیے ۔ نیز پاکستان میں موجود

ہزارہا حکیموں کی خدمات سے پوری طرح استفادہ کرنا چاہیے۔

یہ پاکستان کی ۳۲ سالہ تاریخ کا پہلا موقع تھا کہ سربراہ مملکت نے طب کے بارے میں دو ٹوک مگر انتہائی عاقلانہ اور انتہائی حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا۔ یہ تاریخ ساز فیصلہ ہے اور اب میرے ملک کا انداز فکر حکیمانہ اور طب مشرقی کے لیے محققانہ ہوچکا ہے۔ میں اپنے اس خطاب کے آخر میں کل پاکستان طبی کانفرس منعقدہ ۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء میں سربراہ مملکت کا خطاب بطور ضمیمہ شریک کر رہا ہوں۔ نیز وہ ہدایت نامہ بھی دے رہا ہوں کہ جو انہوں نے صادر فرمائے ہیں۔ اس میدان میں کام کرنے کے لیے تمام ذمہ داری انہوں نے مجھے سونپی ہے۔

عالمی بنک نے پاکستان میں ایک جائزہ' صحت لیا ہے۔ اس جائزے کے مطابق اس وقت پاکستان کے صرف ۲۱ فیصد لوگوں کو طبی امداد میسر ہے۔ لیکن اس جائزے کی خامی یہ ہے کہ اس نے ان اطبا کی خدمات کو نطر انداز کیا ہے کہ جو یقینی اور بدیہی طور پر پاکستان کے دیہات میں اچھی یا بری خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر پاکستان کے دیہی علاقوں میں کوئی طبی امداد میسر ہے تو وہ صرف اور صرف حکیموں کی بدولت ہے۔ یہ حکیم دیہات میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں سے شفائے امراض کا سامان کرتے ہیں۔ پاکستان میں ۲۱ دسمبر ۱۹۷۸ء کو کل پاکستان طبی کانفرنس کے بعد اس خدمت کی نفی کرنے کا متعصبانہ جذبہ سرد پڑگیا ہے۔ اب ان خدمات کا اعتراف کیا جارہا ہے اور ان خدمات کو زیادہ موثر بنانے کا کام کیا جارہا ہے۔ میں گزشتہ چند ماہ سے دیہات میں موجود حکیموں کے لیے ریفریشر کورسز تیار کرا رہا ہوں اور اب

بذریعہ ڈاک ، بذریعہ اخبارات ، بذریعہ ریڈیو اور بذریعہ ٹیلے وژن اس تعلیم و تربیت کا ساماں کیا جارہا ھے ۔ ریڈیو کا جہاں تک تعلق ھے ، پاکستان کا کوئی گاؤں اس کی پہنچ سے باھر نہیں ھے ۔ ٹیلے وژن کا دائرہ عمل بھی بڑا موثر ھے اور اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ھے ۔

طب مشرقی کا اصول علاج یہ ھے کہ اس میں اولیت علاج بالتدبیر اور علاج بالغذا کو حاصل ھے ۔ اس کے بعد غذائے دوائی اور پھر دوائے غذائی اور آخر میں محض دوا پر زور دیا جاتا ھے ۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ توجہ خاص طور پر دیہات میں تعلیم صحت پر دینی چاھیے ۔ ھم اطبا کو اس کے لیے تیار کررھے ھیں ۔ وزارت صحت کی " بے سک ھیلتھ سروسز " کا منتہائے مقصود بھی یہی ھے ۔

میرے ملک میں اب وہ فضا بالآخر پیدا ھو رھی ھے کہ جس کا عملی مظاھرہ چین و ھند میں ھوچکا ھے ۔ اب قومی منصوبہ صحت میں طب مشرقی اور طب مغربی کو اھم مقام حاصل ھے ۔ ھم فی الحال ان میں امتزاج کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ھیں ۔ اور ان کے میدانوں کو آزاد رکھنے پر زور دیتے ھیں ۔ میرا اندازہ یہ ھے کہ کم و بیش ۱۵ - ۲۰ سال کے بعد امتزاج کا کوئی مقام آسکے گا ۔ شاید اس وقت تک طب مغربی بھی خود کو فطرت کے آغوش میں بٹھا سکے گی !

راہ عمل ـــــ راہ مستقیم

میرا خیال ھے کہ میں نے آج کے مبحث کے لیے ضروری باتیں اب تک پیش کر دی ھیں ۔ ھوسکتا ھے کہ ان میں سے بعض باتیں اھل مغرب نے ناپسند کی ھوں ۔ میں ان سے معذرت

خواہ ہوں ۔ مگر حقائق بہر حال حقائق ہیں اور جب ہم ان حقائق پر غور کرتے اور اپنے دور غلامی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم تلخ حقائق کو بیان کرنے میں ایک گونہ اطمینان محسوس کرتے ہیں ، گو اس سے ہمارے جذبات کو کامل تسکین نہیں ہوتی اور نہ تلافیٔ مافات ہوسکتی ہے ، لیکن اگر اس صورت حال سے اقوام مغرب اقوام مشرق کے ساتھ انصاف کا فیصلہ کرلیں اور حق کو حق کہنے کی عادت ڈال لیں اور انسان کو انسان سمجھنے لگیں تو اس دنیا میں صحت اور امن دونوں چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں جن کا آج سب سے زیادہ فقدان ہے ۔

مجھے معلوم ہے کہ انٹرنیشنل کانفرنس اون ٹریڈیشنل ایشین مڈیسن منتج ہوگی ایک انٹرنشنل سوسائٹی فار دی اسٹڈی آف ٹریڈیشنل ایشین مڈیسن (آئس ٹام) کے قیام پر ۔ میں اس موقع پر یہ مشورہ دوں گا کہ اس سوسائٹی کو تعصبات سے بالا تر رکھا جائے ۔

" آئس ٹام " میں مغرب و مشرق کا باہمی تعاون و اشتراک ناگریز ہے ، اس کے بغیر سائنسی اور علمی کام سر انجام نہیں دیے جاسکیں گے ۔ آئس ٹام کے مقاصد مطالعہ بڑی اہمیت کے حامل ہوسکتے ہیں ۔ اس معاملے میں احتیاط کا دامن پکڑنا مناسب ہوگا ۔ میری رائے میں طب ایشیائی کے اصول و نظریات پر جدید سائنسی انداز میں تحقیقات اور توجیہات کو اولیت حاصل ہونی چاہئے ۔ اور یہ کام اشتراک عمل کے بغیر ممکن نہ ہوگا ۔ اس مطالعہ میں تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھنا کام کو تقویت دینے کا سبب بنے گا ۔ اس لیے مطالعہ میں تاریخ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ طب و سائنس میں آج جو نظریات قائم ہوئے ہیں ہم کو ماضی میں جاکر ان کا کھوج لگانا چاہیے ۔ ابن الہیثم کے

نظریۂ بصارت کا مطالعہ خالی از دل چسپی نہیں ہے ۔ اس کی خوشہ چینی کس کس طرح ہوتی رہی ہے اس کا مطالعہ بھی اہمیت کا حامل ہوگا ۔ اور پھر جب تاریخ کے اس تسلسل کو مربوط کر دیا جائے گا تو حقائق سامنے آئیں گے اور بصریات پر تحقیق کا صحیح جائزہ سامنے آئے گا ۔ اگر اس مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بصریات کا اولین استاد ابن الہیثم ہی ہے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے ۔ اسی طرح اگر دوران خون کا شارح ابن النفیس ہے تو سرولیم ہاروے کی ثانوی حیثیت کو تسلیم کرنا چاہیے اور ابن النفیس کی تقدیم کا احترام کرنا چاہیے ۔

حاصل طبی کانفرنس ، اوسٹریلیا

اقوام متحدہ کے " عالمی ادارۂ صحت " کے زیر اہتمام روایتی ایشیائی طب سے متعلق بین الاقوامی کانفرنس (انٹرنیشنل کانفرنس اون ٹریڈیشنل ایشین مڈیسن ۔ اکتام) ۱۹۷۹ء میں ۲ اور ۷ ستمبر کے درمیان اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کینبرا کے ایوان میں منعقد ہوئی جس میں ۳۰ ملکوں کے تین سو سے زیادہ نمائندوں نے شرکت کی ۔ مختلف النوع موضوعات کے اس اجلاس میں تاریخ ، مذہبیات اور عمرانیات کے علاوہ اینتھروپولوجی ، ایتھنو بوٹانی اور بایو کیمسٹری کے موضوعات پر مقالات پڑھے گئے ۔ طب کے متعدد ضمنی شعبے ان موضوعات کے علاوہ تھے ۔

بنی نوع انسان کے حافظے میں محفوظ رہنے والے واقعات کی تاریخ سے بھی پہلے مصائب انسانی کو کم کرنے کے لیے جھاڑ پھونک کا رواج عام تھا ۔ پھر دوائی خاصیت رکھنے والی نباتات اور معدنیات سے کام لیا جانے لگا ، جو قدرت کی پیداوار تھے ۔

اسی ضمن میں چیر پھاڑ اور مرہم پٹی کا طریقہ بھی عمل میں آتا رہا ۔ پھر مشرقی وسطیٰ اور چین میں پتھر کا زمانہ شروع ہوا تو مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے معالجین اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگے ۔ رفتہ رفتہ ان کے طریقے ایک خاص نظم کے ماتحت مربوط ہوئے اور ان کے عملی تجربات کا ریکارڈ طبی نوشتوں میں جمع ہونے لگا ۔

پچھلے تین ہزار سال کی مدت میں سارے ایشیا میں روایتی طب کی تین مختلف قسمیں ترقی پا گئیں جن سے آج بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ انڈیا میں آیورویدا نے (جس کا مطلب ہے علم الحیات) چین میں طب قدیم اور باقی ایشیا میں یونانی/عربی طب نے فروغ پایا ۔ موخرالذکر نے عرب دنیا میں ترقی پا کر اسلامی طب کا نام اختیار کیا ۔ اس کے علاوہ سارے جنوب مشرقی ایشیا میں دیسی عوامی طب کے روایتی طریقے اپنا نقش جمائے رہے ۔

مختلف النوع ہونے کے باوجود ان تمام روایتی ایشیائی طریقہ ہائے علاج میں ایک وجہ مشترک ہے کہ زمین و آسمان کے مابین سرچشمہ حیات بننے والے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود ان سب کا مطمح نظر ہے ۔ مغربی دنیا میں جو ایلوپیتھک طریقہ علاج رائج ہے اس سے قطع نظر ایشیا میں عام طور پر علاج معالجے کے جو فنون رواج پا گئے ہیں ان کا بنیادی منشا یہ ہے کہ بنی نوع انسان اور قدرت کے مابین ایک ہم آہنگی پیدا ہو ۔ اس مقصد کے لیے انسان کے عادات و اطوار اور روحانی اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحت اور بیماری کے پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے ۔

ایشیائی روایتی طب سے متعلق دانشوروں اور معالجوں

کا پہلا تاریخی اجلاس جسے مختصراً ''اکتام'' کا نام دیا گیا ھے کن زیوسک اور پروفیسر اے۔ ایل باشم کے ایما سے، جو اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے شعبۂ ایشین سویلزیشنز سے تعلق رکھتے ھیں، عمل میں آیا۔ مذاکرات کا دائرہ بے حد همه گیر رکھا گیا۔ اس حقیقت کا اظہار اس طرح ھوتا ھے کہ مختلف موضوعات پر چھے پینل سیشن مقرر کیے گئے، جن کی تفصیل یہ ھے:

(۱) روایتی ھندستانی طب کا مذھبی اور فلسفیانہ پس منظر (۲) چینی طب کا کلاسیکی طریقہ (۳) جنوب مشرقی ایشیا میں شکتی اور علاج کا طریقہ (۴) مغربی اور جنوبی ایشیا میں یونانی اسلامی طب (۵) دماغی امراض کے علاج کے سلسلے میں روایتی ایشیائی طب کا موجودہ استعمال اور (۶) ایشیائی طب سے متعلق علم الادویہ اور علم اجسام کے بنیادی پہلو۔

اکتام کے جلسوں مس ایک سو سے زیادہ مقالات پیش ھوئے لیکن ان میں سے محض چند مس بتایا گیا کہ روایتی طریقہ ھائے علاج میں مغربی سائنسی طریقے کس حد تک کام آتے ھیں۔ بعض میں وضاحت کی گئی کہ وجع المفاصل کے علاج میں آیورویدک طریقۂ علاج کیا فائدہ پہنچاتا ھے۔ بعض میں صراحت کی گئی کہ مختلف امراض کی صورت میں چینی ایکیو پنکچر محدود صورت مس کس طرح آزمایا جاتا ھے۔ نیز یہ کہ بعض مقالات میں روایتی ادویہ کا کیمیائی تجزیہ پیش کیا گیا۔ سب سے زیادہ مصور، مفید اور قابل غور مقالہ ایک ھندستانی دندان ساز نے پیش کیا۔ وہ مفت علاج دندان سے متعلق اپنے کیمپوں مس روزانہ سات سو سے زیادہ دانت کسی تکلیف کے بغیر نکال ڈالتے ھیں۔ وہ یوگا انداز کی ایک مالش گردن پر کرتے ھیں۔ اس طرع ایک

غنودگی سی طاری ہوتی ہے اور دانت نکالنے میں آسانی ہوجاتی ہے ۔

کانفرنس کے اختتام پر ایک ابتدائی حتمی جلسہ ہوا جس میں مغربی اور روایتی ایشیائی طریقہ ہائے علاج کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس ضمن میں ہر علاقے کی حکومت کا رویہ اور صحت سے متعلق اس کی حکمت عملی کیا ہے ۔ اس موضوع کا مرکزی خیال یہ تھا کہ تاریخی حقائق کی پردہ کشائی کی جائے کہ صنعتی اعتبار سے دنیا کے ترقی یافتہ علاقوں میں صحت کا دارو مدار ان تغیرات پر ہے جو معاشرتی اور اقتصادی ماحول میں رونما ہوتے ہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طبی فنیات کو عمل میں لایا جائے تو بہت سے مسائل رونما ہوتے ہیں جن میں اخراجات کا اضافہ شامل ہے ۔ نیز یہ کہ رد عمل کے طور پر کچھ نئی بیماریاں بھی رونما ہونے لگتی ہیں ۔

عالمی ادارۂ صحت کا یہ نعرہ کہ ”سنہ ۲۰۰۰ء تک جملہ بنی نوع انسان کو صحت مند کرنا ہے“ قابل غور ہے ۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان باشندوں کی بہت بڑی اکثریت جو تیسری دنیا کے دیہی علاقوں میں رہتے ہیں صرف اسی صورت میں استفادہ کرسکتی ہے کہ جب روایتی طریقۂ علاج کے ضمن میں اچھی طرح تربیت یافتہ معالجین اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے خدمات انجام دیں اور مغربی ادویہ اور فنی معلومات سے حتی الامکان اجتناب کریں ۔

یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ مشرقی اور مغربی طریقہ ہائے طب کے ضمن میں قدیم یونانیوں کے فلسفیانہ نظریات سے بہت کچھ سیکھنا ہے ۔ صحت کے ضمن میں ان کے دو بنیادی اختلافات ہیں

جن کو مختلف دیویوں " پانا کیا " اور " ھائجیا " کے ناموں سے یاد کیا جاتا ھے ۔ " پانا کیا " سے نئی اصطلاح میں وہ لفظ بنا ھے جس کا مفہوم " اکسیر اعظم " سے ادا ھوتا ھے ۔ اسی کے تحت علاج امراض کے ضمن میں رد عمل کی تحقیق بھی ھوتی ھے ۔ دوسری طرف ھائجیا کا مطلب یہ سمجھا ھے کہ اگر نوامیس قدرت کے مطابق زندگی عقلمندی کے ساتھ گزاری جائے تو انسانی صحت برقرار رھتی ھے ۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ھوسکتا کہ طے شدہ بیماریوں کے علاج کے لیے فنی صلاحیت اور استعداد لازمی ھے تا کہ انسانی معاشرے کی ضروریات پوری کی جاسکیں ۔ اس لیے کہ اولین مقصد یہ ھے کہ بیماریوں کی روک تھام کے ذریعہ سے انسانی صحت اور خوشحالی کے قطعی پہلوؤں کو پروان چڑھایا جائے ۔

اکثام میں شریک ھونے والوں نے اتفاق رائے کے ساتھ اس حقیقت کو سراھا کہ اوسٹریلین نشنل یونیورسٹی نے کانفرنس کی میزبانی کے فرائض انجام دے کر اعلا کردار کا مظاھرہ کیا ھے ، جبکہ بیرونی ذرائع سے بہت کم مالی امداد مل سکی ھے ۔ اس موقع پر یہ خیال بھی ظاھر کیا گیا کہ روایتی ایشیائی طب کے مطالعہ کے لیے ایک بین الاقوامی انجمن (آئسٹام IASTAM) کی تشکیل قابل تعریف ھے اور اس ضمن میں بین الثقافتی تعاون کا سلسلہ جاری رکھا جائے ۔ چناں چہ اس نئی انجمن کے لیے پروفیسر اے ۔ ایل باشم کو پہلا صدر منتخب کیا گیا ۔

اکثام کے پہلے اور دوسرے جلسوں کے لیے ایورویدک کے ضمن میں انڈیا کے پنڈت شیو شرما کو ، طب یونانی و عربی کے ضمن میں پاکستان کے حکیم محمد سعید کو اور چینی طب کے ضمن میں چین کے پروفیسر وائی ۔ سی ۔ کونگ کو نائب صدر منتخب

کیا گیا ۔

اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی

اگر کوئی شخص کینبرا کی سیر و سیاحت کے لیے جائے اور اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کو نظر انداز کردے تو یہ سمجھنا چاھیے کہ وہ کینبرا گیا ھی نہیں ۔ بلکہ وہ اوسٹریلیا سے بھی دور کسی اور علاقے کا سفر کر کے آیا ھے ۔ اس یونیورسٹی کو نہ صرف کینبرا بلکہ سارے اوسٹریلیا میں وھی حیثیت حاصل ھے کہ جو انسان کے جسم میں دل کو دی جاتی ھے جس پر زندگی کا دار و مدار ھوتا ھے ۔ یہ یونیورسٹی اس ملک کے باشندوں کے لیے ھی نہیں دنیا بھر کے طلبہ کے لیے نعمت ھے ۔ غیر ملکی طالب علم بڑی تعداد میں یہاں داخل ھو کر ھر علم کی روشنی حاصل کرتے ھیں ۔

کینبرا میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی جھیل برلے گریفن کے شمالی ساحل کے قریب ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع قطعۂ زمین پر واقع ھے ۔ والٹ برلے گریفن اس ماھر فن انجینئر کا نام تھا جس نے شہر کینبرا کا نقشہ تیار کیا ، مصنوعی جھیل کی داغ بیل ڈالی اور بالغ نظری سے کام لیتے ھوئے یہ اندازہ لگا لیا کہ نوجوانوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے کتنی عمارتوں کی ضرورت ھوگی ۔ چناں چہ یہ یونیورسٹی جسے اوسٹریلیا کے وفاقی صدر مقام میں قائم کرنے کا خواب امریکی ماھر تعمیرات نے ۱۹۱۲ء میں دیکھا تھا ، ایک عمارت نہیں بلکہ متعدد عمارتوں پر مشتمل ھے ۔ علم کے ھر شعبے اور ھر ضمنی شعبے کے لیے ایک عمارت مخصوص ھے ۔ یہاں طلبہ کی تدریس کے لیے وسیع کتب خانے ، عجائب گھر اور حدیقۂ نباتات و حیوانات بھی ھیں تا کہ طلبہ اپنی معلومات کتابوں کے اوراق تک محدود نہ رکھیں بلکہ مشاھدات

سے کام لے کر اس کو وسیع تر کریں -

یونیورسٹی کے لیے قطعۂ زمین ۱۹۱۲ء میں مخصوص ہو جانے کے باوجود عرصۂ دراز تک خالی ھی پڑا رھا ، کیونکہ شہر میں رھائشی عمارتوں اور سرکاری دفتروں کی تعمیر کو ترجیحی حیثیت دی گئی - ۱۹۳۰ء میں صرف کینبرا یونیورسٹی کالج قائم ہوسکا جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف وہ میلبرن یونیورسٹی میں داخلے کے لیے پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو ضروری تعلیم دے سکے اور دوسری طرف کومن ویلتھ پبلک سروس کے لیے اعلا افسران کو فارغ التحصیل کرسکے - اس وقت ضرورت کے مطابق صرف دو عمارتیں تعمیر کی گئیں - باقی قطعۂ زمین پر قدرت گھاس اور پودے اگاتی رھی -

۱۹۴۶ء میں یونیورسٹی کے لیے ابتدائی خاکہ تیار ھوا - ضروری تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی تحقیقات کے چند شعبے بھی قائم ہوئے، کیونکہ مستند اساتذہ کی کمیابی اصل منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں حارج تھی - تاھم توسیع کا احساس ارباب اقتدار کے قلب و دماغ پر برابر حاوی رھا ، کیونکہ شہر کی حدود تیزی سے بڑھ رھی تھیں اور اسی اعتبار سے آبادی میں اضافہ ھو رھا تھا - اور یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ ملک کے اس صدر مقام کے نوجوان اپنی تعلیم پوری کرنے کے لیے کسی اور شہر کا رخ کریں - دوسرے شہر خود ھی تہی دامن تھے -

۱۹۶۰ء میں تمام کالجوں کو ملا کر باقاعدہ ایک وسیع یونیورسٹی کی تشکیل عمل میں آگئی - اب جملہ علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرلیا گیا - اقامتی طلبہ کے لیے ھوسٹل بھی بنائے گئے تا کہ وہ اپنی درسگاہ کے قریب رہ کر بھرپور استفادہ کرسکیں - بہت سے اساتذہ بھی اپنی سہولت کے پیش نظر اپنے لیے

مخصوص کیے جانے والے فلیٹوں میں قیام کرتے رہے ۔ متعدد عمارتوں کے آس پاس اور کھلے قطعات پر علم نباتات کی ضروریات پوری کرنے کا لحاظ رکھا گیا ۔ دور رس نگاہوں نے یونیورسٹی کے اس حصے کو بھی ذریعۂ تعلیم کا اہم جزو بنا دیا ۔ بت سازوں اور مجسمے ڈھالنے والوں نے بھی اپنا کمال فن دکھایا ۔ باغیچوں میں ، خصوصاً فواروں کے قریب ان کی گنجائش رکھی گئی ۔ درختوں کی شاخوں پر مختلف پرندوں کے گھونسلے جاذب نظر بننے لگے تو جھاڑیوں میں مکڑیاں ، جھینگر ، لال بیگ اور دوسرے حشرات الارض دکھائی دینے لگے ۔ سبزہ زاروں پر خرگوش سے لے کر کنگرو تک وہ چوپائے اچھلتے کودتے نظر آنے لگے جن کی فطرت کو سمجھنا شعبۂ حیوانیات کے طلبہ کے لیے ضروری ہے ۔ کتب نصاب سے قطع نظر ایک وسیع لائبریری میں ہر موضوع پر عام معلومات کی کتابیں جمع کی گئی ہیں ۔ دل بہلانے کے لیے میوزک ہال ترنم ریزی کی دعوت دیتا ہے جہاں ڈرامے بھی تفریح طبع کے لیے پیش کئے جاسکتے ہیں ۔ علمی مباحث کے لیے جلسہ گاہیں علاحدہ ہیں جہاں بین الاقوامی کانفرنسیں تک منعقد کی جاتی ہیں ۔

یونیورسٹی کے انتظامی امور کا مرکز یعنی چانسلری ایک کئی منزلہ عمارت میں قائم ہے ۔ اس میں وائس چانسلر ، اعلا منتظمین اور عملے کے دوسرے اہلکاروں کے دفاتر ہیں ۔ سب سے اوپر کی منزل یونیورسٹی کونسل کے جلسوں کے لیے مخصوص ہے جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں ۔ اسی عمارت کے ایک کمرے میں سر سوتی دیوی کا کانسی کا مجسمہ ایک شاندار مرمریں پلیٹ فارم پر براجمان ہے ۔ انڈونیشیا کے صنمیاتی تصورات کے مطابق علوم و فنون کی یہ دیوی یونیورسٹی کے لیے بابرکت سمجھی گئی ہے ۔

یہ حکومت انڈونیشیا کا تحفہ ہے جو ایک خاص تقریب میں یونیورسٹی کو پیش کیا گیا تھا ۔

فیکلٹی اوف آرٹس کے تمام شعبے جس عمارت میں ہیں ، وہ ہیڈون ایلی بلڈنگ کہلاتی ہے ۔ یہ ۱۹۶۰ء ھی میں بن گئی تھی اور یونیورسٹی کالج سے اس کا الحاق ہوگیا تھا ۔ اس میں برابر توسیع ہوتی رہی ۔ مختلف النوع موضوعات کے اعتبار سے اس کی وسعت سب سے زیادہ ہے ۔ اقتصادیات کا شعبہ بالکل علاحدہ کو پلینڈ بلڈنگ میں ہے ۔ اگرچہ فیکلٹی اوف آرٹس سے اس کا قریبی تعلق ہے لیکن موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے اس کو علاحدہ رکھا گیا ہے ۔ قومی وسائل کے استعمال اور تقسیم سے متعلق نظریات کی تعلیم اسی شعبے میں دی جاتی ہے ، اور بتایا جاتا ہے کہ ان نظریات کو عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے ۔ گویا اس شعبے میں پڑھائے جانے والے موضوعات اپنی افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ، کیونکہ اس طرح نہ صرف اوسٹریلیا کے بلکہ ساری دنیا کے اقتصادی مسائل کو سمجھا جا سکتا ہے ۔

ایشیائی موضوعات کے مطالعے پر خاص زور دیا گیا ہے ۔ ان کا شعبہ بالکل الگ ہے ۔ اس میں زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے نام پر سبھی کچھ شامل ہے ۔ خاص طور سے انڈونیشیا ، چین اور جاپان کی زبانیں اور ان کا ادب پڑھایا جاتا ہے ۔ مذہبی اعتبار سے بدھ مت کا مطالعہ ھر شخص کی مرضی پر منحصر ہے ، اسے لازمی قرار نہیں دیا جاتا ۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے مطالعے کے لیے بھی کوئی پابندی نہیں ہے ۔ ایسے مسلمان بھی وہاں موجود ہیں جو دینی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں ۔

اسی کو پلینڈ بلڈنگ میں وفاقی مالیاتی تعلقات سے متعلق تحقیقات کا مرکز بھی قائم ھے ۔ اس کا کام یہ ھے کہ ملک کے اقتصادی نظام کا تجزیہ کرکے بتائے کہ اپنے مالی وسائل مس سے کتنی رقم کہاں لگائی جائے ۔

سائنس کا شعبہ سب سے بڑا ھے ۔ اس کے بارہ ضمنی شعبے ھیں ، اسی لیے یونیورسٹی کیمپس مس سب سے زیادہ گنجائش ان کے لیے رکھی گئی ھے ۔ ھر طالب علم کو عام سائنس کے علاوہ الگ الگ موضوع کی تربیت دی جاتی ھے تاکہ وہ کمال حاصل کر کے اپنے آئندہ کے مشغلۂ حیات کا فیصلہ کرسکے کہ اسے کون سا پیشہ یا کاروبار اختیار کرنا ھے ۔ مثلاً کیمسٹری ، بایو کیمسٹری ، فزکس ، جیولیوجی ، زوؤلوجی ، بوٹنی ، فوریسٹری ، ایکولوجی ، جینے ٹیکس ، جیوکیمسٹری ، مائکرو بایولوجی اور سائکلوجی علوم کے ضمنی شعبے ھیں ۔

جیولوجی یعنی علم طبقات الارض کے شعبے نے یہ تحقیق کیا ھے کہ اوسٹریلیا کے مشرقی حصے نے اب سے ۲۳ کروڑ سال پہلے سب سے زیادہ ترقی کی ھے ۔ کسمبا ، نباتات اور حیاتیات کے شعبوں نے مل کر پودوں اور کیڑوں کے علاوہ بحری روئیدگی اور تحت البحر زندگی کے بارے میں تحقیق کرکے پتہ چلایا ھے کہ کون سی چیز طبی اعتبار سے زندگی پر کیا اثر ڈالتی ھے اور دواؤں میں کس کس طرح کام آتی ھے ۔ دھاتوں کے مفر دات اور مرکبات پر کام ھوا ھے اور ایسی مصنوعی کھاد تیار کی گئی ھے جو اوسٹریلیا کی مٹی میں مل کر قوت نمو کو تیز تر کرتی ھے ۔ باغیچوں میں وھی پودے لگائے گئے ھیں جو انسانی زندگی سے کوئی تعلق رکھتے ھیں ۔ ان پر جو کیڑے مکوڑے پرورش پاتے ھیں ان کو بھی مفید بنانے کے لیے کام کیا گیا ھے ۔ باغیچوں کی تجربہ

گاھوں میں ۵۰ھ ہرار ۲ سو کلو مٹر فی گھنٹه کی رفتار سے چلنے والی ہوا کی لہریں ایک سرنگ سے گزار کر یه معلوم کیا گیا ھے کہ اگر خلا میں اس رفتار سے سفر کیا جائے تو انسانی زندگی پر کیا اثر پڑیگا ۔ روشنی کے انعکاسات اور آوازوں کی گونج کے اثرات پر بھی تجربے کیے گئے ھیں ۔

پہلے یه سب تجربات یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان خود کرتے ھیں ۔ پھر وہ اپنے ساگردوں کو سمجھاتے ھیں ۔ صرف دوسروں کی معلومات یا نتائج تحقیقات پر اکتفا نہیں کیا جاتا ۔ الکٹرونک مائکرو سکو پی میں اس یونیورسٹی نے کارھائے نمایاں انجام دیے ھیں ۔ امراض قلب کی حقیقت معلوم کرنے کے سلسلے میں انسان کا دل جسم سے باھر نکال کر جو تجربات اوسٹریلین یونیورسٹی نے کیے ھیں ، وہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے تھے ۔ اس کی روشنی میں دوسروں نے تجربے کیے ھیں ۔ سورج مکھی پھول کے بیجوں کو مختلف ماحول میں رکھ کر یه معلوم کیا گیا ھے کہ وہ یا ان کا تیل انسانی غذا بننے کے لیے کس حد تک مفید ثابت ھوسکتا ھے ۔ جنگلات قدرتی پیداوار ھونے کے اعتبار سے بڑی نعمت ھوتے ھیں ۔ یہاں انسانی سعی و کاوش سے خاص پودوں کو برقرار رکھا گیا تاکہ قدرت کی نوازشات رائیگاں نہ جائیں ۔ ساحل سمندر پر الجائی نام کی جو روئیدگی ھوتی ھے ، اسے انسانی غذا بنانے کے لیے بڑا کام کیا گیا ھے ۔ جب یه معلوم ھوگیا کہ یه نہ صرف انسانی نشوو نما بلکہ قرار صحت کے لیے مفید ثابت ھوسکتی ھے تو اس کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کی کوششیں ھوئیں اور ان میں کامیابی حاصل کی گئی ۔ اس کے قدرتی رنگ کو مصنوعی طور پر بدل دینے سے اس کی افادیت میں اضافہ کرلیا گیا ھے ۔ پھر بھی مزید تحقیقات کا

سلسلہ جاری ہے ۔

ان تمام تجربات اور تجزیات میں حصہ لینے کے لیے بہت سے طلبہ یونیورسٹی ہوسٹل میں اقامت گزیں ہوجانے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے مشغلۂ حیات کے جزو بن جائیں ۔ اور اس میں شک نہیں کہ اقامتی طلبہ زیادہ نمایاں کارنامے انجام دیتے ہیں ۔ بروس ہاؤس ہال اس اعتبار سے سب سے اچھا ہے ۔ وہاں ہفتے میں چار راتوں کے کھانے خاص روایتی انداز میں تیار ہوتے ہیں ۔ ہوسٹل میں رہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ شراب نوشی کرنا چاہیں تو اس کے لیے باقدہ اجازت نامہ حاصل کریں ۔ ورنہ اس کا استعمال ممنوع ہے ۔ اجازت نامے معالجین کی سفارش پر ذرا مشکل سے ملتے ہیں ۔

یونیورسٹی یونین کے نام سے ایک انجمن قائم ہے جس میں طلبہ اور اساتذہ برابری کے انداز میں حصہ لیتے ہیں ۔ دونوں کے مسائل پر انجمن کے زیر اہتمام تبادل خیالات ہوتا ہے ۔ کوئی شکایت ہو تو اسے یونیورسٹی کے ارباب اقتدار کے علم میں لایا جاتا ہے جس پر فوراً کارروائی ہوتی ہے اور کوئی نہ کوئی فیصلہ صادر کرنا پڑتا ہے ۔ اس برابری کے انداز کے باوجود حفظ مراتب کا لحاظ رکھا جاتا ہے ۔ طلبہ ہر معاملے میں اساتذہ کا احترام کرتے ہیں ۔ اسی یونین کے زیر اہتمام کھیلوں کے مقابلے ، ناچ گانے کی محفلیں ، ادبی اور علمی کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں ۔ کبھی کبھی وہ غیر ملکی دانشوروں کو دعوت دے کر بلاتی اور ان کی تقاریر اور مذاکرات کا اہتمام کرتی ہے ۔ بالکل آزادانہ طور پر اس کے عہدیداروں کا انتخاب ہوتا ہے ۔ اسی انجمن کی نگرانی میں طلبہ اپنا ایک اخبار نکالتے ہیں جس کا نام ” وورونی “ ہے ۔ یونین تمام اقامتی اور غیر اقامتی طلبہ کی صحت کا خیال رکھتی

ہے ۔ صرف شدید بیمار ہو جانے کی صورت میں عزیز و اقارب بحالیٔ صحت کے ذمہ دار ہوتے ہیں ۔ پھر بھی ہوسٹل میں رہنے والوں کے لیے ابتدائی ذمہ داری ہوسٹل کے منتظم اعلا کے سپرد ہوتی ہے ۔

میں نے کئی کئی گھنٹے صرف کرکے اس یونیورسٹی کی سیر و سیاحت کی اور بے حد متاثر ہوا ۔ میں نے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ تبادلِ خیالات کیا ۔ منتظمین سے بھی ملا ۔ میں یہ سوچتا رہ گیا کہ کیا اپنے ملک میں کوئی ایک بھی یونیورسٹی اس پیمانے اور معیار پر عمل کر رہی ہے ۔ دنیائے تصور میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ کراچی ہو یا لاہور ، سندھ یونیورسٹی ہو یا قائداعظم یونیورسٹی ، سب ہی ایک ڈگر پر چل رہی ہیں ۔ صرف مسطور شدہ کتب نصاب کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً لیے جانے والے امتحانات کے نتائج پر کامیابی کا انحصار ہوتا ہے ۔ بہت کم طلبہ میں صحیح کام کرنے اور کام کر دکھانے کی لگن ہوتی ہے ۔ اساتذہ خود فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے لیے مزید تحقیقات کا دامن سمٹ چکا ہے ۔ اب ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ نصاب کی کتابیں طلبہ کو رٹوائیں ، دوسروں کے تجربات کا حال ان کے سامنے دھرائیں اور امتحان میں فیل یا پاس کر دیں ۔ یہ طریق کار اچھا نہیں ہے ۔ اس نظام عمل پر نظر ثانی ہونی چاہیے ۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے اساتذہ کو کنبرا بھیج کر نیشنل یونیورسٹی کے اسلوب تعلیم کا مطالعہ کرایا جائے اور پھر اس کی روشنی میں اپنے موقف کو تبدیل کیا جائے ۔ لیکن اس صورت میں تعلیم کا بجٹ بڑھانا پڑیگا ۔

اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کو اب یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں سب سے پہلی عالمی طبی کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی ہے اور

میں نے یہاں اگلے سال کے لیے ایک قرآن کانفرنس منعقد کرنے کے لیے اپنی خدمات اور تعاون پیش کر دیا ہے۔ توقع ہے کہ اگلے سال میں ایک بار پھر اس یونیورسٹی میں آؤں گا اور اس بار قرآن کانفرنس میں شرکت کا فخر حاصل کروں گا۔

اوسٹریلین نیشنل یونمورسٹی اس قدر عظیم اور وسیع ہے کہ اگر نقشہ ساتھ نہ ہو تو ایک شعبۂ علم سے دوسری جگہ جانا عملاً ممکن نہیں ہے۔ یہ جامعہ بجائے خود ایک شہر ہے۔

اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کی مہمان نوازی

میں نے صبح ھی یونیورسٹی ھاؤس کا بل ۱۲۲ اوسٹریلین ڈالر ادا کر دیا تھا۔ دن کو میں جب دفتر گیا تو کانفرنس کے خزانچی ڈاکٹر کرک صاحب جیسے میرے منتظر ھی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خط دیا کہ جو پہلے ھی سے تیار تھا۔ اس مں لکھا تھا کہ یونیورسٹی ھاؤس میں آپ کانفرنس کے مہمان ھیں۔ اور ایک سو اوسٹریلن ڈالر جیب خرچ ھیں۔ یہ نقد لفافے میں ملے۔ میں نے جب بتایا کہ میں تو یونیورسٹی ھاؤس کا بل صبح ھی ادا کر چکا ھوں تو ڈاکٹر کرک کو بڑا افسوس ھوا۔ انہوں نے ھزار معذرت کے ساتھ وہ رقم مجھے فوراً ادا کردی۔ میں نے تامل کیا مگر ان کا مشورہ یہ ھوا کہ انکار مناسب نہ ھوگا۔ میں نے احتراماً یہ رقم قبول کرلی اور بڑے فخر کے ساتھ قبول کی کہ یونیورسٹی اور کانفرنس نے مجھے اسکالر کی حیثیت دی اور میری میزبانی کی۔

نہال وارث صاحب

میرا خیال یہ تھا کہ سفیر پاکستان جناب محترم نور

صاحب سے نہال وارث صاحب کے ہاں ملاقات ہو جائے گی ، مگر جب میں کانفرنس سے اٹھ کر نہال صاحب کے گھر ان کے ساتھ آیا تو معلوم ہوا کہ سفیر صاحب کہیں دوسری جگہ مصروف ہیں ۔ میرے لیے یہ مناسب تھا کہ میں کانفرنس کے بارے میں تاثرات جناب سفیر صاحب کو پہنچا دوں ۔ بارے میں نے نہال صاحب کو تمام باتیں بتا دی ہیں تا کہ وہ سفیر صاحب کے گوش گزار کر دیں ۔ نہال صاحب کے ہاں مریض جمع تھے ، میں نے ان کو طبی مشورے دیے اور پھر ساڑھے ٦ بجے ہوائی میدان روانہ ہو گیا جہاں سوا سات بجے ہوائی جہاز سے اڑ کر ٨ بجے سڈنی کے ہوائی میدان پر اتر گیا ۔ ہوائی میدان پر نصرت عفیف موجود تھے ۔ انہوں نے بڑے احترام اور پیار سے میرا سامان اٹھایا ۔ ان کے ساتھ ان کے گھر آ گیا ۔ جناب عفیف صاحب اور ان کی اہلیہ اور بہو نے محبت سے استقبال کیا ۔ عجیب بات ہے کہ اس گھر میں ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی ۔

٧ ۔ ستمبر ١٩٧٩ء ، جمعة المبارک ، کینبرا ۔ سڈنی

رات کو ایک بج گیا تھا ۔ مطالعہ کرتا رہا ۔ شبلی کی " الفاروق " شروع کی ہوئی ہے ۔ صبح ٥ بجے اٹھ گیا اور تیار ہو کر اپنی میز پر آ گیا ۔ یہ کس قدر آرام دہ جگہ ہے ۔ یونیورسٹی ہاؤس ہاسٹل کا بڑا کمرہ ہے ۔ خواب گاہ الگ ہے ، بیٹھنے کا کمرہ الگ ہے ۔ بڑا ہی سکون و اطمینان ہے ، بالکل اپنے دفتر جیسا آرام ۔ یونیورسٹی ہاؤس ان اہل علم کے لیے ہے کہ جو تحقیقی اور علمی کام کرنا چاہتے ہیں ۔ میں یہاں یہی

غور کرتا رہا کہ مدینۃ الحکمت مں مجھے اسکالرز کیلئے ایسی سہولت کا انتظام کرنا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ مرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر کرا دیں ۔ اب مجھے بس اسی کی لو لگی ہوئی ہے ۔

کسی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عموماً تن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے :

خلوص کار ، وقت اور روپیہ ۔ اس ضمن مں خلوص کار کی اس لیے کمی نہں کہ یہی تو مری زندگی کا خواب ہے جو مں حالت بیداری مں بھی دیکھتا ہوں ۔ اور اسی کی تعمر کے لیے دست بدعا رہتا ہوں ۔ البتہ وقت کا سوال ضرور ہے ۔ مرے اوقات کار کئی حصوں مں بٹے ہوئے ہں ۔ مطب ، ادارۂ ہمدرد ، تصنیف و تالیف ، ثقافتی مصروفیات ۔ بہت سا وقت فضائی سفر کی نذر ہو جاتا ہے ۔ اب رہا روپیہ ۔ تو مرا عقیدہ یہ ہے کہ نیک کام کے لیے قدم اٹھایا جائے تو اللہ تعالیٰ جو مسبب الاسباب ہے ، خود ہی مدد کر دیتا ہے ۔ نیت ثابت ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے ۔ مں تو ہمیشہ یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے محنت اور استقلال کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں کہ اس کے بغر ہر شے بے کار ہے ۔ قوت ارادی تمام ترقیوں کا راز ہے اور انسانیت کا سب سے مقدم وصف ۔ مں اس کی مدد سے آگے بڑھتے رہنے کا عزم رکھتا ہوں ۔ دنیا مں تین قسم کے آدمی ہوتے ہں ۔ ایک وہ کہ جو سوچتے ہی رہتے ہں اور کرتے کچھ نہں ۔ وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہں ۔ ایک وہ کہ جو غور و فکر سے عاری ہوتے ہں اور ہر طرف ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اس لیے ہر طرف منہ کی کھاتے ہیں ۔ تیسرے وہ انسان ہں کہ جو سوچتے بھی ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں ۔ یہی وہ خوش قسمت ہیں کہ جو مٹی کو سونا بنالیتے ہیں :

بہر کارے کہ همت بستہ گردد
اگر خارے بود گل دستہ گردد

میں نے اپنی آج کی اختتامی تقریر ۴۵ منٹ کی تیار کی تھی، مگر اب ۲۰ منٹ کا مسئلہ ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں اختصار مگر جامعیت پیدا کی اور ۲۰ منٹ میں پوری بات کہنے کا انتظام کیا۔ یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہے۔ میں قلم برداشتہ مضامین لکھ لیتا ہوں۔ ایسا کرنے میں مضمون طویل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر جامع مضمون لکھنا ہو تو اس کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ پھر اپنے ہی لکھے ہوئے مضمون کو کتر بیونت کے ذریعہ سے مختصر کرنا زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ کس حصے کو برقرار رکھا جائے اور کسے حذف کردیا جائے، یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ باغیچے میں کمھلائے ہوئے پھولوں کو چن کر پھینک دینا کوئی مسئلہ نہیں لیکن نو شگفتہ غنچوں پر ہاتھ ڈالنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ بارے میں نے دو گھنٹے محنت کر کے اپنی تقریر کو مختصر کرلیا۔ ایسا کہ سب باتیں کہی جاسکیں۔ تیار ہوکر کومب لنڈ ہال پہنچ گیا۔ آج مندوبین سب ہی موجود تھے۔ اس پینل ڈس کشن کا موضوع تھا کہ "کس ملک میں طب کے باب میں کیا ہو رہا ہے۔ ماڈرن ڈاکٹر کا رد عمل کیا ہے اور حکومت کا طرز فکر کیا ہے۔"

میں نے ۲۰ منٹ میں اپنی پوری بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی۔ آج جلسے کی صدارت جناب ڈاکٹر بانر مین کر رہے تھے۔ وہ عالمی ادارۂ صحت میں ٹریڈیشنل مڈیسن کے نگراں ہیں۔ ان سے میں نے ذاتی مراسم قائم کر لیے ہیں۔ ان کی خاطر سے میں نے ان کی سنہ ۱۹۷۷ء کی ایک تقریر سے آج اپنی تقریر میں حوالہ بھی دیا۔ ان کو بھی یہ اندازہ ہوگیا کہ میں عالمی

ادارهٔ صحت کی سرگرمیوں سے دل چسپی رکھتا ہوں ۔ میں نے اپنی بالغ نظر سکریٹری خانم ڈسلوا کا دل میں شکریہ ادا کیا ۔ انہوں نے پروگرام دیکھ کر چلتے وقت ڈاکٹر بانر مین کی تقریر میرے فائل میں رکھ دی تھی کہ وہ صدارت کریں گے ، شاید مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے ۔ میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا ۔ آج کی تقریر کے بعد میں مندوبین میں اور زیادہ مقبول ہوگیا ہوں ۔ آج باہر آیا تو بہت سے لوگوں نے گھیر لیا ۔ وہ میری تقریر مانگتے تھے ۔ افسوس ہے کہ منتظمین نے باوجود میری درخواست کے انتظام نہیں کیا ۔ اب میں نے سب سے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کو بھجوادوں گا ۔

اراکین گورننگ کاؤنسل پر غور

ساڑھے بارہ بجے یونیورسٹی ہاؤس کے ریسٹوران میں ہم چاروں جمع ہوگئے ، یعنی ڈاکٹر باسم ، ڈاکٹر کونگ ، پنڈت شیو شرما اور میں ۔ ڈاکٹر بانر مین کو خصوصی دعوت دی تھی ، پروفیسر چارلس لیزلی نے عالمی انجمن کا سکریٹری جنرل ہونا منظور کرلیا ہے ۔ یہ دونوں بھی آگئے ۔ ہم آج ڈاکٹر باشم صاحب کے مہمان ہیں ۔ ہم نے لنچ میٹنگ میں آج گورننگ کاؤنسل کے اراکین کے بارے میں فیصلہ کرلیا ہے ۔ میں نے یورپ کے لیے ڈاکٹر برگل صاحب اور دنیائے عرب کے لیے ڈاکٹر احمد یوسف الحسن صاحب کا نام تجویز کیا تھا ۔ ان دونوں کو منظور کرلیا گیا ہے ۔ باقی نام باہم مشورہ سے طے پائے ۔ پھر میں نے انڈونیشیا کے بارے میں مشورہ دیا ۔ اس کو بھی قبول کرلیا گیا ۔ اب طے پایا ہے کہ ۴ بجے شام جلسۂ اختتامی میں یہ سب نام پیش کرکے ان کی منظوری لے لی جائے گی اور دستور بھی

مساور کرلیا جائے گا۔

جلسہ اختتامیہ

میں ساڑھے تین بجے ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ ان سے تبادلہ خیال کیا۔ ان کے ساتھ یونیورسٹی پریس گیا اور ان سے کتابوں کی فہرست مانگی اور طے کیا کہ یونیورسٹی کی مطبوعات کی خریداری کی جائے گی۔ یہ کتابیں زیادہ تر ایشیا اور اوسٹریلیا پر ہیں۔ ۴ بجے جلسہ اختتامیہ میں شرکت کے لیے چلا گیا۔ تمام مندوبین جمع تھے اور ڈاکٹر باسم صاحب ہانگ کانگ بورڈ آف گورننگ کاؤنسل کے نام لکھ رہے تھے اور مسز ہولبوک دستور کی کاپیاں مندوبین میں تقسیم کر رہی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر باسم صاحب سے تبادلہ خیال کیا۔ انڈونیشیا کے مندوب کے بارے میں انہوں نے مجھ سے دوبارہ مشورہ کیا۔ میں نے تائید کردی ہے۔ میں ۵ بجے کے بعد یہاں نہیں ٹھہر سکا۔ مگر مجھے معلوم ہوگیا کہ کوئی اختلاف رائے نہیں ہوا ہے۔

نیوز لیٹر کا مسئلہ

اس کی ذمہ داری ڈاکٹر کونگ نے لی تھی کہ ہانگ کانگ میں بہترین طباعت کا انتظام ہے اور وہ یہ کام کرلیں گے۔ آج جب لنچ میٹنگ میں سوال پیدا ہوا کہ اس کے لیے فنڈس کا کیا ہوگا تو میں نے ڈاکٹر کونگ سے سوال کیا کہ کیا ان کے پاس فنڈس ہیں۔ ان کا جواب نفی میں تھا۔

میں نے پنڈت شو شرما صاحب سے مشورہ کیا ان کی اور میری رائے یہ قرار پائی کہ یہ ذمہ داری ہمدرد کو قبول کرلینی چاہیے۔ میں نے ڈاکٹر باسم صاحب سے کہہ دیا ہے کہ یہ

اخراجات همدرد برداشت کرے گا ۔ یہ قابل اطمنان فیصلہ ہوا ہے ۔

کانفرنس کا مرتبۂ علمی

آج پنج روزہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی ہے ۔ میں اس کے بارے مس رات کو غور کرتا رہا اور مبری حتمی رائے یہ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی کانفرنس کا مرتبۂ علمی بلند رہا ہے ۔ اس کانفرنس مس غالب حصہ آیورویدا کا رہا اور اس کے بعد چینی طب کا مقام رہا ۔ یونانی عربی طب کے اثرات کم رہے اور اس کی بدیہی وجہ یہ ہے کہ اس کانفرنس مس حکما نے کوئی دل چسپی نہس لی ہے ۔ تنہا مس حکیم ہوں اور دوسرے بنگلہ دیش کے حکیم عزیزالاسلام صاحب ہیں مگر ان کا کوئی مقالہ نہیں ہے ۔ سعودی مندوب نے بھی کوئی مقالہ پیش نہیں کیا ہے ۔ ایران کے مندوب همدان سے خالی الذهن آئے اور یہاں آکر انھوں نے ایک دو صفحے لکھ لیے ۔ بایں همه طب اسلامی کا ایک پورا سیشن رہا جسے مبں نے کام یاب بنانے کی پوری جدوجہد کی ۔ خود مبرے دو مقالات تھے ۔ جن کی تکمیل کرکے اب المرام کے ساتھ روداد میں شریک ہونے کے لیے بھجوانے ہوں گے ورنہ یہ شعبہ کمزور رہ جائے گا ۔ ہندستانی وفد نے قابل ذکر کام کیا ہے ، اسی طرح طب چینی کی تائید میں خود چین تھا اور پھر ہانگ کانگ ، تائیوان ، ملیشیا ، کوریا بھی تھے ۔ آیورویدا اور چینی طب کو موضوع تحقیق مغرب کے دانش وروں نے بھی بنایا ہے ۔ ان دونوں طبوں کے اثرات عالمی ہو رہے ہیں ۔ طب عربی کی طرف مغرب کے علما کا رجحان اس لیے نہیں ہے کہ خود عرب دنیا اپنے علوم سائنس سے صرف نظر کیے ہوئے ہے ۔ یہ بجائے خود

ایک المیہ ہے ۔ مں نے آج یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ مںں اس موضوع پر عالم اسلام کے وزرائے صحت کو توجہ دلاؤں گا کہ وہ اس میدان میں قدم رکھیں تا کہ عالمی نظریں اس طرف آٹھیں اور طب عربی بھی موضوع تحقیق بن سکے ۔

دور رس نتائج

اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ اس کانفرنس کے بڑے دوررس نتائج برآمد ہوں گے ۔ اس کانفرنس کے حاصلات سے مشرق سے زیادہ مغرب متاثر ہوگا ۔ اوسٹریلیا مںں اس کانفرنس کے انعقاد نے انداز فکر کو بدل دینے کا معرکہ سر کرلیا ہے ۔ ناٹینگھم یونیورسٹی کے ڈاکٹر اسلم صاحب نے بتایا کہ اوسٹریلیا ریڈیو نے ان کا انٹرویو کیا ہے ۔ ڈاکٹر اسلم صاحب کا تاثر یہ ہے کہ ان کے انداز میں طنز پایا جاتا ہے ۔ اس کا بدیہی مطلب یہ ہے کہ ایک حلقہ ایسا ضرور ہے کہ جس نے اس کانفرنس کے انعقاد کی تعریف نہیں کی ہے ۔ اوسٹریلیا ٹیلے وژن نے ڈاکٹر بانر مسن کا انٹرویو کیا ہے ۔ معلوم نہ ہوسکا کہ کیا صورت رہی ۔ تاہم ریڈیو یا ٹیلے وژن نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا ۔ میں نے ویسے یہ طے کرلیا تھا کہ مں گریز کروں گا ۔ ویسے بھی میں سڈنی میں دو تقریریں رکارڈ کراچکا ہوں ۔

اس کانفرنس کے نتیجے مں ایک عالمی انجمن قائم ہونے کے بعد اور اس کے علاقائی دفاتر قائم کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اب طب کی بات عالمی سطح پر پھیل جائے گی ۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس میدان میں مجھے زیادہ متحرک اور مستعد ہونا پڑے گا ۔ اگر میں نے ایک سال محنت کر ڈالی تو اگلی کانفرنس تک دنیا بھر میں علمائے طب کا انداز فکر قطعی بدل جائے گا ۔

" نیوز بلیٹن " کو میں نے اسی لیے اپنے ھاتھ مس لے لیا ھے ۔ نوقع ھے کہ اس عالمی انجمن کے ذیلی دفاتر مستعد رہ کر نیوز بلیٹن کے لیے کافی میٹریل فراھم کرتے رھیں گے اور ھم اس نیوز بلیٹن کو تمام دنیا میں مڈیکل فیکل ٹیوں کو بھجواتے رھیں گے ۔

ماھانامہ " ھیمسفیئر "

اوسٹریلیا کے اس علمی ماھنامے نے اس کانفرنس کے موقع ر ایک اشاعت خصوصی شائع کی ھے کہ جو در حقیقت " طب نمبر " ھے ۔ میں نے بھی طب اسلامی پر ایک مضمون اس میں لکھا ھے جسے ایڈیٹر نے بڑے اھتمام کے سانھ شائع کیا ھے ۔ اس مضمون کا معاوضہ ۱۸ سو ریے مجھے بھجوایا گیا تھا مگر میں نے واپس کر دیا تھا کہ علمی خدمت کا معاوضہ میں نہیں لیا کرتا ۔ کانفرنس کی جانب سے ھر مندوب کے بیگ میں " ھیمسفیئر " رسالہ رکھا گیا ھے اور تمام مندوبین نے میرے مضمون کو پسند کیا ھے ۔ اس رسالہ سے میرے تعارف مس یہاں بڑی مدد ملی ھے ۔ ایڈیٹر ھیمسفیئر سے یہاں ملاقات نہیں ھوئی ۔ البتہ ان کے نائب ملے تھے ۔ مجھے مدیر اعلا سے ملنے کی خواھش تھی ۔

گورننگ کاؤنسل کا اجلاس پاکستان میں

میں نے یہ فیصلہ کرلیا ھے کہ گورننگ کاؤنسل کے تمام ارکان کو پاکستان میں منعقد ھونے والی کنگرس عالمی تاریخ و فلسفہ سائنس میں شرکت کی دعوت دی جائے ۔ وہ اپنے مرتبۂ علمی کے اعتبار سے اس کنگرس میں شریک ھونے کے پوری طرح اھل ھیں ۔ پروفیسر چارلس لیزلی صاحب کو بھی میں نے دعوت

دیدی ہے ۔ باقی کو بھی بلاؤں گا ۔ ایسے ڈاکٹر برکل اور ڈاکٹر احمد یوسف الحسن صاحب کو پہلے ہی دعوت دی جاچکی ہے ۔ اب صرف تین آدمی نئے ہیں ۔ اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو گورننگ کاؤنسل کا پہلا جلسہ پاکستان میں منعقد ہوگا ۔

شام ساڑھے چھے بجے کے جہاز سے میں کنبرا سے سڈنی روانہ ہوگیا ۔ ہوائی میدان پر نہال وارث صاحب اور ان کی اہلیہ چھوڑنے آئے تھے ۔ کانفرنس سے فراغت پاکر مس نہال وارث صاحب کے گھر بھی گیا تھا ، جہاں چند احباب جمع ہوئے تھے ۔ سڈنی کے ہوائی میدان پر جناب عفیف صاحب اور ان کے صاحبزادے لینے آئے تھے ۔

۸ ستمبر ۱۹۷۹ء ، ہفتہ ، سڈنی

صبح پانچ بجے بیدار ہوگیا ۔ کنبرا میں خاصی سردی تھی ، بلکہ کل تو وہاں ہاتھ ٹھٹھر گئے تھے اور پرسوں صبح ہاتھ سے لکھا بھی نہیں جارہا تھا ۔ کینبرا کا موسم ایسا رہا کہ گھڑی میں بارش اور گھڑی میں مطلع صاف ۔ بالکل کراچی کے موسم کی طرح جسے کبھی ثبات نصیب نہیں ہوتا ۔ کچھ عرصے پہلے تک یہ کہا جاتا تھا کہ کراچی کے موسم اور پاکستانی کابینہ کی تشکیل میں تغیر و تبدل کسی وقت بھی ممکن ہے ۔ چناں چہ یہاں بھی خلاف معمول رات زیادہ سرد رہی ۔ کمروں میں سنٹرل ایئر کنڈیشننگ کا انتظام تھا ۔ مگر سڈنی اتنا ٹھنڈا نہیں ہے ، پھر بھی دو کمبل ملا کر اوڑھنے ہوتے ہیں ۔ شب گزشتہ مجھے ٹھنڈ لگی اور میں نے ذرا دیر کے لیے برقی کمبل کا استعمال کیا ۔

مس نے آج صبح کا صحیح استعمال کیا ہے اور تحریری کام تمام کر ڈالے ہیں ۔ خطوط وغیرہ کہ جو کراچی جا کر لکھنے تھے وہ سب لکھ لیے ہیں ۔ ۹ بجے تک خاصا کام ختم کرلیا ہے ۔ آج ہفتے کی وجہ سے سڈنی کے بازار ۱۲ بجے تک کھلتے ہیں ۔ میں نے تین گھنٹے اس کوشش میں صرف کیے کہ مجھے ایک یا دو اوور ہیڈ پروجیکٹر مل جائیں ، اور میں ان کو اپنے ساتھ کراچی لے جاؤں ۔ مگر یہ کسی جگہ بھی نہ ملے ۔ اس بھاگ دوڑ میں پوائنٹر ٹارچ دو عدد مل گئیں ۔ کانفرنس کے لیے یہ بڑی ضروری چیز ہے ۔ بارے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ پروجیکٹر لندن سے خریدوں گا ۔ لندن سے مجھے سلائڈ پروجیکٹر بھی لینے ہیں اور ایکیو پنکچر کا ایک سٹ بھی خریدنا ہے ۔ اندیشہ یہ ہے کہ سامان زیادہ ہو جائے گا ۔ اور ہیڈ پروجیکٹر کی تلاش میں کچھ سڈنی سے تحائف بھی خرید لیے ہیں ، جو بڑے سستے ملے مگر پسند بہت کیے جائیں گے ۔

اس آوارہ گردی بلکہ سڈنی گردی میں عزیزم نصرت عفیف ساتھ تھے ۔ بڑے پیارے انسان ہیں ۔ عفیف صاحب نے بڑی اعلا تربیت دی ہے ۔ اور یقین ہے کہ بچوں کی اس تربیت میں ماں کا بھی حصہ ہوگا ۔ ہر ماں پنگورا ہلاتے وقت صرف لوری ہی نہیں سناتی ، اچھی باتیں بھی سکھاتی ہے ۔ عفیف صاحب کا مزاج یہ ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے نے کسی امریکی لڑکی سے شادی کرلی ، عفیف صاحب نے اپنے صاحبزادے سے قطع تعلق کرلیا ہے ۔ وہ اب بوسٹن (امریکا) میں انجنیئر ہیں ۔ عفیف صاحب یا ان کے گھر کا کوئی فرد گھر میں داخل ہوتا ہے تو " السلام علیکم " کہتا ہے ۔ یہ میں نے عرصے کے بعد کسی گھر میں دیکھا ہے ۔ اسلامی تہذیب کا تقاضا بھی ہے ۔ عفیف

صاحب شروع میں وزارت تجارت میں تھے ۔ اور جب اوسٹریلیا میں سفارت پاکستان قائم ہوئی تو یہاں آگئے تھے ۔ پھر رٹائر ہوکر یہاں ہی بس گئے ہیں ۔ ان کے تعلقات بڑے وسیع ہیں ۔ ہر شخص ہی ان کو جانتا ہے ۔ انہوں نے اپنی بلند اخلاقی سے سب کے دل جیت رکھے ہیں ۔ سڈنی میں جامع مسجد ان ہی کی کوششوں سے بنی ہے ، اور بڑی خوب جگہ ہے ۔ ان کی میزبانی کی شان یہ ہے کہ میں نے ان کے ہاں ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں کی ۔ ایسا محسوس ہوا کہ میں اپنے ہی گھر میں ہوں ۔

پاکستانیوں سے ملاقات

تین بجے مسجد پہنچ گیا ۔ یہاں با جماعت نماز عصر پڑھی ۔ اس کے بعد پروگرام کے مطابق پاکستانی باشندے مسجد کے ہال میں جمع ہوگئے ۔ ان سے ملاقات اور ان سے خطاب کا پروگرام تھا ۔ میں نے کوئی سوا گھنٹے آج تقریر کی ۔ بڑا ہی اچھا موڈ تھا ۔ اس اجتماع میں کئی ڈاکٹر صاحبان بھی تھے ۔ ان کے سوالات کے جوابات دیے ۔ میں نے اوسٹریلیا میں مسلمانوں کے بارے میں ایسی معلومات دیں کہ ان سب کو حیرت ہوئی ۔

اوسٹریلیا میں مسلمان

دنیا کے بہت سے دور افتادہ علاقوں کی طرح اوسٹریلیا کے مسلمانوں نے بھی عہد حاضر کے عوامی رابطوں مثلاً ڈاک ، تار ٹیلی فون ، ریڈیو ، ٹیلی وژن اور اخبارات و رسائل کو تشہیر و اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا ۔ اس کے دو سبب ہیں ۔ یا تو ان کو ان سہولتوں سے استفادہ کرنے کے مواقع نہیں ملے یا انہوں نے سہل انگاری کی وجہ سے کسی قدر بے اعتنائی برتی ۔ تاریخ

نگاروں اور سیاحوں نے بھی چشم پوشی سے کام لیا ۔ آج صحیح طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ دنیا کے اس سب سے بڑے جزیرے براعظم اوسٹریلیا میں شمع اسلام کب روشن ہوئی اور اس افتخار کا سہرا کس کے سر بندھا ۔ بعض قیاس آرائیاں ہوتی رہیں جو زیادہ قابل اعتماد نہیں کہی جاسکتیں ۔ بہ ایں همه یہ ماننا پڑیگا کہ رسول مقبول صؐ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے دور ھی میں مسلمانوں کی تبلیغی جماعتوں نے ایشیا ، افریقہ اور مشرق بعید تک پھیلنا شروع کر دیا تھا اور یہ سلسلہ بہت بعد تک جاری رھا ۔ اس طرح یہ رائے قائم ہو سکتی ہے کہ ایسٹ انڈیز یعنی انڈونیشیا اور ملایا کے کچھ ھی عرصے بعد مسلمانوں کی تبلیغی جماعتیں اس سر زمین پر پہنچی ہونگی ۔ اس اعتبار سے چھٹی صدی ہجری کا کوئی عشرہ مقرر کیا جائے تو اس ضمن میں قابل قبول سمجھا جائیگا ، غلط بیانی یا مبالغہ آرائی کا احتمال نہیں ہوگا ۔

افسوس اس بات کا ہے کہ اب بھی عوامی رابطوں سے بہت کم کام لیا جاتا ہے ۔ شاید اس لیے کہ ان رابطوں کا نظام غیروں کے ھاتھ میں ہے اور انہیں فروغ اسلام سے زیادہ دل چسپی نہیں ہے جو ایک قدرتی امر ہے ۔ لیکن اگر حکومت وقت کی طرف سے کوئی رکاوٹ یا پابندی نہیں تو افراد یا نجی انجمنیں یہ ذمہ داری اپنے سر لے سکتی ھیں ۔ کون نہیں جانتا کہ عوامی رابطوں کا فقدان ہو تو کوئی تحریک پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتی اور امت مسلمہ کا تصور تو اس کے بغیر عملی جامہ پہن ھی نہیں سکتا ۔

اگر ہم مسلمان ھیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو ترقی دینا چاھتے ھیں تو ضروری ہے کہ اسلام کو ایک عوامی تحریک کے اعتبار سے فروغ دیں ۔ رنگ و نسل اور

فرقه واریت کے تعصبات کو فراموش کر دیں یا کم سے کم خالی الذہن ہو جائیں ۔ اگر ہمیں معلوم ہو کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر یا بحر منجمد شمالی و جنوبی کے علاقوں میں مسلمان آباد ہیں تو انہیں امت مسلمہ کا ایک عضو سمجھتے ہوئے ان کی خوشی اور غم میں برابر کا شریک ہونا چاہیے ۔ ورنہ وہ ہم سے اور ہم ان سے بے نیاز رہ کر ناواقف ہوتے چلے جائیں گے ۔

اوسٹریلیا کے مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے ، باقی دنیا کے لوگوں نے ان کے ابتدائی کوائف معلوم کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے ۔ البتہ عہد حاضر کے حالات سے کچھ واقفیت ہوگئی ہے ۔ اس کا سہرا بھی ان اسلامی جماعتوں اور جماعتوں کے وفاق کے سر ہے جن کی تشکیل اسی صدی میں ہوئی ہے ۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس وقت اوسٹریلیا میں ڈھائی لاکھ کے قریب مسلمان آباد ہیں ۔ ان میں سے بیشتر وہ ہیں جنہوں نے وہیں رہتے ہوئے اسلام قبول کیا ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مختلف فرقوں اور جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ تاہم یہ امر اطمینان بخش ہے کہ ان میں بڑی حد تک یک جہتی اور اتحاد کی فضا قائم ہے ۔ بعض دوسرے ملکوں کی طرح دینی عقائد کی بنیاد پر ان میں تنازعات شاذو نادر ہی ہوتے ہیں ۔

اس وقت اوسٹریلیا کے طول و عرض میں تقریباً انیس عوامی اسلامی ادارے قائم ہیں جو ایک وفاق میں منسلک ہیں ۔ اسی طرح مسلمان طلبہ کی بارہ انجمنیں ہیں ۔ وہ بھی ایک وفاق بنا کر آپس میں قریبی رابطہ قائم رکھتی ہیں ۔ اول الذکر کا نام " اوسٹریلین فیڈریشن اوف اسلامک کونسل (مختصراً " ایفک") اور موخرالذکر کا نام " اوسٹریلین فیڈریشن اوف مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (مختصراً " ایفمسا ") ہے ۔ ان دونوں میں مجموعی

طور پر ملک کے اسی فیصد مسلمان شامل ہیں ۔ مسلمانوں کے بعض ایسے گروپ بھی ہیں جن کا الحاق ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہے ۔ البتہ مسلمان طلبہ کی بارہ انجمنوں کے وفاق نے مسلمان نوجوانوں کی عالمی انجمن ('' ورلڈ ایسوسی ایشن اوف مسلم یوتھ '' مختصراً '' وامی '') سے رابطہ قائم کر رکھا ہے ۔ یہ عالمی انجمن ایفمسا کو حسب ضرورت مالی امداد بھی دیتی ہے ، کیونکہ خود اس کے پاس چندوں کی جو رقم جمع ہوتی ہے ، وہ تمام اخراجات پورے کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی ۔ پھر بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ ایفمسا نے وامی سے الحاق صرف مالی امداد کے پیش نظر کیا ہے ۔ خود وامی کے دستور العمل میں یہ مد شامل ہے کہ وہ فروغ اسلام کے لیے کام کرنے والی انجمنوں کی مالی اعانت کریگی ۔

اوسٹریلیا کے مسلمانوں میں اس اعتبار سے کوئی وحدت فکر نہیں ہے کہ اسلام کے معاشرتی اور ثقافتی پہلوؤں کے مفہوم کی ترجمانی کس طرح ہو اور انہیں کس صورت میں اور کس حد تک عملی جامہ پہنایا جائے ۔ بہت سے مسلمانوں نے غیر واضح طور پر اپنی رائے کا اظہار بعض موضوعات کے بارے میں کیا ہے ۔ لیکن اسلامی تعلیم ، اسلامی نصاب ، اسلامی فلسفے اور اسلامی طریق کار کے بارے میں کوئی منصوبہ یا اس کا لائحہ عمل مرتب نہیں ہوسکا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ بہت سے معاملات میں مغربی اثرات نفوذ کرگئے ہیں ۔ چنانچہ معرفت کا رنگ جو اسلام کے لیے مخصوص ہے کسی منزل پر اپنی جھلک نہیں دکھاتا ۔

اسلامی فریضۂ نماز ادا کرنے کے لیے اوسٹریلیا کے بڑے شہروں میں جہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں ، مسجدوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح پھیلا ہوا ہے اور یہ دیکھ کر

مجھے خوشی ہوئی کہ ان میں قریب کے مسلمان باشندے اچھی تعداد میں اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔ جمعہ کے روز ہر مسجد میں خطبے کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خطبات عام طور سے بولی اور سمجھی جانے والی زبان میں ہوتے ہیں۔ البتہ جمعہ کا اصل خطبہ معمولاً عربی زبان میں ہوتا ہے۔ عربی زبان جاننے والے زیادہ تعداد میں نہیں ہیں پھر بھی وہ سب خضوع و خشوع کے ساتھ کان لگا کر اسے سنتے ہیں۔ یہی سنت رسول پاک صلعم ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ روزے رکھنے کے ضمن میں بھی یہاں کے مسلمان کسی اور ملک کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر شمع اسلام ہر منزل میں پوری طرح اپنی کرنیں بکھیر رہی ہے۔

ایک بات میں اپنے حافظے کی بنا پر اپنی ضرور جانتا ہوں کہ ۱۸۶۰ء میں اوسٹریلیا میں جو پہلا مسلمان داخل ہوا اس کا تعلق پشاور سے تھا۔ اس پہلے پشاوری کے آنے کے بعد اس علاقے کے بکثرت لوگ اوسٹریلیا گئے اور وہاں تعمیر میں انہوں نے حصہ لیا۔ انہی نے اوسٹریلیا میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی جسے آج بھی حکومت نے محفوظ رکھا ہے۔ اس کے بعد دنیا بھر سے مسلمان اوسٹریلیا آئے۔ آج یہاں پاکستان، ہندستان، ترکی، لبنان، وغیرہ سے مسلمان آ کر آباد ہوئے ہیں، اور ان کی بڑی تعداد ہے۔ اسی اعتبار سے اوسٹریلیا کی مختلف ریاستوں میں مساجد و مینار بلند ہو رہے ہیں۔

طب ـــ پیش رفت

مرکز اسلامی، سڈنی میں میرے سامعین ڈاکٹر صاحبان تھے۔ پاکستانی اور ہندستانی مسلمان ڈاکٹر، اوسٹریلن نیشن

یونیورسٹی میں میدان طب میں جو پیش رفت ہوئی ہے اس کے اثرات و نفوذ کو ان سب نے محسوس کیا ہے۔ قدرتی طور پر ان مس تحقیقی کا جذبہ بیدار ہوا ہے۔ در حقیقت طب کے بارے مس ان ڈاکٹروں کی، جن کا تعلق پاکستان یا ہندستان سے ہے، معلومات بمنزلۂ صفر ہے، جبکہ مغربی ممالک کے مغربی ڈاکٹر طب کے بارے میں اپنے علم کو تازہ رکھتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں مس بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کا ہر ڈاکٹر طب کو سائنس نہیں سمجھتا، اور حیرت و افسوس یہ ہے کہ علم و مطالعہ اور فکر و تحقیق کے بغیر وہ طب کے بارے میں بات کرتا ہے۔ در حقیقت یہ ڈاکٹر انتہا درجے کے تعصب فنی میں بڑی شدت سے مبتلا ہے۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ بین المملکتی دوا ساز ادارے، جن کے صدر مقامات مغرب میں ہیں اور جن کی اکثریت یہودیوں کی ملکیت ہے، نہیں چاہتے کہ پاکستان میں طب کو فروغ حاصل ہو۔ در حقیقت پاکستان (اور پاکستان کی طرح تمام ترقی پذیر ممالک) ان کے لیے بہترین منڈیاں ہیں۔ تمام خس و خاشاک کہ جو ان کی فیکٹریوں میں بنتا ہے وہ پاکستان اور تیسری دنیا کی منڈیوں مس بلا تکان کھپا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ غیر معیاری ادویہ، مضر صحت ادویہ جو خود ان کے اپنے ملکوں میں ممنوع الاستعمال ہیں، تیسری دنیا میں وہ فروخت کر دیتے ہیں۔ ان غیر ملکی دوا ساز اداروں کا ایک شعبہ ایسا ہے کہ جو طب کے خلاف مسلسل کام کر رہا ہے اور تیسری دنیا بالخصوص پاکستان کے ڈاکٹر کو طب سے دور رکھتا ہے اور اس کے فنی تعصب کو ہوا دیتا ہے۔

آج میرے خطاب میں جو ڈاکٹر آئے ان کے سوالات کا انداز ابتداً طنز سے بھرپور تھا۔ اس طنز میں تحقیر پوشیدہ تھی۔

میں نے اس انداز کو خوش آمدید کہا اور کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا ۔ مگر میں نے طب کے بارے میں اپنے دلائل دیے اور تقریباً ایک گھنٹہ اهمیت طب پر روشنی ڈالی ۔ ڈاکٹروں کو سوالات کی میں نے پوری آزادی دی اور شد و مد کے ساتھ طب کے سائنس ہونے پر دلائل دیے ۔ کاش میری اس بحث کو رکارڈ کرلیا جاتا ۔

ہمارے طبی تقریر بھی ہوگئی ۔ ڈاکٹر صاحبان کو میں نے صورت حال بتائی کہ فطرت کبھی کروڈ نہیں ہوسکتی ، اس لیے عافیت اسی میں ھے کہ ھم جڑی بوٹیوں کے علاج پر توجہ کریں ، جیسا کہ آج ساری دنیا میں ہو رہا ھے ۔ اوسٹریلیا کی اس کانفرنس کے بارے میں سوالات پر میں نے حاضرین کو بتایا کہ اس کانفرنس کے اثرات دور رس ھوں گے ۔ میں نے واضح کیا کہ جسم اور روح کے تعلق کو قائم کرنا ھی ھوگا ورنہ مغربی دوا سازی اور زیادہ غلط راھوں پر چلی جائیگی اور انسان اس کے اثرات سے پریشان ھوگا اور اس کا نظام جسمانی تباہ ھو جائے گا ۔ میں نے یہ خدشہ ظاھر کیا ھے کہ اینٹی بایوٹکس وجہ سرطان ھو سکتے ھیں ۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ آج اھل طب غور کر رھے ھیں ۔ غرض مجموعی طور پر یہ تقریر ، اور سوال و جواب دل چسپ رھے ۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب نے شاید سب سے زیادہ اثر قبول کیا ھے ۔ انہوں نے کہا کہ ان کو ذوق طب ھمدرد صحت کے مطالعہ سے پیدا ھوا اور وہ ڈاکٹر بن گئے ۔ کہتے تھے کہ ھمدرد صحت ان کے نام جاری کرا دیا جائے ۔

اس اجتماع میں ڈاکٹر منیر اعظمی صاحب بھی آئے تھے۔ برادر عزیز ڈاکٹر حافظ محمد الیاس نے ان کی طبی تعلیم میں بڑی دل چسپی لی تھی ۔ اس برتاؤ کو یہ آج بھی یاد کر رھے تھے ۔

ان دنوں وہ سڈنی میں محکمۂ صحت میں ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں ۔

اوسٹریلیا میں مشرقی طب کے حیرت انگیز کارنامے

طب مشرقی سے فطری ذوق رکھتے ہوئے میرے لیے مناسب تھا کہ میں مشرق بعید کے براعظم اوسٹریلیا میں اس طریق علاج کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کروں ۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے اس علاقے میں مغربی تہذیب کا رنگ غالب ہے کیونکہ مغربی دنیا کے لوگ ہی بڑی تعداد میں یہاں آ کر آباد ہوئے تھے ۔ لیکن مشرقی دنیا کے رہنے والے بھی اس یلغار میں کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے ۔ چناں چہ برصغیر پاک و ہند ، افغانستان ، ایران ، شام اور عرب کے باشندے بھی وہاں پہنچے اور مقامی لوگوں سے اس طرح گھل مل گئے تھے کہ نسلی امتیاز باقی نہیں رہا ۔ یہ لوگ ملازمت ، تجارت یا کاروبار ہی کے لیے اس سرزمین پر نہیں گئے بلکہ اپنا علم و فن ساتھ لے کر بنی نوع انسان کی خدمات بھی انجام دیتے رہے تھے ۔ ایسی جماعتوں میں قدرتی طور پر اطبا بھی شامل رہے ، کیونکہ انسان کا اس کی صحت سے قریبی تعلق ہے ۔ ہر شخص کبھی نہ کبھی بیمار ضرور ہوتا ہے اور اپنے روگ دور کرنے کے لیے علاج کرانا ہی پڑتا ہے ۔

اس احساس کو دل میں لیے ہوئے میرا جی چاہتا تھا کہ میں کینبرا کے دوران قیام میں کسی نہ کسی طرح کچھ وقت نکال کر ایڈی لیڈ ضرور جاؤں جس سے طب مشرق کے ایک نام لیوا حکیم حاذق کی چند یاد داشتیں میرے سینے میں محفوظ تھیں ۔ کینبرا اوسٹریلیا کے جنوب مشرقی ساحل پر واقع ہے تو ایڈی لیڈ

بالکل اس کی سیدھ میں جنوب مغربی ساحل کے قریب ہے ۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ موخر الذکر تک جانا کسی قومی یا بین الاقوامی پرواز کے ذریعہ سے ممکن نہیں تھا ۔ اور ریل سے سفر کرنے کی ہمت نہیں تھی اور نہ وقت اجازت دے سکتا تھا اور نہ میرے پاس اس خاتون کا سا جذبہ تھا کہ جس نے پورے براعظم کا دورہ اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا ہے ۔

میں ایڈی لیڈ جا کر وہ مقام دیکھتا کہ جہاں حکیم محمد عالم قندھاری اپنا مطب قائم کر کے روزانہ سینکڑوں مریضوں کو دیکھتے ، ان کے امراض کی تشخیص کرتے اور جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ دوائیں مفت دے کر ان کا علاج کرتے تھے ۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنا نام پیدا کیا تھا کہ عام لوگ انہیں " عہد حاضر کا مسیحا " کہنے لگے تھے۔ ان کا وطن قندھار تھا۔ وہ گزشتہ صدی کے وسط میں ۱۸٦۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ خاندانی مشاغل کے اعتبار سے انہوں نے طب کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور ۳۰ سال کی عمر ہی میں کسی جذبۂ نا معلوم کے تحت ترک وطن کر کے اوسٹریلیا چلے گئے ، شاید یہ سن کر کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ کچھ بے اعتنائی برتی جاتی ہے وہ ان کی پشت پناہی کے لیے آمادۂ سفر ہوئے ہونگے ۔

غیر سر زمین پر وہاں کے لوگوں کے مزاج ، برتاؤ اور انداز بود و باش کو سب سے پہلے سمجھنا ضروری ہوتا ہے ۔ اس لیے انہوں نے مغربی اوسٹریلیا میں سونے کی کانوں کے قریب خوانچہ لگا کر مزدوروں کے استعمال کی عام چیزیں فروخت کرنی شروع کیں ۔ ان میں عام طور پر لاحق ہونے والی بیماریوں کی ادویہ بھی شامل ہوتی تھیں ۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ جو شخص خاندانی اعتبار سے اپنے وطن میں آسودہ حال رہا ہو ، اس نے

غیر سر زمین پر یہ مشغلہ کیوں اختیار کیا ۔ سونے اور دوسری معدنی اشیا کی کانوں میں مسلمان کثیر تعداد میں کام کرتے تھے اور وہ مقامی باشندوں کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہوئے تھے کہ کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا ۔ اس طرح ان باشندوں کی ذہنیت اور مزاج کو سمجھنا آسان ہوگیا تو انہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہا ۔

اوسٹریلیا میں قدرتی طور پر آگنے والی جڑی بوٹیاں بڑی مقدار میں پائی جاتی ہیں ۔ حکیم محمد عالم کو ان میں سے بیشتر کی خاصیت ، تاثیر ، ماہئیت ، اور طریق استعمال کا حال معلوم تھا ۔ بعض صرف مقامی طور پر آگنے والی بوٹیوں کا حال انہوں نے مقامی باشندوں سے سنا اور انہیں اپنے نسخوں میں استعمال کرنے کا طریقہ تحقیق کرلیا ۔ اس طرح ان کے قرابادین میں زیادہ وسعت پیدا ہوگئی ۔

انہوں نے بعض مقامی اور غیر مقامی باشندوں کے مشورے سے ایڈی لیڈ شہر کو اپنے مطب کے لیے منتخب کیا جہاں غریب لوگوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور خدمت خلق کے اعتبار سے وہی جگہ ان کے لیے مناسب تھی ۔ کچھ دواؤں کی تاثیر کا معجزہ تھا اور کچھ ان کو دست شفا قدرت نے بخشا تھا کہ جس مریض کی نبض دیکھ کر علاج کرتے اسے ضرور صحت نصیب ہوتی تھی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شہرت کا ڈنکا چاروں طرف بجنے لگا ۔ مضافات شہر سے بھی مریض ان کے مطب میں آنے لگے ۔ ہر تندرست ہو جانے والا شخص دوسرے مریضوں کو مشورہ دیتا کہ مغربی طریق علاج کو چھوڑ کر صرف حکیم قندھاری سے اپنی بیماری کے استیصال کے لیے رجوع کرو ، کیونکہ " ہینگ لگے نہ پھٹکری ، رنگ چوکھا آئے " کے مصداق علاج بغیر معاوضے کے

ہوتا ہے ۔ نہ فیس ادا کرنی ہوتی ہے اور نہ دوا کی قیمت دینی پڑتی ہے ۔ حکیم موصوف نے اپنے دو کارندے لگا رکھے تھے جو افغانستان سے آئی ہوئی مصنوعات اور دوسری اشیا فروخت کرکے ان کو رقم لا کر دیتے تھے جس پر ان کا گزارا ہوتا تھا ۔ وہ غربا کے ایک محلے میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس طرح ان کے ذاتی اخراجات بہت قلیل تھے ۔ ان کے مطب کے ایک کونے میں ایک صندوقچی رکھی رہتی تھی ۔ شفا پانے والے مریض اظہار خوشنودی کے طور پر کوئی رقم اپنی مرضی سے اس میں ڈال دیتے تھے ۔ یہ بھی ہر مریض کے لیے لازمی نہیں تھا ۔ ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق چندے کے طور پر جمع کردیتا تھا ۔ وہ رقم حکیم موصوف بعض مفردات کی خریداری پر یا بہت ہی نادار مریضوں کی پرہیزی غذاؤں پر امداد کے طور پر خرچ کردیتے تھے ۔

مغربی مطب کے معالجین حکیم قندھاری سے جلنے لگے ، کیونکہ ان کے مطب جو پہلے بے حد نفع بخش کاروبار کے مرکز تھے ، ویران نظر آنے لگے تھے ۔ کوئی بھولا بھٹکا مریض سوئے اتفاق سے ادھر آ نکلتا تو ان کی چاندی ہوجاتی ورنہ سارا وقت مکھیاں مارتے گزرتا ۔ آخر ان سب نے مل کر حکیم موصوف کے خلاف محاذ قائم کرلیا ، صرف اس الزام پر کہ ان کا دقیانوسی طریق علاج مضر صحت ہے ، ان پر مقدمہ چلا دیا ۔ وہ عدالت میں پیش ہوئے ۔ انہوں نے اپنا موقف واضح کیا ۔ طب مشرقی کے اصولوں پر روشنی ڈالی ۔ طرفین کے دلائل سن لینے کے بعد فاضل جج نے ان کے حق میں فیصلہ کیا اور ۲٦ پونڈ ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے مقدمہ خارج کر دیا ۔ لیکن انہوں نے مدعیان سے خرچہ لینا قبول نہیں کیا ، بلکہ اپنے وکیل کو فیس بھی ادا

کی جیے لینے کے لیے وہ تیار نہیں تھے ۔

اخبارات میں ان کے " غلط " انداز تشخیص کے بارے میں کالم بھی لکھے گئے ۔ قارئین ان تحریروں کو پڑھتے اور ہنستے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حکیم قندھاری کا طریق علاج کتنا کامیاب ہے ۔ ان کے پاس کوئی چھومنتر ہے ۔ وہ مریض کا حال بھی نہیں پوچھتے ، نبض پر انگلی رکھتے ، چہرے پر نظر ڈالتے اور اندرونی و بیرونی علامات کا حال بیان کر دیتے تھے جسے ہر مریض اپنے عارضے کی روشنی میں تسلیم کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا تھا ۔

مخالفین نے ان کے خلاف دوسرے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے ۔ حکومت وقت کو لکھا کہ صحت عامہ کا خیال رکھتے ہوئے اس دیسی طریق علاج کو بند کر دیا جائے ۔ حکومت کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا ، کیونکہ اس کے بارے میں عدالتی فیصلہ سامنے تھا ۔ اس کے علاوہ ایک طرف حکیم قندھاری سے شفا پانے والوں کے فلک شگاف نعرہ ہائے تحسین تھے اور دوسری طرف مخالفین کی کمزور صدائے احتجاج ۔ لیکن ارباب اقتدار مشرق کی دنیا میں رہتے ہوئے چونکہ ذاتی طور پر مغرب پرست تھے اس لیے انہوں نے مخالفین کے ہمنوا ہوکر حکیم موصوف کے پاس ایک استفسار نامہ بھیج دیا ۔ ان کے موافقین نے زور دیا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ۔ آپ کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں ۔ لیکن وہ کسی سے ٹکر لینا نہیں چاہتے تھے ۔ اس لیے اپنا بستر بوریا گول کرکے کسی سے کچھ کہے بغیر واپس وطن مالوف چلے گئے ۔ بعد میں لوگوں کو پتہ چلا تو انہوں نے مظاہرے کیے اور حکومت پر زور ڈالا کہ انہیں دوبارہ آنے کے لیے کہا جائے ۔ ایک عرضداشت بھی حکیم قندھاری کے نام لکھ کر

ایڈی لیڈ اور مضافات بلکہ دوسرے صوبوں سے بھی بیس ہزار افراد سے دستخط کرائے اور حکومت سے کہا گیا کہ اپنی سفارش کے ساتھ یہ دستاویز قندھار بھیجی جائے ۔ اوسٹریلیا کے گورنر اور ان کی لیڈی صاحبہ نے بھی اس پر نہ صرف دستخط کیے بلکہ پر زور الفاظ میں انہیں واپس آنے کی دعوت دی ۔ چونکہ حکیم موصوف کے دل میں ہمیشہ خدمت خلق کا جذبہ کار فرما رہا تھا ، اس لیے انہوں نے اپنی آن سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے وطن مالوف کو ایک بار پھر خیر باد کہ کر اوسٹریلیا پہنچ گئے ۔ ان کا یہ دوسرا دورہ کسی قدر پر سکون رہا ، کیونکہ مخالفین کے دانت کھٹے ہوچکے تھے ۔ انہوں نے اپنے ضمیر کی شکست کی آواز سن کر ہار مان لی تھی ۔ اس لیے خاموش ہوجانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا ۔ ان کے برعکس شفایاب ہونے والے مریض اظہار تشکر کے طور پر ان کے نام تعریفی خطوط لکھے جو تصدیق ناموں کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ایسے خطوط کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی ۔

حکیم قندھاری مغربی طریق علاج کے مطابق ضد حیوی ادویہ استعمال کرنے کے سخت مخالف تھے۔ ان کی یہ دلیل صحیح تھی کہ بعض صورتوں میں جراثیمی مواد جو بے زبان جانوروں پر ظلم کرکے انہیں اذیت کا شکار بنا کر یا ان کی زندگی ختم کرکے حاصل کیا جاتا ہے ، اکثر امراض کو مٹانے میں مفید نہیں ہوتا بلکہ ان کا رد عمل زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اصل مرض دور نہیں ہوتا اور مریض نئے امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے ۔

حکیم موصوف نہ صرف ایک اعلا پایہ طبیب تھے بلکہ زہد و تقوی میں بھی ان کی مثال دی جاتی تھی ۔ ١٩٢٧ء میں ارض مقدس کی کشش نے انہیں دعوت حج بیت اللہ دی تو

رخت سفر باندھ کر حجاز کی سمت روانہ ہوگئے ۔ رب العزت نے ان کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دی ۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہ اس پاک سر زمین پر مقیم تھے کہ پیغام اجل آگیا انہوں نے اپنی جان اسی لمحے جان آفریں کے سپرد کر دی اور وہیں سپرد خاک کر دیے گئے ۔ ان کے انتقال پر اوسٹریلیا میں زبردست سوگ منایا گیا ۔ اس ملک میں چھپنے والے رسائل و اخبارات نے اپنے صفحات میں ان کو خراج تحسین و عقیدت ادا کیا ، حتٰی کہ ”نیوز اوف دی ورلڈ“ نے بھی ایک معلوماتی مقالہ شائع کیا جو مغرب پرست مشرق نژاد لوگوں کی چشم عبرت کھولنے کے لیے کافی ہے ۔ میں نے وہ مقالہ پڑھا تھا ۔ کینبرا پہنچنے پر اس مضمون کی یاد تازہ ہوگئی ۔ مجھے یاد ہے کہ اس مقالے کا اردو ترجمہ ہمدرد صحت ، دھلی نے شائع کیا تھا ۔

ایڈی لیڈ اوسٹریلیا کا ایک ایسا شہر ہے کہ جہاں نقل مکانی کرنے والے زیادہ سکون محسوس کرتے ہیں ۔ حکیم محمد عالم قندھاری جن دنوں وہاں تھے اندازہ یہی ہے کہ ایڈی لیڈ میں مہاجرین زیادہ آباد تھے ۔ آج بھی ایڈی لڈ کی نو لاکھ سے زیادہ آبادی میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے کہ جو اپنے وطنوں کو خیر باد کہ کر یہاں آباد ہوئے ہیں ۔ ایڈی لڈ برطانیہ کے شاہ ولیم چہارم کی اہلیہ کا نام تھا ۔ ان ہی کے نام پر یہ شہر آباد ہوا ہے ۔ ریاست ایڈی لیڈ کا کل رقبہ فرانس سے دو گنا اور امریکی ریاست ٹکساس سے ڈیڑھ گنا ہے ۔ اوسٹریلیا کے جنوب میں ایڈی لیڈ ایک خشک علاقہ ہے جہاں بارش کا سالانہ اوسط ۲۱ انچ ہے ۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ حکیم محمد عالم قندھاری نے ایڈی لیڈ ، بلکہ اس کے بعد اوسٹریلیا کی دوسری ریاستوں میں

جو اثر طب پیدا کر دیا تھا ان کی جانشینی کے لیے کوئی کیوں آگے نہ بڑھا ۔ اگر یہ سلسلۂ طب جاری رھتا تو طب کا مرکز ایڈی لیڈ ھی ھوتا اور پھر یہاں سے تحریک کو فروغ حاصل ھوتا ۔ بارے اب حالات دنیا یہ ھیں کہ حاجت اور سائنسی رھنمائی طب کے حالات اوسٹریلیا میں بھی سازگار بنائے گی ۔

تارکین کے لیے نئی سر زمین

عرصۂ دراز سے یہ قابل احترام روایت تسلیم کی جارھی ھے کہ اوسٹریلیا دنیا بھر کے تارکین وطن کے لیے سر زمین فراھم کرتا ھے ۔ حالیہ ھنگاموں کے دوران میں ھند چینی قوم کے جو لوگ نقل وطن کے لیے مجبور ھوئے ان میں سے ۳۷ ھزار کو اوسٹریلیا مستقل طور پر اپنے ھاں آباد کریگا ۔ اوسٹریلیا کی موجودہ آبادی کو مدنظر رکھا جائے تو اس میں ان لوگوں کی نسبت ایک اور ۳۹۰ کے برابر ھوگی ۔ بین الاقوامی اعتبار سے مقابلہ کیا جائے تو تارکین وطن اور مقامی باشندوں میں ان کی نسبت ایک اور ایک ھزار کے برابر مانی گئی ھے ۔

تاھم ھند چینی باشندوں کو قبول کرنے کا مسئلہ اس لائحۂ عمل کا تازہ ترین باب ھے جو اب سے چالیس سال پہلے یورپ کے بےگھر لوگوں کی مکرر آبادکاری کے لیے مرتب کیا گیا تھا ۔ اس وقت سے اب تک مجموعی طور پر چالیس ملکوں سے نقل وطن کرنے والے چار لاکھ افراد کے لیے اوسٹریلیا نیا وطن بن چکا ھے ۔

جون سنہ ۱۹۷۹ء سے اوسٹریلیا پہنچنے والے ۲۳ ھزار ھند چینی باشندوں میں سے ۲۰ ھزار سے زیادہ ان کیمپوں سے آئے تھے ، جو جنوب مشرقی ایشیا میں پڑے ھوئے ھیں ۔ ان کے

علاوہ دو ھزار سے زیادہ افراد شمالی شہر ڈارون سے براہ راست اکیاون چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ھوکر خطرناک سمندری سفر طے کر کے وھاں پہنچے تھے ۔

ان ھند چینی تارکین وطن میں سے ھر ایک کے لیے اوسٹریلیا اوسطاً ۲ ھزار ۲ سو ڈالر خرچ کر رھا ھے ۔ یہ رقم ان کے اخراجات سفر کے علاوہ ھے کہ جو ابتدائی پانچ ماہ کے دوران امدادی سامان پر صرف کی جارھی ھے ۔ اس سال کے پروگرام کے لیے کل اخراجات کا تخمینہ ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر لگایا گیا ھے ۔

اخراجات صرف اسی حد تک نہیں ھیں ۔ دوسرے ملکوں میں ھند چینی باشندوں کی آبادکاری کے لیے اوسٹریلیا نے پچھلے دو سال کے دوران میں اقوام متحدہ کے ھائی کمشنر برائے مہاجرین کے فنڈ میں ۳۷ لاکھ ڈالر کی رقم ادا کی ھے اور اس سال مزید ۱۲ لاکھ ڈالر ادا کریگا ۔ ان ملکوں کی اعانت کے لیے بھی جو عارضی طور پر پناہ دیتے ھیں اوسٹریلیا کا دست تعاون بڑھتا ھے ۔ وہ اب تک انڈونیشیا ، ملائیشیا اور تھائی لینڈ کو دس دس لاکھ ڈالر اور فلی پین کو تین لاکھ ڈالر دے چکا ھے ۔ اس نے انڈونیشا کے ھر جزیرے پر ایک تجرباتی مرکز قائم کرنے کے اخراجات کے سلسلے میں بھی ڈھائی لاکھ ڈالر کی پیش کش کی ھے ۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ھوا کہ اوسٹریلیا تین سال میں صرف ھند چینی کے باشندوں پر دس کروڑ ڈالر کی رقم خرچ کر رھا ھے ۔

تارکین وطن کی نقل و حرکت کا اھتمام اوسٹریلیا کے وہ افسران کرتے ھیں جن کے دفاتر جاکرتہ ، کوالالمپور اور بنکاک اور دوسرے ایشیائی شہروں میں قائم ھیں ۔ ترک وطن کرنے سے قبل مختصر سی مدت میں جملہ مہاجرین معلوماتی مطالعہ کرتے اور غیر زبان کی تعلیم حاصل کرتے ھیں ۔ اوسٹریلیا پہنچنے

پر ان کو رهنے کے لیے مکان ، پهننے کے لیے کپڑا اور کهانے کے لیے سامان خوراک دیا جاتا هے ، زبان سیکهنے کے لیے انتظام هوتا هے اور پهر مستقل قیام اور روزگار کی تلاش میں مدد کی جاتی هے ۔ ان لوگوں کی جو ذاتی اهتمام سے کشتیوں میں پهنچتے هیں باقاعده جانچ پڑتال تارکین وطن کی حیثیت متعین کرنے والی کمیٹی کے ذریعه سے کی جاتی هے ۔ اس کے بعد ان کی مستقل سکونت کا مسئله طے کیا جاتا هے ۔ آبادکاری کا سارا پروگرام حکومت اوسٹریلیا پر نهیں چهوڑا جاتا ۔ اس سارے ملک میں رضا کار ادارے مهمان نوازی اور تارکین وطن کی اسکیم میں حصه لے رهے هیں ۔ هر جگه مقامی باشندوں کی حمایت انهیں حاصل رهتی هے ۔

حکومت اوسٹریلیا ان رضا کار اداروں کو رقوم ادا کرتی هے تا که آبادکاری کے لیے بلا سود قرضے دیے جاسکیں ۔ ایسے هر قرضے کی رقم ٦ سو ڈالر فی کس هوتی هے ۔ رابطه کمیٹیاں فلاح و بهبود کی خدمات انجام دیتی اور مالیاتی امداد ادا کرتی هیں ۔ اس کے ساته هی وفاقی اور شهری حکومتوں کے ارباب حل و عقد طبی علاج کا سلسله جاری رکهتے ، بچوں کے لیے تعلیمی سهولتیں فراهم کرتے اور هنگامی یا کم قیمت کے مکانات کی تعمیر میں اعانت کرتے هیں ۔

یه رضا کارانه اسکیم اس درجه کامیاب رهی هے که بعض تارکین وطن اب براه راست جنوب مشرقی ایشیا کے کیمپوں سے پرواز کرکے اوسٹریلیا کے ان مرکزوں پر پهنچ جاتے هیں جهاں انهیں آباد کرنے کا فیصله هونا هے ۔

اوسٹریلیا کی پاپولیشن اور امی گریشن کونسل نے متواتر دیے جانے والے ان مشوروں پر تبصره کیا هے که هند چینی سے

ترک وطن کرکے آنے والوں کو ان دور افتادہ علاقوں میں آباد کیا جاسکتا ہے جو اوسٹریلیا کے شمالی معتدل حصے میں واقع ھیں۔ کونسل نے واضح کیا ہے کہ ایسے علاقے اتنے دور ھیں کہ فلاح و بہبود کی کوئی سہولت ، طبی دیکھ بھال ، تعلیم ، لسانی تربیت یا بڑے شہروں میں نسلی اعتبار سے امداد ممکن نہیں ھوسکتی۔

براعظم اوسٹریلیا کا دو تہائی حصہ خشک بنجر ہے۔ اس لیے بڑے پیمانے پر کسی قسم کی آباد کاری یا بڑی تعداد میں لوگوں کی امداد میں رکاوٹ پیدا ھوتی رھتی ہے۔

تارکین وطن سے متعلق اوسٹریلیا کی حکمت عملی کے موضوع پر اپنے تازہ ترین بیان میں وزیر متعلقہ نے کہا کہ اوسٹریلیا نے تارکین وطن کو بڑی حد تک اس لیے قبول کیا ہے کہ ایک تو انسانی دوستی کے پہلو اس کے سامنے ھیں اور دوسرے یہ کہ کچھ بین الاقوامی ذمہ داریاں اس پر عائد ھرتی ھیں۔

اس معاملے پر حقیقت پسندی اور سنجیدگی سے غور کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچا جائیگا کہ اوسٹریلیا کو بہت بڑے پیمانے پر معاشرتی ، اقتصادی اور انسان دوستی کے مسائل کا سامنا ہے۔ یہ بات بھی وزیر موصوف نے آخر میں کہی۔

انہوں نے مزید کہا کہ ھم بہ حیثیت قوم اس چیلنج کا جواب جس طور سے دیتے ھیں اس کا اثر نہ صرف اندرونی حالات پر پڑیگا بلکہ ھماری اس بین الاقوامی ساکھ اور تعلقات کو بھی متاثر کریگا جو مستقبل کے آئینے میں صاف نظر آتے ھیں۔

میں نے آج کے اوسٹریلیا میں اور ماضی کے اوسٹریلیا میں بڑا ھی فرق پایا ہے۔ ایک ایسا دور بھی تھا کہ اوسٹریلیا میں مہاجرین کا داخلہ بند تھا۔ ایک یہ بھی حقیقت ہے کہ چین کے

لوگوں کے داخلہ اوسٹریلیا پر خصوصیت کے ساتھ پابندی عائد تھی۔ شاید اس لیے کہ چمن میں مسئلہ کثرت آبادی کا ایک فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ اوسٹریلیا کی خالی سر زمین کو مسکن بنائے۔ چین اس انداز فکر سے آج بھی خالی نہیں ہے۔ اگر موقع مل جائے تو وہ اوسٹریلیا کو آباد کرنے کے درپے ہوسکتا ہے!

۹ ستمبر ۱۹۷۶ء، اتوار، سڈنی سے ھانگ کانگ،
ھانگ کانگ سے بنکاک

شب گزشتہ میں ۹ بجے ھی سوگیا تھا۔ کینبرا میں دراصل بڑی محنت کرنی پڑی، اور محنت سے زیادہ یہ کہ میرے اعصاب بڑے دباؤ میں رہے اور اس دباؤ نے نظام جسمانی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ اب ایک طویل سفر بھی درپیش ہے، اس لیے میں نے زیادہ آرام کا فیصلہ کیا تھا، مگر دو بجے آنکھ کھل گئی اور صبح ۴ بجے تک دوبارہ آنکھ نہ لگی۔ آخر میں اٹھ گیا۔ تیار ہوکر نماز تہجد ادا کی اور پھر تلاوت قرآن پاک کرتا رہا۔ اور ہونے چھے بجے نماز فجر ادا کرکے ۶ بجے میز پر آگیا۔

کانفرنس رپورٹ

میں اس کینبرا طبی کانفرنس میں پاکستانی وفد کا قائد ہوں۔ ایسا قائد کہ جو خود ھی وفد ہے اور خود ھی قائد ہے۔ نارے مجھے اس کانفرنس کی رپورٹ تو تیار کرنی ھی ہے تاکہ اس کو میں کم از کم وزارت صحت میں اوسٹریلیا طبی کانفرنس کے فائل میں تو لگا ھی دوں اور کبھی کوئی اس فائل کو پڑھے

تو وہ بہ نگاہ حیرت و عبرت دیکھے کہ وزارت صحت کے فاضل افسران نے کس طرح طبی کانفرنس میں پاکستانی وفد کو شرکت سے روکا ہے ، اور یہ کہ ان کی یہ حرکت کس درجہ شرم ناک ہے اور پاکستان کے طبی مفادات کے کس درجہ خلاف ہے ۔

میں نے رپورٹ کا خاکہ ذہن میں تیار کرلیا ہے اور ابتدائیہ تحریر کرلیا ہے ۔

شوکت کا معائنہ

نصرت عفیف کا دوسرا چھوٹا فرزند دماعی علالت میں مبتلا ہے اور اب حرکت اور گویائی سے معذور ہے ۔ آج صبح ۹ بجے میں نے شوکت کے پاس آدھ گھنٹہ بیٹھ کر اس کا معائنہ کیا اور پھر اس کے لیے دست دعا دراز کیا ۔ بہ ظاہر یہ پیارا بچہ خطرے میں ہے ، نہ جانے کس دن کیا حادثہ پیش آ جائے ۔ میں صبح اس کے پاس بیٹھا تو میرا دل بھر آیا ۔ میں اس کی مدد کس طرح کروں ، بس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے طالب مدد ہوا ۔ میں دوائیں شوکت کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا ۔ وہ دوائیں شروع کرادی ہیں ۔ دو تین دن میں ذرا سا فرق تو مجھے محسوس ہوا ہے ۔ کراچی میں شوکت زیادہ سنبھل گیا تھا ، مگر اوسٹریلیا واپس ہوائی جہاز میں آیا ، اس سفر نے اس پر انتہائی خراب اثر ڈالا ہے اور اس کے بعد سے حرکت اور محدود ہوگئی ہے اور زبان بند ہو گئی ہے ۔ اللہ اپنا کرم کرے ۔

سڈنی سے ہانگ کانگ

سڈنی کے ہوائی میدان پر کوئی دقت پیش نہ آئی اور منٹوں میں سارے مراحل طے ہوگئے ۔ ہوائی میدان پر کانفرنس

کے کئی ہندستانی مندوب ملے ۔ ان سے ایک بار پھر ملاقات ہوگئی ۔ ہوائی جہاز (کیتھی پیسیفک ایئر لائن) وقت مقررہ پر سوا بارہ بجے روانہ ہوا ۔ یہ سڈنی سے ہانگ کانگ تک پورے سوا نو گھنٹے پرواز کرتا رہا ۔ میں نے اس فرصت سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور کانفرنس کی رپورٹ کی تکمیل کر دی ہے ۔ اس کام میں ٦ گھنٹے صرف ہوئے ۔ ۲۵ صفحات میں نے لکھ دیے ۔ ضمیمے اے نا ایچ بھی لگائے ہیں ۔ اگر ان کو شریک کرلیا گیا تو یہ رپورٹ پچاس صفحات کی تیار ہوگی ۔ بس ایک کتاب ہی بن جائے گی ۔

اس جہاز میں وید گرو ہانگ کانگ تک سفر کر رہے ہیں ۔ یہ کانفرنس میں بہ حیثیت ہندی مندوب شریک تھے ۔ یہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آئے ۔ کہنے لگے ، " حکیم جی ! پانچ گھنٹے سے آپ لکھ رہے ہیں ، اب بس کیجیے ، ذرا فلم دیکھیے ، بڑی زور دار ہے ! " میں نے ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا ۔ ہوائی جہازوں میں عملۂ جہاز مجھ پر ترس کھاتا ہے کہ میں کس طرح کام کرتا ہوں ۔ یہ انہماک جہاز میں چلنے والا فلم بھی دیکھنے نہیں دیتا ، سوائے اس کے کہ " مزہ منہہ کا بدلنے کے لیے " کے انداز میں ایک اچٹتی سی نظر ڈال لی جائے ۔

خطوط نویسی

رپورٹ سے فارغ ہوکر میں نے ذرا سستانے کا فیصلہ کیا اور فلم کا آخری حصہ دیکھ لیا ۔ خاصا دل چسپ تھا ! اس کے بعد میں نے وہ تمام خطوط لکھ ڈالے کہ جو مجھے لکھنے تھے ، شکریے وغیرہ کے ۔ اب کوئی کام باقی نہیں ہے ۔ صرف تین دن کا روز نامچہ لکھنا باقی ہے ۔

هانگ کانگ

هانگ کانگ کے ہوائی میدان پر جہاز سوا نو گھنٹے پرواز کرنے کے بعد اترا - یہاں ساڑھے نو بجے کے بجائے ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا ہانگ کانگ کا وقت سڈنی سے ایک گھنٹہ پیچھے ہے - ہانگ کانگ کا ہوائی اڈا بس شہر کے وسط ہی میں ہے - جہاز شہر کے گویا بیچ ہی میں اترتا ہے - بڑا ہی روشن شہر ہے اور خوب صورت ہے -

۱۹۶۳ء میں میں نے پاکستان کے ایک طبی وفد کی قیادت کی تھی - تاریخ معلومہ میں طب کے حاملین کا یہ دورہ چین اولیت کی تعریف میں آتا ہے اور یہ فخر و اعزاز اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے - پاکستان اور چین کے مابین طبی تعلقات کی بنیاد میں نے رکھی ہے - یہ مرتبہ بھی مجھے ہی حاصل ہوا - ۱۹۶۳ء میں پاکستان اور چین کے تعلقات میں تناؤ پیدا ہوگیا تھا - سرا چین کا اکتیس روزہ دورہ اس تناؤ کو دور کرنے کے لیے بھی تھا - میں جب اپنی جدوجہد کو اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہوں تو مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ میں نے چین کو اکتیس دن میں کیسے دوست بنا لیا - اس عرصے میں میں نے ۲۷ تقریریں کیں - میں اور میری عزیز سکریٹری خانم ڈی سلوا راتوں کو بیٹھ کر تقریریں تیار کرتے تھے - چین کے بارے میں ہمارے پاس کم از کم دو ہزار اخباری تراشے تھے - ان سے استفادہ ہم کرتے تھے - مثلاً ینگ چاؤ کی مشہور زمانہ ریشم فکٹری میں ہم گئے تو وہاں میں نے اس کی تاریخ اور ریشم کے کپڑے پر چین کی تحقیقات پر ایک دھواں دھار تقریر کردی اور چینیوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا - نانکنگ میں میئر کے ڈنر میں جدوجہد آزادیٔ چین کے ایک ہیرو سن یات سن پر ایک معنی خیز تقریر کر دی - اس

کا ایک جملہ یہ تھا کہ "مجھے یقین ہے کہ اب چین میں ایسی اموات نہیں ہوں گی جیسی کہ سن یات سن کی ہوگئی تھی ! (اس کی موت بحالت غربت دق و سل سے ہوئی تھی ۔) شنگھائی کی فیکٹری کے تین ہزار کارکنوں میں میں گھس گیا اور "چنگ پایو هایو وانسوئی" (چین پاکستان دوستی زندہ باد) کے نعرے لگوا دیے ۔ پیکنگ سے سنگھائی تک ریل میں جاتے ہوئے اکثر ریلوے پلیٹ فارموں پر یہی نعرے لگائے گئے اور میں مسافروں کے درمیان ہوتا تھا ۔ ریڈیو پیکنگ سے اقوام مغرب کے لیے تقریریں کیں ۔ وزیر خارجہ چین مارشل چن ژی سے سیاسی گفت گو کی اور وزیر صحت کے زیر صدارت دو تقریریں صحت و طب پر کیں ۔ غرض اکیس دن کا ایک ایک منٹ مصروف رہا ۔ پیکنگ کے پیپلز ڈیلی نے اپنے معمول سے ہٹ کر میری تصویریں چھاپیں ۔ ریڈیو پاکستان نے ہر انٹر نیشنل نیوز بلٹن میں میری مصروفیتوں کا ذکر کیا ۔

ایک بڑا دلچسپ واقعہ آج یاد آتا ہے ۔

شاید ۷ نومبر ۱۹۶۳ء کی صبح ایک ہسپتال میں جب میں گیا تو وہاں میں نے ایک مریضہ کا معائنہ کیا ۔ میں نے اطمینان سے نبض دیکھ کر مریضہ سے سوال کیا : تم کو تین سال پہلے منھ سے خون آیا تھا ، اب تو نہیں آتا ؟ مریضہ نے بتایا کہ ہاں خون آیا تھا ، اس ہسپتال کے ڈاکٹروں نے مجھے بڑی حیرت سے دیکھا ۔ ایک صبح بارش ہو رہی تھی ۔ پروگراموں میں خلل آرہا تھا ۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور کہا ، ۱۰ بجکر ۹ منٹ پر سورج نکل آئے گا ۔ واقعی سورج ٹھیک اسی وقت نکل آیا !

سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہوا کہ ایک صبح میں نے اپنے میزبانوں کو بتایا کہ اب ۱۱ نومبر (۱۹۶۳ء) کو

جناب چو - این - لائی صاحب مصر دورہ کرنے جائیں گے - چین میں ساسی راز داری اپنی انتہاؤں پر ہوتی ہے - خود میرے مزبان اس سے بے خبر تھے - اور مں کون سا باخبر ! مگر ہوا یہی کہ ۱۱ نومبر کو چو - این - لائی مصر کے دورے پر چلے گئے - مزبانوں کا اصرار رہا کہ مں ان کو یہ بتادوں کہ یہ بات مجھے کیسے معلوم تھی ! بھلا میں انہیں کیا بتاتا !

خیر چین سے فراغت پاکر آرام کے لیے دو دن کے لیے ہانگ کانگ آیا تھا - یہاں کے شب و روز بھی دیکھے - ان دنوں پاکستان کے ٹریڈ کمشنر جناب ریاض پراچہ تھے - انہوں نے ایک ڈنر بھی دیا - بڑی چھل پہل کا شہر ہے - برطانیہ کے زیر نگیں ہے - اب شاید ۱۹۹۸ء مں معاہدہ ختم ہوگا اور پھر یہ چین کا علاقہ بن جائے گا - ہانگ کانگ کو پانی اب بھی چین سے ملتا ہے - چین کی مصنوعات کے لیے ہانگ کانگ بڑی زبردست مارکٹ ہے - مرا تاثر یہ ہے کہ ہانگ کانگ مں دنیا کے ہر ملک کی مصنوعات مل جاتی ہیں اور شاید ان میں سے ہر ایک چین اور ہانگ کانگ میں بنتی ہے !

میں نے ہانگ کانگ سے کتابیں ہی کتابیں خریدیں - اکثر چین پر تھیں - ارادہ یہ تھا کہ میں چین کے بارے میں اپنے تاثرات لکھوں گا - مگر میں نے طبی حالات کو اہمیت دی اور " مڈیسن ان چائنا " کتاب لکھی جس کا دوسرا ایڈیشن مبں ان دنوں تیار کر رہا ہوں - ارادہ ہے کہ میں چین کا بہ حیثیت سیاح ایک دورہ کروں گا اور پھر ایک کتاب لکھوں گا -

ہوائی میدان پر

یہاں زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہیں مل سکا - اتنے میں

لفٹ ہنسا جہاز کا بورڈنگ کارڈ تیار ہوا۔ جہاز میں سوار ہو جانے کا اعلان ہوگیا ہانگ کانگ سے بنکاک کا راستہ ڈھائی گھنٹے کا ہے ۔ میں اس جہاز میں بس مطالعہ ہی کرتا رہا ۔ لکھنے کا موڈ طاری نہ ہوسکا ۔ کھانا بھی کھایا ۔ بنکاک پر جہاز ساڑھے بارہ بجے اترا ۔ بنکاک میں اس وقت ساڑھے دس بجے تھے ۔ دو گھنٹے وقت کا فرق ہے ۔ بنکاک کے ہوائی میدان پر پی ۔ آئی ۔ اے کا عملہ میرے استقبال کے لیے موجود تھا ۔ ان کے لطف وکرم کی وجہ سے کوئی تکلف نہ ہوئی اور میں اطمنان سے ٹرانزٹ لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا ۔

۱۰ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، پیر ، بنکاک

بنکاک کے ہوائی میدان پر نئی تاریخ شروع ہوگئی ۔ سڈنی میں اب صبح کے بن بجے ہیں جبکہ بنکاک میں رات کے ۱۲ بجے ہیں ۔ مجھے سفر کرتے ہوئے ۱۰ گھنٹے ہو رہے ہیں ۔ اب ساڑھے چار گھنٹے کا سفر کراچی کا ہے ۔

بنکاک کے ہوائی میدان پر میں نے اپنے تین دن کا روز نامچہ لکھ لیا ۔ یہ تحریر یہاں ہی لکھ رہا ہوں ۔ پاکستان ایئر لائنز کا جہاز کراچی سے آکر اتر چکا ہے ۔ ایک گھنٹے بعد جہاز دو بجے صبح روانہ ہوگا ۔ کراچی کا وقت بنکاک سے دو گھنٹے پیچھے ہے ۔ ساڑھے چار گھنٹے اڑنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ جب جہاز کراچی کے ہوائی میدان پر اترے گا تو وہاں صبح کے ساڑھے چار بجے ہوں گے ۔

بنکاک کا ہوائی میدان بھی کم مصروف نہیں ہے ۔ شام

کے وقت تو یہاں جہازوں کا بڑا ھی زور ھوتا ھے ۔ مگر اب رات ایک بجے زور نہیں ھے ۔ دکانیں بھی بند ھوگئی ھیں ۔ مسافر چھٹ گئے ھیں ۔ صفائی کرنے والے آگئے ھیں ۔ میں اب بڑی بے چینی کے ساتھ ڈیڑھ بجے کا انتظار کر رھا ھوں کہ عملہ پی ۔ آئی ۔ اے آئے اور میں اپنے وطن کے جہاز میں سوار ھوکر اپنے وطن جلد از جلد پہنچ جاؤں ۔

میرا پیارا وطن! میرا پیارا پاکستان !
زنـــدہ باد ! پائنـــدہ باد !

۱۰ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، پیر ، بنکاک ۔ کراچی

بنکاک کے ھوائی میدان پر رات کے ۱۲ بج گئے اور نئی تاریخ کا آغاز ھوگیا ۔ ٹرانزٹ لاؤنج بڑا زٹیل ھے ، آرام کی اس میں کوئی صورت نہیں ھے ، میں دو گھنٹے سے یہاں بیٹھا ھوں اور گھٹ رھا ھوں ، ماحول بڑا کثیف ھے ، شاید ایئر کنڈیشنر خراب ھیں ۔ میں پسینے پسینے ھوگیا ھوں ۔ سانس نہیں آ رھا ھے ۔ مگر ابھی دو بجے تک اسی ماحول میں بیٹھنا ھے ۔ اگر میں نے زیادہ غور کیا تو پریشانی بڑھ جائے گی ۔ میں اپنی بڑی ھی غیر آرام دہ کرسی سے اٹھا ۔ میرے دونوں پیروں پر ورم آگیا ھے ، جوتا تنگ ھوگیا ھے ۔ ۱۲ گھنٹے ھوائی جہاز میں بیٹھا رھا ھوں ۔ غلطی سے میں نے وہ خاص امریکی موزے نہیں پہنے کہ جو ٹانگوں کا دوران خون بحال رکھتے ھیں ۔ میں نے ٹرانزٹ لاؤنج میں دکانوں کا جائزہ لیا ۔ ان میں خریدار کم ھیں ، نئی جوان لڑکیاں کھلکھلا رھی ھیں ۔ ارادہ کیا کہ کوئی چیز خرید

لوں مگر میں نے مناسب خیال نہیں کیا کہ ان سبلز گرلز کی آزادی میں مخل ہوں ۔ تھوڑی دیر ٹہل کر پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا ۔ کاغذ قلم نکالا ، اور روز نامچہ لکھنا شروع کر دیا ، اس فرصت سے پورا فائدہ اٹھایا اور پونے دو بجے کہ جب پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز کے جہاز کے روانہ ہونے کا اعلان ہوا ، میں اپنا کام پورا کر چکا تھا ۔

عملۂ جہاز نے خوب آؤ بھگت کی ۔ ان کے احترام سے بڑا اطمنان نصیب ہوا ۔ اطمینان کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے وطن کی ہوائی کمپنی کی ترقی چاہتا ہوں ، اور نہیں چاہتا کہ اس عملہ کی کسی غلطی سے کوئی نقصان پہنچے ۔ یہ مقابلہ اور مسابقت کا دور ہے اور اس دور میں خدمت اور اخلاق ہی وہ صفتیں ہیں کہ جو مدد کر سکتی ہیں ۔

بنکاک سے مسافر جہاز کی گنجائش سے زیادہ ہیں ۔ عملہ نے مجھے فرسٹ کلاس میں منتقل کر دیا ، مجھے اس اعزاز سے یہ اطمینان ہوا کہ میں چار گھنٹے زیادہ آرام سے گزار سکوں گا ۔ جیسے ہی میں اپنے جہاز میں آ کر بیٹھا ایسا لگا کہ میں پاکستان میں داخل ہوگیا ہوں ۔ اپنے وطن کے اخبارات آج دس دن کے بعد دیکھے ۔ ان میں وہی سیاست کا بازار گرم ہے جس سے اب طبیعت اکتا گئی ہے ۔ پاکستان کے بعض اخبارات اب " ہائڈ پارک " ہوگئے ہیں ۔ آزادیٔ صحافت نے ان میں توازن اور اعتدال کی خاصی کمی پیدا کر دی ہے ۔ محترمہ " دختر پاکستان " کا ایک بیان نظر سے گزرا ۔ حیرت ہوئی ہے اور مسرت بھی کہ صدر مملکت نے اسے بخوشی برداشت کرلیا ہے ۔ ان کی برداشت کی داد دیتا ہوں اور بیان پر اظہار افسوس ۔ درحقیقت ایسے بیانات کے پس پشت مشرقی و مغربی مشینیں کام کر رہی ہیں ۔ وہ خوب

جانتی ہیں کہ کسے اور کیا ان سے کہلوانا چاہیے ۔ میں آزادیٔ صحافت کا قائل ہوں مگر اس لیے نہیں کہ جب تصور پاکستان کے خلاف باتیں کی جائیں اور اسلام سے متضاد راہ اختیار کی جائے اور عصمت قلم مجروح ہو جائے ۔

میں نے اخبارات رکھ دیے ۔ شام کے پاکستانی اخبارات کے اندرونی صفحات میں حسیناؤں کی تصویریں ایک نظر دیکھیں اور پھر یہ غور کرتا رہا کہ نوجوانان ملت پر ان کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور تہذیب و اخلاق کس طرح ماتم کناں ہیں ۔

ہوائی جہاز میں جب لکھنے پڑھنے کا کوئی کام نہ ہو تو مجھے بالعموم نیند آ جاتی ہے ۔ اگر ایسا نہ ہو تو بڑی مشکل ہو جائے ۔ مگر آج باوجود آنکھ پر کالی پٹی چڑھانے کے نیند آنی تھی نہ آئی ۔

میں برابر پہلو بدلتا رہا ۔ بستر پر ہوتا تو کروٹیں بدلتا ! اور بس اس طرح صبح کے چار بج گئے ۔ مری گھڑی میں بنکاک کا وقت تھا ، میں نے اسے درست کرلیا تھا ۔ میں نے وضو کیا اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہوگیا ، حتیٰ کہ کراچی کی آمد کی اطلاع ملی اور جہاز نیچے اترنے لگا ۔ میں تیار تھا ، جب جہاز نے سر زمین پاک پر اپنے پہیے جمائے تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا ۔ اپنے وطن کی سر زمین ، ہماری سر زمین کو بعض افراد نے نقصان پہنچانے کا تہیہ کیا ہوا ہے ، اور حیرت ہوتی ہے کہ اس آواز بیرونی سے اندرون ملک ساز کو ہم آہنگ کیا جا رہا ہے ۔ میں اس صورت حال سے کم پریشان نہیں ہوتا ہوں ۔ مگر میں اس حقیقت پر یقین کامل رکھتا ہوں کہ ۳۲ سال تک ہم اس وطن عزیز کو تباہ کرنے کی ہر کوشش میں ناکام ہوگئے ہیں ۔ اس لیے پاکستان اس صفحۂ ارض پر انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا ۔

میں موٹر میں سوار ہوکر گھر آ گیا ، سویٹ ہوم !

گھر میں قدم رکھا کہ موذن نے فجر کی اذان دی ۔ اور صلوہ و فلاح کا مژدہ سنایا ۔ میں نے غسل کیا ۔ اور بارگاہ ایزدی میں سر بہ سجود ہوگیا کہ اس نے گزشتہ دس دن بڑے کام یاب دن بنا دیے اور میں طب کی ایک ایسی خدمت کرسکا کہ جس کے اثرات دور رس ہوں گے اور صحتِ عامہ کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

اس طویل سفر سے بخیرت وطن اور گھر واپس آنے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر بجا لایا ۔ تلاوت قرآن پاک کی اور پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ فائل جو میری عدم موجودگی میں جمع ہوگئے ہیں اُن کو دیکھ لینا چاہیے ۔ اس دس روزہ سفر کی رو داد ، رپورٹ ، نامہ ہائے تشکر و امتنان میں سب لکھ کر ختم کر چکا تھا اور کوئی کام نہ تھا۔ آرام کے لیے ذہن تیار نہ تھا ، فائل دیکھے تو غائب ! میری سکریٹری خانم ڈی سلوا نے خود یہ فیصلہ کیا کہ فائل مجھے نہ دیے جائیں ، ورنہ میں آتے ہی آرام کے بجائے کام شروع کردوں گا ۔ ان کا یہ پر خلوص احساس بڑا قابل قدر ہے ۔ بالکل مشرقی انداز کی خاتون ہیں ۔ تازیست ان کو ساتھ رکھوں گا ۔

میں نے ہدایت کی کہ سکریٹری کو فوراً دفتر جانا چاہیے اور فائل لا کر مجھے دینے چاہئیں ، کیونکہ میں کل ہی اسلام آباد جارہا ہوں اور وہاں سے آ کر پیرس چلا جاؤں گا ۔ اس لیے کام ختم نہ ہوگا ، اور اب کہ وقت میرے اختیار میں ہے مجھے یہ کام ختم کر لینا چاہیے ۔ چناں چہ فائل آ گئے ۔ میں نے ۹ بجے تک بہت سا کام ختم کر لیا اور اس کے بعد دفتر ہمدرد پہنچ گیا اور ہدایت دی کہ مجلس منتظمہ کی میٹنگ حسب معمول ہوگی ۔ لہذا ساڑھے دس بجے میں اس میٹنگ میں شریک ہوگیا ۔

۱۲ بجے میں اپنی میز پر آ گیا اور مختلف شعبوں کے فائل آتے رہے ، افسران آتے رہے ، میں ان کی مدد کرتا رہا ۔ حتیٰ کہ ڈیڑھ بجے یہ محسوس ہوا کہ اگر میں نے زیادہ کام کیا تو دل بیٹھ جائے گا ۔ تھکن بدرجۂ کمال محسوس ہوئی ۔ میں نے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا ۔ گھر پہنچ کر ناشتہ کیا ، اور پھر نماز ظہر ادا کرکے اطمینان سے بستر پر لیٹ گیا ۔ ایک گھنٹہ گہری نیند نے ذرا تازہ دم کر دیا ۔ سوا چار بجے میں اٹھ گیا ۔ گویا کچی نیند میں اٹھ گیا ۔ اس کا اثر ہوا ۔ مگر میں نے غسل کرکے اس کیفیت کو دور کر دیا ۔

آج شام ہمدرد ہے ۔ امریکا کی ہارورڈ یونیورسٹی کے استاد اوس پوزینو صاحب مقرر ہیں ۔ محترمی خالد ایم ۔ اسحاق صدر ہیں ۔ تعارف مقرر و موضوع میری ذمہ داری ہے ۔ میں اس کے لیے تیار ہوگیا اور ٹھیک ۵ بجے ہوٹل انٹر کونٹی نینٹل پہنچ گیا ۔ وہاں ڈاکٹر اوس پوزینو امریکی قونصلیت کے دو عہدیداروں کے ساتھ موجود تھے ۔ میری ان سے ملاقات ہوئی ۔

ساڑھے پانچ بجے تک ایک سو اہل علم جمع ہوگئے ۔ میں نے شام ہمدرد کی کارروائی شروع کر دی اور پونے سات بجے تک یہ علمی سلسلہ جاری رہا ۔

محترمی جناب جسٹس قدیرالدین احمد صاحب بھی شام ہمدرد میں شریک تھے ۔ ان کی طبیعت صاف نہیں تھی ۔ وہ مجھ سے طبی مشورہ چاہتے تھے ۔ میں دو بار ان سے وعدہ کر چکا تھا ۔ آج انہوں نے یاد دلایا ۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں خود ان کی خدمت میں جلد ہی حاضری دوں گا ۔

مہمان گرامی کو رخصت کرکے میں گھر کی طرف چلا ۔ مجھے [illegible] جانا چاہیے تھا ۔ راستے میں خیال [illegible]

ے کہا کہ موٹر کا رخ موڑ دو اور مجھے جسٹس قدیرالدین صاحب کے ہاں ڈیفنس سوسائٹی لے چلو، نواب صاحب گھر پر مل گئے - میں ے ان کی طبعت کا حال پوچھا ، نبض دیکھی - میں آدھ منٹ میں کسی نتیجے پر پہنچ گیا -

محترمی نواب صاحب سے سیاسی حالات وطن پر بھی تبادل خیال ہوا - عدلیہ میں کچھ انقلابی تبدیلیاں لائی جانے کی سن گن ہے - میں نے نواب صاحب کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہ جو کچھ سنا جا رہا ہے وہ پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے -

گھر ساڑھے آٹھ بجے آ گیا - ہلکا سا کھانا کھایا - نماز عشا ادا کی اور بستر میں لیٹ گیا - مجھے جلد ہی نیند آ گئی - یہ اللہ پاک کا کرم ہے کہ میں اس زمانے کے دستور کے مطابق کوئی خواب آور گولی کھانے کا عادی نہیں ہوں بلکہ دوسروں کو ان سے اجتناب کرنے کی ہدایت کرتا ہوں - یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ مضر صحت ہیں -

۱۱ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، منگل ، کراچی

صبح دو بجے آنکھ کھل گئی - لاکھ چاہا کہ اور گھنٹہ دو گھنٹہ سو جاؤں ، مگر ایسا نہ ہو سکا - میں نے اٹھ جانے کا فیصلہ کیا - غسل کر کے جا نماز پر آ گیا - نماز تہجد اطمینان سے ادا کی اور پھر تلاوت قرآن میں دل لگا لیا -

دفتر ہمدرد سے کل بہت سارے فائل آ گئے تھے - میں پانچ بجے نماز فجر ادا کر کے اپنی میز پر آ گیا اور فائلوں پر کام شروع کر دیا - صبح ایک مریض کو ساڑھے چھے بجے کا وقت

دیدیا تھا ۔ ان کو اطمینان سے طبی مشورہ دیا اور پھر کام میں لگ گیا۔ ساڑھے سات بجے تک سب کام ختم کرلیا ۔ اطمینان کا سانس لیا ۔

ٹینس کے دونوں ریکٹ سنبھالے اور مقبرہ قائد اعظم رح کے بالکل سامنے کوسمو پولیٹن ٹنس کلب پہنچ گیا ۔ بڑی رونق تھی ۔ میں نے اطمنان سے ایک سیٹ کھیل لیا ۔ محسوس ہوا کہ ذرا سی تھکن ہوگئی ھے ۔ میں عموماً دو نین سیٹ کھیلنے کا عادی ہوں لیکن اس وقت میں نے اسی پر بس کیا اور احباب کے ساتھ ساڑھے نو بجے تک باتیں کرتا رھا ۔ گھر آیا ۔ دونوں نواسیوں ماہ نیم ماہ اور آمنہ کا اصرار تھا کہ کانگرو دیجیے ۔ اوسٹریلیا کا یہ مشہور جانور ھے جس کی تفصیل پہلے ھی قلم بند کر چکا ہوں ۔ میں بچوں کے لیے واقعی کانگرو کے مجسمے لایا تھا ۔ میں نے ان دونوں کو پاس بٹھا کر باتیں کیں اور ان کو ان کا تحفہ دیدیا ۔ دونوں بڑی خوش ہوئیں ۔

سعدیہ بیٹی نے کہا : " ابا جان ، اگر آپ ذرا سا وقت دیدیں تو میں اپنے مسائل عرض کر دوں " ۔ میرا دل بھر آیا ۔ میں نے پیار سے پاس بٹھا لیا اور اس کا غم سنا اور کوشش کی کہ اس کا دکھ دور کردوں ۔ زیادہ پریشانی کی بات نہیں تھی ۔ سعدیہ چوں کہ میری اکلوتی اور واحد بیٹی ھے ، ناز و نعمت میں پلی ھے ، اس لیے ضرورت سے زیادہ حساس ہوگئی ھے ۔ معمولی باتوں کا بھی ، جو مرضی کے خلاف ہوں ، بہت ھی اثر لیتی ھے ۔ لیکن اس کی پریشانی سے میں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ۔

میں نے اپنی سکریٹری خانم ڈی سلوا کو فون کر کے بلایا تھا ۔ ایک گھنٹہ ان سے دفتر کے معاملات پر تبادل خیال کیا ،

اور پیرس میں یونیسکو میٹنگ کے لیے فائلوں کی ھدایات دیں ۔ سوا بارہ بجے ان کو رخصت کر دیا اور میں غسل کرکے آرام کے لیے تیار ہوگیا ۔ ایک گھنٹہ آرام کیا اور اب میں چار بجے کے جہاز سے اسلام آباد روانہ ہونے کے لیے ہوائی میدان جا رہا ہوں ۔ میری روز مرہ زندگی کا بڑا حصہ فضائی سفر میں ہوا کے دوش پر گزرنے لگا ہے ۔

قائد اعظم محمد علی جناح رح کی آج اکتیس ویں برسی ہے اور ملک بھر میں تعطیل عام ہے ۔ ہمارے دوست محترم جناب شریف الدین پیرزادہ صاحب کی رائے ہے کہ قائد اعظم کی موت طبعی نہیں تھی ، ان کو مارا گیا ہے ۔ اب تک تو یہ رائے تھی کہ قائد اعظم کی بہن مس جناح کو ان کی قیام گاہ کراچی میں گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے مگر آج قائد اعظم کے بارے میں محترمی پیر زادہ صاحب کا اخباری بیان بڑا ہی قابل غور اور وجہ فکر بن گیا ہے ۔ میں اس حد تک تو یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ سخت گرمی میں قائد اعظم جس ایمبولنس میں ماری پور ایئر پورٹ سے قصر صدر لائے گئے تھے وہ بس خراب ہوئی اور بیمار قائد اعظم کم و بیش دو گھنٹے دھوپ میں سڑک پر کھڑی ایمبولنس میں پڑے سسکتے رہے ۔ گورنر جنرل پاکستان ، بانیِ پاکستان ، قائد اعظم کے ساتھ یہ سلوک بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا اور وہ ضرور سازش تھی ۔ ہوسکتا ہے کہ جناب شریف الدین پیرزادہ صاحب نے اس واقعہ اور حادثہ کو اپنے فکر کی بنیاد بنایا ہو ۔ انہوں نے مزید انکشافات کا وعدہ کیا ہے ۔

۱۲ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، بدھ ، اسلام آباد

شب گزشتہ نیند پوری نہیں ہوسکی - ابھی ۱۱ بجے سویا ہی تھا کہ سلسلۂ باد و باراں شروع ہوگیا ، اور پھر ژالہ باری - یہ ژالہ باری تھی کہ قہر اللہی ، ٹینس بال کے برابر اولے ! توبہ ہی بھلی - ایسا لگ رہا تھا کہ گولہ باری ہو رہی ہے - اس ژالہ باری نے فصل کو تباہ کر ہی دیا ہوگا اور نہ جانے سڑک پر چلنے والوں کا کیا حشر ہوا ہوگا اور جو کچے مکانوں میں رہتے ہیں وہ بھی اپنی خیر منا رہے ہوں گے -

نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کی اولین میٹنگ کا آغاز ہو رہا ہے - تمام ارکان مختلف مقامات سے جمع ہوگئے ہیں - میں نے صبح ہی سے اپنے ذہن کو اس اہم میٹنگ کے لیے تیار کرلیا ہے - اس کاؤنسل کی تشکیل میں سدید موانع تھے - نادان دوست اور دانا دشمن دونوں اس کی راہ میں حائل تھے - میں نے شدید جدوجہد کرکے بالآخر جناب صدر مملکت سے ۱۶- اگست ۱۹۷۹ء کو اس کی منظوری حاصل کر ہی لی -

مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی ہے کہ اب یہ کوشش ہوگی کہ یہ کاؤنسل کام نہ کرسکے - چناں چہ آج صبح جب میں ۸ بجے اپنے سرکاری دفتر میں آیا اور حالات کا علم ہوا تو میری رائے غلط نہ تھی - سبوتاژ کی کوشش شد و مد کے ساتھ شروع ہوچکی ہیں - ایجنڈا ، جو میں نے بنا کر دیا تھا ، اس میں ترمیم ہوئی - صدر کاؤنسل کے خطاب پر قدغن عائد ہوا ہے اور مشیر طب یعنی راقم الحروف کے ابتدائی کلمات کو پروگرام

سے قلم زد کیا گیا ہے ۔ شرکا کے ٹریول الاؤنس اور یومیہ بھتے کا مسئلہ نہیں ہونے دیا گیا ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔

میں بہر طور اس حقیقت کو واضح کر چکا ہوں کہ طب کو موضوع بنائے بغیر پاکستان میں بنیادی ریسرچ اور طبی تحقیقات ممکن نہیں ہے اور یہ کہ حکیم ، ڈاکٹر اور سائنس داں کے اتحاد ثلاثہ کے بغیر اس میدان میں کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا جاسکتا ۔ پاکستان میں ۳۲ سال تک اس اصول کی نفی ہوئی ہے ۔ مگر جب اس اصول کو ساری دنیائے افریقہ و ایشیا نے تسلیم کرلیا ہے تو اب غیر محب وطن قوتیں اس راہ میں مثبت اقدامات کی نفی پر تلی ہوئی ہیں ۔ نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کے لیے یہ سب سے بڑا حادثہ ہے کہ ایک " نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ " بن گئی ہے اور اب یہ سانحہ درپیش ہے کہ یہ کاؤنسل آمادۂ عمل ہوا چاہتی ہے ۔ پاکستان میں اساسی تحقیق اور بنیادی ریسرچ ہمارے ان دوستوں اور ان دوستوں کے ایجنٹوں کے مفاد میں نہیں ہے کہ جو پاکستان کو اپنی دواؤں کی منڈی بنائے ہوئے ہیں اور انہوں نے پاکستان کو اس قابل بھی نہ بننے دیا کہ وہ ۳۲ سال میں کوئی ایک ہی دوا اپنی بنا لیتا یا بنیادی ریسرچ کی کوئی ایک اینٹ ہی رکھ دیتا ۔ میں ان بین الاقوامی سازشیوں اور بین الملی دوا سازوں کو خوب جانتا ہوں اور پاکستان میں ان کے ایجنٹوں کو بھی جانتا ہوں ۔ میں اس سازش کو ناکام بنا کر ہی دم لوں گا ۔ کوشش میری ہوگی ، تکمیل اللہ کے حکم سے ہوگی ۔

میں دس بجے میٹنگ میں چلا گیا ۔ ساڑھے دس بجے تک تمام ارکان جمع ہوگئے ۔ میں نے تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید سے آغاز کیا ۔ بیورو کریٹ صاحبان تلاوت کو قلم زد کرنا

بھول گئے تھے ! کلمات استقبالیہ عرض کیے ، اور اس کے بعد ایجنڈے کے مطابق آغاز فکر ہوگیا ۔ دن کے ڈیڑھ بجے تک آج کاؤنسل کے اغراض و مقاصد پر تبادل خیال ہوا ۔ اب کل راہ عمل تجویز کی جائے گی ۔ میں نے اطمینان و مسرت کے ساتھ یہ دیکھا ہے کہ کاؤنسل کا ہر رکن اب اس پر آمادہ ہے کہ اب کوئی عملی کام کر ڈالنا چاہیے ۔ یہ فضا بڑی سازگار ہے ۔ میں انشاء اللہ اس میں پوری طرح مستعد و معاون رہوں گا ۔ لیکن اس سے زیادہ مجھے کاؤنسل کے بعض ارکان سے آگاہ رہنا ہوگا کہ جو بہر قیمت اس کاؤنسل کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ میں ان کے عزائم سے غافل نہیں ہوں ۔

۱۱ بجے صدر مملکت کی جانب سے مجھے ہدایت ملی کہ آج شام ۷ بجے جناب محترم صدر مملکت کاؤنسل کے فاضل ارکان کو شرف ملاقات عطا فرمائیں گے ۔ مجھے ہدایت کی کہ میں ۷ بجے سب کو لے کر صدر مملکت صاحب کے مکان پہنچ جاؤں ۔ اس سے مجھے انتہائی مسرت حاصل ہوئی اور بڑا ہی اطمینان نصیب ہوا ۔ یہ احترام کہ جو جناب صدر مملکت نے کاؤنسل کو دیا قدرِ عالم کی تعریف میں آتا ہے اور ایک فال نیک ہے ۔ میں نے صدر مملکت کو مبارک باد دی کہ وہ پاکستان میں علم و عالم کی قدر دانی کا سامان کر رہے ہیں ۔ اس اعتبار سے ان کا اسم گرامی زرین حروف میں قومی تاریخ کے صفحات پر لکھا جائے گا ۔

پاکستان کے دیہات

دیہات میں جو طبیب خدمت میں مصروف ہیں ان کی تعلیم و تربیت مزید کے لیے میں نے جو اقدامات کیے ہیں ان پر حتمی فیصلے کے لیے آج ۵ بجے جناب محترم وائس چانسلر صاحب ، علامہ

اقبال اوپن یونیورسٹی ، ڈاکٹر ایس - ایم زمان صاحب کے دولت کدہ پر ایک مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا - میں بھی بھاگ دوڑ کر کے وقت سے پہلے ہی پہنچ گیا - ۶ بجے تک تبادل خیال جاری رہا - اس کام کے لیے ایک خطیر رقم درکار ہے - اگر دس ہزار اطبا کی تربیت و تعلیم کا کام ہاتھ میں لیا گیا تو اس کے لیے ۱۶ لاکھ روپے درکار ہیں - تعداد اطبا کہ جو اس تعلیم و تربیت سے استفادہ کرے گی وہ کم از کم بیس ہزار ہو ہے - حسابات کہ جو تیار ہوئے ان کا جائزہ لیا گیا - بارے میں نے یہ خود خواہش ظاہر کی ہے کہ اب قاعدے سے پروپوزل تیار کرلیا جائے اور پھر انشاء اللہ میں اس رقم کی فراہمی کی راہیں سوچ لوں گا -

صدر مملکت کے ساتھ

پورے سات بجے جب میں دولت کدہ صدر مملکت پر پہنچا تو کاؤنسل کے فاضل ارکان سب پہنچ چکے تھے - سب نے نماز مغرب ادا کی اور اتنے میں جناب صدر مملکت تشریف لے آئے اور ہم ان سے شرف باریابی حاصل کرنے کے لیے ان کے کمرے میں گئے - میں نے جناب صدر سے تمام ارکان کا تعارف کرایا - جناب صدر نے نہایت اطمینان سے اور اخلاص و اخلاق اسلامی سے ارکان کاؤنسل کا استقبال کیا اور پون گھنٹہ تبادل خیال کیا اور اس کام میں اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا -

صدر مملکت پاکستان مزاج شناس ہیں اور پاکستان میں طب کے خلاف نام نہاد ڈاکٹروں کی روش سے بہ خوبی آگاہ ہیں - میں یقین کامل رکھتا ہوں کہ وہ وزارت صحت میں بیوروکریسی کے انداز و اختیار سے آگاہ ہیں - ان حالات میں پیش بینی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کو اہمیت دیں - آج

کی اس ملاقات میں انہوں نے طبی ریسرچ کی اهمیت اور فوقیت پر زور دیا اور بار بار زور دیا ۔ وہ هر ایک کو یه باور کرانا چاهتے تھے که وہ اس بات مس نیک نیت هیں اور واضح فکر کے حامل هیں ۔

'' نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ '' پاکستان میں ایک انقلاب انگیز اقدام ھے ۔ اس کاؤنسل کے عزائم درحقیقت اس بے دست و پا اور بے عمل جدیدیت کی شکست ھے که جو غیر ملکی اثرات کے زیرنگین ھے اور پاکسان کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے دینا نہیں چاهتی ۔ اس کاؤنسل کے ایک رکن وہ بھی هیں که جو پاکستان مڈیکل ریسرح کاؤنسل کے صدر هیں ۔ درحقیقت اب ان دونوں کاؤنسلوں میں مقابلے کی صورت پیدا ہو رهی ھے ۔ میں نے آج درون قلب کا گہرائی کے ساتھ مطالعه کیا ھے ۔ میں اس ٹکراؤ سے اپنی کاؤنسل کو محفوظ کرنا چاهتا ہوں ، کیونکه مجھے یه خطرہ ھے که اس کاؤنسل کو بے عمل بنا دینے کے لیے قوتس برسر عمل ہو جائیں گی ۔

نیشنل کاؤنسل فار طب

اس میٹنگ کے بعد جب ارکان رخصت ہوئے تو میں نے علاحدگی مس صدر محترم سے چند مسائل پر تبادل خیال کیا اور سب سے اهم کام یه کیا که آج '' نیشنل کاؤنسل فار طب (ٹریڈیشنل مڈیسن) '' کی تشکیل پر جناب صدر مملکت کی منظوری حاصل کرلی ۔ یه پاکستان میں طب کے لیے سب سے بلند کاؤنسل ھے که جو طب و مسائل طب و اطبا سے عهد برآ ہونے کی ذمے دار ھے ۔

آج دوپہر کی میٹنگ کے بعد میں نے حکیم آفتاب احمد

قرسی صاحب سے استمزاج کرلیا تھا۔ اس سے قبل میں نے پاکستان طبی کانفرنس کے صدر محترم جناب حکیم محمد نبی خاں جمال سویدا صاحب سے مفصل کےساتھ تبادل خیال کرلیا تھا اور "طبی کاؤنسل" کی تشکیل کرلی تھی۔ میں نے آج ھی سہ پہر کو جناب صدر مملکت کے لیے اختصار نامہ (سمری) تیار کر لیا تھا اور اب اس ملاقات میں ان کی منظوری حاصل کرلی۔

یہ ایک سب سے بڑا مرحلہ تھا۔ جناب صدر نے ۱۶ اگست ۱۹۷۹ء کو مجھے اجازت دیدی تھی کہ میں اس کی تشکیل کا کام کروں اور وہ اس کی منظوری دیدیں گے۔ اب اس کے لیے مجھ پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوگئی ھے۔ میں اب اسلام آباد میں جلد از جلد "طبی کاؤنسل" کا دفتر قائم کرنا اور کام شروع کرا دینا چاھتا ھوں۔ میں نے طبی بورڈ کا نام تبدیل کرا لیا ھے۔ جناب صدر نے "نیشنل کاؤنسل فار طب" نام منظور فرمایا ھے۔

میں نے نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ کے ارکان کے احترام میں آج اسلام آباد ھوٹل میں ایک عشائیہ ترتیب دیا تھا۔ اس میں اسلام آباد کے اھل علم نے بھی شرکت فرمائی۔ پاکستان میں طبی ریسرچ کے لیے سرکاری سطح پر یہ پہلی کاؤنسل قائم ھوئی ھے اور اس نوعیت کا یہ پہلا ڈنر ھے۔ اس سے قبل طب و اطبا کو کون پوچھتا تھا!

۱۳ - ستمبر، ۱۹۷۹ء، جمعرات، اسلام آباد

آج اخبارات نے "نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ" کا

پرجوش خیر مقدم کیا ہے اور کل کے غور و فکر پر مشتمل خبریں چھاپی ہیں ۔ ریڈیو پاکستان اور ٹیلے وژن نے بھی یہ خبر نشر کی ہے ۔ میں نے اس کو اطمینان سے دیکھا اور سنا ہے ۔

میں ۸ بجے اپنے سرکاری دفتر آ گیا ، اور مختلف اہم ذمہ داریاں پوری کرتا رہا ۔ پھر ۱۰ بجے کاؤنسل کی میٹنگ میں آ کر شریک ہوگیا ۔ میٹنگ ایک بجے تک جاری رہی ۔ آج ہم نے مقاصد اور مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے مثبت اقدامات کا فیصلہ کرلیا ہے ۔ مٹنگ کے اختتام پر ہم سب نے دست ہائے دعا دراز کیے : '' اے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں نیک مقاصد میں کام یابیاں عطا فرما اور ہم صحت انسانی کے لیے اچھے کام کرسکیں ، اس کی ہمس توفیق عطا فرما ۔ ''

میں نے سکریٹری صاحب ہلتھ کے لیے ایک توضیحی نوٹ تیار کر دیا ہے اور کل نشنل کاؤنسل فار طب کی جو منظوری عالی مرتبت صدر گرامی قدر ، مملکت پاکستان سے لایا تھا ، اس کی ایک فوٹو کاپی رکھ کر اصل اس ہدایت کے ساتھ جاری کر دی ہے کہ اس کا پریس نوٹ تیار کرلیا جائے اور پریس ریلیز جلد از جلد جاری کر دی جائے ۔

میں نے ایک مستقل اعزازی '' نصاب کمیٹی '' قائم کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا ہے ، اور جناب صدر مملکت سے اس کے قیام نیز اس کی صدارت کے لیے جناب محترم حکیم علی احمد نیّر واسطی صاحب کا نام تجویز کر کے اجازت حاصل کرلی ہے ۔ اس کمیٹی کے بارے میں میں نے جناب حکیم نیّر واسطی صاحب کی خدمت میں نکات عرض کر دیے ہیں ۔ ویسے جب بھی وہ اپنی حتمی رائے دیں گے تو میں اس کی تشکیل اور قیام کو آخری شکل دیدوں گا ۔

میری به حیثیت مشیر طب تقرری کے بعد سے بڑے موانع اور مشکلات کے باوجود میں نے اب تک طب کے لیے بنیادیں رکھ دی ہیں ۔ میں ان بنیادوں کو اب ایسا مضبوط بنادینا چاھتا ہوں کہ میرے جانے کے بعد ان بنیادوں کو ہلایا نہ جاسکے ۔ اور اب میں ان مضبوط بنیادوں پر قصر طب تعمیر کر دینے کی جدوجہد کروں گا اور انشاءاللہ تعالیٰ میں یہ خدمت بھی سر انجام دیدوں گا ۔ گو اختیارات کے اعتبار سے میں درحقیقت بے دست و پا ہوں تاہم میں اپنے عزائم سے اور اپنے خلوص نیت سے اور اپنی دیانت عمل اور امانت فکر سے ہی باغیِ طب طاقت کو شکست دیتا چلا جاؤں گا ۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں ۔

اسلام آباد میں آنے کے بعد محترمی جناب مسرت حسین زبیری صاحب سے ملاقات نہ ہو، یہ ممکن نہیں ۔ میں ان کی خدمت میں گیا ۔ ناشتہ ان کے ہاں کیا ۔ ۴ بجے تک ان سے باتیں کر کے گھر آگیا ۔

گھر آیا تو اس قابل نہ تھا کہ اخبار ہی پڑھ سکتا ۔ جسم بے جان تھا ۔ لیٹ گیا ۔ ایک گھنٹہ آرام سے اب سفر کے قابل ہوگیا ہوں ۔ ۷ بجے کے ہوائی جہاز سے تمام ارکان کاؤنسل جن کا کراچی سے تعلق ہے ان کو لے کر رات ۹ بجے کراچی آ گیا ۔ اور سب کو ان کے گھروں کو پہنچا کر رات ۱۱ بجے میں گھر آ گیا ۔ کھانا نہیں کھایا ، ہلکا ناشتہ کر کے نماز عشا ادا کی اور بستر میں دراز ہوگیا ۔ بہت تھک گیا تھا ۔ لیٹتے ہی نیند آ گئی ۔ خواب میں بھی کاؤنسل کے ارکان سے تبادل خیال ہوتا رہا ۔

اوسٹریلیا میں سات دن تک طبی عالمی کانفرنس میں شدید مصروفیتوں اور طویل سفروں کے بعد فوراً ھی اسلام آباد میں " نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ " کے کاموں میں مصروفیت نے اعصاب کو تھکا تو دیا مگر طب کے لیے جو کام میں نے کیے ھیں وہ میرے مقاصد حیات کی تکمیل ھیں ، اس لیے تھکن کے بعد تازگی حیات نو کا سبب بن جاتی ھے - رات دن کام کرتا ھوں اور خوش ھوتا ھوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے خدمت کے مواقع عطا فرمائے ھیں -

۱۴ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعۃ المبارک ، کراچی

تین دن کی ڈاک میز پر جمع تھی - میں نماز فجر کے بعد اپنی میز پر آ گیا اور ۷ بجے تک تمام ڈاک دیکھ لی - اطمینان ھو گیا کہ اھم کام ختم کرلیا ھے - آج ٹینس کا موقع مل گیا ھے - اب تو اس کا وقت بھی نہیں مل رھا ھے - ورزش نہ ھونے کی وجہ سے میں اپنے جسمانی نظام میں " پریشانی " محسوس کرنے لگا ھوں - دو اچھے سیٹ مل گئے - تھک گیا ، اوسان قائم کرنے میں وقت لگا ، مگر ٹھنڈی ھواؤں نے سکون بخش دیا - کراچی کا موسم کبھی کبھی بہت ھی خوشگوار اور اعصاب کو سکون بخشنے والا ھوتا ھے - گھر آ کر ریڈیو پاکستان کے لیے تقریر کو ایک نظر دیکھا اور اس کو حسب حال بنالیا - پونے دس بجے جناب خالد لطیف صاحب آ گئے - ان کے ساتھ ریڈیو پاکستان گیا اور " اللہ سے محبت " کے عنوان پر اپنی تقریر رکارڈ کرادی ھے - یہ بہ سلسلۂ " قرآن حکیم اور ھماری زندگی " ھے - میرا دل چاھتا ھے کہ میں اس سلسلۂ تقاریر پر زیادہ توجہ کیا کروں - مگر وقت نہیں ملتا اور بمشکل ایک

تقریر ماهانه تیار کرلیتا هوں۔ تقریر ریکارڈ کراتے هی گھر واپس آ گیا۔

محترمه خانم ڈی سلوا آ گئیں ۔ دن کے ڈیڑھ بجے تک وہ ضروری هدایات لیتی رهیں ، نوٹ کرتی رهیں ۔ دسمبر سنه ۱۹۷۹ء میں هونے والی دونوں کنگرسوں کو اب کوئی صورت دینے کا وقت آ گیا هے ۔ اب میں یونیسکو جا کر حتمی راهوں کا تعین کروں گا ۔ اکتوبر کے مهینے میں تمام انتظامات کی تکمیل کرلینی ضروری هے تا که سب کام خوش اسلوبی کےساتھ هوتے رهیں ۔

نماز جمعه کے بعد گھر آ کر هلکا ناشته کیا اور ایک گھنٹے کے لیے لیٹ گیا ۔ آنکھ بھی لگ گئی ۔ اس سے دل و دماغ کو ذرا سکون محسوس هوا ۔ غسل کر کے میں نے نماز عصر ادا کی اور میز پر آ گیا ۔ سرکاری فائل دیکھے اور ان پر نوٹ وغیرہ لکھ کر تیار کر دیے هیں ۔ کل یه اسلام آباد بھجوا دیے جائیں گے ۔ خلیل الله صاحب سے کہا جائیگا که وہ انهیں پی ۔ آئی ۔ اے سے بک کرا دیں ۔

مجھے یاد آیا که میری عدم موجودگی میں جو شام همدرد پشاور ، راولپنڈی اور لاهور میں هوئی هیں ان کے مقررین اور صدور کو نامه هائے تشکر نهیں گئے هیں ۔ میں نے یه ۱۲-۱۳ خطوط آج لکھ دیے هیں ۔ شام همدرد کے متعلقه شعبے میں جو صاحب کام کر رهے هیں وہ اپنے فرائض پر هنوز قابو نهیں پاسکے هیں ۔ یه ان کی ذمه داری تھی ۔ یه خط میں خود هی لکھا کرتا هوں مگر یاد دهانی بھی ضروری هوتی هے ۔ شام کے ۵ بجے سے رات ہونے ۹ بجے تک میں اپنے کاموں سے فارغ هوا هوں ۔ فرزندان نقوی صاحب ملنے آئے تھے ۔ رات ۱۰ کے قریب وہ گئے ۔ ان سے مل کر بڑی خوشی هوئی ۔ کھانا تیار تھا ۔ نوش جان کیا اور نماز عشا پڑھ کرکے لیٹ گیا ۔ دن بھر کے

حالات سینما کے فلم کی طرح بند آنکھوں کے سامنے گزرتے رہے ۔ میں غور کرتا رہا کہ ان میں کہیں جھول تو نہیں رہ گیا ہے ۔ کوئی نقص نظر نہیں آیا ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان سے سو گیا ۔

۱۵ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، ہفتہ ، کراچی

اوسٹریلیا کے سفر اور اس کے بعد اسلام آباد میں دو روزہ مجلس " نیشنل کاؤنسل فار طبی ریسرچ " کی شدید مصروفیت نے اب تک سرے جسم کو تازہ نہیں ہونے دیا ہے ۔ تھکن کا ایک ایسا احساس ہے کہ جس کی حقیقت کو میں جانتا ہوں ۔ اور اس کا تقاضائے حقیقی یہ ہے کہ میں کم از کم ایک دن بالکل بستر پر لیٹ جاؤں ۔ اس بار تھکن کا احساس مقام قلب پر ہو رہا ہے ۔ میں اس کو محسوس کر رہا ہوں مگر اپنے فرائض سے غفلت کیسے برتوں ! ان کی بجا آوری میرے سوا کون کرسکتا ہے !

اپنے معمول کے مطابق ۶ بجے صبح مطب ہمدرد پہنچ گیا ۔ مجھے فرینکفرٹ/ پیرس سفر پر آج روانہ ہونا تھا ۔ مجھے جہاز کراچی سے سیدھا پیرس لے جاتا مگر میں نے آج کے مطب کی خاطر طویل راستہ اختیار کیا ہے اور فرینکفرٹ ہوتا ہوا پیرس جا رہا ہوں ۔ مطب میں مریضوں کا ہجوم تھا اور میں ان کے لیے اپنے تمام قویٰ مجتمع کر کے آمادۂ خدمت ہو چکا تھا ۔ میں صبح ۶ بجے سے شام کے تقریباً ۵ بجے تک مصروف خدمت رہا ۔ میرے رفقائے مطب بھی مستعد رہے ۔ اور جب مطب سے اٹھا تو تعداد مرضا ۲۶۲ تھی ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مجھے اس نے انسان دوستی کی اس خدمت کا موقع دیا اور دست دعا دراز کیا کہ آج

کے مطب میں جو نادانستہ کوتاھیاں ھوئی ھوں ان سے در گزر کرتے ھوئے اے باری تعالیٰ ! میرے ان تمام زیر علاج مریضوں کو شفائے کامل عطا فرما ۔

مطب سے اٹھ کر سیدھا دفتر ھمدرد مس آگیا ۔ ڈاک کا انبار میز پر لگا ھوا تھا ۔ مبں نے سب سے پہلے پانی نوش جان کیا ۔ آج مطب مس گیارہ گھنٹے پیاسا کام کرتا رہا تھا ۔ عملے نے کوتاھی کی ، اور پانی کا گلاس میز پر رکھنا بھول گئے ۔ میں معمولاً آج کل آب لیموں پانی میں ملا کر ٦ ۔ ۷ گلاس پیا کرتا ھوں ۔ میں نے اس کوتاھی کو نظر انداز کر دیا ۔ اور عملے کو زحمت نہ دی اور پیاس کو برداسب کرلیا ۔

مبں نے ناشتہ نہیں کیا ، اس وقب جسم کو پانی کی ضرورت ھے غذا کی نہس ۔ پھر وقب بھی نہیں ھے کہ دودھ اطمینان سے نوش جان کرلوں ۔ کام مس لگ گیا ، ڈاک ختم کر دی اور ھمدرد کے مختلف شعبوں کے کارکنان اپنے اپنے فائل لے کر آئے اور میں نے ضروری ھدایات سب کو دیدیں ۔ شام کے پونے سات بج گئے ۔

اسلام اینڈ دی ویسٹ

۱۹۷۵ء میں اٹلی کے خوب صورت شہر وینس میں ھم چند اھل فکر و نظر نے ایک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور " اسلام اینڈ دی ویسٹ " اس کا نام تجویز کیا ۔ اس انجمن کا بنیادی اور اساسی مقصد یہ ھے کہ مغرب کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلام اور اقدار اسلامی کی فہم کا مزاج پیدا کرے ۔ امریکا کے پروفیسر کلنچی اس کے محرک ھیں ، برطانیہ کے لارڈ کاریڈون اس کے صدر ، نائب صدر ڈاکٹر معروف الدوالبی صاحب ھیں اور دوسرے

نائب صدر پروفیسر براؤن - میں نے اس تنظیم کے لیے منصوبہ بندی کی خدمت انجام دی ھے اور پھر پیرس میں دوسرے اجلاس میں شرکت کرنے ہمدرد فاؤنڈیشن سے مالی تعاون کی بھی پیش کش کی تھی -

اب اس انجمن کا دستور اساسی زیر غور ھے - اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے میں جنیوا نہیں جا رھا ھوں - میری عدم شرکت پر انجمن کے سکریٹری جنرل پیارے دوست ڈاکٹر مارسل بواسارو صاحب کا خط آیا ھے - ان کو تشویش ھے کہ میں شرکت نہیں کر رھا ھوں - وہ میری شرکت کو بڑی اھمیت دیتے ھیں -

گزشتہ دنوں لیبیا اسٹیٹ بنک کے گورنر صاحب نے تار دیا تھا کہ اگر میں میٹنگ میں جا رھا ھوں تو وہ بھی آئیں گے ، ورنہ نہیں - میں نے ان کو تار دیدیا تھا کہ میں معذور رھوں گا - میں نے مئی سنہ ۱۹۷۹ء میں مارسل صاحب کو بتا دیا تھا کہ میں ستمبر کے وسط میں شرکت کرسکتا ھوں مگر وہ ان تاریخوں میں میٹنگ کا انتظام نہ کر سکے - بارے میں نے تار دلوا دیا ھے کہ میرا انتظار نہ کریں -

میری تحریرات اب اتنی زیادہ ھوگئی ھیں کہ ان کے انگریزی تراجم کے لیے ایک کارکن کی ضرورت پیش آ گئی ھے - آج میں نے ایک صاحب کا تقرر کر دیا ھے - میں بنیادی طور پر تمام چیزوں کو اردو میں لکھتا ھوں - ان صاحب کا تقرر اس لیے کیا ھے کہ وہ تراجم کا کام جاری رکھیں اور میری کثیر تحریرات انگریزی میں منتقل کرتے رھیں -

میری لائبریری اب بڑھ گئی ھے - اس میں گیارہ سے زیادہ کارکنان ھوگئے ھیں - اس لائبریری کو اب ضابطے قاعدے میں لانے

کے لیے اور اسے زیادہ مفید بنانے کے لیے ایک ایسے کارکن کی ضرورت ہے کہ جو کام لینا جانتا ہو۔ میں نے آج ایک صاحب کو چیف لائبریرین کی حیثیت سے تقرر کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے بہ شرطے کہ وہ وقت پر آ کر کام سنبھال لیں۔

میری سکریٹری خانم ڈی سلوا نے سفر کے تمام فائل تیار کرکے مجھے دیدیے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان فائلوں میں تمام وہ چیزیں پوری ترتیب کے ساتھ مجھے ملیں گی جن کی مجھے اپنی پیرس وغیرہ کی میٹنگوں میں ضرورت ہے۔

خلیل اللہ صاحب میرا ٹکٹ اور پاس پورٹ وغیرہ لے آئے۔ میں نے سمجھ کر ان کو سنبھال لیا ہے۔ میں نے سوال کیا: "اور ڈالر؟" وہ ہنسے "آپ ہی نے تو تحریر فرمایا تھا کہ اس سفر میں مجھے ڈالروں کی ضرورت نہیں ہے!" [۱]

واقعہ یہ ہے کہ صدر مملکت سے اجازت سفر لینے کے بعد میں نے وزارت خزانہ کو یہی لکھا تھا کہ میں پیرس میں یونیسکو کا مہمان ہوں گا، اس لیے مجھے صرف ٹکٹ کی خریداری کی اجازت درکار ہے۔ جیب خرچ یونسکو سے مل جائے گا۔ خلیل اللہ صاحب نے بتایا کہ اسٹیٹ بینک اوف پاکستان میں آج میرے بارے میں یہ شہرت ہوئی ہے کہ "پہلا وزیر ہے جس نے ڈالر واپس کیے ہوں!" میں نے اس سے بڑا ہی اطمینان اور سکون محسوس کیا ہے۔ میری ساری تھکن دور ہوگئی ہے!

اوسٹریلیا کے سفر کے لیے وزارت خزانہ نے مجھے میری حیثیت کے مطابق ۳۶۷ امریکی ڈالر کے بقدر زر مبادلہ دیا تھا۔

۱۔ نہایت افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اس روز نامچے کی باقاعدہ ترتیب کے وقت میرے مخلص کارکن اور پیارے خلیل اللہ صاحب اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں۔

اوسٹریلیا میں اوسٹریلین نشنل یونیورسٹی کا مہمان رہا ۔ یونیورسٹی نے ایک سو اوسٹریلین ڈالر جیب خرچ بھی دیا ۔ یہ عالم و علم کی قدر دانی کا مظاہرہ تھا ۔ یہ رقم بھی میری حقیقی ضرورت سے زیادہ تھی ۔ میں نے ۱۰ ستمبر کو پاکستان واپس آ کر یہ ۳٦ء امریکی ڈالر واپس کر دیے ۔ اسٹیٹ بنک میں اس دیانت داری کی شہرت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں حتی الامکان اصول دیانت سے کام کرتا ہوں ۔

ٹھیک ۷ بجے گھر آ گیا ، اور اسی وقت محترمی جناب مرزا پویا صاحب مدیر اعلا '' مسلم '' تشریف لے آئے ۔ ان سے آج تبادل خیال کرنا مقصود تھا ۔ میرا اصرار تھا کہ میں ان کے ہاں حاضر ہوں ، مگر انہوں نے لطف و کرم فرمایا ۔ میں نے ایک گھنٹہ ان سے باتیں کیں ۔ صحافت موضوع رہا ۔ میں پاکستان میں صحافت کی بد حالی سے ذہنی طور پر پریشان ہوں ۔ میں نے آج کی گفت گو میں توازن فکر و عمل پر باتیں کیں ۔ محترمی مرزا پویا صاحب کو میں نے اپنا ہم خیال پایا اور اس سے بڑی ہی مسرت ہوئی ۔

مس نے پاکستان کے ایک بڑے اخبار کا بغیر نام لیے ہوئے ان سے ذکر کیا اور اس کی ایک خبر بتا کر میں نے کہا کہ کیا آپ صدر مملکت کی برداشت کی داد نہیں دیں گے !

ایک واقعہ مجھے یاد آیا ۔ پاکستان کا ایک بڑا اخبار کہ جو اسلامی مزاج کی شہرت رکھتا ہے اور اپنے اس مقام پر شد و مد کے ساتھ اصرار کرتا ہے ، اس نے ۲۹ جنوری کو ایک شذرہ سپرد قلم کیا کہ صدر مملکت پاکستان نے ۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء کو طب کے باب میں جو اعلانات کیے ہیں ان کو جامۂ عمل پہنانا چاہیے ۔ اور جب ایک مشیر طب کے تقرر کا فیصلہ ہوچکا

ہے تو یہ بہر مفاد طب مس جلد از جلد کر دینا چاہیے — پھر جب اس مقام پر سرا تقرر ہوگیا تو چار دن بعد ۲ فروری سنہ ۱۹۷۹ء کو یہی اخبار اسی کالم مس شذرہ لکھتا ہے کہ ایک اور وزیر کا تقرر صرف بے جا ہے ۔ پاکستان غریب ملک ہے اس میں اخراجات کی کمی کرنی چاہیے ۔ مشیر (وزیر مملکت) کا خرچ بڑھانا صحیح نہیں ہوا ہے ۔

پاکستان میں صحافت کا اب یہ مقام رہ گیا ہے !

ایسا ہی ایک اخبار ہے کہ جس نے ایک وزیر مملکت برائے صحت کے ارشادات دو قسطوں میں شرح و بسط کے ساتھ چھاپے ، مگر جب میں نے جواب لکھ کر دیا تو اس اخبار نے دس ہزار روپے کا مطالبہ کیا تھا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

میں نے اپنا سامان سفر درست کیا اور کھانے پر [illegible] آگیا ۔ فریدہ بھی آئی ہوئی تھیں سب بچوں کے ساتھ ایک گھنٹہ گزارا ۔

۱۶ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، اتوار ، کراچی سے فرینکفرٹ ، پیرس

صبح ساڑھے پانچ بجے جب کراچی کے ہوائی میدان پر پہنچا تو پولیس والوں نے یہاں کی چھل پہل کو خاصی حد تک کم کر دیا تھا ۔ نہ موٹر ٹکسیاں اور نہ ٹیکسی والے سنڈے مسٹنڈے کہ جو بڑی بڑی مونچھیں لگائے تلاش شکار میں پھرا کرتے ہیں اور جب ان کا شور زیادہ مچتا ہے اور اس شور میں پولیس کا کوئی بڑا آجاتا ہے تو پولیس سپاہی اس انداز سے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں کہ صاف پہچانا جاسکتا ہے کہ نورا کشتی ہے !

یہ مونچھوں والے ایک زمانہ تھا کہ کسی سفید فام کی تلاش کرتے تھے اور اس سے ڈالر اینٹھ لینے کی جستجو کیا کرتے تھے ۔ کوئی امریکی ھو نو اس کے لیے ھوائی میدان سے ھوٹل تک ۲۵ - ۳۰ ڈالر کوئی بات ھی نہ ھوتی ۔ اس کے اپنے ملک میں یہ ۲۵ - ۳۰ روپے ھوئے ۔ ٹیکسی والا یہ ۳۰ ڈالر نین سو روپے میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے عین نیچے سڑک پر فارن کرنسی کا کار بار کرنے والوں کے ھاتھ منافع مس فروخت کر دیتا ھے ۔ اور پھر یہ ڈالر وہ لوگ خریدتے ھیں کہ جن کو زر مبادلہ ان کے ظرف کے مطابق نہیں ملتا ھے ۔

گورنر کے لیے ھٹو بچو

پتہ چلا کہ جناب گورنر صاحب حکومت عراق کی دعوت پر بغداد تشریف لے جا رھے ھیں ۔ پولیس کا پھرا چاروں طرف ھے ، اور وہ راستوں کو زیادہ سے زیادہ صاف رکھ رھی ھے ۔ حتیٰ کہ پولیس مین کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ میں یہاں موٹر رکوا کر اتر ھی جاؤں ۔ خیر ان کا کرم کہ مجھے اجازت مل گئی ۔ میں اپنی اھلیہ سے رخصت ھوا ، سعدیہ اور میری سکریٹری خانم ڈی سلوا میرے ساتھ اندر چلیں ۔ میں معمول کے خلاف وی آئی پی لاؤنج میں جا رھا ھوں ۔

ایک زمانہ تھا کہ حاکم وقت خاموشی کے ساتھ ، بھیس بدل کر حالات شہر کا جائزہ لیا کرتے تھے ، اور عوام کے حقیقی مسائل کا مشاھدہ کیا کرتے تھے اور اپنے فرائض کا احساس و ادراک کرکے عوام کی تکلیف دور کیا کرتے تھے ۔ اور اب یہ حال ھے کہ گورنر ھاؤس سے ھوائی میدان تک پولیس کا پھرا ھے ۔ حکومت کے عمال استقبال کے لیے مارے مارے پھر رھے ھیں ۔

حملهٔ هوائی میدان مستعد ہے کہ سواری حاکم آ رهی ہے ، سینکڑوں حکام اپنے فرائض ترک کرکے خدمت استقبال انجام دینے کے لیے موجود هیں -

بعض وقت خود حاکم کو خبر بھی نہیں هوتی کہ اس کے لیے کیا کیا اهتمام هو رہے هیں - حاکم کو کارکنان اپنی کارکردگی کا اچھا تاثر دینے کے لیے یہ کارگزاریاں کرتے هیں - معاشرے کی جب تک بنیادی طور پر اصلاح نہ هو ایسی باتیں ختم هونی مشکل هیں - اس قسم کی اصلاح کے لیے چھوٹے بڑے هر ایک کا تعاون ضروری ہے -

وی - آئی - پی روم میں کمشنر صاحب موجود تھے - پولس کے اعلا افسر بھی تھے اور سفید کپڑوں میں اندر باهر سی آئی ڈی کے آدمی بھی تھے - بعض کو میں ان کی خاص مونچھوں سے پہچانتا هوں اور بعض کو میں ان کی مخصوص حرکات کے ذریعہ سے جانتا هوں - ان میں سے ایک تو وہ ہے جو کبھی سفارت خانهٔ چین کے باهر دروازے پر بھیک مانگا کرتا تھا - شاید اسی نے یہ رپورٹ درج کرائی تھی کہ "حکیم صاحب سفارت خانهٔ چین میں آیا کرتے هیں-" اور پھر وزیر خارجہ پاکستان کو ضرورت پیش آئی تھی کہ مجھ سے استفسار فرمائیں کہ میں سفارت خانهٔ چین کیوں جاتا هوں - میں نے ان کو لکھ کر بھجوایا تھا کہ آپ سیاسیات عالم پر نگاہ رکھیے ، کل پورے پاکستان کو چین کا دوست بننا ہے - اور پھر اس کے بعد یہ بھی هوا کہ چین اور پاکستان کے مابین روابط طبی قائم کرنے کا فرض میں نے هی ادا کیا اور میں نے هی ان دونوں ملکوں کے سیاسی تعلقات کے ایک ٹوٹے هوئے رشتے کو جوڑ دیا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ دوستی کو دائرهٔ حدود میں رکھا جانا مناسب هو گا -

ھوائی جہاز میں

مس اس ھوائی جہاز مس آ کر بٹھ گیا کہ جو فرینکفرٹ جا رھا ھے اور وقت مقررہ پر جا رھا ھے ۔ ”عملۂ پیا“ نے آج خصوصیت نہس برتی ھے ، اور ایک ایسی جگہ دیدی ھے کہ جہاں کام کرنا آسان نہیں ھے ۔ بارے ذرا دیر بعد میرے برابر والے اور والی کو دوسری بہتر جگہ مل گئی اور مںرا ھاتھ آزاد ھوگیا اور لکھنے مس ادھر ادھر کوئی مانع نہ رھا ۔ میں ھمیشہ اکونومی کلاس مس سفر کرتا ھوں ۔ مگر اس میں یہ خصوصیت چاھتا ھوں کہ ایسی جگہ مجھے دی جائے کہ مںرا دایاں ھاتھ آزاد رھے اور لکھنے میں کوئی امر مانع نہ آئے ۔ اکثر مجھے یہ خصوصیت حاصل رھی ھے اور شاید وزارتی منصب کے بعد ایسی نشست پر میرا حق بھی قائم ھوگیا ھے ۔ مس اب کوئی ساڑھے سات گھنٹوں میں جرمنی کے ایک خوبصورت مقام فرینکفرٹ پہنچ جاؤں گا ۔ وھاں پہنچوں گا تو وقت کا چار گھنٹے کا فرق ھو جائے گا ۔ میری گھڑی میں پاکستان کا دن کا ایک بجا ھوگا ۔ اور جرمنی میں اس وقت صبح کے نو بجے ھوں گے ۔ مجھے آگے پیرس جانے کے لیے کوئی تین گھنٹے فرینکفرٹ کے ھوائی مىدان پر ٹھہرنا ھوگا ۔ مگر یہ ایک ایسا ایئر پورٹ ھے کہ جہاں مس ٹھہرنے میں ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا ۔ یہ دنیا کے ان چند ھوائی میدانوں میں شمار ھوتا ھے کہ جہاں مسافروں کے آرام و آسائش کا حد سے زیادہ خیال رکھا جاتا ھے ۔ بیٹھنے کے لیے نہایت آرام دہ کرساں اور لیٹنے کے لیے انتہائی آرام دہ صوفے ۔

فرینکفرٹ کے ھوائی میدان پر کیا سہولت ھے کہ جو مسافر کو میسر نہیں ھے ! اگر مسافر یہاں دو دن بھی ٹھہرے تو اسے ھوٹل میں جانے کی ضرورت نہیں ھے ۔ اسے ھر شے میسر

ہے اور ہر سہولت حاصل ہے ۔ درحقیقت ایسے انتظامات اسی صورت میں معرض وجود میں آتے ہیں کہ انسان کا احترام کیا جائے اور فرائض کا احساس اور ادراک ۔ کراچی کے ہوائی میدان پر ایک سو روپے ایئر پورٹ ٹیکس دیکر بھی کوئی سہولت میسر نہیں ہے ۔ نہ بیٹھنے کو آرام دہ کرسی اور نہ انتظار کی گھڑیاں کاٹنے کے لیے کوئی دل چسپی کا سامان ۔ ایک سو روپے ایئر پورٹ ٹیکس دیکر انتظار گاہ میں قید کا لطف ضرور آتا ہے ۔

میں نے جہاز میں مطالعہ کے لیے ایک کتاب نکالی ، " میرے گزشتہ روز و شب " ۔ اس کے مصنف جگن ناتھ آزاد ہیں ۔ ان دنوں جموں یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ۔ انہوں نے مجھے اپنی یہ کتاب اور دوسری کتاب " جگن ناتھ کی شاعری " جموں سے بھجوائی ہے ۔ میں اس ہدیۂ علمی پر حیران ہوا اور اب تک حیران ہوں ۔ میرا اس واجب الاحترام ادیب و شاعر سے اب تک شخصی تعارف نہیں ہے ۔ میری ان سے کبھی کوئی خط و کتابت بھی نہیں ہے ۔ دو سال ہوئے جشن صد سالۂ اقبال پر پاکستان آئے تھے ۔ ان سے ملنے کا مجھے شوق تھا مگر میں ان سے مل نہ سکا ۔ وہ لاہور سے عشق رکھتے ہیں ۔ میں عاشق و معشوق کے معاملات میں خارج نہ ہوا ۔ مگر میں جگن ناتھ آزاد کا قدر داں ضرور رہا ہوں ۔ ویسے میں ہر استاد کا احترام کرتا ہوں اور معاشرے کا اسے بلند و ارفع فرد قرار دیتا ہوں ۔ مجھے ہمیشہ یہ دکھ رہا ہے کہ میرے وطن میں استاد کا مقام اعلا ہنوز متعین نہیں ہوسکا ہے ۔ ہر چند کہ استاد نے اپنے مقام رفعت کا پورا تحفظ نہیں کیا بایں ہمہ ہم نے اس کو گرتے ہوئے سہارا بھی نہیں دیا ہے اور بلندیوں سے پستیوں کا یہ درد ناک عمل ہنوز جاری ہے ۔

میں اپنے وطن میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہاں یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقام شرف و عز سے محروم ہے تو کلیجہ منہہ کو آتا ہے ۔ یہاں وزیر تعلیم کہ جو عموماً غیر معلم ہوا کرتا ہے ، مقام بلند پر سرفراز ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں عالم و فاضل وائس چانسلر کو صف اول میں جگہ میسر نہیں ہوتی تو میں یہ جانتا ہوں کہ معاشرہ ترقی پذیر نہیں ہے ، بلکہ پستی کی طرف جا رہا ہے ۔ گزشتہ ۳۲ سال سے ہم اپنے عالم کی ناقدریاں کر رہے ہیں اور جہلا مقام عروج حاصل کر رہے ہیں ۔ کیا ہم پاکستان کی موجودہ پستیوں کا ذمہ دار اس صورت حال کو قرار دینے کو واقعی تیار نہیں ہیں ؟ پاکسان میں آج تعلیم کی پستیٔ معیار اور عالم و علم کی ناقدری نے ہمیں قعر مذلت میں گرادیا ہے اور دنیائے علم و حکمت کے نقشے پر پاکستان کا نام گھٹ چکا ہے ۔ اس میں جو کمی یا کسر باقی رہ گئی ہے وہ وزارت تعلیم وغیرہ کے بیورو کریٹس پوری کر رہے ہیں ۔ اور ان برادران بیروکریسی نے عالمی اجتماعات علم و حکمت میں علمائے پاکستان کی شرکت کی راہوں کو مسدود کر کے رکھ دیا ہے ۔

میں دنیا کے بہت سے عالمی اجتماعات میں شریک ہوا ہوں اور ہوتا رہتا ہوں ۔ میں علم و حکمت کے عالمی اجتماعات کے بارے میں واقف بھی ہوں اور ان کی رودادوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں ۔ میں ان عالمی اجتماعات میں پاکستان کی عدم شمولیت اور غیر حاضری کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں ، اور آج بھی دیکھتا ہوں ۔ میں یہ یقین کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ پاکستان کے صاحبان اقتدار اور بیورو کریسی نے اس زبردست نقصان کو ذرہ برابر محسوس نہیں کیا ہے ۔ بیورو کریسی علم کے میدان میں ہر پیش رفت پر قدغن عائد کرتی رہی ہے اور پاکستان

کے اہل علم کی اہانت و تذلیل کرتی رہی ہے ۔ میں نے گزشتہ دنوں ، اگست سنہ ۱۹۷۹ء میں وزارت تعلیم کی یہ بات مان لی کہ میں ماریشس میں دانشوروں کے ایک عالمی اجتماع میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کا شرف حاصل کروں گا ۔ گو یہ ماہ رمضان تھا اور برسوں رمضان المبارک وطن اور گھر سے باہر گزارنے کے بعد میں نے اس سال یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ میں روزہ نماز اس بار گھر میں ادا کروں گا ، مگر جب مسئلہ ملی پیش نظر ہوا تو میں نے فیصلہٗ سفر کرلیا ۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی کتاب ” میرے گزشتہ روز و شب “ سنہ ۱۹۶۴ء میں ان کے سفر پاکستان کی دل چسپ داستان ہے ۔ کتاب، مختصر ہے ، مگر اس کو پڑھ کر جگن ناتھ آزاد سے پہلی بار تعارف حقیقی حاصل ہوا ۔ مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا ہے کہ وہ کیا محرک ہے کہ اس استاد بزرگ نے مجھے یہ کتاب بھجوائی ہے ۔ مگر اب ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا ہے ۔ شاید کوئی صورت بھی نکل آئے ۔ میں ایک ” انٹرنیشنل اردو کنگرس “ اپنے ذہن میں رکھتا ہوں ۔ اگر میں نے اپنی اس تجویز کو جامعہٗ عمل پہنایا تو مدعوئین کی فہرست میں جگن ناتھ آزاد ضرور شامل ہوں گے ۔

فرینکفرٹ کے ہوائی میدان پر ” پیا “ کے ڈسٹرکٹ منیجر عرفان صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے حسن سلوک سے پی آئی اے کے عملہٗ جہاز کی بدسلوکی بھول گیا ۔ میں نے جہاز میں ناشتہ نہیں کیا تھا ۔ محترمہ نے ازراہ لطف و کرم فرمایا تھا ، ” میں آپ کے لیے جوس لے آؤں “۔ میں نے کہا ” ضرور ، شکریہ “۔ اس کے بعد جو وہ غائب ہوئیں تو لنچ کے وقت تشریف لائیں ۔ میں لنچ کے بجائے اگر

ناشتہ مانگتا ، یا بسکٹ وغیرہ طلب کرتا تو ظاہر ہے کہ نہ ملتا۔ میں نے لنچ نہیں لیا ، مگر کوئی مطالبہ بھی نہ کیا ۔ اس عملے میں کوئی ایک بھی تو فرائض کا جاننے والا نہ تھا ۔

عرفان صاحب نے آپ سیب سے تواضع کی ۔ کہنے لگے کہ پاکستان میں کتنا سیب ہوتا ہے ، مگر اس طرح جوس میسر نہیں آتا ہے ۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمدرد اس مسئلے پر غور کر رہا ہے ۔ عرفان صاحب نے روح افزا کی کہانی سنائی کہ " ان کو کس مشکل سے دو بوتلیں ۵۰ روپے میں ملیں ۔ ان کے بچے دودھ روح افزا کے بغیر نہیں پیتے ۔ "

میں نے عرفان صاحب کو بتایا کہ مرے سوٹ کیس کی چابی کراچی میں رہ گئی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر تو اس کا انتظام مشکل ہے ۔ یہ میرے ذہن میں ایک خلجان تھا کہ پیرس جا کر میں اپنا سوٹ کیس کیسے کھولوں گا ۔ خیر اللہ مسبب الاسباب ہے ۔ میں انتظار گاہ میں بیٹھ گیا اور ایک گھنٹے تک لوگوں کو دیکھتا رہا ۔ یہ مطالعہ کم دل چسپ نہیں ہوا کرتا ۔ مجھے معلوم تھا کہ میرا جہاز " لفت ھنسا " (جرمن ایئر لائینز) ۱۲ بجکر ۵۵ منٹ پر گیٹ بی ۳٦ سے روانہ ہوگا ۔ جب بورڈ پر گیٹ نمبر آگیا تو میں خود وہاں پہنچ گیا ۔ عرفان صاحب شاید کسی جگہ مصروف ہوگئے ۔ مگر احتشام صاحب پوچھنے آئے ۔ میں نے ان سے سوٹ کیس کی کنجی کا ذکر کیا ۔ ان کے پاس ایک کنجی تھی وہ مجھے یہ دے گئے ۔ مجھے بڑا ہی اطمینان ہوا ۔ میں ان کا یہ احسان یاد رکھوں گا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دیں ۔ پی آئی اے کے عملے ہی نے آخر مشکل کشائی کی ہے ۔

فرینکفرٹ میں درجۂ حرارت اس وقت ۹ سنٹی گریڈ ہے ۔

معلوم ہوا کہ صبح صفر تھا ۔ یورپ ۔ ں سردی شروع ہوگئی ہے ۔ میرا حال یہ ہے کہ میں بے اندازہ مصروفیتوں کی وجہ سے اس قدر بھی غور نہیں کرسکا تھا کہ جہاں میں جارہا ہوں وہاں موسم کیا ہوگا ۔ اس بار میں نے چلتے وقت اوور کوٹ بھی نہیں لیا ۔ دیکھیے پیرس میں کیسے گزرتی ہے ۔ سوٹ کیس میں نہ جانے گرم موزے بھی ہیں یا نہیں ۔ ان کی ضرورت پڑے گی ۔ خان نے نہ معلوم کیا کیا رکھا ہے ۔ ہوائی جہاز میں بیٹھ کے اندازہ ہوا کہ میں دستی گھڑی بھول گیا ہوں اور عینک بھی موٹر میں اترتے وقت رہ گئی ۔ میں گھڑی اور عینک ایک ایک عدد فاضل اپنے سفر میں رکھا کرتا ہوں ۔

ان ہوائی میدانوں پر بیٹھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہوائی سفر کس قدر بڑھ گیا ہے ۔ فرینکفرٹ کے ہوائی میدان پر دس منٹ منٹ پر کوئی نہ کوئی ہوائی جہاز اترتا ہے یا اڑتا ہے ۔ ایک سلسلہ ہے کہ جو لا متناہی ہے ، اور جو جہاز ہے وہ بھرا ہوا ہے ، اس میں کوئی نشست خالی نہیں ہے ۔ اب بھی ہوائی سفر انسانی صحت کے لیے ایک مسئلہ ہے ۔ اس کا احساس کم ہو رہا ہے ۔ ہوائی سفر سے انسانی اعصاب بری طرح متاثر ہورہے ہیں ۔ اور کوئی اندازہ ہنوز نہیں ہے کہ جسم انسانی میں اور کیا کیا انقلابات آرہے ہوں گے ۔

عملۂ جہاز کی خواتین کے جسمانی نظام پر اثر اندازی ان کے ایام ماہواری میں بے قاعدگی کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے ۔ اب ماہرین طب کہنے لگے ہیں کہ ہوائی سفر کے بعد انسان کو فوراً کام کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور قطعی طور پر کچھ دیر آرام کرنا چاہیے ۔ یہ بھی کہا جانے لگا ہے کہ جو اگزیکٹیوز ہوائی سفر کے بعد فوراً ہی کسی میٹنگ میں چلے جاتے ہیں ، وہ

فیصلے غلط کرسکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ بھی یہ ہوائی جہاز دورانِ پرواز ٹنوں اوکسیجن جلا رہے ہیں ۔ ہر جہاز لمبی لمبی پروازوں میں ٹنوں اوکسیجن جلا کر اوکسیجن کی کمی کا ایک شدید عالمی مسئلہ پیدا کر رہا ہے ۔ یہ شدید خطرہ موجود ہے کہ کل حیاتِ انسانی کے لیے اور حیاتِ نباتی و حیوانی کے لیے اوکسیجن کی کمی ہوجائے اور حیات ہی نا ممکن ہو جائے ۔ یہ بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ شاید اس وقت فضا میں اوکسیجن کی کمی مختلف انسانی امراض کا سبب بن رہی ہے جس کا صحیح ادراک اس وقت نہ ہو رہا ہو ۔ لفت ہنسا کا ہوائی جہاز وقت مقررہ پر فرینکفرٹ کے ہوائی میدان سے اڑا اور پیرس کی جانب اس نے رخ کرلیا ۔ یہ پرواز صرف پچاس منٹ کی ہے ۔ میں نے دیکھا کہ اس پچاس منٹ کے اندر اندر عملۂ جہاز نے انتہائی مستعدی کے ساتھ پورا لنچ مہمان مسافروں کو کھلا دیا ۔ کولڈ لنچ پھر جوس ، شراب ، چائے ، کافی اور سب کچھ ۔ اس میں عملہ کی بے حد مستعدی اور پھر کھانے والوں کی تہذیب دونوں شریک ہیں ۔ ہر انسان نے اطمینان سے کھایا اور کھانے کی کشتیوں کو اس طرح مرتب کر دیا کہ ان کو اٹھانے میں کوئی دقت نہ ہو ۔ اس باہمی تعاون سے دعوت ہوگئی اور پتہ بھی نہیں چلا ۔ میں نے بھی اب روزہ کھول لیا ہے ۔ کولڈ بوفے میں گوشت کو چھوڑ دیا ، مگر پھر بھی اس میں ڈبل روٹی ، ڈنر رول ، مکھن ، پنیر ، سلاد ، میٹھا اتنا تھا کہ میرا پیٹ ضروری حد تک بھر گیا ۔ پی آئی اے میں جو فاقہ کیا تھا اس کی کمی پوری ہوگئی ۔

میں پیرس تک پرواز کے دوران یہ غور کرتا رہا کہ آج یہ لفت ہنسا انسانی سفر کے لیے ہے ، سنہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ لفت وافے جرمن جنگی ہوائی جہازوں نے اس پیرس کو اپنی توجہ

کا مرکز بنایا تھا ، اور ستمبر ھی کا مہینہ تھا کہ جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہوگئی نہیں - وہ دور بھی کیا عجیب دور تھا - ذھنی سکون ناپید ہوگیا تھا -

پیرس کے ہوائی میدان اورلی پر جہاز اترا - سفارت پاکستان کے جناب یوسف صاحب شریف لائے تھے - موٹر بھی آئی تھی - انہوں نے مجھے میرے ہوٹل ڈیوکین پہنچا دیا - میری گھڑی میں وقت ۴ بجے تھا - اسے پانچ بجے کرلیا - جرمنی اور فرانس کے اوقات میں ایک گھنٹے کا فرق ہے -

ڈیوکین (Duquesne) میرا پسندیدہ ہوٹل ہے - اس کا پتہ جناب قدرت اللہ شہاب صاحب نے عرصہ ہوا دیا تھا اور میں نے اس مشورہ کو گرہ میں باندھ لیا تھا - میں نے ایک دن بھی یہ غور نہیں کیا کہ یہ مشورہ کیا ہے اور کیسا ہے ؟ بس جناب شہاب صاحب نے مشورہ دیا ہے تو وہ بہر حال صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے - میں قدرت اللہ شہاب کا قدر دان ہوں - ان کی عزت دل سے کرتا ہوں اور ان کا احترام کرتا ہوں ، اور خوش ہوتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک ایسی اچھی اور پیاری شخصیت موجود ہے جو بہت سے معاملات میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے -

قدرت اللہ شہاب کے ایک کارنامے کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا - وہ یونسکو کی ایگزیکیٹو کے رکن رکین تھے - یہاں عربوں کا اصرار تھا کہ اسرائیل کے مدرسوں میں عرب بچوں پر تشدد ہو رہا ہے - اسرائیل کو اس سے انکار تھا - قدرت اللہ شہاب صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اسرائیل جائیں گے - چناں چہ انہوں نے تربیت حاصل کی اور بھیس بدل کر خود اسرائیل پہنچ گئے ، اور وہاں انہوں نے مدرسوں میں جا کر دیکھا - واقعی

عرب بچوں پر تشدد کی انتہا یہ تھی کہ ان کو آگ پر سینکا تک جا رہا تھا ۔ قدرت اللہ سہاب صاحب نے ان تمام مناظر کے فوٹو گرافس تیار کرلیے ۔ ان کے پاس سگار لائٹر تھا ۔ وہ سگار پی رہے تھے اور بار بار سگار لائٹر سے جلاتے تھے ۔ یہ لائٹر دراصل کیمرا تھا ۔ اس کے بعد یونسکو کی ایگزیکٹو کا جلسہ ہوا ۔ مسئلہ پھر وہی درپیش ہوا کہ عرب بچوں پر مدارس اسرائیل میں ظلم اور تشدد ہو رہا ہے ۔ اسرائیل کے نمائندے نے انکار کیا ۔ قدرت اللہ شہاب صاحب نے تمام تصاویر پیش کر دیں ۔ نمائندہ اسرائیل حیران اور ھکا بکا رہ گیا ۔ بالآخر وہ بھی سہاب صاحب کو داد دینے پر مجبور ہوگیا ۔

دور یحییٰ میں شہاب صاحب کے ساتھ زیادتی ہوئی ۔ وہ انگلستان چلے گئے اور وہاں مالی اعتبار سے انتہائی پریشان رہے ۔ مگر یحییٰ خان کی بے اصولی کے سامنے انہوں نے سر نہ جھکایا ۔

یونیسکو نے میرے قیام کا انتظام میری مرضی کے مطابق یہاں کرا دیا تھا ۔ سفارت پاکستان کی موٹر نے مجھے یہاں پہنچا دیا ۔ یہ ہوٹل والے مجھے خوب جانتے پہنچانتے ہیں ۔ مگر یورپی مزاج کے مطابق بڑے روکھے ہیں ۔ شہاب صاحب نے جب یہاں ٹھہرنا شروع کیا تھا توکرایہ ۱٦ فرانک یومیہ تھا ۔ جب میں آیا تو ٥٦ فرانک ہوا ، پھر ۸۱ ہوا ، ۱۰٥ ہوا ، مئی سنہ ۱۹۷۹ء میں ۱۲٥ تھا اب ۱۳۱ فرانک ہے ۔

میں کمرہ نمبر ۱۳ میں سیٹل ہوگیا ہوں ۔ یہ سمجھ دار لوگ ہیں ، بھلا ۱۳ نمبر کمرے میں غیر مسلم کیسے ٹھہر سکتا ہے ، عیسائی کے لیے تو یہ عدد منحوس ہے ۔ مجھے تکلیف یہ ہوگئی کہ یہ پہلی منزل پر ہے اور میں آزادی کے ساتھ رات کو

تازہ ہوا کے لیے کھڑکیاں نہیں کھول سکوں گا ۔ باقی رہا شورو غل کہ جو سڑک پر ہوسکتا ہے تو میں نے خود کو ہر ماحول کا عادی بنالیا ہے ۔ میرے کاموں میں اور میری نیندوں میں یہ موانع اب کوئی حیثیت نہیں رکھتے ، میں اپنی قوتوں کو مرتکز کر سکتا ہوں ۔

جب سفارت پاکستان کے یوسف صاحب اپنا حال دل بیان کر کے چلے گئے تو میں نے محسوس کیا کہ میں تھکا ہوا ہوں ۔ ذرا لیٹ جانا چاہیے ۔ کوئی خاص کام بھی نہیں تھا ، بس میں لیٹ گیا ۔ گھر سے چلتے وقت اردو کی چند کتابیں ساتھ رکھ لایا تھا ۔ یہاں کے ماحول میں فرانسیسی اور انگریزی زبانوں سے منہ کا مزہ صبح سے رات تک تلخ ہو جاتا ہے ، اس لیے مطالعہ کی غرض سے اور زبان کا مزہ درست کرنے کے لیے اردو کتاب ضرور مجھے چاہیے ۔ جو کتاب ہاتھ آئی وہ ضمیر جعفری کی ”کتابی چہرے“ ہے ۔ میں نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا ۔ پہلا چہرہ مولانا چراغ حسن حسرت کا دیکھا ۔ برصغیر کی اس عظیم علمی شخصیت کا صحیح تعارف مجھے آج اس کتاب سے حاصل ہوا ۔

کتاب پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی ۔ اب جو آنکھ کھلی تو رات کے پونے دس بجے تھے ! بڑی حیرت ہوئی ، یقین نہ آیا ۔ گھڑی کو کئی بار دیکھا بالآخر نیچے استقبالیہ میں ٹیلیفون کیا ۔ گھڑی غلط نہیں تھی ۔ پوچھا کیا ریستوران کھلا ہے ؟ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں استقبالیہ سے جواب ملا کہ اتوار کی وجہ سے بند ہے ۔ پھر کہا کہ میں بھوکا ہوں جواب ملا کہ یہاں سے پانچ منٹ کے راستے پر کئی ریستوران ہیں ۔ آپ وہاں جا سکتے ہیں ۔ یہ بڑا مشکل کام تھا ۔ واقعی بھوک کا شدت سے احساس ہوا ، مگر میں اب اٹھ کر تیار ہوکر ریستوران کی تلاش میں

نہیں جا سکتا تھا ۔ اگر کھانے کو اس وقت نہ ملا تو میں بھوک سے مر تو نہیں جاؤں گا ۔

میں نے کتاب اٹھائی اور چراغ حسن حسرت کا بیان آخر تک پڑھ ڈالا ۔ ان کی زندگی کے بہت سے پہلو ضمیر جعفری کے اس بیان سے سامنے آئے اور حیران ہوا ۔ اٹھ کر نماز عشا ادا کی اور دوبارہ سو گیا ۔

۱۷ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، پیر ، پیرس

صبح چار بجے آنکھ کھل گئی ۔ میں اٹھ گیا اور معمول کے مطابق ۳۵ منٹ میں تیار ہو گیا ۔ ہنوز اندھیرا تھا ، پو پھٹنے کے آثار دور دور نہیں تھے ۔ بارے میرے دل نے کہا کہ نماز فجر کا وقت عین یہی ہے ۔ نماز فجر اطمینان سے ادا کرکے میں میز پر آ کر بیٹھ گیا ، اور ان کاغذات کا مطالعہ شروع کر دیا کہ جن کی آج شروع ہونے والی مدیران کوریئر کی میٹنگ میں ضرورت ہے ۔

مقاصد سفر پیرس

میں نے پیرس کا یہ سفر کئی مقاصد کے لیے کیا ہے :

۱۔ مدیران یونیسکو کوریئر کی ۵ روزہ میٹنگ میں شمولیت ۔ مدیران کوریئر کی ایسی میٹنگ ایک سال چھوڑ کر دوسرے سال ہوتی ہے ۔ اس میں تمام زبانوں کے مدیران شرکت کرتے ہیں اور گزشتہ دو سال کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں ، مسائل پیش کرتے ہیں ، حل تلاش کرتے ہیں اور جائزہ ماضی کی

روشنی میں اگلے دو سال کے لیے پروگرام بناتے ھیں ، یعنی جریدہ‘ کوریئر کے ۲۲ شائع ھونے والے ایڈیشنوں کے لیے پروگرام اور عنوانات وعیرہ تجویز اور طے کرتے ھس ۔

۲۔ پاکستان میں منعقد ھونے والی دو عالمی کنگرسوں یعنی ”انٹرنشنل سمپوزیم اون بایولوجی اینڈ جنیٹکس“ اور ”انٹرنیشنل کنگرس اون ھسٹری اینڈ فلاسفی اوف سائنس“ کے انتظامات کو آخری شکل دینا ۔ یہ دونوں عالمی اجتماعات یونیسکو ، وزارت تعلیم ، پاکستان اور ھمدرد فاؤنڈیشن کے استراک و تعاون باھمی سے دسمبر میں منعقد ھونیوالے ھیں ۔

۳۔ ۱۰ ویں صدی ھجری کے موقع پر یونسکو میں ایک عالمی اجتماع کے نارے مس حسب ضرورت تبادل خیال ۔ درحقیقت میں نے ھی یہاں اس کی نحریک کی تھی اور ۱۹۷۸ء میں اپنی ایک مفصل رپورٹ وزارت تعلیم اور وزارت مذھبی امور کو دیدی تھی اور ان کو صحیح راستہ بتا دیا تھا ۔ اگر سری بات مان لی جاتی تو سال گزشتہ یونیسکو کے اجلاس میں یہ تجویر پاکستان پیس کرتا ، مگر دونوں وزارتوں نے میری رپورٹ کو نطر انداز کیا اور جنرل اسمبلی میں تجویز پیش کرنے کا اعزاز پاکستان کو حاصل نہ ھوا ۔ بارے مقصد ثواب سے ھے اور میں اس باب میں اپنے کردار سے مطمئن ھوں ۔

پاکستان میری بات سنے یا نہ سنے، یونیسکو میں ۱۰ ویں صدی ھجری کا عالمی اجتماع نو ضرور منعقد ھوگا ۔ مجھے اسلامی سکریٹری ایٹ ، جدہ کے حسن عمل پر پورا بھروسا ھے ۔

۹ بجے میں یونیسکو پہنچ گیا ۔ ہوٹل ڈیوکین سے کوئی دو ڈھائی منٹ کا فاصلہ ہے ۔ پرانے زمانے کا یہ ہوٹل مجھے اس لیے بھی پسند ہے کہ اس میں جدید ہوٹلوں کے تکلفات نہیں ہیں جن سے مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے ، اور یہ کہ یونیسکو کے بغل میں ہے ۔ میں نے مادام اولگا روڈیل ، نائب مدیر اعلا ، کوریئر سے رابطہ قائم کیا ، اور میں " اپنے " دفتر پہنچ گیا ۔ میں اسے اپنا دفتر ہی کہ سکتا ہوں کہ میں کوریئر کا ایک مدیر ہوں اور " پیامی " کے نام سے پاکستان میں اسے شائع کرتا ہوں ۔

مادام اولگا روڈیل حسب معمول بڑے تپاک سے ملیں ۔ انہوں نے مجھے میٹنگ کے بارے میں چند رموز و نکات بتائے اور صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیا ۔ میٹنگ کا آغاز دس بجے تھا ۔ میں مادام اولگا کے ساتھ ہال نمبر ۱۰ میں وقت مقررہ سے ایک منٹ تاخیر سے پہنچ گیا ۔ یہ تاخیر ایک دوست کی وجہ سے ہوئی کہ جو راہ میں مل گئے تھے ۔

ایک ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل صاحب نے میٹنگ کا افتتاح ٹھیک ۱۰ بجے کر دیا تھا ۔ میں اپنی مقررہ نشست پر جا کر بیٹھ گیا ۔ ان دنوں ایگزیکیٹو بورڈ کی میٹنگ بھی ہو رہی ہے اور اس کے لیے جگہوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ، اس لیے ہال نمبر ۱۰ آج ملا ہے جو اس چھوٹی میٹنگ کے لیے موزوں نہیں ہے ، تاہم کام تو کرنا ہی ہے ۔ یہ ہال تو دو ڈھائی سو اشخاص کی بڑی میٹنگ کے لیے موزوں ہے ، ہم ۱۴ اور ۱۶ کل ۳۰ آدمی تو ایک کونے میں سما گئے ! ۱۴ وہ مدیران وغیرہ ہیں کہ جو یہاں یونیسکو ہیڈ کوارٹر میں کام کرتے ہیں ، اور ۱۶ مدیران باہر

کے مختلف ممالک سے آئے ہیں ۔

ایجنڈا

۱۔ گزشتہ دو سال میں شائع شدہ رسائل پر نگاہ تنقید و تبصرہ ۔
۲۔ آئندہ دو سال کے لیے نقطۂ فکر اور تجاویز ، عنوانات و موضوعات ۔
۳۔ ترتیب و طباعت میں مشکلات کا جائزہ ۔
۴۔ جریدہ کی فروخت پر تبادل خیال ۔
۵۔ متفرق سوال و جواب ۔

آج کا تمام دن ایجنڈے کی شق نمبر ۱ کے لیے وقف رہا ، بلکہ کل بھی اس پر تبادل خیال کیا جائے گا ۔ مس نے آج تمام دن مس یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر مدیران تیار ہوکر نہیں آئے ہیں ۔ خود میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایجنڈا نمبر ۱ کے لیے زیادہ تیار نہیں ہوں ، تاہم میں نے پاکستان کے اہل فکر و نظر کی آرا جمع کی تھیں جن پر مشتمل دس صفحات تیار کرکے مس یہاں پہلے ہی بھجوا چکا ہوں ۔ اس لیے میں نے آج ایجنڈے کی اس شق پر اپنی رائے نہیں دی ہے ۔ تاہم میں کل بولوں گا ۔ البتہ میں ایجنڈے کی شق نمبر ۲ کے لیے پوری طرح تیار ہوکر آیا ہوں ۔ ۱۹۷۷ء کی میٹنگ میں بھی مس نے اسی شق پر زیادہ کام کیا تھا اور اس کے اثرات مرتب ہوئے ، حتیٰ کہ جولائی ۱۹۷۹ء میں میری تجویز کے مطابق دوائی نباتات نمبر بھی شائع ہوا ہے ۔ تاہم مجھے آج کے تبادل خیال کو بڑے غور سے سننا ہے تا کہ میں اس تنقید و تبصرہ کی روشنی میں خود کو ایجنڈے کی شق نمبر ۳ کے لیے زیادہ تیار کر سکوں ۔

جناب رشید صاحب

یونیسکو میں رشید صاحب انسپکشن شعبے سے تعلق رکھتے ہیں - ۵ سال سے یہاں ہیں - میں لنچ کے لیے ان کے ساتھ گیا - انہوں نے بھی آج میرے اتباع میں لنچ چھوڑ دیا ہے ، اور فواکہات رطبہ پر اکتفا کیا ہے - میں نے آج صبح ناشتہ کرلیا تھا تاہم مجھے پھلوں کی ضرورت تھی - وہ خوب میسر آگئے - رشید صاحب نے بتایا کہ اب فرانس میں پھلوں کی اس قدر کثرت ہے کہ لوگ اب اپنے پھلوں کے باغات ختم کر کے دوسرا راستہ اختیار کرتے جارہے ہیں -

یونیسکو ریستوران میں ہمارے ساتھ انڈیا کے دیوان صاحب بھی آ ملے - وہ راولپنڈی میں پیدا ہوئے اور اب دہلی میں ہیں - میں نے کہا کہ میں دہلی میں پیدا ہوا ہوں اور اب عملاً راولپنڈی میں ہوں !

بڑی دل چسپ نشست رہی - آخر میں موسیو ڈی ویک بھی آگئے - اُن کا ایک نوٹ مجھے مل گیا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں - ابتدائی ملاقات تو خیر یہاں ہو ہی گئی - موسیو ڈی ویک فاؤنڈیشنوں سے روابط قائم کرتے ہیں -

صبح جب میں ڈاک خانے میں خط ڈالنے گیا تھا تو مسٹر براؤن سے ملاقات ہوئی تھی - وہ یونیسکو پبلی کیشنز ڈویژن میں ہیں اور ان کے تعاون اور خواہش پر میں اردو زبان میں یونیسکو کی ۱۲ کتابیں شائع کرنے کا پروگرام بنا چکا ہوں - کام جاری ہے - یہ کتابیں نہایت اہم سائنسی موضوعات پر ہیں اور اردو زبان میں انوکھی چیز ہوں گی -

یہاں بڑی تشویش یہ ہے کہ پاکستان کے ڈاکٹر قاضی ہنوز نہیں آئے ہیں - وہ ایگزیکٹو بورڈ کے اہم رکن ہیں - ان

کے انتخاب میں یہاں اعلا سطح پر بڑی دل چسپی لی گئی تھی اور ان کو سب سے زیادہ ووٹ ملے تھے ۔ اب ایک ھفتے سے بورڈ کی میٹنگ جاری ھے ، مگر ڈاکٹر قاضی صاحب ھنوز نہیں آئے ھیں ۔ مجھے اسلام آباد میں انھوں نے بتایا تھا کہ ۱۷ ستمبر کو وہ پہنچ جائیں گے مگر ھنوز سفارت خانۂ پاکستان کو کوئی اطلاع نہیں ملی ھے ۔ میری رائے میں یونیسکو ایگزیکیٹو بورڈ کی میٹنگوں ۰ س زیادہ وقت دینے سے اھم فوائد حاصل ھوسکتے ھیں ۔

ایگزیکیٹو بورڈ کی نیشنل کمیٹی کے صدر سیرالیون کے ڈاکٹر آرتھر ٹی ۔ پورٹر ھیں ۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھے ۔ بالآخر آج ساڑھے چار بجے ''کافی بریک'' میں وہ ھال نمبر ۱۰ آگئے ۔ ڈاکٹر پورٹر صاحب سے میں نے تبادلِ خیال کیا ۔ جناب رشید صاحب بھی تھے ۔ اب ان سے پرسوں لنچ پر مزید باتیں ھوں گی ۔

میں نے آج کی میٹنگ مس اس کی پر زور تائید کی ھے کہ ھماری میٹنگ صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک ھو تاکہ شام خالی رھے اور زیادہ غور و فکر کیا جا سکے ، بجائے اس کے کہ صبح ۱۰ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک کام کیا جائے ۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کرلیا ھے ۔ میرا ایک فائدہ یہ ھے کہ مجھے شامیں یونیسکو ملاقاتوں کے لیے میسر آجائیں گی ۔

پروفیسر خولودولین صاحب نے رابطہ قائم کیا ۔ ان سے کل ایک بجے کا وقت طے ھوگیا ھے ۔ اب کل میں سہ پہر میں پاکستان میں منعقد ھونے والی دونوں کنگرسوں کے معاملات کو درست کرلوں گا ۔

میں ساڑھے چھے بجے ھوٹل واپس آگیا ۔ نماز ظہر اور عصر ادا کی ۔ اور ذرا دیر کے لیے سستانے کو لیٹ گیا ۔ کتاب

پڑھ رہا تھا کہ آنکھ لگ گئی ۔ یہ سات بجے کا عمل تھا اور آنکھ کھلی تو پونے ۹ بجے تھے ! اپنی نیند پر حیرت ہوئی ۔ یقیناً یہ تھکن ہے ۔ سورج تو ساڑھے آٹھ بجے کے قریب غروب ہوا تھا ، تاہم میں نے تین فرض ادا کرلیے ۔

ریستوران گیا ۔ یہاں دو انڈے کا آملیٹ ، ڈبل روٹی اور ایک گلاس دودھ نوش جان کیا ۔ ۲۳ فرانک بل آیا ۔ تین سے ضرب دیجیے ٦۹ پاکستانی روپے ہوئے ۔ اور ۵ فرانک ٹپ دیکر ۱۵ روپے کا اضافہ ہوا ، کل رقم یعنی ۸۴ روپے ۔ فرمائیے گرانی یہاں ہے یا پاکستان میں ! پاکستان میں یہی کھانا زیادہ سے زیادہ پانچ روپے کا ہے ۔

نماز عشا ادا کی ۔ رات ۱۱ بجے تک ”کتابی چہرے“ پڑھتا رہا ۔ مولانا صلاح الدین احمد مدیر ”ادبی دنیا“ کے بارے میں ضمیر جعفری کے تاثرات جو انہوں نے ان کے سانحہ ارتحال کے موقعے پر قلم بند کیے تھے ، مطالعے میں آئے ۔

۱۸ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، منگل ، پیرس

صبح چار بجے بیدار ہوگیا ۔ کل شام محترمی جناب طفیل صاحب سے معلوم کر لیا تھا کہ نماز فجر صبح ساڑھے پانچ بجے پڑھی جا سکتی ہے ۔ صحیح وقت یہی ہے ۔ میں نے تلاوت قرآن پاک کے بعد نماز فجر ادا کرلی اور اپنی میز پر بیٹھ گیا ۔ میں نے آج اس فائل کا مطالعہ کیا کہ جو انٹرنیشنل سمپوزیم اون نیو ریسرچ ان بایولوجی اینڈ جنیٹکس سے متعلق ہے ۔ محترمی انوری صاحب نے اس قدر ستھرائی سے کام کر دیا تھا کہ مجھے ۱۵ منٹ سے زیادہ

صرف کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ در حقیقت اب میں جس انداز اور رفتار سے کام کر رہا ہوں اس کے لیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ میرے رفقا اس انداز سے میری مدد کریں کہ مجھے زیادہ وقت صرف کرنا نہ پڑے۔ آج پروفیسر خولودولین صاحب سے سہ پہر میں اس سمپوزیم کے بارے میں حتمی فیصلے کرنے کرانے ہیں۔

میدان ثقافت میں

سال گزشتہ جب مس یونیسکو آیا تھا تو یونسکو کے ایک نئے قائم کردہ شعبۂ ثقافت میں تبادل خیال کیا تھا۔ یہ یونسکو کے اعتبار سے بڑی ہائی لیول میٹنگ تھی۔ اس میں جناب ڈی ویک (نگراں فاؤنڈیشن)، جناب پوشپا داس صاحب (صدر شعبۂ ثقافت)، جناب کانو صاحب (نائب شعبۂ ثقافت) اور جناب ژواں کارلوس لانگ لوا (صدر شعبۂ ثقافت جدید) وغیرہ شریک تھے۔

اس میٹنگ میں طے یہ پایا تھا کہ یونیسکو کا یہ شعبۂ جدید برائے تحفظ ثقافت اقوام عالم پاکستان میں ثقافتی ورثوں کی حفاظت کے لیے تعاون کے لیے تیار ہے۔ اگر ہمدرد فاؤنڈیشن تعاون و اشتراک کرے تو کم از کم پچاس ہزار ڈالر یونیسکو امداد بھی مل سکتی ہے۔ میرا گمان تھا کہ اس اہم منصوبے کا پاکستان میں خیر مقدم کیا جائے گا۔ میں نے ایک رپورٹ مرتب کر دی اور متعلقہ وزارتوں اور حضرات کو بھجوادی، مگر ان سب نے اس پر ایسی خاموشی اختیار کی کہ یاد دھانیوں کا جواب تک نہ دیا۔ میں مزاج آشنا ہوں۔ ہمارے ہاں ہر اس کام کی ناقدری ہوئی ہے جس کا عنوان تعمیر ہو۔ میری یہ تجویز کونسی بری تھی

کہ ہم پاکستان میں ایک اخلاقی مہم کا آغاز کریں ، اور جائزہ تیار کریں کہ پاکستان میں ثقافت اسلامی کے ایک مضبوط پائے یعنی اخلاق میں زوال کی موجودہ کیفیت کیوں ہے اور یہ کہ اب مورل ویلفیئر کا کام کس طرح اور کس انداز سے کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اپنی رپورٹ میں یہ رائے دی تھی کہ جامعۂ کراچی میں ایک شعبۂ جائزۂ زوال اخلاق قائم کر کے ایک رپورٹ تیار کرلی جائے تاکہ اس کی روشنی میں یونیسکو اور پاکستان (یا ہمدرد) میں تعاون باھمی سے مورل ویلفیئر کا کام ھاتھ میں لے لیا جائے۔

مکمل خاموشی نے مجھے بھی خاموش کر دیا ۔ یونیسکو کا یہ ادارہ مختلف ممالک میں اپنا کام کر رہا ہے۔ رقوم بھی تقسیم کر رہا ہے ، مگر پاکستان میں یہ کام نہ ہوسکا ۔ میں یونیسکو میں اس بار ان لوگوں سے کترا رہا ہوں جن سے میں یہ باتیں کرکے گیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ میں ان سے مل کر کیا کروں گا !

جائزہ ، تنقید و تبصرہ

گزشتہ دو سال کے کوریئروں کا جائزہ آج بھی ۹ بجے سے ایک بجے تک جاری رہا ۔ میں نے کل تمام پرچے حاصل کرلیے تھے اور صبح میں نے ان کا حتمی جائزہ لے لیا تھا ۔ بہت سے نکات میرے ذہن میں تھے اور آج میں اظہار رائے کے لیے تیار تھا اور میں نے آج اس کارروائی میں پوری طرح حصہ لیا ۔ میں نے اپنے پیش نظر وہ آرا اور تبصرے بھی رکھے کہ جو پاکستان کے اھل علم نے یونیسکو " پیامی " کے بارے میں تحریر فرمائے تھے ۔ میں نے ۱۵ - ۲۰ منٹ میں اپنی بات کہ دی جس کے بارے میں مادام سلوویا (مدیر روسی ایڈیشن) نے یہ تبصرہ کیا کہ " حکیم محمد سعید کا ٹو دی پوائنٹ " تبصرہ تھا !

- یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ کون سا اشوع خوب ہے اور کون سا خوب تر ۔ مری رائے یہ ہے کہ دو سال قبل ہم نے جو غور و فکر کیا تھا اور فیصلے کیے تھے ، گزشتہ دو سال کے تمام اشوع اس کے عکاس ہیں اور مظہر ہیں ، اور مدیران مرکز کو فراخ دلی کے ساتھ مبارک باد دینی چاہیے ۔
- پاکستانی قارئین کی آرا میں دس صفحات میں لکھ کر دفتر کوریئر ارسال کر چکا ہوں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ دو سالوں مں پاکسان پر ایک مضمون بھی نہیں ہے ۔ ''کوریئر'' پر مغرب کی چھاپ زیادہ ہے اور مشرق کے مسائل کم و کم تر ہیں ، مضامین ثقیل ھں ، زبان مشکل ہے ۔ عالم اسلام پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ۔
- میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ معزز ہاؤس ''کوریئر'' کو ایک پاپولر مگزین بنانے کی طرف مائل ہے ۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں ۔ میری رائے ہے کہ اس کے پایۂ علمی کو قائم رکھنا چاہیے ۔ میرے جائزے کے مطابق سال ہائے گزشتہ میں ثقافت پر زور زیادہ رہا ہے اور سائنس کو زیادہ توجہ حاصل نہیں ہوئی ہے ۔ اس پر توجہ کرنی چاہیے کہ سائنس سے زیادہ دل چسپی پائی جاتی ہے ۔
- میں بڑے اطمنان کے ساتھ یہ کہ سکتا ہوں کہ ''کوریئر'' کے اردو ایڈیشن ''پیامی'' کی وجہ سے زبان اردو کی ثروت میں اضافہ ہوا ہے ۔ اور میں اپنی زبان میں اس اضافے پر مطمئن ہوں اور اس سے

مایوس نہیں ہوں کہ میرے وطن کے لوگوں نے ہنوز "پیامی" کی قرار واقعی قدر نہیں کی ہے۔

- میری رائے یہ ہے کہ ہر ایڈیشن کے مدیر کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ وہ "کوریئر" کے علاوہ آٹھ صفحات اپنے ایریا کے حالات کے مطابق اضافہ کرے اور اہل علم سے مضامین تیار کروا کے اضافہ کرے۔ اس سے مقامی اطمینان حاصل ہو جائے گا اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔
- میری رائے میں افریشیائی مصنفین کی نگارشات کی کمی محسوس ہوئی ہے۔ افریشیا کے اہل علم کو بھی دعوت فکر دینے پر اگر توجہ کی جائے تو مناسب ہوگا۔
- تعلیم و تعلم کے مسائل کم از کم افریشیائی ممالک کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس مسئلے پر قدیم اکابر رجال کے انداز فکر کو اہمیت دی جانی چاہیے تھی۔ "کوریئر" کا یہ پہلو کمزور محسوس ہوتا ہے۔

میں نے آخر میں مشورہ دیا کہ مناسب ہے کہ ہم جائزہ و تبصرہ کے کام کو آج ختم کرلیں۔ بلاشبہ یہ ایک ضروری عمل تھا، مگر اس سے زیادہ ضروری عمل یہ ہے کہ ہم اگلے دو سالوں کے لیے پلاننگ پر اپنی توجہات مرکوز کریں۔ اس سے ہاؤس نے اتفاق رائے کیا ہے اور مادام سلوویا کے ارشادات پر ایک بجے یہ کام ختم ہوگیا۔

پروفیسر خولودولین

یونیسکو مس سائنس ڈویزن کے پروفیسر خولودولن ٹھیک ایک بجے تشریف لے آئے تھے ۔ ان کے ساتھ یونیسکو ریستوران گیا اور ان کے مہمان کی حیثیت سے فواکہات اور تازہ دودھ سے اپنے جسم کو سیراب کیا ۔ یہ کوئیک لنچ تھا ، یعنی اس میں تکلفات نہ تھے ۔ ایک ''کوئیک لنچ'' وہ ہوتا ہے کہ آدمی کاموں کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہو ، نہ کام کو چھوڑ سکے اور نہ کھانے کو ۔ بھاگتے بھاگتے کچھ کھائے اور کچھ نگلے ۔ میری رائے میں ایسا ''کوئیک'' کھانا صحت کے لیے اچھا نہیں ہے ، کیونکہ جب تک غذا کے ساتھ لعاب دھن شریک نہ ہو ایسی غذا فتور ھضم کا سبب بن جاتی ہے ۔ اور جب تک دل و دماغ کھانے کے رنگ روپ اور ذائقہ کا پورا ادراک نہ کرلیں ایسی غذا کے جزو بدن ہونے میں شبہ کرنا چاہیے ۔

یونیسکو کا کام اتنا پھیل گیا ہے کہ موجودہ ہیڈ کوارٹر ناکافی ہوگیا ہے اور ذرا فاصلے پر ایک بڑی عمارت تیار ہوگئی ہے ۔ کوئی پانچ منٹ کا راستہ ہے ۔ پروفیسر خولودولن اس نئی عمارت میں ہیں ۔ میں ان کے ساتھ ٹہلتا ہوا یہاں آیا ۔

پروفیسر خولودولین لینن گراڈ کے ہیں ، روسی نژاد ہیں ، عیسائی مذہب رکھتے ہیں ۔ ایک علمی شخصیت ہیں ۔ سائنس داں ہیں ، اس لیے سائنسی معاملات میں مستعد رہتے ہیں ۔ میں ان کا قدر داں ہوں ۔ ان سے دلی تعلق رکھتا ہوں ۔ مجھے ان کی ذات سے ذاتی نفع بھی حاصل ہوا ہے بلکہ میں نے ان کو پاکستان سے تعاون کے لیے مستعد پایا ہے ۔ مگر وہ پاکستان ہی سے نہیں ہر ضرورت کی جگہ تعاون اور امداد کے لیے تیار رہتے ہیں ۔ سال گزشتہ فن لنڈ میں جب ڈاکٹر ارکا مولا صاحب کو ''حادثہ''

بیورو کریسی'' پیش آیا تو وہ بھاگے بھاگے میرے پاس لندن آئے ، اور میں نے ان کو یونیسکو بھیج دیا ، جہاں سے ان کو تعاون حاصل ہوگیا اور ان کی کانفرنس جو خطرے میں آ گئی تھی وہ کام یابی کے ساتھ ہوگئی ۔ میں اور پھر پروفیسر خولودولین دونوں اس میں شریک ہوئے تا کہ ارکا مولا کی ہمت بندھ جائے ۔

انٹرنیشنل سمپوزیم ، بایولوجی اینڈ جنیٹکس

پروفسر خولودولن صاحب سے آج اس موضوع پر حتمی تبادل خیال کیا اور دو گھنٹوں میں سائنس دانوں کی فہرست کو آخری شکل دیدی ۔ میں نے ان پر زور دیا ھے کہ وہ دنیا کے ممالک کے کم از کم ۲۰ سائنس دانوں کو آبزرور کی حشیت سے دعوت بھجوا دیں ، تا کہ پا کستان میں اچھے لوگ زیادہ سے زیادہ جمع ہوسکیں ۔ چناں چہ یہ اصول طے ہوگیا ھے ۔

معاهدہ مابین یونیسکو و همدرد پر غور و فکر کرلیا ھے اور اس کو آخری شکل دیدی ھے ۔ اس سلسلے میں یونیسکو کے ایک ماهر مالیات صاحب سے میں نے تبادل خیال ان کے دفتر میں جا کر کرلیا ھے ۔ توقع ھے کہ معاهدہ جمعہ تک مکمل ہو جائے گا اور میں اس پر دستخط کر دوں گا ۔

ڈاکٹر ڈی ویک

یہ یونیسکو میں فاؤنڈیشن ڈویژن کے سربراہ ھیں ، نیز ثقافتی معاملات میں وہ ایک مشیر کی حیثیت رکھتے ھیں ۔ میں چار بجے ان کے پاس آ گیا ۔ نہایت شستہ و شائستہ انسان ھیں ۔ مذھباً یہودی ھیں مگر میں نے ان کو اپنے فرائض میں کوتاہ نہیں پایا ھے ، اور ایک اچھے دوست کی حیثیت سے وہ میرا ساتھ دیتے ھیں ۔

در حقیقت دو سال قبل جب میں یونسکو آیا تھا تو ان ھی نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ۱۰ ویں صدی ھجری کی تقریبات میں یونیسکو کو دل چسپی لینی چاھیے اور پھر میں نے یونیسکو کے مختلف افسروں سے تبادل خیال کر کے اپنی ایک رپورٹ مرتب کی تھی -

آج میں نے موسو ڈی ویک صاحب سے تبادل خیال کیا - انھوں نے بتایا کہ یونیسکو سال گزشتہ " یونیسکو جنرل اسمبلی " میں تجویز کے مطابق ۱۰ ویں صدی ھجری کے لیے مستعدی کے ساتھ کام کر رھی ھے - اور کلچرل ڈویژن میں جناب پوسپاداس صاحب کی نگرانی میں یہ کام ھو رھا ھے - میں نے پوشپا داس صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاھا مگر وہ میٹنگ میں تھے - بارے ڈاکٹر عزیزہ اور ڈاکٹر زھدہ دونوں اس پر کام کر رھے ھیں - ان سے ملاقات کا وقت لے لیا ھے ، اور کنگرس عالمی تاریخ و فلسفۂ سائنس پر حتمی تبادل خیال کے لیے جناب کونو صاحب سے کل ۴ بجے کا وقت لے لیا ھے - اب کل یہ معرکے سر کرنے ھیں -

جناب محمد طفیل صاحب

یہ پیارے انسان پہلے یونیسکو میں تھے ، اب رٹائر ھوکر پیرس میں بس گئے ھیں ، پاکستان جانے اور وھاں رھنے بسنے کے آرزو مند ھیں - مگر وھاں کے حالات سے پریشان ھیں اور بالخصوص علما کے سوء مزاج سے نالاں ھیں کہ جو سیاسیات میں مسائل تازہ پیدا کر رھے ھیں - آج ان سے دل کھول کر باتیں ھوئیں - انھوں نے قناعت کے ساتھ سادہ زندگی بسر کر کے اتنا پس انداز کر لیا ھے کہ وہ پاکستان میں کوئی کار خیر کرنا چاھتے ھیں کہ صدقۂ جاریہ رھے - میں طفیل صاحب سے ھمیشہ ھی سے محبت کرتا ھوں -

مگر آج ان کے ایسے عزائم نے ان کو میرے دل میں زیادہ بڑھا دیا ہے ۔ کون کہتا ہے کہ اب دنیا میں اچھے انسان نہیں ہیں ۔

وہ پیرس میں رہتے ہیں اور ۲۰ سال سے رہتے ہیں مگر ان کے اور ان کے ہر بچے کا مزاج سراسر اسلامی ہے ، ماحول اسلامی ہے ، دل و دماغ اسلامی ہیں ۔ میں جب بھی پیرس آتا ہوں ان سے ضرور ملتا ہوں اور ان کے ساتھ ایک رات کھانا ضرور کھاتا ہوں ۔

طفیل صاحب ٦ بجے یونیسکو آ گئے تھے ۔ میں بیٹھا دوستوں کو پوسٹ کارڈ لکھ رہا تھا ۔ ان کے ساتھ ان کے گھر گیا ۔ دو گھنٹے ان کے ساتھ رہا ۔ وہاں آرٹسٹ سجاد صاحب بھی آ گئے تھے کہ جو اب مرفہ الحال ہیں ۔ مصر تھے کہ میں ان کے بنگلے میں کئی دن گزاروں ۔

رات ۹ بجے طفیل صاحب مجھے ڈیوکمن آ کر چھوڑ گئے ۔ میں راستوں کے پیچ و خم سے واقفیت حاصل کرنے سے محروم ہوں ۔ اس لیے سہارا چاہیے ہوتا ہے کہ کہیں بھٹک نہ جاؤں !

۱۹ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، بدھ ، پیرس

صبح چار بجے آنکھ کھل گئی ، لاکھ کوشش کی پھر نہ لگی ، آخر اٹھ گیا ، اور تیار ہوکر نماز فجر ادا کی ۔ ساڑھے پانچ بجے میز پر بیٹھ کر کام شروع کر دیا ۔ آج بڑی اہم میٹنگ ہے ، اور اگلے دو سال کے لیے یونیسکو ''کوریئر'' کا پروگرام طے کرنا ہے ۔ درحقیقت گزشتہ دو دن تک جو کام ہوا ہے وہ اگرچہ ضروری تھا اور میں نے ضروری حد تک ہی اس میں حصہ لیا ، تاہم

اب آئندہ کا پروگرام بڑی اہمیت رکھتا ہے اور میں اس کے لیے تیار ہوکر آیا ہوں اور آج صبح میں نے پونے ۹ بجے تک اپنے ذہن کو اس کے لیے خوب تیار کرلیا ہے ۔

ہوٹل ڈیوکس میں صبح ناشتے کا انتظام ہے ۔ مجھے یہاں کا " ملک چاکلٹ " پسند ہے ۔ میں صبح یہی طلب کرتا ہوں ۔ یہاں کے لوگ میری اس پسند کو جانتے ہیں ۔ آج صبح میرے پاس صرف پانچ ہی منٹ تھے ، اور اس عرصے میں خاتون ملک چاکلیٹ نہ لاسکیں ۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور یونیسکو روانہ ہوگیا ۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس میٹنگ میں ایک منٹ کی تاخیر سے پہنچوں ۔ پھر میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں جس مشورے کے لیے یہاں آیا ہوں پوری دیانت داری کے ساتھ اس کام پر متوجہ رہوں اور اپنی توجہ پورے پانچ دن تک کسی دوسری جانب مبذول نہ کروں ۔ میں اس دیانت کے ساتھ کام کر رہا ہوں ۔ چلیے ، آج تو مدیر اعلا موسیو ژاں گوداں اور نائب مدیر اعلا مادام اولگا روڈیل دونوں ہی دیر سے آئے ۔ دوسرا اسٹاف بھی تاخیر سے آیا ۔ باقی مدیران بھی دیر سے جمع ہوئے ، بارے سوا نو بجے میٹنگ کا آغاز ہوگیا ۔ مدیر اعلا کی پوری توجہ میری جانب تھی اور ان کے کہنے سے آج میں نے ہی میٹنگ کا آغاز کیا ۔ مدیر اعلا نے اعتراف کیا کہ " حکیم محمد سعید " نے اگلے دو سال کے لیے جو خیالات اور عنوانات دیے ہیں ، وہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور Well documented ہیں ۔

میں نے آدھ گھنٹے میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ۔ میں نے ۳۰ عنوانات دیے ہیں اور ان میں سے بعض عنوانات کے لیے تین تین صفحات تفصیل کے لیے لکھے ہیں ۔ شعبۂ ادارت پیرس نے جو عنوانات قائم کیے ہیں ، میرے عنوانات ان میں سے اکثر پر

حاوی ہیں۔ شعبۂ ادارت نے پوری اہمیت دیکر میرے عنوانات اور عنوانات کی تفاصیل کی فوٹو کاپیاں تیار کر کے مدیران میں تقسیم بھی کر دی ہیں۔

میں نے یہ محسوس کیا کہ مدیران نے بہ حیثیت مجموعی میرے کام کو پسند کیا ہے اور اس کا اثر قبول کیا ہے۔ وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح کسی اور مدیر نے کام نہیں کیا ہے۔ آج ایک بجے تک موضوعات پر سب ہی نے اظہار خیال کیا ہے۔ مگر میں نے اور سب نے یہ محسوس کیا ہے کہ کوئی بھی مدیر کوئی نئی بات نہ کہ سکا اور سب ہی کو میری تائید کرنی پڑی۔

اب میں کل صبح کی میٹنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کروں گا، کیونکہ کل مرحلہ یہ ہے کہ مجھے اپنی بہت سی باتیں حاضرین سے منوانی ہیں۔ میں نے اس کے لیے آج ہی سے "لابی انگ" شروع کردی ہے۔ ایران کے اردلان صاحب، مصر کے جناب سمارا صاحب، ملائشیا کی ڈاکٹر عزیزہ، انڈیا کے مصطفیٰ صاحب اور گوپال صاحب، ارجنٹینا کے بی سلوا صاحب سے تبادل خیال کرلیا ہے۔ توقع یہ ہے کہ میں اپنے بہت سے عنوانات کے لیے تائید حاصل کرلوں گا اور اگلے دو سال تک مجھے اپنی کامیابی پر مسرت حاصل ہوتی رہے گی، یعنی یونیسکو "کوریئر" انہی پر مشتمل شائع ہوگا!

جناب آرتھر ٹی - پورٹر

وائس چانسلر یونیورسٹی اوف سیرالیون

(پرائیوٹ میل بیگ، فری ٹاؤن ـ سیرالیون)

پرسوں ان سے سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ آج انہوں نے مجھے لنچ پر مدعو کیا تھا۔ میں ایک بجے میٹنگ سے فراغت

پا کر ان کے کمرے میں پہنچ گیا ۔ یہ ایگزیکیٹو بورڈ ، یونیسکو کی خصوصی کمیٹی کے چیرمین ہیں ۔ ان کو کوئی تکلیف بھی ہے ، ان کو میں نے طبی مشورہ بھی دیدیا ہے ۔ ان سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا ۔ وہ اب تک انڈیا یا پاکستان نہیں گئے ہیں ۔ بہت دل چسپ آدمی ہیں ۔ ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے ۔

یہ پہلا سفر ہے کہ میرے ساتھ علمی تحائف نہیں ہیں ۔ میرا ذہن اس بار اس طرف منتقل نہ ہوا اور دفتر میں کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ توجہ دلا دیتا ۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے رفقا کو معلوم ہے کہ میں ایسے سفروں میں اپنے ساتھ تحائف رکھتا ہوں ، مگر اس بار وہاں بھی توجہ نہ ہوئی ، اس سے قبل وہ یاد دھانی کرا دیا کرتے تھے ۔ ایسے علمی انسان جیسے کہ ڈاکٹر پورٹر ہیں ، کتابوں کے ہدیے سے ہی خوش ہوسکتے ہیں ۔

لنچ ایک ویٹ نامی ریستوران میں کھایا ۔ چینی کھانا تھا ، مگر لذیز تھا ۔ میں نے اطمینان سے کھالیا ۔ ہلکا کھانا ہے ، شام تک ہضم ہوجائے گا !

اسلام کے چودہ سو سال

ڈاکٹر ڈی ویک کی سکریٹری نے حسب وعدہ وہ تمام کاغذات جمع کر کے ان کی فوٹو کاپیاں مجھے پہنچا دیں کہ جو اسلام کے چودہ سو سال کی تقریبات اور یونیسکو سے متعلق ہیں ۔ میں واقعی حیران ہوا کہ موسیو ڈی ویک نے کس قدر توجہ سے کام کیا ہے ۔ یونیسکو میں مختلف شعبے اس موضوع پر کام کررہے ہیں ۔ ہر شعبے میں جا کر کاغذات کی فوٹو کاپیاں لینا آسان کام نہ تھا ۔ ان کے لیے دل سے دعائیں نکلیں ۔ کسی نے توجہ دلائی

کہ " ذرا خیال رہے کہ یہ پکے یہودی ہیں" ۔ میں نے دیکھا کہ یونسکو میں انہوں نے میرے لیے وہ کام کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان شاید ہی کرتا ۔ موسیو ڈی ویک نے آج کے لیے دو اہم اپائنٹمنٹ بھی کرادیے ہیں ، اور مجھے مکمل اطلاع تحریری فراہم کر دی ہے ۔

ڈاکٹر عزیزہ

میں تین بجے ان کے کمرے میں پہنچ گیا ۔ انہوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا ۔ یہ تونس کے ڈاکٹر ہیں اور ان کے ذمے تقریبات ۱۰ ویں صدی ہجری کا کلچر اور کمیونیکیشن کا شعبہ ہے ۔ یونیسکو میں مختلف جگہوں پر یہ کام ہو رہا ہے اور ڈاکٹر ایس ۔ مغربل تمام تقریباتی پروگرام کے نگران اعلا ہیں ۔ ڈاکٹر عزیزہ نے اپنے شعبے سے متعلق کاموں کی تفصیلات بتادی ہیں ۔ میں نے ان کو نوٹ کر لیا ہے ۔ اندازہ یہ ہے کہ مئی ۱۹۸۰ء میں یونیسکو ہیڈ کوارٹر میں وہ ثقافت اسلامی کا ایک مفید پروگرام مرتب کریں گے ۔ اس میں نمائش کو اہمیت حاصل ہے ۔ نیز فلمز کو بھی قرار واقعی مقام دیا جا رہا ہے ۔

بایں ہمہ ان کے پروگرام کو آخری شکل دینے میں ابھی وقت لگے گا ۔ میں نے ڈاکٹر عزیزہ صاحب سے اپنا تعارف بھی کرا دیا ہے اور ان کو ۱۰ ویں صدی ہجری اور اسلامی سکریٹری ایٹ سے اپنا تعلق بتا دیا ہے ۔ میں نے اس سے آگے کوئی بات ان سے نہیں کی ہے ۔

ڈاکٹر عزیزہ سے مل کر مسرت ہوئی ۔ وہ تونس یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہیں ۔ بڑا علمی مزاج ہے ۔ ایک کتاب " تصور اسلام " فرانسیسی زبان میں لکھی ہے ۔ اس سے

بڑے خوش ہیں ۔ ہنس مکھ آدمی ہیں ۔ انگریزی ٹوٹی پھوٹی بولتے ہیں ۔ عربی تو خیر ان کی مادری زبان ہے ۔ تاہم فرانسیسی خوب بولتے ہیں ۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اصطلاحات وغیرہ عربی کی استعمال کریں کہ میں اتنی عربی تو سمجھ ہی لیتا ہوں ۔

ڈاکٹر عزیزہ نے ایک پروگرام بڑا دل چسپ بنایا ہے ۔ "اسلام کیا ہے" اس پر بچے کتابیں لکھیں گے اور بچوں کے لیے وہ چھاپی جائیں گی ۔ میں نے سوچا ہے کہ پاکستان میں اس کا تجربہ کرنا چاہیے اور ہمدرد کی جانب سے مقابلہ کرانا چاہیے اور پھر بچوں کی یہ کتابیں چھاپنی چاہئیں ۔ میں اس کی پلاننگ بعد میں کردوں گا ۔ یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ! طے یہ پایا ہے کہ کل مجھے ڈاکٹر مغربل صاحب سے ملاقات کرلینی چاہیے ۔ دس بجے کا وقت ڈاکٹر عزیزہ صاحب نے ان کی سکریٹری سے لے دیا ہے ۔

ڈاکٹر کونو

پاکستان میں جو انٹرنیشنل کنگرس تاریخ و فلسفہ سائنس ہو رہی ہے ، اس کا کام یونیسکو کلچرل ڈویژن میں کونو صاحب کر رہے ہیں ۔ چوں کہ ایگزیکٹو بورڈ کی میٹنگ ہورہی ہے اس لیے یونیسکو کا ہر بڑا افسر اس میں مصروف ہے ۔ پوشپا داس صاحب سے ، جو اس ڈویژن کے صدر ہیں ، ملاقات نہیں ہو سکی ہے ۔ بس سر راہے ان سے دور سے علیک سلیک ہوئی ہے ۔ میں کونو صاحب سے جا کر مل لیا ۔ ان کو اب تک جو کام ہوئے ہیں بتا دیا ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ اگر سنٹرل ایشیا میں کسی شخصیت کا مشورہ دیں تو ہم ان کو دعوت دیدیں گے ۔ کونو صاحب نے مجھے پوشپا داس صاحب کا خط بھی دیا ہے جو

سرے ایک خط کے جواب میں ہے ۔ انہوں نے پاکستان کنگرس میں شرکت کا ھنوز فیصلہ نہیں کیا ھے ، تاھم وہ غور کریں گے ۔ میں نے بہر حال ان کو دعوت شرکت دیدی تھی ۔ کونو صاحب نے ایک نکتہ یاد دلایا کہ سنٹرل ایشیا اور سائنس پر زیادہ توجہ کرنی چاھیے ۔ میں نے اس نکتے کو احتیاط سے نوٹ کرلیا ھے اور اب زیادہ زور اسی پر دینا ھے ۔

ڈاکٹر اردلان

ایران کے ڈاکٹر اردلان صاحب کہ جو مدیران ''کوریئر'' کی میٹنگ میں شریک ھیں ، میں نے ان سے بات کی ھے کہ ایران سے دونوں کنگرسوں میں اسکالرز کو آنا چاھیے ۔ انہوں نے وعدہ کیا ھے کہ وہ توجہ کریں گے اور جلد فیصلہ کریں گے ۔ مجھے اب یہ چاھیے کہ نیشنل کمیشن فار یونیسکو ، ایران کو بھی خط لکھدوں ، ان کی مدد حاصل کرنی چاھیے ۔ تاریخ سائنس کانفرنس میں تو ایران اور ترکی کی شرکت اشد ضروری ھے ۔

میں آخر میں پروفیسر خولودولین صاحب کے پاس گیا ۔ وہ بایولوجی کنگرس کے لیے آبزرورز کی تلاش میں سرگرداں تھے ، یعنی نام تلاش کر رھے تھے ۔ میں نے ان سے کہا ھے کہ اگر اچھے آدمی آئے تو میں آبزرورز کو بھی ھمدرد کا مہمان بنالوں گا ۔ وہ بلا تامل دعوت دیدیں ۔ میں چاھتا ھوں کہ اعلا پائے کے سائنس داں جمع کرلوں ۔

جناب نسیم انور بیگ

ان دنوں محترمی نسیم انور بیگ صاحب یونیسکو میں اھم مقام پر فائز ھیں ۔ ڈائریکٹر جنرل کے قریب ھیں ۔ عملے کے سربراہ

ھیں ۔ ان کی اعلا صلاحیتوں اور ان کے خلوص نے یونیسکو میں پاکستان کا نام بلند کر رکھا ھے ۔ میں ان سے مل کر بڑا اطمینان محسوس کرتا ھوں ۔ اطمینان کی ایک صورت یہ بھی ھے کہ نسیم انور بیگ صاحب شام ھمدرد کے مقرر ھیں !

میں نے ان سے ٹیلی فون پر " ھیلو " کہا ۔ ان کا اصرار رھا کہ میں کل شام ان کے ساتھ کھانا کھاؤں ۔ میں نے دعوت قبول کرلی ھے ۔ ان سے مل کر دل خوش ھوتا ھے ۔ انھوں نے اشارہ کیا ھے کہ کل وہ علاحدگی میں اھم معاملات پر تبادل خیال بھی کریں گے ۔

پیرس کے بازار میں

انڈیا کے کرشن گوپال صاحب مدیر ھندی ایڈیشن اور محمد مصطفیٰ صاحب مدیر تامل ایڈیشن " شاپنگ " کی فکر میں ھیں ۔ میں نے ان کے لیے " ڈیوٹی فری شاپ " تلاش کردی ھے اور ان کو بتا دیا ھے ۔ ان کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلوں ، لھذا میں ان کے ساتھ ھولیا ۔ ھوٹل آرکیڈ دو ستار (ٹو اسٹار) تازہ تازہ بنا ھے ۔ اس میں ۳۵۰ کمرے ھیں ۔ کرایہ یومیہ ایک سو فرانک ھے ۔ دو آدمیوں کا کرایہ ۱۴۰ فرانک ھے۔ اس اعتبار سے بڑا ھی سستا ھے ۔ میں اپنے ڈیوکین میں ۱۳۳ فرانک یومیہ دے رھا ھوں جو مقابلتہً زیادہ ھے ۔ مگر حال یہ ھے کہ آرکیڈ میں ایک کمرہ بھی خالی نہیں ھے ! اب غور کرنا ھوگا کہ میں آئندہ ڈیوکین میں قیام کروں یا آرکیڈ میں ! خود اس آرکیڈ ھوٹل میں ایک ڈیوٹی فری شاپ ھے ۔ میں اپنے ان ھندستانی دوستوں کو وھاں لے گیا ۔ اللہ توبہ ھے ! قیمتیں آسمان پر ھیں ۔ تاھم وہ پاس پورٹ دیکھ کر ۳۰ تا ۴۰ فیصد کمیشن

دیتے ھیں ۔ کرشن گوپال صاحب نے خریداری کر ھی لی ۔ مصطفیٰ صاحب سنگاپور جا رہے ھیں ، اس لیے وہ وھاں شاپنگ کریں گے ۔ مس نے ان کو سنگاپور کے بہت سے اچھے اسٹورز کے نام بتا دیے ھیں ۔ آخر جہاں دیدہ ھوں ! محترمی مسرت حسین زبیری صاحب نے ٹائی کے لیے کہا تھا ۔ میں نے ھمت کرکے ایک ٹائی خرید ڈالی ھے ! پھر الماری میں دیکھا تو ایک یو ڈی، کولون کا نام " پنجاب " تھا ۔ واہ واہ ! میں نے ھمت کرکے ایک شیشی خرید لی ھے ۔ کسی پنجابی دوست کو دوں گا ! ایس ۔ ایم ۔ ظفر صاحب ھی ذھن میں ھیں ! اس خریداری کے بعد بھلا کون ھمت کرتا کہ کوئی اور چیز خریدے ! بس بازار میں سامان دیکھتے ھی رہے ۔ البتہ میں نے ایک کیمسٹ کی دکان سے خلال کا ایک پیکٹ خرید لیا ھے ۔ اس کی مجھے تلاش تھی !

محمد یوسف صاحب کے ھاں ڈنر

سفارت پاکستان میں افسر تقریبات محمد یوسف صاحب نے آج رات کھانے پر مدعو کیا تھا ۔ مجھے تامل اس لیے تھا کہ ان کو زحمت ھوگی ، مگر ان کے خلوص کے سامنے مجھے انکار کی جرات نہ ھوئی ، اور میں نے ھامی بھرلی ۔ انھوں نے ۸ بجے موٹر بھجوا دی ، اللہ ان کو خوش رکھے ۔ محترمی ڈاکٹر قاضی صاحب سکریٹری تعلیمات پاکستان بھی ایگزیکیٹو بورڈ کی میٹنگ میں آئے ھوئے ھیں ۔ وہ بھی مدعو ھیں ۔

محترمی ڈاکٹر قاضی صاحب بھی تشریف لائے ۔ ان کو قیام کے لیے ھنوز اچھی جگہ نہیں ملی ھے ۔ شاید ڈیوکین میں کل سے ان کا انتظام ھو جائے ، ورنہ میں تو ھفتے کو جا ھی رھا ھوں ، میں اپنا کمرہ ان کو دیدوں گا ۔ ان کو ایگزیکیٹو کی میٹنگ کے

لیے کم از کم ایک ماہ تو رہنا ہی ہے ۔

کھانے پر عزیزمن عسکری اور ان کی اہلیہ نفیس بانو بھی تھیں ۔ بڑا دل خوش ہوا ان دونوں سے مل کر ۔ عسکری عالی جناب پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب کے بیٹے ہیں ۔ مرزا صاحب بڑے انسان تھے ۔ بڑے ادیب تھے ، بڑے اہل قلم اور صاحب فکر ۔ میری دلی کے تھے ۔ واجب التعظیم اور واجب الاحترام ۔ عکسری صاحب سے بھی رشتہ کیا کم ہے ! وہ خود بھی اچھے ادیب ہیں ۔ انہوں نے اپنے والد کے نام کی رعایت سے اپنا قلمی نام '' ابن سعید '' رکھا اور ادبی دنیا میں اسی نام سے مشہور ہو گئے ۔ میرے لیے یہ رشتہ بھی اہمیت رکھتا ہے ۔ پھر ان کی شادی میرے گھر میں ہوئی ۔ عزیزہ نفیس دلی سے آ کر اپنی والدہ محترمہ اور ہمشیرہ بلقیس بانو کے ساتھ میرے ہاں ہی مقیم ہوئی تھیں ۔ ان دونوں بہنوں کی شادی میرے گھر پر ہوئی ۔ بلقیس بانو کی شادی پروفیسر احمد علی صاحب سے ہوئی ۔ پروفیسر صاحب دنیائے علم کا روشن ستارہ ہیں ۔ ان دنوں ترجمۂ قرآن پاک پر متوجہ ہیں ۔ گزشتہ دنوں ان سے ایک مفصل نشست رہی ۔ ان کے مطالعۂ قرآن سے میں متاثر ہوا ہوں ۔ میں نے ان کے لیے یہ انتظام کیا تھا کہ اوسٹریلیا میں مئی ۱۹۸۰ء میں ہونے والی '' قرآن کانفرنس '' میں وہ مدعو کیے جائیں ۔ دعوت نامہ ان کے پاس آ گیا ہے ۔

افغانستان میں ایک اور انقلاب

شب گزشتہ محترمی طفیل صاحب کے ہاں ۸ بجے ٹیلےوژن خبروں میں معلوم ہو گیا تھا کہ افغانستان میں ایک اور انقلاب آیا ہے اور تره کی صاحب مارے گئے ، امین صاحب نے ان کی جگہ

سنبھال لی ہے ۔ افغانستان میں انقلاب خونی کا آغاز اس وقت ہوا کہ جب سردار داؤد خان نے شاہ افغانستان ظاہر شاہ صاحب کو ملک سے نکال دیا اور خود حاکم بن بیٹھے ۔ ظاہر ہے کہ یہ انقلاب اشارہ ٔ دوست کے بغیر ممکن نہ تھا ۔ جب تک اشارہ ٔ دوست پر کام کرتے رہے داؤد صاحب بقید حیات رہے اور جب انہوں نے ایران اور پاکستان سے اسلامی اخوت کا مظاہرہ کیا ، نرہ کی صاحب کے ہاتھوں ختم ہوئے ، اور اتحاد افغانستان ، پاکستان و ایران پارہ پارہ ہوگیا ۔ جب ایسے خونی انقلابات آتے ہیں تو ان کا سلسلہ جاری ہی رہا کرتا ہے ۔ دوست کو آج کل یہ کسی طرح گوارا نہیں ہے کہ اس خطہ ٔ ارض میں اتحاد و اخوت کا کوئی بھی اشارہ و سامان ہوسکے ، کیونکہ ایسا کرنے سے روس کی پانچوں مسلم ریاستیں ایک انقلاب اسلامی کے لیے بیدار ہو جائیں گی ۔ در اصل وہاں بیداری آرہی ہے اور ایک ذہنی انقلاب کروٹ لے رہا ہے ۔ اس حال میں افغانستان ، ایران ، پاکستان تین بڑے ملک اگر متحد اور ہم نوا ہوگئے تو پانچ اور تین یعنی آٹھ عظیم ریاستوں کا اتحاد وسطی ایشیا میں ایک ایسی طاقت بن سکتا ہے کہ جو طاغوت کی قوتوں کو بخوبی شل کر سکتا ہے ۔ یہ اتحاد کسی بڑی طاقت کے حق میں نہیں ہے ۔

۲۰ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، یونیسکو ۔ پیرس

آج ریڈیو پاکستان کی نشریات کے بعد میرے لیے وجہ پریشانی یہ خبر ہے کہ جناب محترم (ریٹائرڈ) جسٹس حمود الرحمان صاحب نے عہدہ ٔ مشیر صدر مملکت سے استعفا دیدیا ہے ۔ بہت

غور کر رہا ہوں ، بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی اصولی احتلاف ضرور پیدا ہوا ہے ، ورنہ ایسے حالات میں کہ ۲۰ ستمبر سے بلدیاتی انتخابات شروع ہو رہے ہیں اور ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کو قومی انتخابات کا مرحلہ سامنے ہے ، اس قسم کی علاحدگیاں وجۂ تشویش ہوسکتی ہیں ۔ میں سونگھ رہا ہوں کہ پاکستان کی عدالت عالیہ میں کوئی بڑی تبدیلی لائی جا رہی ہے ۔ میری رائے میں یہ تبدیلی قطعی طور پر صحیح نہیں ہے ۔ اس سے حکومت کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال ہے ۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ کوئی ایسی تبدیلی فی الحال نہ لائی جاسکے جس سے ذرا بھی نقصان اور ضعف کا خطرہ ہو ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے جناب جسٹس حمود الرحمان اور جناب شریف الدین پیرزادہ کے باہمی تعلقات خراب نہیں ہیں ۔ بارے پاکستان جا کر ہی صحیح بات سامنے آئے گی کہ اس علاحدگی کا پس منظر کیا ہے ۔ میں بہر حال پریشان ہوا ہوں ۔

یونیسکو کوریئر

آج کی میٹنگ بڑے اہم اور نازک مرحلے میں داخل ہو رہی ہے ۔ میں نے صبح ہی سے اس کے لیے تیاری شروع کردی ہے ۔ آج عنوانات و موضوعات کا فیصلہ ہوگا کہ جو ۸۱ - ۱۹۸۰ء کے "کوریئر" کے لیے چنے جائیں گے ۔ میں نے اس کام میں بہت اہمیت اور دل چسپی کے ساتھ حصہ لیا ہے ، اس لیے مجھے یہ دیکھنا ہے کہ اچھے موضوعات چنے جائیں اور زوائد کو احتیاط کے ساتھ خارج کیا جا سکے ۔ میں ٹھیک ۹ بجے کمرہ نمبر ۸ میں پہنچ گیا ، ساڑھے نو بجے تک سب ہی مدیران جمع ہوگئے ۔ کل جو تبادل خیال ہوا تھا ، اس کی روشنی میں دفتر ادارت نے عنوانات

کو از سر نو مرتب کر دیا ہے اور مجھے یہ اطمینان ہے کہ میرے دیے ہوئے تمام عنوانات شریک کر لیے گئے ہیں بلکہ ایک عنوان کہ جو سال گزشتہ میں نے دیا تھا اور جس پر غور نہیں ہوسکا تھا وہ بھی شریک کرلیا گیا ہے ۔ بارے عنوانات کی طویل فہرست پر تبادل خیال ہوا اور ایک بجے تک اولیت اور ثانویت کا فیصلہ بھی ہوگیا اور اس طرح یہ مرحلہ طے ہوگیا ۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ جہاں ضرورت ہوئی ، اظہار رائے کرتا رہا اور ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ بولا ۔ اس میٹنگ میں میری شہرت یہ ہوئی کہ میں کم سے کم بولا ہوں اور زیادہ سے زیادہ میں نے کام کر دیا ہے اور رہنمائی دیدی ہے ۔ میں نے اپنی اس کامیابی پر جو دراصل پاکستان کی کامیابی ہے ، اللہ کا شکر ادا کیا ۔ انسان صرف کوشش کرتا ہے ، تکمیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ۔

عنوانات

دفتر ''کوریئر'' کی ایک مس آریانا بلی نے وقت ملاقات مانگا تھا ، میں نے ان کو دو بجے ہال نمبر ایک کے سامنے ملنے کو کہہ دیا تھا ۔ محترمی نقوی صاحب کہ جو یونیسکو میں کام کرتے ہیں اور پاکستان کے عجائب گھر کی خدمات کے لیے یونیسکو میں آئے ہیں ، ان کا اصرار تھا کہ میں ان کے ساتھ لنچ لوں ، مگر میں نے صرف سلاد کھانے پر رضامندی ظاہر کردی ۔ یونیسکو ریستوران میں بڑی اچھی سلاد ملی ۔ نقوی صاحب کی میزبانی کا پورا لطف اٹھایا ۔

جہاں پاکستانی جمع ہوں پاکستان کی سیاست ہی زیر بحث آسکتی ہے ۔ میں نے اظہار رائے کیا ۔ میں نے تو یہ یقین

دلایا ہے کہ بلدیاتی انتخابات پاکستان میں جمہوریت کے بیج اچھے رہیں گے ، اور یہ کہ اس عمل سے ۱۷ نومبر کو قومی انتخابات منعقد کرانے میں مدد ملے گی ۔

مس آریانا بیلی نے میرے مجوزہ عنوانات میں سے کھیوڑہ ، سیال کوٹ کے آلات موسیقی ، ہالہ اور بہاول پور کی کوزہ گری سے اپنی دل چسپی کا اظہار کیا ہے اور وہ ان موضوعات پر مضامین چاہتی ہیں ۔ میں نے ان کی ضروریات کو نوٹ کرلیا ہے ، مگر میں اس پر حیران ہوں کہ یہ بات مادام اولگا روڈیل نے براہ راست کیوں نہ کی ! کیا اس لیے کہ وہ اکثر و بیشتر میرا تعاون چاہتی ہیں اور اب مزید بات کرنے میں ان کو تامل ہوا ہے ؟ ویسے یہ طے ہے کہ مس آریانا بیلی بغیر مادام اولگا کے مشورے کے یہ بات مجھ سے نہیں کہہ سکتیں ۔ پھر جب انہوں نے کہا کہ یہ مضامین اولگا روڈیل کو بھجوا دیجیے گا یا مجھے ، ایک ہی بات ہے تو بات واضح ہوگئی کہ ادارے کو میرے تعاون کی ضرورت ہے ۔ میں یہ کام کرادوں گا ۔

معاہدہ

میں نے آج وہ معاہدہ دیکھ لیا ہے کہ جس پر پرسوں تبادلِ خیال ہوا تھا ! آج کافی بریک میں پروفیسر خولودولین ، سائنس ڈویژن ، یونیسکو ، ملنے آئے تھے ۔ میں نے معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں ۔ کل رات میں نے محترمی ڈاکٹر قاضی صاحب (سکریٹری حکومت پاکستان ، وزارت تعلیم) سے مشورہ کرلیا تھا اور افتاب صاحب سے کہ جو یونیسکو میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں ، بات کرلی تھی ۔ پروفیسر خولودولین صاحب نے دوبارہ ایک بجے آ کر درخواست کی کہ کل میں ان کے کمرے میں آجاؤں

اور چیک ۱۷ ہزار آٹھ سو ڈالر کا وصول کرلوں ۔ میں نے وعدہ کرلیا ہے ۔ میں نے یہ معاہدہ انٹرنیشنل سمپوزیم بایولوجی اینڈ جنٹیکس کے لیے ہمدرد اور یونیسکو کے مابین کیا ہے ۔

یونسکو حیاتیاب اور جینیات پر تحقیقات جدیدہ سے بڑی دل چسپی رکھتا ہے ۔ اس موضوع پر اب تک تین عالمی اجتماعات زیر اہتمام یونیسکو ہوچکے ہیں اور اب چوتھا پاکستان میں ہو رہا ہے ۔ میڈرڈ (اسپین) میں تیسرا سمپوزیم تھا جس میں یونیسکو کی دعوت پر میں نے سرکت کی تھی اور اس موضوع پر ایک فلسفانہ نقریر کی تھی اور دعوت دی تھی کہ اگلی چوتھی کانفرنس پاکستان میں ہونی چاہیے ۔

حیاتیات اور جینیات پاکستان کا ایک اہم مسئلہ ہے ۔ ہمارے ہاں زرعی میدان مس جینیات سے زبردست مدد مل سکتی ہے اور ہم اپنی زرعی پیداوار میں اضافات کر سکتے ہیں ۔ اب میں وہ داستان کس طرح بیان کروں کہ جو پاکستان میں اس سمپوزیم کے انعقاد کے بارے میں ہے ۔ مختصر یہ کہ بیوروکریسی نے بوری پوری کوشش کر ڈالی کہ پاکستان میں یہ سمپوزیم نہ ہوسکے ۔ میں تو واقعی حیران ہوں کہ پاکستان میں یہ بیورو کریسی آخر چاہتی کیا ہے ! بارے میں نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ میں پاکستان میں حیاتیات اور جینںات کے میدان میں پہل کرکے ہی دم لوں گا ۔ اور میں آخر کار کام یاب ہوگیا اور اب اسی سال دسمبر میں انشا اللہ اس موضوع پر پاکستان میں پہلی بار یہ سائنسی پیش رفت ہوگی ۔ یونیسکو نے ۱۷ ہزار آٹھ سو ڈالر اپنا حصہ دیا ہے ۔ اس سے زیادہ اخراجات ہمدرد فاؤنڈیشن ادا کرے گا ۔ اور اس طرح پاکستان مس ایک تاریخ ساز پیش رفت ہوگی ۔ انشا اللہ تعالیٰ ۔

ڈاکٹر رچرڈسن

(ایجوکشن اینڈ سائنس ڈویژن ، یونیسکو)

ان کا ٹیلے فون پر پیغام آیا کہ وہ چند منٹ کے لیے مجھ سے ملاقات چاھتے ھیں - میں نے ان کو " کافی بریک " میں چند منٹ کے لیے بلا لیا اور ان سے اطمینان سے کیفے ٹیریا میں باتیں کیں - یونیسکو کا بڑا اچھا رسالہ ھے : " امپیکٹ اوف سائنس " مجھے یہ بہت پسند ھے - گزشتہ تین سال سے ڈاکٹر رچرڈسن صاحب اس کا اردو ایڈیشن نکالنے کے آرزو مند ھیں - میں اب تک معذرت کرتا رھا ھوں - آج وہ پھر یہی تجویز لے کر آئے تھے - میں نے ان کو اپنی مصروفیتوں کا حال بتا کر معذوری کا اظہار کر دیا ھے - وہ کہتے ھیں کہ میں پاکستان میں یہ کام کسی اور کو سونپ دوں - بڑی دقت یہ ھے کہ یونیسکو کے پاس اس کے لیے بجٹ نہیں ھیں - وہ تراجم کے معاوضے کی حد تک تو مالی تعاون کرسکتے ھیں مگر اس سے زیادہ نہیں - وہ اس کے لیے تیار ھیں کہ اسے سہ ماھی نکالا جائے اور انتخاب کرلیا جائے اور مزید یہ کہ وہ فارسی کا ٹائپ رائٹر آئی بی ایم والا بھی فراھم کرا دیں گے اور یونسکو کے تعاون کے طور پر دیں گے - ان کی درخواست یہ تھی کہ میں کم از کم ان کو " ایس ٹی میٹس " ترجمہ کے لیے تو بھجوا ھی دوں تاکہ وہ یونیسکو بجٹ میں اس کو شریک کرلیں - " امپیکٹ " انگریزی ، فرانسیسی اور عربی میں اس وقت چھپ رھا ھے - میں نے ان سے کہا ھے کہ وہ تازہ اشوع مجھے بھجوا دیں -

ڈاکٹر ھاشم الطنیات

مجھے ڈاکٹر عزیزہ صاحب کے مشورے سے ڈاکٹر السید

المغربل صاحب سے ملاقات تین بجے کرنی تھی ، مگر وہ اپنے کمرے میں موجود نہ تھے۔ یہ ایگزیکٹو بورڈ کی مٹنگ میں شریک ھیں۔ ملاقات کے بارے میں یہی طے پایا کہ ممکن ھوا تو ھوسکے گی ۔ بارے انہوں نے ڈاکٹر ھاشم کو تعینات کر دیا تھا کہ میں ان سے بات کروں ۔ ڈاکٹر ھاشم سوڈانی ھیں ۔ ان کا تعارف اس طرح ھوا کہ غالباً ۱۰ ویں صدی ھجری کے یونیسکو پروگرام کے نگراں اب وھی ھوں گے۔ انہوں نے میرے بارے میں جاننا چاھا کہ میں کون ھوں ۔ میں نے تعارف کرا دیا اور اپنی ھر تعریف سے گریز کیا ۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یونیسکو کے پروگرام ۱۰ ویں صدی ھجری سے خاصی حد تک آگاہ ھوں مگر میں یہ بتانا چاھتا ھوں کہ میں اسلام کے ۱۴ سو سال اور سائنس میں دل چسپی رکھتا ھوں اور بڑے پیمانے پر یہ خدمت کرنا چاھتا ھوں اور آپ حضرات سے یہ امداد چاھتا ھوں کہ ایک مشاورتی مجلس کے لیے ارکان کے انتخاب میں مدد دیں اور عالم اسلام سے ۴ - ۵ ایسے نام بتائیں کہ جو ایک بڑے عالمی اجتماع اور ۱۴ سو سال کی سائنسی پیش رفتوں کے لیے ایک جامع و مانع پروگرام تیار کرنے میں پوری صلاحیتوں کے ساتھ حصہ لے سکیں ۔ میں نے کہا کہ میرا مسئلہ یہی ھے ۔ ڈاکٹر ھاشم صاحب نے وعدہ کیا ھے کہ وہ کل ۲ بجے تک کوئی راہ تجویز کریں گے اور کل ڈاکٹر مغربل صاحب کو بھی ملاقات کے لیے تیار رکھیں گے۔ میں نے مصلحۃً آخر میں روانہ ھوتے وقت اپنا سرکاری تعارف بھی کرا دیا ھے۔ اس سے ڈاکٹر ھاشم صاحب نے وھی اثر قبول کیا جس کی توقع کی جاسکتی تھی !

جدہ سے رابطہ

میں نے پیرس آتے ھی سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ محترمی جناب ظفر الاسلام صاحب کو ایک خط فوراً لکھکر ڈال دیا تھا کہ وہ " اسلام اینڈ سائنس " کے بارے میں مشاورتی کمیٹی کا جلد از جلد فیصلہ کریں اور اس میں ایک منٹ کی تاخیر بھی نہ کریں - مس نے اس کمیٹی میں ڈاکٹر رچرڈسن کا نام بھی رکھا ھے - وہ یونیسکو میں سائنس و تعلیم ڈویژن کے ڈائریکٹر ھیں - آج جب رچرڈسن صاحب مجھ سے ملنے آئے تو میں نے ان سے ذکر کیا - بہ ظاھر وہ دسمبر میں فارغ نہیں ھیں -

استقبالیہ

نہ معلوم یہ " کاک ٹیل " کیا چیز ھے ، یہ نام کہاں سے شروع ھوا ھے ، مگر یہ ایک استقبالیہ کی صورت ھے جس مس ھر شریک اپنی مرضی کے مطابق مشروب پیتا ھے اور زیادہ ترلوگ شراب نوشی کرتے ھیں - آج مدیر اعلا " کوریئر " موسیو ژال گوداں کی جانب سے مدیران کوریئر کے اعزاز میں کاک ٹیل تھی - میں بھی وقت مقررہ پر ساڑھے چھے بجے پریس روم پہنچ گیا - سارا انتظام " کوریئر " کے دفتر کے اسٹاف کے ھاتھ میں تھا - " کوریئر " کے آرٹ ڈائریکٹر اور سکریٹری " ساقی " بنے ھوئے تھے - نقل کا انتظام جگہ جگہ تھا - کہنا چاھیے کہ مدیران کوریئر کی یہ ملاقات ان تمام لوگوں سے بھی ھے کہ جن کا تعلق کوریئر کی ترتیب و اشاعت وغیرہ سے ھے - یہاں بروس کلارک صاحب سے بھی دوبارہ ملاقات ھوئی - ان کا تعلق پبلی کیشنز ڈویژن سے ھے - ان سے تبادل خیال کا موقع مل گیا - انھوں نے بتایا کہ وہ ۱۲ یونیسکو کتابوں کے لیے تصاویر کی

ٹرانسپرینسیر جلد ہمدرد کو بھجوا دیں گے ، زیر تیاری ہیں۔ جناب ڈی ویک صاحب بھی آگئے ۔ میں تو ان کی تلاش میں تھا ۔ ان کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ ان کی وجہ سے اسلام کے ۱۴ سو سال پر یونسکو میں جو کام ہو رہا ہے اس کے بارے میں تمام تر معلومات حاصل ہوگئی ہیں ۔ آج پریس روم میں بعض بڑے دل چسپ پوسٹرس نگاہ سے گزرے ۔ مسٹر ڈی ویک تو " ایور ریڈی " قسم کے آدمی ہیں ۔ انھوں نے کہا کہ میں جس قدر ممکن ہوگا پوسٹر جمع کر کے کل آپ کو دیدوں گا ! میں نے کہا ، " سبحان اللہ ! اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ "

ڈاکٹر کوفلر

استقبالیہ میں میرے لیے بڑی دل چسپ شخصیت ڈاکٹر کوفلر صاحب تھے کہ جو عرصۂ دراز تک " کوریئر " کے مدیر اعلا رہے ہیں ۔ مجھے دیکھ کر لپٹ گئے ۔ رٹائرمنٹ کے بعد اکثر لوگ مرجھا جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر کوفلر صاحب پر کوئی اثر نہیں ہے ۔ میں نے کہا کہ ماشاء اللہ آپ تو جوان ہوتے جا رہے ہیں ! یہ ڈاکٹر کوفلر ہی ہیں کہ جنھوں نے " کوریئر " کے اردو ایڈیشن " پیامی " کی منظوری دی تھی ، حالانکہ سواحلی زبان کی باری تھی ، مگر اردو کے لیے انھوں نے پہل کا فیصلہ کیا اور غیر متوقع مراعات بھی منظور کر دیں ۔ ان کی رپورٹ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ میں یہ تمام فیصلے ڈاکٹر سعید کی وجہ سے کر رہا ہوں ۔

میری آنکھیں آج کے اس استقبالیہ میں محترمی رینے کیلوز کو تلاش کرتی رہیں ، مگر وہ دکھائی نہ دیے ۔ محترمہ اولگا رو ڈیل نے بتایا کہ وہ ساؤتھ فرانس میں ہیں اور آ نہیں سکے ۔

پھر اولگا نے بتایا کہ ان کی بڑی بیٹی نے کہ جو بڑی کام یاب ڈاکٹر تھی ، خود کشی کرلی ھے۔ اس حادثے نے رینے کیلوز کو بوڑھا کر دیا ھے۔ ایسا لگتا ھے کہ ان کی روح کھینچ لی گئی ھے۔ رینے کیلوز اب اپنا زیادہ تر وقت انگور باغ میں گزارتے ھیں۔ وہ اس فکر میں ھیں کہ ان خاص انگوروں سے وہ ایک ایسی شراب ترکیب دیں کہ جو لاجواب ھو۔

مادام اولگا رو ڈیل نے رینے کیلوز کا پتا دینے میں ذرا بھی دل چسپی ظاہر نہ کی اور کہ دیا کہ سکریٹریٹ سے حاصل کرنے کی کوشش کریں ، مگر ڈاکٹر ویک صاحب نے وعدہ کرلیا کہ وہ پتا تلاش کرکے دیں گے۔ مجھے محترمہ کا یہ انداز زیادہ بھلا معلوم نہ ھوا۔

ڈائرِیکٹر جنرل

موسیو احمد مختار امبو یونسکو کے بڑے طاقت ور ڈائریکٹر جنرل ھیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات میونخ میں ھوئی تھی جہاں میں سال گزشتہ آئن اشٹائن کے جشن صد سالہ کی تقریبات میں ، یونیسکو کی دعوت پر شرکت کر رھا تھا۔ ان سے تبادلِ خیال کا وھاں اچھا موقع ملا تھا۔

آج ان سے پھر ملاقات ھوئی۔ میں نے ان کو ایک خط بہ سلسلۂ عالمی اجتماعات زیر اہتمام یونیسکو و ھمدرد لکھا تھا۔ ایک نیا خط میں نے محترمی ڈاکٹر قاضی صاحب کو کل دیدیا تھا کہ وہ ان کو پہنچا دیں۔ اس میں ان سے درخواست کی گئی ھے کہ وہ پاکستان کا دورہ کریں اور اس کے لیے یہ عالمی اجتماعات کا موقع زیادہ اچھا ھوگا۔ میں درحقیقت یہ چاھتا ھوں کہ شرق اوسط کے لیے یونیسکو اپنا دفتر کراچی میں قائم کرلے یا اسلام آباد

میں ۔ اس وقت تو نئی دھلی کا دفتر پاکستان کے مسائل کو دیکھتا ھے ۔ میں نے کل ڈاکٹر قاضی صاحب سے اس مسئلے پر بات کی تھی کہ وہ ایگزیکیٹو بورڈ کی مٹنگ میں اس کا خیال رکھیں ۔

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل

جناب مائر صاحب سے بھی آج ملاقات ہوئی ۔ وہ پرتگالی ھیں اور میرے دوست جناب ڈاکٹر نوبس کی جگہ آئے ھیں ۔ نوبس صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کی جگہ سے رٹائر ھوکر اب نیشنل کمیٹی فار یونیسکو برائے امریکا میں جز وقتی کام کرتے ھیں ۔ نیز وہ ڈیوک یونیورسٹی میں استاد ھوگئے ھیں ۔ ان سے مجھے دلی تعلق تھا ۔ جب وہ پاکستان آئے تھے تو ھمدرد ان کا میزبان تھا ۔ مائر صاحب سے خط و کتابت تو میری ھوئی تھی ، ملاقات ان سے آج ھوئی ھے ۔ ان کے پاس ھمدرد کا وہ فائل ھے کہ جو اسلامی سائنس میں نمایاں کام کرنے کے بارے میں ھے ۔ مقصد یہ ھے کہ ایسے اسکالر کو ھمدرد کے تعاون سے یونیسکو پرائز دیا جائے (یونیسکو ھمدرد پرائز) ۔

عشائیہ

محترمی جناب نسیم انور بیگ صاحب نے آج کھانے پر یاد فرمایا تھا ۔ یونیسکو میں بیگ صاحب کی بڑی حیثیت ھے ۔ وہ پاکستان کا یہاں نام بلند کر رھے ھیں اور بہترین صلاحیتوں کا مظاھرہ کر رھے ھیں ۔ وہ عملۂ یونیسکو کے نگران اعلا ھیں ۔ تمام تقررات وغیرہ ان ھی کے ھاتھ میں ھیں ۔ پاکستان کی اصطلاح میں یونیسکو کے کیبنٹ ڈویژن کے سربراہ ھیں ! ان کے ھاں محترمی اعوان صاحب سے بھی ملاقات ھوئی ۔ اعوان صاحب

حکومت پاکستان میں اعلا عہدوں پر فائز رہے ہیں ۔ اب دو ماہ سے مختلف ممالک کے دورے پر ہیں ۔ محترمی نسیم انور بیگ صاحب سے دل کی باتیں بھی ہوئیں ، مگر کم ۔ میں خود بھی یونیسکو اور پاکستان کی مناسبت سے ان سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا ۔ شاید کل کسی وقت موقع مل جائے ۔ محترمی بیگ صاحب نے مجھے رات ساڑھے گیارہ بجے ہوٹل پہنچا دیا ۔

۲۱ ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعہ ، پیرس

ان دنوں غذا ضرورت سے زیادہ مل رہی ہے ، اور نیند بھی معمول سے زیادہ آرہی ہے اور فکر بھی کم ہے ، یعنی عیاشی کا سامان پورا ہے ! وزن اب کیوں نہیں بڑھے گا ! تاہم ورزش کا کوئی موقع نہیں ہے ۔ صورت حال یہ ہے کہ ناشتہ چھوڑ دینا تو میرے بس کی بات ہے ، وہ میں نے چھوڑ دیا ہے ۔ مگر لنچ اور ڈنر دونوں نہیں چھوڑے جا سکتے ۔ وقت کی کمی بھی ہے اور انداز کار کا بھی معاملہ ہے ۔ تبادلہ خیال اور میٹنگ کے لیے یہی وقت موزوں تر ہیں ۔

فل ہاؤس میٹنگ

ٹھیک ۹ بجے یونیسکو کمرہ نمبر ۸ میں پہنچ گیا ۔ آج " فل ہاؤس میٹنگ " ہے ، یعنی ہم مدیران کے ساتھ آج یونیسکو کے پریس اینڈ پبلی کیشن وغیرہ کے عام افسران بھی ہیں تا کہ یونیسکو " کوریئر " کے مختلف زبانوں میں تراجم، طباعت و اشاعت نیز فروخت کے مسائل پر تبادل خیال کر کے مناسب مشورے دے

سکیں - میں نے احتیاط کے ساتھ تمام باتیں نوٹ کرلی ھیں - ھاں ، جب مجھے یہ معلوم ھوا کہ یونیسکو ''کوریئر'' کے فرانسیسی ایڈیشن کی اشاعت ایک لاکھ ۷۰ ھزار ھے تو حسرت ھوئی اور مسرت بھی - پتہ چلا کہ زیادہ اشاعت طلبہ میں ھے - معلوم ھوا کہ طلبہ کو یہ ماھنامہ رعایتی قیمت پر دیا جاتا ھے - میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی پاکستانی طلبہ کو ''کوریئر'' کا اردو ایڈیشن ''پیامی'' رعایتی قیمت پر فراھم کرونگا تاکہ اشاعت بڑھے اور اصل مقصد یعنی علم کی ترویج ھو - حقیقتاً اس کے اجرا کا مقصد نفع اندوزی نہیں ھے - اس کے مقابلے میں میں نے اردو ایڈیشن پر غور کیا - دو ھزار اشاعت اور صرف سات سو تک بکتا ھے - یہ حال اس وقت ھے کہ ''پیامی'' کے تعارف پر ھزار ھا روپیہ خرچ کیا جاچکا ھے اور یہ بھی واقعہ ھے اور سب تسلیم کرتے ھیں کہ ''پیامی'' کی اشاعت سے اردو زبان کی ثروت میں اضافہ ھو رھا ھے ، اور یہ کہ ''پیامی'' اپنی نوعیت کا واحد پرچہ ھے - اس کے ساتھ اھل وطن نے ناقدری کا سلوک کیا ھے - بس دل ھی دکھتا ھے ، مگر مایوسی کی کوئی بات نہیں ھے - اس میٹنگ میں شاید ھر ایڈیشن کے مدیر نے مزید تعاون کی بات کی ھے مگر میں نے اس موضوع پر زبان تک نہیں ھلائی - میں اس احساس سے دل پر بوجھ محسوس کرتا ھوں کہ یونیسکو کے لیے ''کوریئر'' کا اردو ایڈیشن ایک بار گراں نہ بن جائے -

یونیسکو کو یہ بھی معلوم ھے کہ ھمدرد پر بھی یہ بار بن گیا ھے - اس کے باوجود میں یونیسکو سے مزید تعاون کی درخواست کرتے ھوئے شرم محسوس کرتا ھوں - اھل وطن کو چاھیے کہ وہ مجھے اس شرمندگی سے بچائیں - ''پیامی'' کی اشاعت سے زبان اردو کو واقعی فائدہ پہنچ رھا ھے اور یہ کہ طلبہ کے لیے

اس سے بہتر کوئی ماھنامہ شائع ہونا ممکن نہیں ھے۔

میٹنگ کا اختتام ٹھیک ایک بجے ہوگیا۔ پروفیسر بی سلوا صاحب نے ھم سب کی جانب سے اظہار تشکر کیا۔ پھر مدیر اعلا نے ھم سب کا شکریہ ادا کیا۔ وہ ایک بات بھول گئے تھے، میں نے آخر میں یہ کمی پوری کر دی۔ یہ مترجمین کا شکریہ تھا۔ ان کے بغیر یہ میٹنگ کیسے ہوسکتی تھی!

مدیر اعلا کے ساتھ لنچ

یونیسکو عمارت میں ساتویں منزل پر مختلف قسم کے ریستوران ھیں۔ آج بڑھیا ریستوران میں لنچ کا انتظام ھے، جہاں ھم بیٹھ جاتے ھیں اور ملازمین تعمیل ارشاد میں کھانا کھلاتے ھیں۔ جب باھم اھم تبادل خیال کرنا ھو تو یہ جگہ سب سے اچھی ھے اور عجلت ھو تو "خود لیجئے خود کھائیے" قسم کے کئی دوسرے ریستوران بھی ھیں۔

مدیر اعلا چاھتے تھے کہ میں ان کے گھر چلوں اور رات ڈنر ان کے اور ان کی اھلیہ کے ساتھ کھاؤں، مگر میں آج رات پروفیسر خولودولین کے ھاں مدعو ھوں اور وھاں جانا چاھونگا۔

موسیو ژان گوداں نوجوان ھیں۔ "کوریئر" کے مدیر اعلا بننے سے قبل ڈائریکٹر جنرل جناب امبو صاحب کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رھے ھیں۔ شادی شدہ ھیں، شاید دو بچے ویٹ نام سے لے کر پالے ھیں۔ سمجھ دار انسان ھیں۔ گہرا مطالعہ ھے۔ مزاج میں سادگی ھے۔ تعاون کے لیے ھمہ وقت تیار رھتے ھیں۔ معاملہ فہم انسان ھیں۔ لنچ پر میں اور الساوی المصری اور ان کی اھلیہ بھی تھیں۔ الساوی مصر میں وزیر اطلاعات رہ چکے ھیں۔ ان دنوں ادارہ عربی سے تعلق رکھتے ھیں جو

''کوریئر'' کا عربی ترجمہ شائع کرتا ہے ۔ نیز یونیسکو کے ایک دوسرے جریدے کا بھی عربی ایڈیشن نکالتا ہے ۔

بچوں کا سائنس کوریئر

مس نے اس لنچ میٹنگ میں یونیسکو کے زیر اہتمام بچوں کے نئے رسالے کے بارے میں بات کی ۔ میں نے میٹنگ میں مشورہ دیا تھا کہ بچوں کا سہ ماہی رسالہ بیکار رہے گا ۔ ماہنامے سے کم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ میں نے ان کو آج مشورہ دیا ہے کہ بچوں کا دل چسپ سائنس جرنل وقت کی ایک ضرورت ہے ، اس پر توجہ کرنی چاہیے اور یہی موضوع فکر بنانا چاہیے ۔ تفصیل سے تبادل خیال کے بعد موسیو ژاں گوداں کو میری رائے سے اتفاق ہوگیا ہے ۔ میں نے کہا کہ ''کوریئر'' کے مضامین کو بچوں کی زبان میں پیش کرنا چاہیے جس کے لیے میٹیریل کافی موجود بھی ہے ۔

میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ مس آپ کو اس موضوع پر اپنی رائے لکھ کر بھجواؤنگا تاکہ اس کی روشنی میں ان کو خیال و فکر کی راہ مل سکے ۔

معاہدہ اور حسابات

میں نے پرسوں پروفیسر خولودولین صاحب کے ساتھ بیٹھ کر معاہدہ مابین یونیسکو اور ہمدرد فاؤنڈیشن کو آخری شکل دیدی تھی ۔ میں اس معاہدہ میں نیشنل کمیشن کو رکھنا چاہتا تھا مگر حالات کا تقاضا یہ ہوا کہ وقت کا احترام کیا جائے ۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو معاہدہ کرنے اور چیک جاری ہونے میں قطعی طور پر ایک ماہ لگ جاتا اور جب تک یہ رسم پوری نہ ہوتی

عم سرکا کو یعیی صورت سے آگاہ بہیں کرسکتے تھے - میں نے اس روشنی مس معاهده مابین یونسکو اور همدرد کا فیصله کرلیا اور ڈاکٹر قاضی صاحب کو بتا دیا هے - آج مس تین بجے یونیسکو کے شعبهٔ سائنس مس گیا - معاهده کی تکمیل کر دی هے اور آج هی ۱۷ هزار ڈالر کا چیک یونیسکو سے وصول کرلیا هے - اب شکل یه هے که میں یه ۱۷ هزار ڈالر کی رقم غیر پاکستانی عالمی علمائے سائنس کے هوائی جہاز کے ٹکٹوں پر خرچ کروں گا اور پاکستان میں تمام میزبانی همدرد کی جانب سے هوگی - اندازه یه هے که همدرد کا بھی اتنا هی خرچ هوگا - بایولوجی کانفرنس کے علاوه ایک دوسری تاریخ سائنس کنگرس کا معاهده پہلے هی کرچکا هوں - اس کے لیے یونسکو نے ۱۸ هزار ڈالر دیے هیں - ایک لاکھ رپے وزارت تعلیم پاکستان نے دیے هیں اور ایک لاکھ رپے همدرد فاؤنڈیشن دے گا -

دو عالمی کنگرسیں

پاکستان مس عالمی کنگرسوں کا شعور میں نے دیا هے - اس راه مس سنگ هائے میل میں نے نصب کیے هیں - میں نے جب ساری دنیا کی عالمی کنگرسوں کے تجربات ذاتی کی روشنی میں پاکستان میں کنگرس عالمی ابو ریحان البیرونی کا انتظام کیا تو اس وقت لوگوں کو معلوم هوا که کنگرسوں کی تنظیم بجائے خود ایک فن هے اور آرٹ هے - البیرونی کنگرس کے انعقاد پر میں نے کم و بیش ایک هزار هدایات لکھ کر جاری کیں - اس کے فائل با ضابطه موجود هیں - قابل مسرت و اطمینان یه هے که اس میدان میں میں نے اپنی صلاحیتوں کو تسلیم کرا لیا - اور اس سے کون جرأت انکار کرسکتا هے که میدان سائنس میں عالمی

پیش رفت کا درس میں نے پاکستان میں دیا ہے ۔

اب میں نے ایک نئے تجربے کا جراٗت مندانہ فیصلہ کیا ہے ۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں میں پاکستان میں بیک وقت دو عالمی سائنس کنگرسیں منعقد کر رہا ہوں :

۱۔ کنگرس عالمی حیاتیات و جینیات ۔

۲۔ کنگرس عالمی تاریخ و فلسفۂ سائنس ۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ دونوں عالمی کنگرسیں بیک وقت ہوں گی اور میں پاکستان کا سر افتخار بلند کردوں گا ۔ حیاتیات و جینیات پر پاکستان میں یہ اولین کنگرس ہوگی ۔ کنگرس عالمی علوم ریاضی پر بھی میں نے اولیت کا شرف حاصل کیا ہے ۔ انشاء اللہ ان دونوں عالمی کنگرسوں میں دنیا بھر سے ایک سو سے زیادہ علمائے سائنس شریک ہوں گے ۔ صدر مملکت پاکستان عالی مرتبت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب ان کا افتتاح فرمائیں گے ۔

ژاں گوداں صاحب سے دوسری میٹنگ

ساڑھے چار بجے شام میں ژاں گوداں صاحب سے علاحدگی میں ملا اور ”پیامی“ کے بارے میں مزید تبادل خیال کیا ۔ میری رائے یہ ہے کہ پاکستان میں درآمد شدہ ۹۰ یا ۱۱۰ گرام کا اوفسٹ کاغذ ”پیامی“ کے لیے کام دے جائے گا ۔ اس طرح یونیسکو سے کاغذ لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ۔ میں نے ہمدرد کراچی کو آج ھی یونیسکو سے ایک تار دلوا دیا ہے کہ زیر طباعت ”طب میں سبز انقلاب“ اشوع کی سو کاپیاں ان دونوں کاغذوں پر نمونتہً چھپوا لیں ۔

ایگزیکیٹو بورڈ کی میٹنگ

ان دنوں یہ مٹنگ یونیسکو میں جاری ہے اور اس کی وجہ سے یہاں بڑی چہل پہل بھی ہے اور یونیسکو کے تمام افسران بالا اس میں شرکت کے پابند ہیں۔ رکن ممالک مسائل پش کرہے ہیں۔ حالات سمجھنا سمجھانا چاہتے ہیں اور ڈائریکٹر جنرل کو جواب دینے ہونے ہیں۔

آج لیبیا کے وفد نے "کوریئر" کے عربی ایڈیشن پر حملے کیے ہیں کہ اس کی زبان غلط ہے، عربی ترجمہ خراب ہے، طباعت ناقص ہے، وغیرہ۔ ژاں گوداں صاحب نے اس کا جواب تیار کرکے ڈائریکٹر جنرل صاحب کو بھجوا دیا ہے۔ بہ ظاہر یہ اعتراض اس لیے ہے کہ یہ کام مصر میں ہوتا ہے اور مصر سے عرب ممالک اور بالخصوص لیبیا خوش نہیں ہے۔ مجھے عربی ایڈیشن آج تک نہیں ملا ہے، اس لیے میں کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔

معلوم ہوا کہ ۱۰ ویں صدی ہجری کے بارے میں بھی عراق کے وفد نے سوال کیا ہے کہ یونیسکو کیا انتظامات کر رہا ہے۔ اس کے جواب کے لیے السید المغربل صاحب مصروف رہے ہیں، اس لیے ان سے میری ملاقات نہیں ہوسکی۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ ڈاکٹر قاضی صاحب اس موضوع پر اکوئنپ ہوکر آئے ہیں یا نہیں، اور ان کو یہ صحیح معلوم ہے کہ نہیں کہ یونیسکو میں اس تحریک کا ذمہ دار پاکستان ہے (یعنی یہ عاجز!)۔

پروفیسر خولودولین صاحب کے ہاں ڈنر

میں ۶ بجے یونیسکو لابی میں میں آگیا تھا جہاں سے پروفیسر خولودولین صاحب نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ میں ان کے

ساتھ ان کے گھر گیا ۔ ان کی اهلیه کے لیے میں پاکستان سے ایک تحفهٔ کشمیر لایا تھا ۔ ڈنر میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل جناب ڈاکٹر قدورہ صاحب کے ساتھی ایک روسی پروفیسر بھی شریک تھے ۔ رات ۱۰ بجے تک بڑا دل چسپ تبادل خیال رھا ۔ ان سے معلوم ھوا کہ سائنٹی فک ریسرچ میں یونیسکو دل چسپی لے رھا ھے اور آج اس پر تبادل خیال ایگزیکیٹو بورڈ میں ھوا ھے ۔ مجھے بھی خیال آیا کہ کیا ڈاکٹر قاضی صاحب اس موضوع پر پاکستان کے مسائل سے واقف ھیں اور ترقی پذیر ممالک کی صف میں ھونے کی وجه سے کیا وہ یونیسکو تعاون کے لیے کہہ سکیں گے ۔ باھم میں نے ان روسی پروفیسر صاحب سے کہا ھے کہ پاکستان میں دوائی نباتات پر ریسرچ کا کام شروع کیا جا رھا ھے اور ھمیں یونیسکو سے تعاون کی ضرورت ھوگی ۔

میں نے ڈاکٹر قاضی صاحب سے رابطه قائم کرنے کی کوشش کی ، مگر ایسا نه ھوسکا ۔ میں ان کو پاکستان پہنچ کر تار دوں گا یا وزارت خارجه کے ذریعه سے ٹیلیکس دوں گا یا لندن سے پھر رابطه قائم کرنے کی کوشش کروں گا ۔

خدا حافظ یونیسکو

میں نے یونیسکو میں آج اپنا کام ختم کرلیا اور شام چھے بجے یہاں سے رخصت ھوگیا ۔ واقعه یه ھے که یونیسکو ایک ایسی جگه ھے که جہاں سے میں رخصت ھوتے ھوئے رنج محسوس کرتا ھوں ۔ یہاں زیادہ دن رھنے کو دل چاھتا ھے ۔ بہت اچھی علمی فضا ھے ۔ ان عالموں میں اٹھ بیٹھ کر ان سے کچھ سیکھا اور انھیں کچھ سکھایا جاتا ھے ۔ یه علمی روابط ھی انسان کو مہذب بناتے ھیں ، گویا صحیح معنوں میں انسان بناتے ھیں ۔ کوشش کی

جائے تو ایسا ماحول ہر جگہ پیدا ہوسکتا ہے ۔ یہاں قیام کی مدت چٹکی بجاتے میں گزر گئی ۔ ۵ دن مشوروں میں گزرے اور تعمیری جدوجہد میں صرف ہوئے ۔ اس کا بڑا اطمینان ہے ۔ یونیسکو نے کراچی ۔ پیرس ۔ کراچی ہوائی جہاز کے ٹکٹ کی قیمت ادا کر دی ہے ۔ نیز ۵ دن کے اخراجات کے لیے ۱۸ سو ۰۷ فرنچ فرینک یعنی تقریباً چار ہزار روپے مجھے دیے ہیں ۔

یونیسکو کوریئر کے لیے جدوجہد

میری یہ جدوجہد علمی بنیادوں پر ہے ۔ ان پانچ روز میں ، اور یونیسکو میٹنگ میں آنے سے قبل جو توجہات میں نے کی ہیں ان کے اثرات دور رس ہوں گے ۔ میں نے عالمی سطح پر بیٹھ کر غور و خوض کیا اور عالمی ضروریات و مقتضیات کی روشنی میں عنوانات اور موضوعات قائم کیے ۔ اب کہ مدیران کوریئر حتمی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اب ''کوریئر'' ہر ماہ ۲۰ زبانوں میں شائع ہوگا اور اس جدوجہد سے اتنی وسیع دنیا فائدے اٹھائے گی ۔

میرے دل کو اطمینان اور میرے ضمیر کو سکون حاصل ہوا ہے ۔ اب ۱۹۸۰ء میں دو ایسے اشوع ہوں گے کہ جو میری علمی حیات میں اضافہ کریں گے ۔ ایک حکیم ابن سینا اشوع اور دوسرا اسلام اشوع ۔ ۱۵ ویں صدی ہجری کی تقریبات کے موقع پر اسلام پر ایک ڈبل اشوع شائع ہوگا ۔ انشاء اللہ میں ان دونوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ کام کروں گا ۔

اس ڈائری میں یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ان درجنوں وہ صفحات درج کروں کہ جو میں نے ورکنگ پیپرس کے طور پر اور تعیین عنوانات و موضوعات کے لیے رقم کیے ہیں ۔ تاہم یہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک خلاصہ یہاں درج کردوں :

۱۵ ویں صدی ہجری

۱۵ ویں صدی ہجری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے میں نے تجویز پیش کی کہ کوریئر کا ایک شمارہ اس کے لیے وقف ہونا چاہیے ۔ اس تجویز سے اتفاق رائے کیا گیا ہے ۔

ابن سینا

میں نے اس بات پر خاص زور دیا کہ ۱۹۸۰ء کا ایک شمارہ خاص طور پر ابن سینا کے لیے وقف کرنا چاہیے اور اگر مناسب سمجھا جائے تو اس میں ابن رشد اور ابن خلدون کو بھی شامل کیا جائے ۔

دو کنگرسیں

پاکستان میں یونیسکو کے تعاون سے دو عالمی کنگرسوں کے انعقاد کی تیاری ہو رہی تھی ۔ بین الاقوامی کنگرس برائے تاریخ و فلسفۂ سائنس اور حیاتیات و جینیات کی جدید تحقیقات پر بین الاقوامی سمپوزیم ۔ میں نے تجویز پیش کی کہ کوریئر میں ان دو عالمی اجتماعات کے بارے میں مختصر معلومات دی جائیں ۔

میں نے جو جو موضوعات آئندہ شماروں کے لیے تجویز کیے تھے اگرچہ ان کی فہرست طویل ہے تاہم مدیران نے مندرجہ ذیل موضوعات پر مقالات شامل کرنے کے لیے اتفاق رائے کا اظہار کیا :

- انکل سرگم ۔ پتلیوں کے کھیل کا پاکستان میں ایک نیا رخ ۔
- نمک کا دنیا میں سب سے بڑا ذخیرہ ـــــ کھیوڑہ ۔

- آلات موسیقی کی صنعت ـــ سیالکوٹ ۔
- ہالہ اور بہاول پور کی ظروف سازی
- پاکستان کی نباتات ۔

مجوزہ موضوعات

بعض موضوعات کا ذکر اوپر ہوچکا ہے ۔ چند دیگر موضوعات جو میں نے تجویز کیے یہ ہیں :

اخلاقیات

تحریری تجویز میں میں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اخلاقی قوتوں ہی نے ہزاروں سال سے انسانی معاشرے کے شیرازے کو محفوظ رکھا ہے ، لہذا مختلف اقوام کی تاریخ کا جائزہ لے کر جس میں مذہب کی خدمات بھی شامل ہوں ، اخلاقیات پر مقالات لکھوائے جائیں اور کوریئر کا ایک شمارہ اس کے لیے وقف کیا جائے تاکہ دنیا پر اخلاقیات کی اہمیت واضح ہو ۔

شعرا اور مصنفین جن کی تحریریں معاشرتی انقلاب کا باعث ہوئیں

اس موضوع پر بھی میں نے ایک تحریری نوٹ پیش کیا کہ انسانی معاشرے میں بعض مصنف اور شاعر ایسے گزرے ہیں جن کی تحریریں من حیث المجموع پوری انسانیت کی ترقی کا باعث ہوئی ہیں مثلاً ابن خلدون جس نے تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کو صحیح سمت دی ۔ سر آرنلڈ ٹائن بی کی رائے یہ ہے کہ مقدمہ ایک ایسی تصنیف ہے جس کی نظیر تاریخ کے کسی دور اور کسی

ثقافت میں نہیں ملتی ۔ میں نے تجویز پیش کی کہ ایک شمارہ ابن خلدون کے لیے وقف کیا جائے ۔

حقوق انسانی کا تہذیب کے پس منظر میں ارتقا

ایک اور تحریری نوٹ میں مبں نے اس موضوع کی اهمیت پر روشنی ڈالی کہ اگرچه حقوق انسانی کی اصطلاح اٹھارویں صدی میں وضع کی گئی تھی لیکن اس بات کے ثبوت ملتے ھیں کہ قدیم ادوار میں بھی حقوق انسانی کا تصور موجود تھا ۔ مصری ، ھندی ، ایرانی ، بابلی ھر تہذیب میں ان تصورات کا سراغ لگایا جاسکتا ھے ، لہذا تاریخ کو مندرجه ذیل ادوار میں بانٹ کر حقوق انسانی کا جائزہ لیا جائے :

(۱) قبل تاریخ عہد اور قدیم عہد

میسو پوٹیمیا ، مصر ، فلسطین ، ایران ، هندستان ، اور چین

(۲) ازمنہ وسطیٰ

یورپ ، ایشیا اور افریقه میں حقوق انسانی کا جائزہ

اسلام میں حقوق انسانی کا مقام

(۳) جدید دور

دور جدید میں حقوق انسانی کا تصور اور اقوام متحدہ کی خدمات

کاروان تہذیب میں عورتوں کا مقام

اس موضوع پر میں نے ایک جامع مگر مختصر نوٹ پیش کیا تاکہ اس کی اهمیت واضح هو ۔ اس میں صراحت کی گئی ھے کہ انسان کے کرۂ ارض پر ظہور کے زمانے میں مرد اور عورت

کے درمیان شاید ہی عدم مساوات کا وجود ہو۔ تاہم تنازع للبقا میں بتدریج مرد ہر شعبۂ حیات پر چھاتے گئے ۔ جدید دور میں عورتوں سے عدم مساوات نے ایک گھمبیر مسئلے کی صورت اختیار کرلی اور نجات کی تحریکوں نے جنم لیا ۔

اس موضوع پر تحقیق و جائزہ کے لیے میں نے مندرجہ ذیل ادوار تجویز کیے :

(۱) ۵۰۰۰ ق م سے پہلے کا دور۔ قدیم تہذیبیں مشمولہ میسو پوٹیمیا ، مصر ، فنیقی دور ، آریا تہذیب ، چین ، یہودی اور عیسائی تہذیب ، اسلام میں عورتوں کا مقام

(۲) خواتین کی نجات ۔ دور جدید کے مباحث ۔

فلسفۂ و طب پر بوعلی سینا کے اثرات

بو علی سینا ایک ایسی جامع کمالات شخصیت اور جینیئس انسان تھے جس نے ہر شعبۂ حیات پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں ۔ بالخصوص طب اور فلسفے میں اس کی انقلابی تصانیف نے دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں ۔ ۵۰۰ برس تک قانون کو مغرب میں طب کی انجیل سمجھا جاتا رہا ۔ مشرق و مغرب میں آج بھی اس کی تحریروں سے استفادہ کیا جا رہا ہے ۔ ۱۹۸۰ء میں اس کی ۱۰۰۰ ویں برسی منائی جائے گی ۔ اس موقع کی مناسبت سے کوریئر کا ایک شمارہ اس کے لیے وقف کرنا چاہیے ۔

الحمراء ـــــ مسلمانان اسپین کے فن تعمیر کا ایک جاوداں نمونہ

غرناطہ میں مسلمانان اندلس نے جو قلعے اور محل بنوائے

اور جنہیں الحمراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اب بھی یورپ میں ایک عظیم فن تعمیر کی زندہ یاد گاریں ہیں ۔ الحمراء کو تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے اس کے علاوہ وہ فن تعمیر میں ایک بے نظیر شاہکار ہے اور ایک ایسی تہذیب کی جوت جگا تا ہے جس نے یورپ کو علم و ہنر سے روشناس کرایا ۔

آئندہ کے موضوعات

آئندہ کے لیے جو موضوعات پیش کیے گئے ان میں سے بیش تر میرے تجویز کردہ ہیں ۔ بعض کا اوپر ذکر ہوچکا ہے ۔ ان کے علاوہ میں نے مندرجہ ذیل موضوعات بھی تجویز کیے :

جراحت عہد بہ عہد، پاکستانی ثقافت ، اسلام — اسلامی لٹریچر مغربی ملکوں کے آئینے میں ، معاصر عرب ثقافت کے چند پہلو ۔

۲۲ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، ہفتہ ، طولوس ، پیرس , لندن

عیادت دوست

پروفیسر لوئی گاردے صاحب پہلی بار پاکستان سنہ ۱۹۷۳ء میں آئے تھے اور انہوں نے کنگرس عالمی ابوریحان البیرونی میں میری دعوت پر شرکت کی تھی ۔ یونیسکو اور ہمدرد نے ان کے تمام اخراجات سفر و قیام و طعام برداشت کیے تھے ۔ دوبارہ ان سے ملاقات تہران (ایران) میں ہوئی کہ جہاں یہ اور میں دونوں ایک عالمی کنگرس میں شریک ہوئے تھے ۔ غائبانہ ان سے اس حیثیت سے ملاقات تھی کہ وہ اسلامیات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ۔

جس کی توفیق بہت سے مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوئی ۔ ان کے مقالات علمی اسلامی رسائل میں چھپتے رہے ہیں ۔ ان کی اسلامیات پر عالمی شہرت کی چند کتابیں بھی فرانسیسی زبان میں شائع ہوچکی ہیں ۔ وہ فرانسیسی زبان ہی میں لکھتے ہیں ، ان کی یہی مادری زبان ہے ۔ انگریزی بس برائے نام ہی جانتے ہیں ۔ ان سے مجھے ہمیشہ ہی تعلق خاطر رہا ہے ۔ میں ان کو دل سے پسند کرتا رہا ہوں ۔ گزشتہ سال سے یہ اطلاع مل رہی تھی کہ وہ علیل ہیں اور صاحب فراش ہیں ۔ میرے دوست فادر قنواتی بھی ان کے دوست ہیں ۔ فادر قنواتی قاہرہ میں رہتے ہیں ۔ مصری نژاد ہیں ۔ قاہرہ میں ڈومنکین سے ان کا تعلق ہے جہاں میں بارہا ان سے ملنے جاچکا ہوں ۔ فادر بڑے سیاح ہیں ۔ دنیا میں بڑی بڑی کانفرنسوں میں بلائے جاتے رہے ہیں ۔ ان کا موضوع اسلامیات نہیں ہے تاہم وہ عیسائی مسلم معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔ میں نے کانگرس عالمی ابوریحان البیرونی میں فادر قنواتی کو بھی دعوت دی تھی اور ان کا میزبان رہا تھا ۔ گزشتہ اگست ۱۹۷۹ء میں فادر قنواتی کراچی آئے ۔ انہوں نے میری دعوت پر شام ہمدرد میں ابن سینا پر تین لیکچرز کراچی میں دیے ۔ فادر قنواتی صاحب کارڈینل ڈاکٹر جوزف کوڈیرو صاحب کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ، میں نے ان سے تبادل خیال کیا تھا ۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ جناب محترم کارڈینل ڈاکٹر جوزف کوڈیرو سے میرے ذاتی مراسم اور تعلقات پرخلوص ہیں ۔ فادر سے پتہ چلا کہ پروفیسر لوئی گارڈے کی طبیعت بدستور خراب ہے اور اب وہ بولنے سے بھی معذور ہیں ۔ فادر ان کو جولائی سنہ ۱۹۷۹ء میں دیکھ کر آئے تھے ۔ میرا دل بھر آیا ۔ اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ ستمبر میں جب میں یونیسکو ، پیرس جاؤں گا تو طولوس بھی جاؤں گا ، جہاں ڈومینیکین میں

پروفیسر لوئی گارد ے مقیم ہیں اور ان کی عیادت کروں گا ۔ میں نے اپنی سکریٹری مسز ڈی سلوا سے کہہ دیا کہ وہ پروفیسر لوئی گارد ے صاحب کو میرا پروگرام لکھ دیں ۔ ان کو پروگرام ملا تو ان کی جانب سے تار آیا کہ وہ میرا انتظار کریں گے ۔ ایک خط بھی آیا کہ ان کے دو نمائندے ۲۳ ستمبر ۱۹۷۹ء کو طولوس کے ہوائی میدان پر میرا استقبال کریں گے اور پہچان کے لیے ان کے ہاتھوں میں " ہمدرد اسلامیکس " ہوگا جو ہمدرد فاؤنڈیشن ، پاکستان سے شائع ہوتا ہے ۔ بالآخر آج ۲۳ ستمبر آئی ۔ صبح ۸ بجے سفارت پاکستان سے موٹر ہوٹل ڈیوکین آئی اور میں اورلی ایئر پورٹ پہنچ گیا ۔ میں نے اپنا سامان موٹر ہی میں چھوڑ دیا اور صرف ہاتھ کا بیگ لے کر اطمینان سے ایئر انٹر کے ہوائی جہاز سے طولوس روانہ ہوگیا ۔ پیرس سے طولوس ایک گھنٹے کا راستہ ہے جو پلک جھپکتے میں طے ہوگیا ۔ پیرس کا موسم خوش گوار تھا ۔ طولوس میں بارش ہو رہی تھی ۔ اس بارش سے پک نک پر جانے والے لوگ سخت برہم ہوتے ہیں ۔ ہفتہ ، اتوار دو دن یورپ میں چھٹی ہوتی ہے ۔ پیرس کے بارے میں تو ایسا ہے کہ جمعہ کی شام آئی اور کم از کم ۲۰ فیصد لوگ پیرس سے باہر جا کر پیرس کو گویا خالی کر دیتے ہیں ۔ طولوس کا موسم سرد ہے ۔ اب جو یہاں آ کر بات کی تو منہہ سے بھاپ نکلی ۔ ہمدرد اسلامیکس لیے دو دوست کھڑے تھے ۔ ان کو پہچاننا بھلا کیا مشکل تھا ! ان دونوں نے استقبال کیا ، پرجوش اور پرخلوص ۔ ان کی موٹر میں سوار ہوکر پروفیسر لوئی گارد ے کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا ۔ میں نے راستے میں حال پوچھا ۔ معلوم ہوا کہ روز بہ روز کمزوری بڑھتی ہی جا رہی ہے اور اب وہ بات کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں ۔ میں خاموش ہوگیا ۔ میری آنکھیں پرنم

ہوگئیں ۔ خاصی مسافت طے کرکے بالآخر قیام گاہ لوئی گارد ے آگئی ۔ مجھے یہ اندازہ کرلینے میں دقت نہ ہوئی کہ یہ قیام گاہ مذہبی جگہ ہے ۔

ایک کمرہ کھلا ۔ میں نے دیکھا پروفیسر لوئی گارد ے اسی سوٹ مں ملبوس آرام کرسی پر بیٹھے ہیں کہ جو میں نے کبھی پاکستان میں ان کے جسم پر دیکھا تھا ۔ کم از کم رنگ تو وہی تھا ۔ وہ چل نہیں سکتے ہیں ۔ میں ان کی جانب بڑھا اور میں نے ان کو گلے لگا لیا ۔ ان کو پیار کیا ۔ وہ بھی آبدیدہ ہوگئے اور میں بھی آنسوؤں کو قابو میں نہ رکھ سکا اور وہ بہہ نکلے ۔ دو دوست کہ جو مجھے لے کر آئے تھے وہ حیران تھے ۔ ان کو اور خود مجھے پروفیسر لوئی گارد ے سے اپنے اس خلوص و محبت کی گہرائی کا اندازہ نہ تھا ۔ میں نے بہ مشکل تمام اپنے جذبات پر قابو پایا ۔ میں اپنے جذبات کو کبھی اس طرح آزاد نہیں ہونے دیتا ہوں ۔ بڑے سے بڑا حادثہ خاموشی سے برداشت کر لیتا ہوں مگر آج جذبات کیوں بے قابو ہوئے اور اُمنڈ آئے ، میں نہیں جانتا ۔ گیارہ بجے سے ایک بجے تک میں پروفیسر صاحب کے پاس رہا ۔ ان کو یہ حادثہ فرانس میں ایک تقریر کرتے ہوئے پیش آیا ۔ وہ صوفی ازم پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے تقریر کر رہے تھے ۔ غالباً دماغ کی کوئی شریان پھٹی اور اس نے فالج کی کیفیت پیدا کردی ۔ دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگئے ۔ اب ایک کیفیت یہ ہے کہ مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے ان کو الفاظ نہیں ملتے ۔ اس کیفیت پر وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں ۔ ان کے پاس ایک ٹائپ رائٹر رکھا ہے ۔ وہ ایک ایک حرف ٹائپ کرتے ہیں ۔ کوئی کچھ لکھ کر دیدے تو اسے پڑھ کر جواب بڑی آسانی کے ساتھ ٹائپ کرلیتے ہیں ۔

ان کی دیکھ بھال عبادت گاہ کی دو سسٹرس (ننس) کرتی ہیں - ڈومینیکن کے اصحاب ان کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں - دو اصحاب جو مجھے ہوائی میدان سے لائے تھے وہ ان سے زیادہ قریب ہیں اور سوال و جواب کرکے وہ منشا سمجھ لیتے ہیں - پروفیسر لوئی گاردے صاحب نے اپنی دو تازہ کتابیں تیار رکھی تھیں - ان پر بقلم خود میرا نام لکھا تھا - انہوں نے یہ کتابیں ہدیہ کیں اور ہدیہ کرکے بے حد خوش ہوئے - یہ دونوں کتابیں اسلامیات پر ہیں - ان کو اپنے اس آخری کام پر بے اندازہ مسرت ہے - میں نے ان کتابوں کو بوسہ دیا اور اس ہدیۂ علمی کو تشکر و امتنان کے ساتھ قبول کر لیا - دونوں کتابیں فرانسیسی زبان میں ہیں - میری سکریٹری خانم ڈی سلوا تھوڑی فرانسیسی جانتی ہیں - ذرا ہی دیر بعد ان کو کچھ خیال آیا - ایک کتاب میرے ہاتھ سے واپس لے لی اور تلاش کرکے ایک حصہ نکالا اور اس کو اپنے ہاتھ سے قلم زد کر دیا - فرمایا کہ یہ اس میں ایک غلطی رہ گئی ہے - میں نے کہا کہ قلم زد حصے پر اپنے دستخط کیجیے اور تاریخ ڈالیے تا کہ معلوم ہو کہ یہ خود آپ نے قلم زد کیا ہے - خوب ہنسے اور دستخط کرکے تاریخ ڈال دی - اس اعتبار سے یہ کتاب اب تاریخی ہوگئی ہے - میں نے محسوس کیا ہے کہ ان کا حال اچھا نہیں ہے - انہوں نے تمام دوائیں مجھے دکھائیں جو ان کے معالجین نے ان کے لیے تجویز کی ہیں - ان سے اندازہ ہوا کہ قلب پر اثر ہے ، نیز گردے بھی ٹھیک کام نہیں کر رہے ہیں - ان کے دوستوں نے بتایا کہ جب بھی حملۂ قلب یا حملۂ گردہ ہوتا ہے کمزوری زیادہ بڑھ جاتی ہے - لنچ کا وقت ہوگیا - میں نے کہا کہ اگر اس عاجز کو ذرا سا ٹھنڈا دودھ اور ڈبل روٹی مل جائے تو اچھا ہے - یہ کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا - میں

عبادت گاہ کے کمرۂ خوراک میں گیا ۔ بڑی ھی سادگی پائی ۔ دل خوش ھوگیا ۔ تپائیاں تھیں ۔ بینچ تھے، مگر بڑے صاف ستھرے ۔ ان پر کھانا لگا دیا گیا ۔ اطلاع آئی کہ پروفیسر لوئی گارد ے سرف ھم طعامی عطا فرمائیں گے ۔ وھیل چیئر پر وہ لائے گئے اور پھر کرسی میز کے سہارے لگا دی گئی ۔ انہوں نے ذرا ظہور کھا لیا ۔ ان کا منشا یہ تھا کہ وہ ھمارے ساتھ ھوں ۔

کھانے کے بعد میں نے دست دعا دراز کیا ۔ شاید یہ ڈومنیکن حضرات کے لیے غیر متوقع تھا ۔ وہ بھی دعا کے لیے دوبارہ بیٹھ گئے ۔ پروفیسر لوئی گارد ے واپس لے جائے گئے اور میں بھی ان کے کمرے میں آ گیا جہاں دونوں سسٹروں نے ان کو تکیوں میں اس طرح ایڈ جسٹ کر دیا جیسے وھاں سے ھلے ھی نہ تھے ۔ میں تین بجے تک ان کے ساتھ رھا ۔ ان کو بھائی جان محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب یاد آئے ۔ ڈاکٹر معین الحق بھی یاد آئے ۔ سب سے زیادہ مسز ڈی سلوا کو پوچھتے رھے اور ان کا نام لیکر بڑے ھی خوش ھوتے تھے ۔ ۱۹۷۳ء میں سب سے زیادہ ان کا خیال مسز ڈی سلوا ھی نے رکھا تھا ۔

میرے جہاز کی روانگی کا اب وقت قریب تھا ۔ صاف محسوس ھوا کہ پروفیسر تھک چکے ھیں ۔ میں نے ان سے جدائی کا فیصلہ کیا ۔ رخصت ھوتے وقت میں نے ان کو خوب پیار کیا اور ان سے کہا کہ اب ملاقات پاکستان میں ھونی چاھیے ۔ وہ خوب ھنسے مگر اس ھنسی میں بڑی زبردست مایوسی کی کیفیت تھی جسے میں نے خوب خوب محسوس کیا ۔ میں موٹر میں سوار ھوگیا ۔ مگر سوار ھونے سے قبل میں نے دونوں سسٹروں کا دلی شکریہ ادا کیا کہ وہ میرے دوست کی بڑی دیکھ بھال کر رھی ھیں ۔ موٹر روانہ ھو رھی تھی کہ سسٹریں باھر آئیں اور مجھے روک

دیا ۔ انہوں نے بتایا کہ وھیل چیئر پر پروفیسر لوئی گاردے پھر باھر آرھے ھیں ۔ وہ باھر آ کر مجھے خدا حافظ کہیں گے ۔

اس خلوص و انس نے میرے جذبات کو ایک بار پھر بے قابو کر دیا ۔ بھیاں بھیاں بوندیں پڑ رھی تھیں ۔ پروفیسر کے سر پر جناح کیپ تھی جو پاکستان کی یادگار ھے ۔ میں ان سے ایک بار پھر ملا اور موٹر میں سوار ھوگیا ۔ جب تک موٹر سامنے رھی وہ مجھے ھاتھ ھلا ھلا کر خدا حافظ کہتے رھے اور میں بھی اس عظیم انسان سے رخصت ھوتے وقت ھاتھ ھلا رھا تھا ۔ میرا دل بھی ھل رھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ھوگئے ۔ بالآخر ھم ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ھوگئے۔ پروفیسر زان میری البوں ، جو صبح سے اب تک ترجمانی کر رھے تھے اور اب مجھے ھوائی میدان پہنچانے جارھے تھے ، میرے حال پر حیران تھے ۔ میں نے بمشکل تمام ضبط کیا ۔ اس کوشش میں ھوائی میدان آ گیا ۔ میں نے ٹکٹ درست کرایا اور پھر ان دونوں دوستوں کو چھوڑنے ان کی موٹر تک آیا ۔ گلے مل کر ان کو رخصت کیا ۔

اس طرح پروفیسر لوئی گاردے سے ملاقات ھوئی اور اس طرح جدائی ھوئی ۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اب کبھی ان سے ملنا ھوگا یا نہیں ۔ ھوائی جہاز طولوس کے تاریخی شہر سے اڑا اور پیرس کی جانب روانہ ھوا ۔ راستے بھر میں فکر میں مستغرق رھا ۔ ایک بار خیال آیا کہ اگر لوئی گاردے شادی کرلیتے تو ضرور ان کی اولاد ھوتی اور آج شاید اولاد ان کے کام آتی ۔ خیر ان کو دوست میسر ھیں جو اپنے باپ کی طرح ان کو دیکھتے ھیں ۔ پاکستان جیسے سنگلاخ ملک میں یہ خلوص و انس کہاں ھے ؟ میں جب بوڑھا ھوں گا تو کیا کوئی میری دیکھ بھال کے لیے ھوگا ؟ میری صرف ایک بیٹی ھے لیکن وہ اپنے گھر بار اور بچوں میں اتنی

مصروف رھتی ھے کہ خود میں اس سے کوئی خدمت لینا نہں چاھونگا۔

پیرس کے اورلی ھوائی سدان پر محمد یوسف صاحب سکنڈ سکریٹری سفارت پاکستان موجود تھے ۔ ان کے ساتھ چارلس ڈیگال ھوائی میدان روانہ ھوا ۔ یہ بڑی زیادتی ھے کہ اورلی اور چارلس ڈیگال کے مابین ھلی کوپٹر سروس نہیں ھے ، اور دونوں ھوائی میداںوں کے درمیاں بڑا ھی فاصلہ ھے ۔ راستے میں مارکسٹ میں شاپنگ کی ، اور پھر چارلس ڈیگال ھوائی میدان سے لندن روانہ ھوگیا ۔

لندن گیٹ وک ایئر پورٹ پر جناب محترمی نقوی صاحب ان کی اھلیہ اور باقر نقوی موجود تھے ۔ اس خلوص سے پر انسان سے مل کر مجھے دلی خوشی ھوئی ھے ۔ ان تینوں کیساتھ ان کے گھر راونہ ھوا ۔ رات کا کھانا تیار تھا ۔ محترمہ بیگم نقوی بڑی منتظم قسم کی خاتون ھیں ۔ نہ جانے ان کے ھاتھ میں کیا جادو ھے ! کئی قسم کے لذیذ کھانے تیار کرتی ھیں ۔ کتنے ھی سہمان ھوں ذرا نہیں گھبراتیں ۔ کھانے پر دو کے بجائے دس آدمی ھوجائیں دو ان سب کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ کھانا کھلا دیتی ھس اور بڑی خوش ھوتی ھیں ۔ ھمیں انھوں نے کھانے کی میز ر بٹھا دیا ۔ خود تازہ گرم گرم چپاتیاں نکا پکا کر دیتی رھیں اور اور آخر میں خود بھی آ کر شریک ھوگئیں ۔ اس طرح کہ جیسے وہ شروع ھی سے بیٹھی تھیں ۔

۲۳ ۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ، اتوار ، لندن

سفر لندن کی غایت اس مشن کے بارے میں تفاصیل طے

کرنی تھیں کہ جو خمیرے اور معجونیں وغیرہ ڈبوں میں بھرنے کے لیے سال گزشتہ میں نے ڈزائن کرائی تھی - کیلی لمیٹڈ یہ مشین بنارہے ھیں ، مگر کئی مقامات پر آ کر پھر رک گئے ھیں - گو ان کے نام ھمدرد نے لٹر اوف کریڈٹ قائم کر دیا ھے تاھم وہ آخری مشورے کے بغیر کام کو آگے بڑھانے کو تیار نہیں - انگریز اتوار کو کسی قیمت پر کام نہیں کرتا ، مگر میرے پاس وقت کی جو کمی ھے ، اس کے پیش نظر آج کا دن بڑا ھی قیمتی تھا - نہ جانے کس طرح جناب نقوی صاحب نے ڈائریکٹر اور انجنیئر سے آج ۱۰ بجے کا وقت لے لیا - جب ھم پہنچے تو یہ دونوں منتظر موجود تھے - تبادل خیال پر اندازہ ھوا کہ اس مشین کی تیاری میں جو مسائل در پیش ھیں ، وہ خط و کتابت سے حل ھو ھی نہیں سکتے تھے اور میرا یہاں آنا بہت ھی اچھا ھوا - اس مشین کے بارے میں ان حضرات سے کوئی تین گھنٹے تبادل خیال ھوا اور میری معلومات اور ان کے انجنیئر کے تعاون سے بالآخر مسائل حل ھو ھی گئے - میں نے اپنی رپورٹ تیار کر دی ھے جو ۱۵ صفحات پر مشتمل ھے -

ریکٹ اینڈ کولمین

واپسی پر ایک بڑی عمارت پر ریکٹ اینڈ کولمین کا بورڈ دیکھا - سال گزشتہ یہ عمارت برائے فروخت تھی - مجھے اس سے بڑی ھی مسرت حاصل ھوئی تھی - شاید یہ کسی نے خریدی ھے ، اس لیے کہ برائے فروخت کا بورڈ آج لگا ھوا نہیں ھے - سال گزشتہ بڑی آرزو تھی کہ اگر حالات ساتھ دیں تو میں ھی اس عمارت کو خرید لوں - آن ھی دنوں میں جارج اسٹریٹ میں اپنے دوست جناب محمد علی رنگون والا صاحب سے ملنے گیا تھا -

ان کے پاس بھی اس کمپنی کی فروخت کے کاغذات رکھے ہوئے تھے - دل نے چاہا کہ رنگون والا ھی اس کر خرید لیں - وہ بھی ہمدرد کے ٹرسٹی ھیں - ان کے خریدنے سے مجھے وھی خوشی حاصل ہوگی کہ جو اپنے خریدنے سے ھوسکتی ھے !

یہ ایک بڑی دردناک کہانی ھے - انڈیا میں ریکٹ اینڈ کولمین کو ڈالما جین نے خرید لیا تھا - دھلی میں جب فسادات برپا ہوئے اور بھائی جان محترم کی مرضی کے خلاف مس نے دریا گنج کی ہمدرد فیکٹری کی عمارت فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ، تو خریدار ریکٹ اینڈ کولمن تھے - عمارت ہمدرد دریا گنج کی قمت کم از کم دس لاکھ روپے تھی - مگر حالات کا تقاضا یہ ہوا کہ میں نے پانچ لاکھ میں فروخت کی بات کرلی اور جب میں ڈالما جین کے پاس خود گیا تو اس ظالم نے ۲۰ ہزار روپے گٹودان کے مزید کم کر دیے اور میں چار لاکھ ۸۰ ہزار روپے لے کر خاموشی سے آ گیا اور بھائی جان محترم کو دیدیے - خاندان ہمدرد اور ہم دونوں بھائوں کے لیے اس جائیداد کی فروخت ایک بڑا ھی صدمہ تھا - مگر حالات نے ایسا مجبور کر دیا تھا کہ جس فیکٹری کو ہم دونوں بھائیوں نے بڑے چاؤ سے تیار کرایا تھا ، وہ اس طرح ایک عیار نے خریدی جس کی بد تہذیبی سے پنڈت نہرو سخت ناراض تھے - وہ غیر شائشتہ تو تھا ھی مگر تجربہ یہ ہوا کہ تجارتی معاملات میں سخت بد دیانت بھی تھا -

لندن کے پھیپڑے

عرصۂ دراز سے لندن آرھا ھوں - اس شہر کے بڑے مسائل ھیں - آبادی بڑھ رھی ھے اور ضروریات میں اضافے ہوتے چلے جا رہے ھیں ، مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ لندن کے

کھلے میدانوں ، اور پارکوں اور گھاس کے کھیل کے میدانوں کو کہ جو آبادیوں کے درمیان ھس ، کسی نے ھاتھ بھی لگایا ھو ۔ ایسا ایک بار بھی نہ ھوا کہ ان میدانوں میں سے کسی ایک کو بھی کسی عمارت وغیرہ کے لیے ختم کیا گیا ھو ۔ انگریز کہتے ھیں کہ لندن جیسے گنجان آباد شہر کے لیے یہ میدان سانس لینے کے لیے پھیپڑے کی حیثیت رکھتے ھس ۔ وہ ھر قیمت پر ان کا تحفظ کرتے ھیں اور ان کو قائم رکھے ھوئے ھس ۔ اس انداز فکر پر بے انتہا مسرت ھوتی ھے ۔ میں جب بھی لندن آتا ھوں اور ان پھیپڑوں کو دیکھتا ھوں تو تازہ ھوا کے لیے میرے اپنے پھپڑے پھول جاتے ھیں ۔ اس کے برعکس میں کراچی کے حال پر غور کرتا ھوں ۔ یہاں ایسا ھر پھبڑا ختم کر دیا گیا ھے اور اس کی جگہ عمارات تعمیر ھوگئی ھیں ۔ کراچی کے رئیسوں نے اور حکومت کے کارندوں نے اس شہر کراچی کے ساتھ جو ظلم کیا ھے ، اس کی کوئی مثال نہیں ھے ۔ میرے علم میں یہ بات آئی کہ کئی قطعات زمین جو کھلے میدانوں اور پارکوں کے لیے مخصوص تھے ، ارباب اقتدار نے خود اپنے محکموں کے افسران کے نام الاٹ کردیے اور انہوں نے ان پر تین تین منزل کی عمارتیں تعمیر کرلیں ۔ آس پاس کے لوگوں نے قانونی چارہ جوئی کی تو کوئی نتیجہ نہ نکلا ، کیونکہ محکمے نے غلط بیانی سے کام لیتے ھوئے جس طرح معاملہ عدالت میں پیش کیا ، اس کے مطابق فیصلہ ھوا ۔ سرکاری محکمے یا پولیس کی رپورٹ بہر نوع اھمیت رکھتی ھے اور مقدمے کی کارروائی عموماً اس پر منحصر ھوتی ھے ۔

ھر سوسائٹی میں کھیل کے میدان پلاننگ میں آئے ، مگر ھر میدان پر مکانات تعمیر ھوگئے ۔ پاکستان ایمپلائز کو اپریٹو ھاؤسنگ سوسائٹی (پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ سوسائٹی) اس کا بدترین

نمونہ ہے ۔ کشمیر روڈ پر کے۔ ایم ۔ سی اسپورٹس کمپلیکس پر علمائے کرام عید گاہ بنانے پر مصر تھے ۔ میں نے شدت سے مخالفت کی تھی کہ اس سے ملحق سوسائٹی میں بچوں کے لیے ایک بھی کھیل کا میدان ظالموں نے نہیں چھوڑا ہے اور خود ان ظالموں کے بچے کھیل کود سے محروم ہیں ۔ کم از کم یہ میدان تو خالی رہنے دیا جائے ۔ اس طرح یہ دست برد سے بچ گیا ۔ اس کے ساتھ ایک اور میدان تھا جسے میں نے کے ۔ ایم ۔ سی میں بچوں کے سائنس میوزیم اور پارک کے لیے مخصوص کرایا تھا ۔ بعد میں یہ بھی کھیل کا میدان بنا ۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ یہاں نمائش گاہ زیر تعمیر ہے ۔ میں نے اس تعمیر کو رکوایا ۔ میں بعد میں پاکستان سے باہر رہا ۔ پیپلز پارٹی کے ایک وزیر نے یہ بڑا میدان فروخت کر دیا اور اب یہاں سیٹھوں کے بنگلے بن گئے ہیں ۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔

ونگ کمانڈر مبارک

یہ میرے بڑے پیارے دوست ہیں ۔ لندن میں قلب کا اپریشن کرایا ہے ۔ اتفاق دیکھیے کہ گردے فیل ہوگئے ۔ ان کی اہلیہ ڈاکٹر ہیں ۔ انہوں نے الیاس بھائی کو اور مبارک نے سعید بھائی کو خط لکھا کہ میرا حال یہ ہے ۔ میں نے آج صبح ہی ان کو ٹیلے فون کیا تھا اور شام ان کو دیکھنے گیا ۔ ان کی طبعیت ابھی خراب ہی ہے ۔ بارے میں نے ان کو دم دلاسا دیا ہے ۔ ان کی ہمت کو جوان کر دیا ہے ۔

ظفر اقبال صاحب

یہ راولپنڈی کے محترمی و مکرمی مولانا محمد سعید صاحب

کے صاحبزادے ھیں ۔ ان دنوں سفارت خانۂ پاکستان ، لندن میں اکونومک منسٹر ھیں ۔ انہوں نے آج رات کھانے کا انتظام کیا تھا ۔ میں ان کے والد صاحب کا دوست ھوں ، اس لیے بھی ظفر اقبال میرا بڑا ھی احترام کرتے ھیں ۔ میں ان کے ھاں گیا ۔ ان کی اھلیہ بڑا ھی اچھا کھانا پکاتی ھیں ۔ آج انہوں نے پائے پکائے تھے ۔ اس کے علاوہ اور کئی قسم کے لوازمات تھے ۔ میں نے اس انداز سے نوش جان کر لیا ھے کہ اس ۲۴ گھنٹے میں کھانے کی ضرورت پیش نہ آئے !

نقل الدم

مبارک میاں نے بتایا کہ جب وہ ھسپتال مس تھے تو ایک مریض کو فوراً خون دینے کی ضرورت پیش آگئی اور جب گروپ کے مطابق خون نہ ملا تو ھسپتال سے کئی پولیس اسٹیشنوں کو ٹیلی فون کر دیے گئے ۔ پولیس کے کئی نوجوان آگئے اور ایک نے اپنا خون مریض کو دیکر اس کی جان بچا لی ۔ شاید پاکستان کے لوگوں کے لیے اور پولیس کے لیے اس میں کوئی درس ھو اور سامان عبرت بھی !

باجی صاحبہ

آج محترمہ باجی نے اپنے مرحوم شوھر شوکت صاحب کے لیے فاتحہ خوانی کا انتظام کیا تھا ۔ میں اس میں جا کر شریک ھوا تھا ۔ ان کا ایک ھی بچہ ھے کہ جو اب ۲۹ - ۳۰ سال کا ھے اور بچپن ھی سے لندن کے ایک کلینک میں داخل ھے ۔ بچہ ھر طرح سے معذور ھے اور اس کی شفایابی کا دور دور کوئی امکان نہیں ھے ۔ میں خود بھی کلینک میں دو بار گیا ۔ باجی لندن

میں تنہا ھیں اور صرف اپنے اس بچے کی خاطر یہاں رہ رھی ھیں۔ ان کی مامتا پر حیرت ھوتی ھے۔ وہ اپنے اس معذور بچے سے کس درجہ محبت کرتی ھیں، حال آں کہ خوب جانتی ھیں کہ وہ کبھی صحت یاب نہ ھوگا اور اس کلینک میں نہ جانے وہ کب تک زندہ رھے گا۔ کلینک کو بھی داد دینی چاھیے کہ وہ ایسے معذور بچوں کی کس طرح ایک لمبی مدت تک دیکھ بھال کرتے ھیں۔ ایسی مثالیں ھمارے وطن میں بالکل ھی نہیں ملتی ھیں۔ باجی خواجہ مسرور صاحب کی ھمشیرہ ھیں۔ خواجہ صاحب نہایت بلند مرتبہ انسان ھیں اور وزارت داخلہ حکومت پاکستان سے تعلق رکھتے ھیں۔

۲۴ - ستمبر ۱۹۷۹ء، پیر، لندن

آج لندن گردی کا فیصلہ کیا ھے۔ دراصل مجھے پاکستان میں ھونے والی دو عالمی کنگرسوں کے لیے انتظامات کرنے ھیں۔ کنگرسوں میں سلائڈ پروجکٹر نیز اوور ھڈ پروجکٹر کی ضرورت ھوا کرتی ھے اور ھمیں اکثر یہ کہیں کہیں سے مانگنے پڑتے ھیں۔ اب یہ مانگ تانگ بری لگتی ھے۔ لہذا میں نے آج فیصلہ کر لیا ھے کہ یہ دونوں چیزیں خرید لوں گا۔ مگر صبح سے شام ھوگئی۔ بس سلائیڈ پروجیکٹر ھی مل سکا۔ اب اس کی بھی کئی قسمیں تھیں۔ کوپاک کا نام ھے، مگر یہ ۲۰۰ پاؤنڈ کا ھے۔ بالآخر میں نے جرمنی کا تیار کردہ گف خرید لیا ھے۔ ایک کیمرا بھی اپنے لیے خرید لیا ھے۔ بعض جگہ ضرورت پڑ جاتی ھے۔ پھر ایک اسٹیشنری کی دکان میں چلا گیا۔ یہاں سے ایک انڈیکس

خرید لیا ۔ یہ بٹنوں کی میز پر رکھنے کی کار آمد چیز ہے ۔ ایک دوسری دکان میں ۱۲ سفری فائلوں کی تلاش میں گھس گیا ۔ یہاں ”نہ چپکنے والا گوند“ خریدا ۔ یہ ہمدرد کے ایگزیکیٹوز کے لیے تحفہ ہوگیا ۔ فائل کور بھی آخر مل ہی گئے ۔ لندن کے بازاروں میں پہلی بار خریداری کے لیے گھوما ہوں ۔ واقعی یہاں ایسی ایسی کار آمد چیزیں مل جاتی ہیں کہ ہمدرد میں ان کو ہونا چاہیے ، مگر میرے لیے ہر چیز کی خریداری کب ممکن تھی ۔ البتہ ایک فلم پروجیکٹر پسند آگیا تھا ، مگر وزنی زیادہ تھا صرف چوم کر چھوڑ دیا ۔

اکسفرڈ اسٹریٹ ایسا علاقہ ہے کہ لندن کا ٹیکسی والا یہاں سے ساؤتھ ویسٹ میں جانے سے بڑا گھبراتا ہے ۔ میں ۱۹۷۷ء کے آخر میں یہاں ایک میٹنگ میں آیا تھا جو انٹرنیشنل یونین ہلتھ ایجوکیشن کے زیر اہتمام ہوئی تھی ۔ جب شام کو فارغ ہوا تو اکسفرڈ اسٹریٹ سے کوئی ٹیکسی والا چلنے کو راضی نہ ہوا ۔ ادھر بارش ہلکی ہلکی شروع ہوگئی ۔ بالآخر ایک ٹیکسی والے کو روک کر میں نے کہا کہ اگر تم نے مجھے نہ بیٹھایا تو اس سردی میں مجھے نمونیا ہو جائے گا ۔ وہ مسکرایا اور مجھے بٹھا لیا اور پھر ایسے راستوں سے مجھے گھر پہنچایا کہ بجائے تین ساڑھے تین پونڈ کے ڈھائی پونڈ ہی کرایہ بنا ۔ میں نے اتر کر اسے پانچ پونڈ دیے ۔ اسے حیرت ہوئی ۔ میں نے کہا کہ یہ تمہاری نیکی کا صلہ ہے ! وہ دوبارہ مسکرایا اور شکریہ ادا کرکے چلا گیا ۔ آج بھی ایسا ہی موقع ہوا ۔ قمر نقوی صاحب نے جس کو روکا وہ انکار کر گیا ۔ بارے ایک نے بٹھا کر گھر پہنچا ہی دیا ۔ محترمی نقوی صاحب نے آج چند اور لوگوں کو کھانے پر بلایا ہے ۔ ان میں لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر زیدی صاحب بھی ہیں ۔ ان سے

کافی تبادل خیال رہا ۔

مطب

میں نے اس بار اپنے دورۂ برطانیہ کو راز میں رکھا تھا کسی کو بتایا تک نہ تھا ، مگر پھر بھی لوگوں کو پتا چل گیا ۔ ایڈنبرا تک سے ٹیلی فون آئے ، اور آج تو صبح سے ۱۲ بجے تک میں مریضوں ھی کو دیکھتا رہا ۔ ان میں ایک مریض عرب نژاد تھے کہ جو سعودی عرب کے سابق وزیر جناب حسین العرب کے بڑے صاحبزادے ھیں ۔ جناب حسین العرب مشہور شخصیت ھیں اور ان دنوں " الندوہ " اخبار سے متعلق ھیں ۔ صاحبزادے لندن میں زیر تعلیم تھے کہ بیماری نے گرفت میں لے لیا ۔ وہ اپنے والد کی ھدایت پر پاکستان میرے پاس آرہے تھے ۔ میں نے روک دیا تھا کہ میں خود تین دن کے لیے لندن آرھا ھوں ۔ شاید انھی کی زبانی اور پھر سینہ بہ سینہ میرے لندن پہنچنے کا چرچا ھوگیا اور مریض امنڈ آئے ۔

جناب خمینی صاحب

اس سے قبل لندن کی دیواروں اور ٹیوب (انڈر گراؤنڈ) اسٹیشنوں پر شاہ ایران کے خلاف کلمات لکھے دیکھے تھے ۔ میں نے شاہ کے خلاف لندن اور امریکا میں مظاھرے بھی دیکھے ھیں ۔ سب سے بڑا مظاھرہ لندن میں " ورلڈ اوف اسلام فیسٹول " کے دوران سائنس کی نمائش کے وقت ھوا ۔ میں تاریخ کے اس بڑے اھم علمی جشن اسلام میں بہ حیثیت پرنسپل کنسلٹنٹ شریک تھا ۔ ڈاکٹر سید حسین نصر صاحب نے سائنس کی نمائش کا انتظام کیا تھا ۔ ان کا اصرار تھا کہ اسلامی سائنس کی اصطلاح استعمال

کی جائے اور وہ حق بجانب تھے۔ لندن کے سائنس میوزیم میں اسلامی سائنس کی یہ نمائش حد درجہ اہم تھی اور اس نے لوگوں کے ذہن کو صاف کرنے میں خاصی مدد دی تھی کہ مسلمانوں کا سائنس میں کیا حصہ رہا ہے ۔ یہ وہی کام ہے کہ جو میں کر رہا ہوں اور کرنا چاہتا ہوں ۔ پاکستان میں ابن الہیثم کے لیے ہزار سالہ جشن کا اہتمام ۱۹۶۹ء میں میرے اس جذبۂ صادق کا عکاس رہا ہے ۔ پھر البیرونی کے لیے میں نے عالمی سطح پر جو کام کیا ہے ، ۱۹۷۳ء کی عالمی تقریبات اس کی گواہ ہیں ۔

خیر لندن کی اس اسلامی سائنس کی نمائش کا افتتاح کرنے کے لیے ملکہ فرح پہلوی تشریف لائی تھیں ۔ ڈاکٹر سید حسین نصر ان کے سفیر کی حیثیت رکھتے تھے ۔ جب افتتاح کا وقت آیا اور ملکہ ایران کی آمد آمد ہوئی اس وقت تک سائنس میوزیم کے سامنے ہزارہا ایرانی احتجاج کے لیے جمع ہوچکے تھے ۔ مگر ان کا احتجاج شدید اور منظم تھا ۔ پولیس نے ایک حد مقرر کردی تھی ۔ اس حد سے آگے ایک ایرانی بھی نہ بڑھا ، اور جب ملکہ وارد ہوئیں تو شدید احتجاجی نعرے لگے اور جب تک ملکہ میوزیم میں رہیں نعرہ ہائے احتجاج بند نہ ہوئے ۔ جب ملکہ روانہ ہوئیں تو میں بھی ان کے ساتھ تھا ۔ انہوں نے باہر کھڑے ہوئے احتجاجیوں کے سامنے مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلائے ۔ جوں جوں ملکہ کے ہاتھ ہلتے تھے نعرے بلند تر ہوتے جاتے تھے ۔ میں نے ڈاکٹر سید حسین نصر کو پہلی بار گھبرایا ہوا دیکھا ، ورنہ ان کا آخری دنوں میں سلوک ایسا ہوگیا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی اپنی عظمت سے متاثر کرنا چاہتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم ان سے دور ہوگئے۔ خود میں نے ۱۹۷۷ء میں ان کو سلام کرنا چھوڑ دیا ۔ جب وہ مکۃ المکرمہ میں اولین

کانفرنس تعلیم اسلامی میں شرکت کے لیے آئے تھے ، انھوں نے اپنے قدیم دوست حکیم سعید کے ساتھ احساس برتری کے ساتھ سلوک کرنا چاھا تھا ۔

آج لندن کی انھی گلیوں اور در و دیوار پر میں نے امام خمینی صاحب کے خلاف کلمات بھی دیکھے ھیں ۔ چند ھی دن ھوئے کوئی ۰ ھزار ایرانیوں نے خمینی صاحب کے خلاف شدید احتجاج کیا ۔ ان کا یه احتجاج لا یعنی نہیں ھے ۔ حالات بتا رھے ھیں که ایران اسلام کی طرف متوقع رفتار سے پیش قدمی نہیں کر رھا ھے ۔ میں نے آج لندن میں ایران ایئر کے شاندار دفتر کے سامنے " برائے فروخت " کا بورڈ آویزاں دیکھا اور میں نے محسوس کیا که میرا دل بیٹھا جا رھا ھے ۔ میں ایران کا دوست ھوں مگر ایرانی نہیں ۔ ایران کے جو لوگ ایران ایئر کے دفتر پر برائے فروخت کا بورڈ دیکھتے ھیں تو بجا طور پر ان کا دل دکھتا ھے ۔ یه وہ ایران ایئر ھے که جو شاید جلد ھی پان امریکان کو اپنے آغوش میں لے لیتی مگر آج اس کا دفتر فروخت ھو رھا ھے ۔

ڈاکٹر غادہ کرمی : ترجمه انگریزی " القانون فی الطب "

میں ٹھیک ایک بجے لندن کے مشہور کارلٹن ٹاور ھوٹل پہنچ گیا ۔ اس میں عرب حضرات کا قیام زیادہ رھتا ھے ۔ بڑی بڑی موٹر کاروں میں عرب رئیس اور ان کے حرم اترتے چڑھتے اس ھوٹل میں دکھائی دیتے ھیں ۔ ڈاکٹر غادہ کرمی صاحبه نے مجھے یہاں ھی ملنے کو بتایا تھا ۔ انھوں نے میرے ھاں کھانا پسند نہیں کیا تھا ۔ میں جانتا تھا که کارلٹن ٹاور لندن میں لنچ کے کیا معنی ھیں ۔ حیدر سلمه میرے ساتھ تھے ۔ تین آدمیوں کا لنچ

تیس پونڈ میں ختم ہوا ، دو پونڈ ٹپ ، کل ۳۲ پونڈ اسٹرلنگ کو اگر بیس سے ضرب دی جائے تو چھے سو چالیس روپے ، یعنی دو سو تیرہ روپے تینتیس پیسے فی کس ! جب کہ میں نے صرف دو انڈے اور ایک گلاس دودھ لیا ۔ کارلٹن ٹاور ہوٹل میں عرب زعما مقیم ہوتے ہیں ، اس لیے مجھ جیسے پاکستانی یعنی غیر عرب کے ساتھ وہی سلوک ہوا کہ جو روزانہ ہی عربوں کے ساتھ یہ انگریز کرتے ہیں !

ڈاکٹر غادہ کرمی صاحبہ طب کی ڈاکٹر ہیں ، تاریخ سائنس کی ڈاکٹر ہیں ۔ عرب نراد ہیں ، اس لیے عربی مادری زبان ہے ۔ انگریزی پر عبور حاصل ہے ، اس لیے ترجمۂ انگریزی " القانون فی الطب " از شیخ الرئیس بو علی ابن سینا کے لیے موزوں ہیں ۔ میں نے اس سال کے شروع میں حلب (شام) میں ڈاکٹر غادہ کرمی صاحبہ سے بات کی تھی ، لیکن ہنوز ان سے معاملہ طے نہیں پایا ہے ۔ آج ان سے معاملہ طے کرنا تھا ۔

ڈاکٹر کرمی نے مجھے بڑی تشویش کے ساتھ بتایا کہ امریکا کی نیشنل لائبریری اوف مڈیسن ترجمۂ " قانون " کے لیے مستعد ہے اور انہوں نے ویلکم فاؤنڈیشن کے ڈاکٹر اسکندر سے بات کرلی ہے اور اسکندر ۱۹۸۱ء میں رٹائر ہوکر اس کام کو ہاتھ میں لیں گے ۔ ایک ملیون ڈالر کی رقم نیشنل لائبریری اوف مڈیسن ، بتھسڈا ، میری لینڈ ، امریکا نے اس کام کے لیے مختص کی ہے ۔

میرے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی ۔ میں تمام صورت حال سے واقف ہوں ۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں میں خود واشنگٹن میں تھا ۔ اس وقت ڈاکٹر جین برانڈ صاحبہ کہ جو اس پروجیکٹ کی ڈائریکٹر ہیں ، ان سے رابطہ قائم کیا تھا ۔ میں نے ان کو بتادیا تھا کہ ہمدرد انڈیا ، یہ کام شروع کرچکا ہے ۔ میں نے ڈاکٹر

جین برانڈ صاحبہ کو مشورہ دیا تھا اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ہمدرد ، انڈیا کو مالی امداد دیدیں اور اس کام کی تکمیل میں تعاون کریں ۔ انہوں نے اتفاق رائے کیا تھا ۔ میں نے ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر پال غلیونجی صاحب (قاہرہ) سے بات کی تھی کہ جب وہ کیوبیک (کناڈا) میں میرے ساتھ عالمی کنگرس تاریخ طب میں شریک تھے ۔ ڈاکٹر سامی حمارنہ صاحب بھی جو سمتھ سونین انسٹی ٹیوشن ، واشنگٹن سے تعلق رکھتے ھیں ، میرے ساتھ تھے ۔ اس کے بعد میں خود قاہرہ گیا اور ڈاکٹر پال سے میں نے معاملات طے کیے کہ وہ ترجمۂ انگریزی " القانون فی الطب " میں ہمدرد سے تعاون کریں ۔ مجھے اُن ھی دنوں یہ اندازہ ھوگیا کہ ڈاکٹر جین برانڈ صاحبہ نے ڈاکٹر پال سے رابطہ قائم کیا ھے اور ان کو اس کام کے لیے خطیر رقم دینے کا وعدہ کیا ھے اور یہ کہ پال غلیونجی صاحب اب نیشنل لائبریری اوف مڈیسن کے لیے میزانیہ تیار کر رھے ھیں اور بہ ظاھر ان کی نیت یہ معلوم ھوتی ھے کہ ہمدرد ، انڈیا ، نے جو کام کرلیا ھے ، اس سے فائدہ اٹھا کر نیشنل لائبریری اوف مڈیسن کا کام کریں ۔ اس علمی زیادتی کو دیکھ کر میں نے اپنے دوست جلال الدین احمد صاحب کو بھیج کر بطریق احسن پال صاحب سے تمام مسودات ایسے وقت میں واپس لے لیے کہ وہ ان کی کوئی کاپی اپنے پاس نہ رکھ سکیں ۔ اس طرح یہ بات ختم ھوگئی ۔

بارے ڈاکٹر غادہ کرمی سے آج میں نے بات کی ۔ میں نے ان سے کہا ھے اور اپنی رائے دی ھے کہ :

۱۔ وہ ترجمہ کو اپنے ھاتھ میں لیں ۔ یہ تاریخ ساز کام ھے ۔ تم زندہ جاوید بن جاؤ گی ۔

۲۔ ابن سینا کی عربی زبان بھی آسان نہیں ھے اور

فلسفه اس کی اساس ھے اس لیے اپنے والد صاحب حسن الکرمی صاحب کو جو ماہر لغت عربیه هیں اپنے ساتھ لگائیں ۔

۳۔ چوں که ابن سینا لاطینی زبان کے علاوہ یونانی فلسفه سے بھی متاثر ھیں۔ اس لیے کوئی ماہر تلاش کریں که جو اس پہلو سے ترجمه کا جائزہ (رویژن) لے سکے ۔

۴۔ ڈاکٹر سامی حمارنه کو همه وقت مشورہ میں شریک کرنا چاھیے ۔

ڈاکٹر غادہ کرمی صاحبه کو میری رائے سے سو فیصد اتفاق ھے ۔ میں نے حلب میں بھی ان سے یہی بات کی تھی ۔ انھوں نے ڈاکٹر ویوان نیوٹن (Vivian Nuton) کا نام دیا ھے که جو یونانی فلسفه کے ماہر ھیں اور ترجمۂ ابن سینا میں مدد دے سکتے ھیں ۔

میرا اصرار یه ھے که ۱۹۸۰ء میں که جب یونیسکو اور روس جشن ہزار سالۂ ابن سینا منائے ، کتاب کا ایک حصه ضرور شائع ہوجائے ۔ ڈاکٹر کرمی کا یه مشورہ مناسب ھے که همدرد کو تمام دنیا کے علمی حلقوں میں اس کام کا اعلان کرنا چاھیے تاکه همدرد کے کام کو اولیت کا درجه حاصل ہو جائے اور ڈپلی کیشن کے حوصلے پست ہو جائیں ۔

ڈاکٹر غادہ کرمی صاحبه کو میری اس رائے سے اتفاق ھے که نیشنل لائبریری اوف مڈیسن نے همدرد کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ھے ۔ ان کی رائے ھے که انڈیا کا کام پست درجه (انفیریئر) ہوگا ، اس لیے کوشش یه ہونی چاھیے که جو کام کیا جائے وہ اعلا درجے کا ہو۔

اصول آج یہ طے پایا ہے کہ

۱۔ ڈاکٹر غادہ کرمی کو ترجمہ کا وہ معاوضہ دیا جائے کہ جو یونیسکو کے معبار کے مطابق ہو۔ (فی ہزار الفاظ کے حساب سے)

۲۔ نظرثانی کرنے والوں کے لیے بھی معاوضہ کی شرح یونیسکو کے معیار کے مطابق ہونی چاہیے۔

میں نے اس صورت حال پر اچھی طرح غورکرلیا ہے ، اور اب مىری رائے یہ ہے کہ مجھے خود دھلی جانا چاھیے اور بھائی جان محترم جناب حکیم حاجی عبدالحمید صاحب کو صورت حال بتانی چاھیے اور ان سے تبادل خیال کر کے بالآخر حتمی راہ مقرر کرنی چاھیے۔ یونیسکو معیارات کے لیے یونیسکو میں موسیو ڈی ویک ھی معاون ثابت ہوں گے۔

دونوں کنگرسیں : خریداری

پاکستان میں یونیسکو اور ھمدرد کے زیر اہتمام تعاون و اشتراک باھمی سے جو دو عالمی سائنسی اجتماعات ہو رہے ہیں ان کی تیاریوں کے لیے میں نے آج ایک اوور ہیڈ پروجیکٹر اور ایک جدید انداز کا سلائڈ پروجیکٹر خرید لیا ہے۔ اس پر کل ۵۴۰ پاؤنڈ اسٹرلنگ خرچ ہوئے ہیں۔ میرے پاس یونیسکو کی دی ہوئی جیب خرچ کی رقم تھی۔ مجھے مئی ۱۹۷۹ء اور اب ستمبر ۱۹۷۹ء میں یونیسکو نے مشورے کے عنوان پر ۲۷۸۰ فرانک دیے تھے۔ میں نے ان کو خرچ نہیں کیا تھا۔ انتہائی کفایت کر کے یہ رقم بچا لی تھی۔ آج برکلے بنک سے فرینک کو پونڈ مىں تبدیل کرا لیا ہے اور یہ رقم اس کارخیر میں خرچ کر دی ہے۔

۲۶ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، بدھ ، لندن - باسل

میں صبح چار بجے بیدار ہوگیا - کل جو خواب دیکھا تھا آج بالکل وھی خواب دوبارہ دیکھا ھے - کل یہ دیکھا کہ میرا ٹینس کا ایک ریکٹ بچوں نے اس طرح توڑ دیا ھےکہ نہ صرف اس کا ھاتھ میں رھنے والا حصہ دو ٹکڑے ھوگیا ھے بلکہ گٹ والا حصہ بھی مڑ تڑ گیا ھے اور گٹ بکھر گئی ھے - بالکل عین مین وھی خواب آج دیکھا ھے کہ دوسرا ریکٹ بھی بچوں نے اسی طرح توڑ ڈالا ھے - کل میں خاموش ھوگیا تھا ، مگر آج بگڑ گیا ھوں اور ثانیہ کی پیٹھ پر میں نے تین سخت ھاتھ رسید کر دیے ھیں - معلوم نہیں اس خواب کی کیا تعبیر ھوسکے گی !

میں اٹھ گیا - تیار ھوکر نماز فجر ادا کی اور میز پر بیٹھ گیا - لندن کی رپورٹ لکھ رہا تھا ، دو تین صفحات باقی رہ گئے تھے کہ جناب نقوی صاحب آگئے اور یہ کام ادھورا رہ گیا -

جناب نقوی صاحب کو میں نے یہ ھدایات دیدی ھیں :

۱- پاکستان میں ھونے والی دونوں عالمی کنگرسوں کے سلسلے میں ھوائی جہاز کے ٹکٹوں کی خریداری کے لیے وہ کل ذمہ داری قبول کریں ، اور رانا صاحب یا کسی دوسرے ایجنٹ سے حتمی معاملہ کریں -

۲- منشا یہ ھے کہ ایئر لائنز جو خصوصی رعایت دیتی ھیں ، اس سے کاملاً استفادہ کیا جائے - اس وقت مقابلے کا حال یہ ھے کہ لندن- پیرس- لندن کا ٹکٹ چار پونڈ میں مل جاتا ھے - لندن- نیو یارک- لندن تین سو ڈالر میں ٹکٹ مل جاتا ھے- لندن- کراچی-

لندن کا ٹکٹ ۲۹۰ پاؤنڈ مس مل جاتا ہے - جب اس درجہ مقابلہ ہے تو پھر آخر ہم کو یہ سہولت کیوں نہ ملے !

۴- میں نے نقوی صاحب سے کہا ہے کہ وہ ایک اصول طے کر کے معاملے کو حتمی شکل دے لیں - میں اس اثنا مس کراچی سے کوشش کر کے مندوبین کی فائنل فہرست بھجوا دوں گا تا کہ " خصوصی رعایت پالیسی " کے اندر ٹکٹوں کی خریداری کر لی جائے -

۵- ضرورت ہو تو بذریعہ اخبار جنگ ٹیلیکس پر " بات" مجھ سے کر لی جائے -

لندن ساؤتھ ویسٹ ۱۷ ، اپنے مکان سے ہوائی میدان کا راستہ کوئی ۴۵ منٹ کہا جاتا ہے - میں باقر نقوی صاحب کے ساتھ گھر سے سوا آٹھ بجے روانہ ہوا ، مگر آج تو ٹریفک غیر معمولی ہے - تاخیر اس درجہ ہو رہی ہے کہ مجھے یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ شاید ہوائی جہاز نکل جائے گا - دیر پر دیر یہ کہ میاں باقر نقوی نے غلط ٹرمینل پر اتار دیا - ! وہ تو اچھا ہوا کہ مس نے کفایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور پورٹر لینے کا فیصلہ راستے میں ھی میں کر لیا تھا تا کہ وہ سوئس ایئر کے کاؤنٹر پر سیدھا لے جائے - موٹر سے اتر کر پورٹر کو میں نے بلایا اور سامان دیتے ہوئے کہا کہ مجھے سوئس ایئر لے چلیں ، " سوری سر ، یو آر ان رانگ ٹرمینل ! یہ نمبر ۳ ہے ، سوئس ایئر نمبر ۲ سے جائے گی -" یہ بات پورٹر نے کہی - جہاز کی روانگی ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر تھی - ساڑھے نو بج چکے تھے - بارے ٹرمینل نمبر ۲ پر گیا - پورٹر نے جلد ھی سوئس ایئر کاؤنٹر پر پہنچا دیا - میں نے اس کو ایک

پاؤنڈ انعام دیا ۔ خوش ہوگیا ۔ میری بکنگ ہوگئی اور گیٹ نمبر ۶ مل گیا ۔ جہاز جانے کو تیار تھا ۔ کسٹم کے مراحل طے ہوئے۔ میں نے ٹیکس کے فارم وی اے ٹی دکھائے تا کہ ایکسپورٹ کمیشن مل جائے ۔ جہاز میں سوار ہوئے ۔ کپتان نے ذرا دیر بعد اعلان کیا کہ کلیرنس نہیں مل رہا ہے اور اب جہاز آدھے گھنٹے تاخیر سے پرواز کرے گا ۔ پھر پتہ چلا کہ ایک جہاز کا رن وے پر ٹائر زخمی ہوگیا ہے ، لہذا رن وے کی دیکھ بھال ہو رہی ہے ۔ غرض مجموعی طور پر جہاز ایک گھنٹہ لیٹ ہوگیا ۔ لندن کے گھر سے ہیتھرو ہوائی میدان کا راستہ ڈیڑھ گھنٹے کا اور لندن (انگلستان) سے باسل (سوئزر لینڈ) کا راستہ ایک گھنٹہ ! باسل کے ہوائی میدان پر جناب ایچ بروگلی موجود تھے ۔ سامان شاید ۵ منٹ سے بھی کم وقت میں آگیا ۔ ٹرالی لی اور میں باہر آگیا ۔ بروگلی صاحب کی موٹر میں سوار ہوکر ہوٹل ہلٹن آیا ۔ اپنا سامان رکھا اور فوراً ہی بروگلی اینڈ کمپنی کی فکٹری پہنچ گیا ۔ اس کمپنی سے ہم نے ہمدرد کے لیے خمیرے اور معاجین تیار کرنے کی دو مشینیں تیار کرائی ہیں ۔ سال گزشتہ میں خود یہاں باسل آیا تھا اور تمام ہدایات اور پلاننگ کر گیا تھا ۔ ساڑھے سات لاکھ روپے کی یہ دو مشینیں اب تیار ہیں ۔ میں کام پر لگ گیا اور تقریباً پانچ گھنٹے تک ان دونوں مشینوں پر کام کرتا رہا ۔ ٹرائل لیتا رہا ۔ بعض خامیاں تھیں ۔ ان کی نشان دہی کی اور ضروری ہدایات دیکر میں ۵ بجے شام فارغ ہوا اور پھر ان کے دفتر آکر میں نے مزید تبادل خیال کیا ۔ ۶ بجے کام ختم ہوگیا ۔

باسل گردی

باسل سوئزر لینڈ کا بڑا پرانا شہر ہے ۔ میں نے جناب

بروگلی صاحب سے کہا کہ میں پرانے شہر کی سیر کرنا چاھتا ھوں ۔ نہایت شریف آدمی ھیں ۔ فوراً تیار ھوگئے ۔ میں ان کے ساتھ پیدل کوئی ڈیڑھ گھنٹہ باسل کی سڑکوں اور بازاروں میں گھومتا پھرتا رھا ۔ یہاں ایک قدیم کیتھڈرل ھے ۔ اس کی سیر کی ۔ یہ سولھویں صدی کا تعمیر شدہ ھے ۔ زمانۂ قدیم سے یہاں امرا کے مزارات بنتے رھے ھیں ۔ نشنل میوزیم اوف آرٹ ۵ بجے بند ھوجاتا ھے ، صبح ۱۰ بجے کھلتا ھے ، مگر اس سے مجھے کوئی خاص دل چسپی بھی نہیں ھے ۔ اس شہر میں بڑی سبک ٹرینیں چلتی ھیں ۔ مس ۱۹۷۶ء میں ان میں بیٹھا ھوں ۔ موٹریں یہاں بھی بکثرت ھیں اور پارکنگ کا مسئلہ بھی پیدا ھوگیا ھے ۔

باسل کا تاریخی پس منظر

فرانس اور جرمنی کی سرحدوں کے قریب سوئزر لینڈ کا ایک صوبہ " باسل " کہلاتا ھے ۔ مختلف زبانوں میں اس کا دلفظ " بازل " اور " بال " بھی کہا جاتا ھے یعنی درمیانی حرف " ایس " خاموش رھتا ھے ۔ دریائے رھائن اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ھے اور یہ دریا اس مقام پر پہنچ کر اتنا چوڑا اور اس لائق ھو جاتا ھے کہ اس میں جہاز رانی ھوسکے ۔ اس کے جانبِ جنوب کوہ جورا خاصا بلند ھے ۔ ویسے سارا ملک ھی پہاڑی ھے ۔ بیشتر لوگ جرمن زبان بولتے اور عقائد کے اعتبار سے پروٹسٹنٹ عیسائی ھیں ۔ ساتویں صدی عیسوی میں اھل روما نے اس کی داغ بیل ڈالی اور پادریوں کی حکمرانی قائم ھوگئی ۔ پھر المانیہ ، فرانس ، ٹرانس جورین اور برگنڈی والے قابض ھوتے رھے ۔ ۱۵۰۱ء میں اسے سوئس وفاق میں شامل کرلیا گیا ۔ بائیس سال بعد ملک میں جو اصلاحات ھوئیں ان کا اثر اس صوبے پر بھی

پڑا ۔ ان اصلاحات کے بموجب پادریوں کا اقتدار کم ہوگیا ، تاہم ان کی مذہبی روایات پھر بھی برقرار رہیں ۔ ۱۸۱۵ء میں یہ صوبہ برن میں شامل ہوکر اس کا حصہ بن گیا ۔ لیکن پھر علاحدگی ہوگئی ۔ بعض شہروں میں امرا کا اقتدار تشدد آمیز رہا ، اس لیے ۱۸۳۱ء سے ۱۸۳۳ء تک زبردست ہنگامے اور بلوے ہوتے رہے جس کے باعث صوبہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ۔ باسل کبیر دریائے رھائن کے بائیں کنارے پر رہا جو دانشوروں کے علاوہ تاجروں کا مرکز بن گیا ۔ دوسرے کنارے پر باسل صغیر زیادہ تر صنعت کاروں کا مرکز بنا ۔ دوا سازی کے علاوہ دھات کی مصنوعات ، پارچہ جات ، ریشمی ملبوسات اور محفوظ شدہ اشیائے خوراک کا کاروبار ذریعۂ معاش رہا ۔ یہاں ہر سال ایک صنعتی میلہ لگتا ہے جس میں دنیا بھر کے صنعت کار اپنی مصنوعات بھیج کر اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں ۔ باسل کا کیتھڈرل جس کا ذکر آگے آئے گا ، ۱۰۱۶ء میں تعمیر ہوا تھا جس کی مرمت اور تزئین حسب ضرورت ہوتی رہتی ہے ۔ باسل یونیورسٹی ۱۴۶۰ء میں قائم ہوئی جو اب بھی تعلیم و تدریس کا ایک اہم مرکز سمجھی جاتی ہے ۔ اس نے بہت سے عظیم شاعر ادیب اور فلسفی پروان چڑھائے ۔ ان سب سے نیٹشے ، جس کے بڑے قدر دان برصغیر میں علامہ اقبال تھے ، نیز کال ون ، لیون ہارٹ اور ڈینیل برنولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اس کا رقبہ دو سو مربع میل اور آبادی تقریباً دو لاکھ ہے ۔

کیتھڈرل

دنیا بھر میں جتنے کیتھڈرل میں نے دیکھے ہیں شاید ہی کوئی تنہا فرد اس کا دعوا کرسکتا ہو ۔ میرا مقصد یہ دیکھنا

ہوتا ہے کہ ان کے حالات کیا ہیں ، ان کی دیکھ بھال کا اصول کیا ہے ، ذرائع آمدنی کیا ہیں ، پادری صاحبان کیا کرتے ہیں اور کس طرح گزر بسر کرتے ہیں ، عبادت گزاروں کی تعداد کیا ہے ، وغیرہ ۔ اسی طرح میں مساجد اور مندروں کو بھی جا کر دیکھا کرتا ہوں ۔ مساجد کے بارے میں بھی میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے دنیا میں سب سے زیادہ مسجدیں دیکھی ہیں ۔ اس باب میں میں اپنی کیفیات اور اپنے تاثرات کو محفوظ کرتا ہوں ، البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ہر فکر و مذہب میں ایک انقلاب برپا ہے اور انتشار ذہنی کی کیفیت ہے ۔ جس طرح حی علی الصلواہ کے لیے مسلمانوں کے کان گنگ ہیں اسی طرح کیتھڈرلوں اور کلیساؤں کے اعلانات اور آویزاں بورڈ ناکام ہیں کہ جو دعوتِ عبادت دیتے ہیں ، حتیٰ کہ اتوار کے بجائے عبادت کا ہر دن مقرر کر دیا گیا ہے ۔ میں باسل کے اس کیتھڈرل کے اندر عبادت گاہ میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بڑی دیر تک بیٹھا رہا ۔ خود میں نے یہاں بڑا سکون قلبی محسوس کیا ۔ عمارت کا انداز، اس کا رکھ رکھاؤ ، ماحول سب ایک سکون بخش تاثر پیدا کرتے ہیں ۔ فضا خاموش ہے ۔ مسٹر بروگلی بھی اگر بات کرتے تھے تو میرے کان میں کرتے تھے ۔ میں کیتھڈرلوں کی عبادات میں بھی شریک ہوا ہوں ۔ ۱۹۷۵ء میں اسی باسل کے ایک کیتھڈرل میں اتوار کی صبح ایک گھنٹہ بیٹھا رہا ۔ ایک گھنٹے بعد جب باہر نکلا تو یہاں کے مشہور کارنیوال کا ہنگامہ برپا تھا ۔ ہزارہا نوجوانان باسل رنگ رلیوں میں مشغول ، شور و غل مچاتے ناچ گا رہے تھے ۔ کیتھڈرل کے اندر اور باہر کارنیوال میں شرکا کی تعداد میں بڑا ہی فرق تھا ! یہ فرق بڑھتا چلا جا رہا ہے ۔ وہ مسجد ہو یا کلیسا ، مندر ہو کہ بت کدہ جس قدر یہ فرق

بڑھ رہا ہے میری رائے مں زمین پر فساد برپا ہو رہا ہے ۔

پتھر کے مکانات

لندن سے باسل سفر کرتے ہوئے انٹرنیشنل هیرالڈ ٹریبیون پڑھا ۔ اس میں بڑی اہم اور دل چسپ خبر یہ ہے کہ وہ مکانات کہ جو پتھر سے یا اینٹوں سے بنتے ہیں وہ ذریعۂ اشعاع (ریڈی ایشن) ہوتے ہں ۔ سویڈن مں ۱۹۷۳ء میں ایک قانون کے ذریعہ سے خاص قسم کے سامانِ تعمر کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا کہ اس سے سرطان کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے ۔ پتھر بجائے خود ذریعۂ اشعاع ہے اور جب یہ عمارات مں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا عمل اس لیے بڑھ جاتا ہے کہ لوگ سرد ہوا سے بچنے کے لیے کھڑکیاں اور روشن دان وغیرہ بند کرلیتے ہں اور پتھروں سے پیدا شدہ اشعاع باہر نہیں نکل سکتا اور لوگوں کی صحت اس سے متاثر ہوتی ہے ۔

یاد آیا کہ ایک بار آن حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے پختہ (پتھر کی) مسجد کی تعمیر نو کرا کے اسے کچی مٹی کا پلاستر کرانے کا حکم دیا تھا اور کسی دو منزلہ مکان کو ایک منزلہ کرا دیا تھا ۔

آج صبح لندن میں ایک دوست کی خاطر دوسرے دوست کو ٹیلی فون کرنا پڑا ۔ اس سے بڑی ذہنی تسکین ہوئی ہے ۔ میں لوگوں کے کام آتا ہی رہتا ہوں ، کلمۂ خیر میں اس وقت کہتا ہوں کہ جب مجھے حالات و واقعات کی صحت پر یقین کامل ہوتا ہے ۔

۲۷ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعرات ، باسل ، آمسٹرڈم

مجھے آج یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں صبح باسل کی سیر کو نکل جاؤں یا جو کام باقی ہے اس کو پورا کرلوں - آخر میں نے کام ختم کر ڈالنے کا فیصلہ کیا - دو اہم رپورٹیں لکھنے کا اس سفر میں موقع اب تک نہیں مل سکا ہے - ایک دونوں کنگرسوں کے بارے میں یونیسکو روابط کی رپورٹ ، اور دوسرے مدیران "کوریئر" کی رپورٹ - بارے میں نے کنگرسوں کے بارے میں رپورٹ شروع کر دی ، ۷ بجے لکھنی سروع کی ، اور ساڑھے گیارہ بج گئے ، مگر یہ کام پورا ہوگیا - مدیران "کوریئر" کی رپورٹ رہ گئی ہے - راستہ طویل ہے ، مگر یہ کام راستے کا نہیں ہے ، کیونکہ اس کے لیے کاغذات متعلقہ پھیلانے ہوں گے اور ہوائی جہاز میں یہ ممکن نہیں ہے - ہوائی جہاز میں لکھنے کے لیے روزنامچے کا کام باقی ہے - وہ کراچی تک پورا کرلوں گا - مدیران "کوریئر" کی رپورٹ کا اللہ مالک ہے - پاکستان میں مصروفیتوں میں اس کے لیے کیسے وقت ملے گا ، سمجھ میں نہیں آرہا ہے -

ٹھیک ۱۲ بجے میں نے ھلٹن کا کمرہ خالی کر دیا - "چیک آؤٹ ٹائم" یہاں یہی ہے - اس ہوٹل میں قیام کر کے بڑی زیادتی ہوئی ہے ، مگر میں ہمدرد کے وقار کو یہاں مجروح نہیں کر سکتا تھا - میں نے حضرات بروگلی کو یہ خط لکھ دیا تھا کہ وہ ہمدرد کے خرچ پر باسل میں مناسب جگہ ("ریزن ایبل") کا انتظام کر دیں - ان کے نزدیک ہمدرد کے چیرمین کے لیے "ریزن ایبل" جگہ ھلٹن ھی تھی - میں اس انتظام کے بعد دوسری سستی جگہ نہیں جا سکتا تھا - یہ آرام دہ ہوٹل میرے لیے وجہ تکلیف بن جاتے ہیں - ضرورت سے زیادہ سہولتیں

بے آرامی کا سبب بن جاتی ھیں ۔ جناب ایچ ۔ بروگلی بے چارے اپنی موٹر میں لیے لیے پھرے ۔ اگر وہ نہ ھوتے اور ٹیکسیاں کرنی پڑتیں تو واقعی مسئلہ پیدا ھو جاتا ۔ ٹیکسی بھی یہاں ھوٹل کی طرح گراں ھے ۔ ھوائی میدان سے ھوٹل ، ھوٹل سے فیکٹری ، فیکٹری سے دفتر ، دفتر سے ھوٹل ۔ پھر آج ھوٹل سے میوزیم فارمیسی ، میوزیم فارمیسی سے ایئر پورٹ ۔ اگر یہ تمام سفر ٹیکسی سے ھوتا تو بل ۳۰۰ سوئس فرانک کا ھوتا ۔ آج کا نرخ ڈیڑھ فرانک برابر ایک امریکی ڈالر ھے ۔ یعنی ڈیڑھ فرانک پاکستانی دس روپے کے برابر ھوتے ھیں ۔ ھلٹن باسل کا کرایہ یومیہ ۱۶۰ سوئس فرانک ھے ۔ رات کو جو کھانا کھایا میں نے اور مسٹر ایچ ۔ بروگلی نے ایک ساتھ وہ ۶۰ فرانک کا ھوا ۔ جملہ بل دو سو فرانک کا بنا ۔ یعنی ۱۳۱ امریکی ڈالر ، یا ۱۳۱۰ پاکستانی روپے ! سوئزر لینڈ کے لحاظ سے یہ نرخ غیر معمولی نہں ھں ۔ یورپ میں بھی اب ھر جگہ حال یہی ھے ۔ لندن کا جو کمرہ مجھے ۱۹۷۰ء میں ۱۰ پاؤنڈ میں مل جاتا تھا آج وہ کم از کم ۴۰ پاؤنڈ یومیہ کا ھے ۔ زیورخ شاید دنیا کا سب سے گراں شہر ھے ، مگر باسل اس سے کم نہیں ھے ۔ سال گرشتہ زیورخ مں شاید میں نے ھلٹن کا کرایہ ایک دن کا ۱۳۶ فرانک دیا تھا ۔ اب ایک سال بعد مزید اضافہ ھوگیا ھے ۔

یورپ سے خریداریاں

بعض چیزیں ایسی ھیں کہ یورپ/امریکا سے ان کی خریداری ناگزیر ھے ۔ مگر اس فرق کی روشنی میں دیکھنا چاھیے کہ ان قیمتوں کے چڑھاؤ کی وجہ سے پاکستان جیسے ممالک کا کس طرح تیا پانچا ھو جاتا ھے ۔ اس صورت حال سے یہ اندازہ لگانا مشکل

نہیں ہے کہ یورپ کا سامان خرید کر ہم کس طرح تباہ ہوئے جا رہے ہیں - یورپ اور امریکا میں قیمتوں کے اس رجحان پر پابندی لگنی ممکن نہیں ہے اور جب تک ہم یورپ کے دست نگر رہیں گے ہمارا حال اس طرح خراب ہوتا رہے گا - اب ہمدرد نے باسل سے جو مشینیں خریدیں ، یہی مشینیں اگر چین یا ہندستان اور بالخصوص ہندستان سے خریدی جائیں تو ان کی قیمت آدھی ہوتی - چین سے خریداری آسان نہیں ہے - جاپان مصروف ہے - ہندستان سے پاکستان کے تجارتی روابط نہیں ہیں - میری رائے ہے کہ ہم کو اپنے بہترین مفادات میں ہندستان سے تعلقات کو اب درست کرلینا چاہیے اور تجارتی روابط کو قائم اور استوار کرلینا چاہیے - اور مشینری وغیرہ کے لیے ہندستان پر بھروسا کرنا چاہیے، اس وقت تک کے لیے کہ جب تک خود پاکستان صنعتی میدان میں اپنے حالات درست نہ کرلے - پاکستان میں ان حالات کی درستی بہ ظاہر جلد ممکن نہیں ہے - ہم سیاسیات کی گندگی میں پھنسے ہوئے ہیں اور سیاست ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم ملک کی لیبر پالیسی کو متوازن کرسکیں - بعض لیبر قوانین تو ایسے ہیں کہ خود کمیونسٹ اور سوشلسٹ ممالک میں موجود نہیں ہے اور یہ قوانین اسلام کے صریحاً خلاف ہیں - مگر اسلام کی سب سے بزعم خود داعی جماعت کے پانچ وزیر بھی لیبر کے معاملات میں خلاف شرع تقریریں کرتے رہے ہیں - موجودہ لیبر پالیسی پاکستان کی صنعتی ترقی میں صریحاً مانع ہے - اور جب تک یہ درست نہ ہوگی صنعت کے میدان میں کوئی پیش رفت ممکن نہیں ہے - پاکستان کا محنت کش ہرگز محنت کش نہیں ہے - یہ نام اور عنوان بڑا ”مس لیڈنگ“ ہے اور گمراہ کن - آج کا کارکن ذرا بھی محنت نہیں کرتا - وہ کام نہ کرکے اور پیدوار

گھٹا کر اپنی تن خواہ بڑھانے پر شب و روز متوجہ ھے ۔ اس کی اس توجہ نے پاکستان کی صنعت کی ہر چول ڈھیلی کر دی ھے ۔ ھم اب در آمدات پر چلے گئے ھیں ۔ ھماری صنعت مرجھا جانے سے ھماری برآمدات کم و کم تر ھوچکی ھیں ۔ ھمارا حال اب یہ ھے کہ کاربار حکومت اور ملک چلانے کے لیے ھم نے اپنی اس سال کی چاول کی فصل کو رھن رکھ دیا ھے ، اور پیشگی پیسے لے لیے ھیں ۔ آخر ھم کیسے ملک بانی کریں گے ؟ اس پر غور کرنے کے لیے دل و دماغ کہاں ھیں ؟

ھمارے مزاج میں بے ایمانی ایسی رچ بس چکی ھے کہ ملک کے صدر کو یہ بیان دینا پڑتا ھے کہ بلدیاتی انتخابات جیتنے والوں نے بلدیات میں پیسہ بنایا تو ان کو نا اھل قرار دیدیا جائے گا ۔ ان کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کی جا رھی ھیں ، وغیرہ ۔ اب در حقیقت ملک کا نظام بلدیات کے منتخب ارکان کے ھاتھ میں چلا گیا ھے اور اگر ان لوگوں نے دیانت و امانت سے کام لیا تو ملک کی قسمت بدل سکتی ھے اور اگر یہ لوگ بے ایمان بنے رھے تو خصوصی عدالتیں بھلا ان کا کیا بگاڑ لیں گی ۔ یہ عدالتوں کو بھی بد دیانت بنانے کا گُر جانتے ھیں ۔ در حقیقت ھمیں ایک ذھنی انقلاب درکار ھے ۔ اب ھمیں عدالتیں قائم کرنے کے بجائے ذھنی انقلاب کا سامان کرنا چاھیے ۔ یہ ذھنی انقلاب صرف تعلیمی نظام میں انقلابی تبدیلیوں ھی سے آ سکتا ھے ۔ یہ مستقبل کا سامان ھے ، اور حال کا سامان یہ ھے کہ اگر ھم دیانت دار ھیں ، تو پھر ان کو سختی کا ھتھیار سنبھالنا چاھیے ۔ اور سنگا پور کے مسٹر لی کی مثال کو سامنے رکھنا چاھیے کہ اس نے کیسے سنگا پور کو دنیا کا ایک روشن ملک بنا کر رکھ دیا ھے ۔ اور چارلس ڈیگال کے کارناموں کو دیکھنا چاھیے کہ اس نے فرانس کو کتنی بلندی پر

لے جا کر ایستادہ کر دیا ہے ۔
ڈیڑھ بجے حسب پروگرام جناب ایچ ۔ بروگلی آ گئے ۔

انٹرنیشنل یونین اوف ہسٹری اوف فارمیسی

اس عالمی انجمن کی رکنیت کا فارم شاید مں نے ۱۹۷۷ء میں بھرا تھا ۔ اب ۱۹۷۹ء میں مجھے رکنیت کا اعزاز ملا ہے ۔ اس سال جون میں عالمی کنگرس باسل میں ہوئی تھی ، مگر میں شرکت نہیں کرسکا تھا ۔ میں نے اپنا پروگرام منسوخ کردیا تھا ۔ مجھے رکنیت کی سند اور بیج ڈاک سے مل گیا تھا جو میرے لیے وجہ مسرت و اعزاز ہے ۔ مں نے اپنی روانگی سے قبل سکریٹری جنرل کو لکھا تھا کہ میں ۱۷ ستمبر کو یونین کے دفتر میں حاضری دوں گا ۔ مجھے جواباً خط مل گیا تھا کہ وہ ۲۴ تا ۳۰ ستمبر باسل میں نہیں ہوں گے ، البتہ انہوں نے یونین سے متعلق میوزیم اوف فارمیسی دیکھنے کا انتظام کر دیا تھا ۔

باسل میں موٹر کھڑی کرنا بھی ایک آرٹ ہے ۔ سڑکوں پر تو جگہ ملنی اب ممکن ہی نہیں رہی ہے ۔ یہاں اب بڑا پارکنگ لاٹ ہے ۔ یہاں گئے تو وہاں پہلے ہی موٹروں کی قطار انتظار میں کھڑی تھی ۔ آخر فیصلہ کیا کہ یہاں باسل کے سب سے بڑے ہسپتال کونٹونل چلا جائے ۔ اس ہسپتال کا پارکنگ لاٹ حیرت انگیز طور پر بڑا ہے ۔ کئی منزلہ ہے ۔ پہلی منزل پر جگہ نہیں ملی ۔ دوسری منزل پر جا کر جگہ ملی ۔ موٹر یہاں کھڑی کرکے باسل کے قدیم علاقے میں چل کر آئے اور میوزیم تک آئے ، پانچ منٹ کی تاخیر ہوگئی ۔ میں تاخیر سے اور عدم پابندیِ وقت سے بڑا الجھتا ہوں ۔

ڈاکٹر الفانس لٹز (Alfons Lutz) ڈی فل اور ڈاکٹر

آر۔ ابنو تھر (R. Ebnother) دونوں میوزیم اوف ھسٹری اوف فارمسی کے باھر میرے منتظر تھے ۔ سرے ساتھ مسٹر ایچ ۔ بروگلی بھی تھے۔ ان دونوں نے بڑا پر خلوص اور پر جوش خیر مقدم کیا ۔ یہ دونوں انگریزی نہیں جانتے ۔ ڈاکٹر لٹز تو بالکل ھی نہں جانتے ۔ وہ فرانسسی جانتے ھں ۔ ڈاکٹر ابنو تھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول ھی لیتے ھں ۔ ڈاکٹر لٹز سوئس زبان مں جو بات کرتے ابنو تھر اور بروگلی ترجمہ کردیتے ۔

میں نے تاریخ فارمیسی کے بڑے بڑے میوزیم دنیا بھر میں دیکھے ھیں ۔ ان میں سے یہ بھی ایک ھے ۔ واقعی انھوں نے بڑا اچھا ذخیرہ جمع کیا ۔ بعض چیزیں تو حیرت انگیز ھیں ۔ اس میوزیم کو جستہ جستہ دیکھا ، پھر بھی دو گھنٹے لگے ۔ تفصیل کے ساتھ دیکھنے کے لیے کئی دن درکار ھیں ۔

ڈاکٹر لٹز اس میدان کے ماھر ھیں ۔ اس میوزیم کو انھوں نے بچوں کی طرح پالا ھے ۔ وہ اس سے اولاد کی طرح محبت کرتے ھیں ۔ بعض چیزیں بتانے میں بڑے جذباتی بھی ھو ھوجاتے ھیں ۔ میں دو گھنٹے تک ان کی طرف پوری طرح متوجہ رھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی توجہ ان کی طرف سے نہیں ھٹائی ۔ میں جانتا تھا کہ ان کو اس سے تکلیف ھوسکتی ھے ۔ ڈاکٹر ابنو تھر نے مجھے اس میوزیم پر اپنا ایک مضمون جرمنی زبان میں دیا ھے ۔ میں اس کا مطالعہ کرکے اس روزنامچے میں اس کا حال ضرور درج کروں گا ۔

(مضمون جرمن زبان میں تھا ۔ برادر عزیز ڈاکٹر محبوب الٰہی کو دیا تھا ، مگر انھوں نے ترجمہ کرکے نہیں دیا ۔)

هوائی میدان پر

ونے پانچ بجے باسل کے هوائی میدان پر آ گیا ۔ ٹکٹ درست کرنے اور سامان راولپنڈی تک بک کرنے میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگے۔ مس بروگلی صاحب کے ساتھ ریستوران میں آ گیا ۔ رات کو جو کھانا کھایا تھا دل چاھا تھا کہ وہ کئی دن هضم نہ هو۔ آخر ۳۰ فرینک یا ۱۸ ڈالر یعنی ۱۸۰ روپے کا کھانا تھا ! مگر اس وقت سخت بھوک لگی تھی میں نے ریستوران میں ایک گلاس خالص دودھ پیا ۔ مسٹر بروگلی نے دودھ کی تعریف کی اور سوال جڑ دیا کہ آپ کے هاں دودھ تو کافی هوتا هوگا ؟ میں شرم سے پانی پانی هوگیا ۔ هاں میرے ملک میں دودھ دهی افراط سے هوتا تھا مگر اب میرا غریب ملک عدم توازن کا شکار هے اور پاؤڈر ملک درآمد کرتا هے جس کے بارے میں یہ ثابت هوگیا هے کہ مضر صحت هوتا هے ، مگر اسے استعمال کرنے کے لیے سب مجبور هیں ۔

مسٹر بروگلی کو نارتھ پاکستان کا خیال نہ جانے کیوں کر آگیا ۔ کیا آپ نے کاغان ویلی کو دیکھا هے ! هنزا کدھر هے ؟ آپ وهاں گئے هیں ؟ ” مس واقعی سٹپٹا گیا ۔ میں نے یہ مقامات واقعی آج تک نہیں دیکھے هیں ، میں تو سوات بھی آج تک نہیں گیا هوں ! اپنی بریت کا پہلو یہ تھا کہ میں نے بروگلی صاحب سے الٹا سوال کر دیا ، “ کیا آپ نے کل والا کیتھڈرل پہلے دیکھا تھا ؟ کیا میوزیم اوف دی هسٹری اوف فارمیسی آپ نے دیکھا تھا ؟ “ انھوں نے نفی میں جواب دیا ، میں نے کہا ، ” میرا حال بھی بس یہی هے ! “ اپنے ملک کو میں نے نہیں دیکھا ، باهر نہ جانے کیا کیا دیکھ ڈالا هے ۔ مجھے یاد آیا ۔ میں بنکاک کے ایئر پورٹ پر گزشتہ دنوں یعنی ۹ ستمبر کو موجود

تھا ۔ وھاں ایک تھائی اخبار دیکھا ۔ اس میں یہ اشتہار تھا ، ” پہلے اپنے ملک تھائی لینڈ کو دیکھو ! “ یہ اشتہار تھائی لینڈ کے محکمۂ سیاحت کی جانب سے تھا ۔ مجھے اس اشتہار نے بڑا متاثر کیا تھا ۔ پاکستان میں محکمۂ سیاحت کو متحرک اور مستعد ہو کر پاکستانیوں کو پاکستان دکھانا چاھیے تاکہ ان کی حس بیدار ہو ، اور وہ اپنے وطن کی محبت سے سرشار ہوں اور دیکھیں کہ خود ان کا وطن کس قدر پیارا اور حسین ھے ۔

وقت مقررہ پر باسل سے کے ۔ ایل ۔ ایم کا ھوائی جہاز رن وے پر آیا ۔ کپتان نے معذرت چاھی کہ مجھے راہ نہ ملنے کی وجہ سے پانچ منٹ کی تاخیر ھو رھی ھے ۔ جہاز نے ایک گھنٹے کے اندر آمسٹرڈم پہنچا دیا ۔ اب میں سوئٹزر لینڈ سے ھالینڈ میں آ گیا ۔

آمسٹرڈم کا تاریخی پس منظر

یہ شہر میں کئی بار دیکھ چکا ھوں ۔ اس سفر کے دوران صرف ایئر پورٹ پر اترنا اور آگے چلے جانا تھا ۔ رکنے کے لیے نہ کوئی مقصد تھا ، نہ پروگرام میں گنجائش تھی ۔ بایں ھمہ اس شہر کے تاریخی حالات سے متاثر ضرور ھوا ھوں ۔ دریائے ایمسٹل کے کنارے واقع ھونے کے باعث پورا شہر آمسٹرڈم کہلانے لگا ۔ یہ نیدر لینڈز یا پرانے نام کے اعتبار سے شمالی ھالینڈ کا سب سے بڑا شہر اور ھمیشہ سے ملک کا صدر مقام رھا ھے ۔ ایک عظیم بندرگاہ بھی ھے ۔ دنیا میں اسٹاک ایکسچینج کا سب سے بڑا مرکز ھے ۔ یہاں کے ھیرا تراش بہت مشہور ھیں جو زیادہ تر یہودی ھیں ۔ میں نے ھیرا تراشی کی یہاں فیکٹری دیکھی ھے ۔ خوب جگہ ھے ۔ زندگی میں پہلی بار اس کثرت سے ھیرے دیکھے تھے ! صنعت کاروں

کے علاوہ دانشوروں کا بھی مرکز ہے ۔ دریا کے ذریعہ سے اس کا تعلق بحرہ شمالی سے ہو جاتا ہے جو بیرونی تجارت اور آمد و رفت کا ذریعہ ہے ۔ دریا سے نکلنے والی نہروں کا جال ہر طرف پھیلا ہوا ہے جن پر چار سو کے قریب پل بنائے گئے ہیں ۔ نہروں کے ساتھ ساتھ قدیم وضع کے مکانات دیکھنے میں آتے ہیں ۔ نئی بستیاں جو کہ چوڑی سڑکوں اور بلند و بالا عمارتوں کی حامل ہیں ، ذرا دور واقع ہیں ۔ سب سے بڑی شاہراہ ڈام کہلاتی ہے جس پر پندرھویں صدی کا گرجا گھر اور سترھویں صدی کا ایک محل قابل دید عمارتوں میں شامل ہیں ۔ اس سڑک پر خرید و فروخت کے بڑے مراکز بھی ہیں ۔ اس شہر کی تشکیل تو ۱۳۰۰ء میں ہوئی تھی ، لیکن اصل روپ ۱۶۴۸ء میں نکھار پر آیا کیونکہ مقامی باشندوں نے جو وقتاً فوقتاً ہسپانیہ اور فرانس کے زیرنگیں رہے تھے ، جنگ آزادی شروع کر کے خود مختاری حاصل کر لی ، لیکن پورا استحکام عرصہ دراز تک حاصل نہ ہوسکا ۔ حتیٰ کہ ۱۸۰۴ء میں ملک کا دستور العمل تیار ہوا اور اس شہر کو صدر مقام بنا لیا گیا ۔ شہر میں کئی عجائب گھر ہیں جن میں قدیم اور جدید نوادر جمع ہیں ۔ ۱۶۳۳ء میں ایک یونیورسٹی قائم ہوئی جس نے ۱۸۷۶ء میں تشکیل نو کے بعد نہ صرف ملک بھر میں بلکہ سارے یورپ میں خاص اہمیت حاصل کر لی ۔ جناب محترم بھائی محمد شعیب صاحب کے ساتھ ایک بار ہالینڈ آنا ہوا تھا ۔ اس زمانے میں ہالینڈ کی ایک بڑی پھول منڈی دیکھی تھی کہ جو آمسٹرڈم سے ذرا فاصلے پر واقع ہے ۔ اس پھول منڈی سے دنیا بھر میں پھول فراہم کیے جاتے ہیں ۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ یہ پھول منڈی کس قدر وسیع و عریض ہے ۔ ٹنوں پھول روز آتے ہیں اور فروخت ہوتے ہیں ۔ اگر پروگرام میں گنجائش ہوتی تو میں

اس بار بھی اس شہر کا دیدار اس کی سڑکوں پر پہنچ کر کرتا ، لیکن میری پرواز ٹرانزٹ سے آگے نہ جاسکی ۔ ہوائی مسدان پر اتر کر میں ایک ماہر سیاح کی طرح ٹرانزٹ میں آگیا اور راولپنڈی کا ٹکٹ درست کرا لیا ۔ فارغ ہوکر ۳۸ ۔ سی گیٹ کی طرف جا رہا تھا کہ پی ۔ آئی ۔ اے کے جناب خالد عمر بھاگتے ہوئے آئے اور کہا : " سر ! انہوں نے بتایا تھا کہ جہاز ساڑھے آٹھ بجے آئے گا ۔ یہ تو کافی پہلے آگیا ۔ "

انہوں نے میرا ٹکٹ مانگا ۔ میں نے کہا آپ پریشان نہ ہوں میں نے یہ کام کرالیا ہے ۔ سامان میں نے پہلے ہی باسل سے راولپنڈی تک بک کرا دیا تھا تا کہ آسٹر ڈم پر مجھے سامان لینے جانا نہ پڑے ۔ آج کل کے ہنگامہ خیز ہوائی سفروں میں اس قسم کی بکنگ کبھی تکلف دہ بھی ہو جاتی ہے ۔ یعنی سامان منتقل کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے ۔ مثلاً یہ عین ممکن ہے کہ کے ۔ ایل ۔ ایم کا عملہ میرا سامان پی ۔ آئی ۔ اے میں منتقل نہ کرے ۔ تاہم ایسا کم ہوتا ہے ، مگر ہوتا ضرور ہے ۔ اس لیے کم از کم یورپ کے ہوائی میدانوں پر سامان جا کر لینا مشکل نہیں ہے ۔ یہاں سامان اتنی دیر میں باہر آ جاتا ہے کہ مسافر جہاز سے اتر کر باہر رپورٹ درج کرا کے نیچے یا اوپر سامان لینے آئے ۔ اس میں شاید پانچ چھے منٹ لگتے ہیں ۔ میں نے میاں خالد عمر صاحب سے کہا :

۱۔ سب سے پہلے میں سفیر پاکستان جناب سجاد حیدر صاحب سے ٹیلی فون پر بات کرنا چاہتا ہوں ۔ انہوں نے اپنے دفتر سے سفیر صاحب کا ٹیلی فون نمبر لا کر ڈاک خانے کے ٹیلی فون سے میری بات کرادی اور کال کے پیسے اپنی جیب سے ادا کر دیے۔

۲۔ مجھے اب کسی ایسی جگہ بیٹھا دیجیے کہ جہاں

میں دو گھنٹے میں کوئی تحریری کام کرلوں ۔ آمسٹر ڈم کے ہوائی میدان پر ایسی جگہیں بکثرت ہیں کہ کیوبیکل میں اندر بیٹھ کر آزادی سے کام کریں ۔

۳- دو فینسی پوسٹ کارڈ لا دیجیے ۔ وہ ۴ لے آئے اور پیسے نہیں لیے ۔ میرے پاس ایک امریکی ڈالر تھا ، مگر وہ ان کے کام نہ آیا ۔ میں نے ایک کارڈ دھلی لکھ کر اور دوسرا بغداد ڈاکٹر سہیلہ الجبوری کو لکھ کر خالد عمر صاحب کے حوالے کر دیا کہ وہ پوسٹ کر دیں ۔

رات کے ۱۱ بجے خالد عمر صاحب آئے اور پی ۔ آئی ۔ اے کے ڈسٹرکٹ منیجر بھی آئے ۔ دونوں نے ازراہ کرم مجھے پی ۔ آئی ۔ اے کے جہاز میں میری پسندیدہ نشست پر لا کر بیٹھا دیا ۔ میں ان دونوں کا ممنون ہوں اور خالد عمر صاحب کی بلندیِ درجات کے لیے دست بہ دعا ہوں ۔

اب میں گویا پاکستان میں ہوں !

جہاز کم و بیش تین گھنٹے کے بعد استنبول کے ہوائی میدان پر اترا ، جہاں تک میں کھانا نوش جان کرکے دو گھنٹے سو بھی چکا تھا ۔ اب یہ جہاز اسلام آباد کی جانب رخ کیے اڑا چلا جا رہا ہے اور میں یہ روزنامچہ ختم کر رہا ہوں ۔ اب ۲۰ - ۲۵ منٹ بعد یہ سفر کہ جو ۱۲ ستمبر کو شروع ہوا تھا ، ختم ہوگا ، الحمد للہ ۔ بخیر و عافیت وطن واپسی ہو رہی ہے ۔

۲۸ - ستمبر ۱۹۷۹ء ، جمعۃ المبارک ، اسلام آباد

شب گزشتہ جب میں باسل سے روانہ ہوکر آمسٹر ڈم

(ھالینڈ) کے ھوائی میدان پر اترا تو پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے نمائندے نے تواضع کا انتظام کرنا چاھا۔ میں نے ان کو منع کر دیا۔ میں نے کہا کہ اب میں اپنے وطن کے ھوائی جہاز پر سوار ھوکر وھاں کچھ کھانا پینا کر لوں گا۔ انہوں نے کہا، "جہاز پر کھانا دیں گے۔ بڑا اچھا ھوگا، لندن سے تیار کرا کے رکھا جاتا ھے۔" میں پاکستان کے وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے صحیح وقت پر اسلام آباد کے ھوائی میدان پر اترا۔ میں وی۔آئی۔پی روم میں اتر گیا۔ ھمارے دفتر کے لوگ اور ھمدرد کے زونل منیجر صاحب غیر حاضر تھے اور بعد میں وہ بڑی تلاش کے بعد ملے۔ میں ان چیزوں کا برا نہیں منایا کرتا اور نہ شکایت کرتا ھوں۔ یہ ان کے سوچنے کی بات ھے کہ وہ کیا کریں۔ میرا کام یہ ھے کہ میں در گزر کروں۔ بارے تمام "فار میلٹیز" طے ھوگئیں، مگر میں خاصا "ڈسٹرب" ھوگیا۔ کچھ دیر بعد پرائیویٹ سکریٹری صاحب سرکاری فائل بھی میرے سرکاری دفتر سے لے آئے تھے۔ میں نے اھم فائلوں کو ایئر پورٹ ھی پر دیکھ لیا اور پورے کرکے دیدیے۔ بعض فائل غور کرنے کے تھے، ان کو اپنے ساتھ اب کراچی لے جا رھا ھوں۔

جہاز جس سے میں نے آسٹرڈم سے اسلام آباد تک سفر کیا ھے اس میں فرسٹ کلاس میں محترمی جناب جسٹس انوارالحق صاحب اور ان کی اھلیہ بھی سفر کر رھے تھے۔ ان سے جہاز میں ملاقات نہ ھوسکی۔ میں فرسٹ کلاس اور ٹورسٹ کلاس کے فرق کو جانتا ھوں۔ میں قصداً ان کو سلام کرنے نہیں گیا۔ یوں تو شدت سے دل چاھا کہ ان کی اور خاص طور پر محترمہ بیگم صاحبہ کی مزاج پرسی کروں مگر اتنے میں کہ میں انٹر کلاس سے اتر کر وی۔آئی۔پی روم میں ان کی خاطر گیا، وہ موٹر میں بیٹھ کر جا چکے تھے اور

ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی ۔ ایک بجے وہی جہاز کہ جو لندن۔ آسٹرڈم ۔ استنبول ہوتا ہوا اسلام آباد اترا ہے ، اب کراچی جا رہا ہے ۔ میں اسی جگہ بیٹھا ہوں کہ جہاں آسٹرڈم سے بیٹھ کر آیا تھا ۔ استنبول سے اس جہاز پر عزیز من خضر نقوی (معاون کپتان / پائلٹ) بھی سوار ہوئے ۔ ان کو معلوم ہوگیا ، ملنے آئے تھے ۔ ان کو لندن کے کوائف بتادیے ہیں ۔ اس جہاز پر کراچی تک وہ بھی ہم سفر ہیں ۔ جہاز میں ایئر ہوسٹس صاحبہ نے لیمن ڈراپ دیے ۔ ان میں سے ایک بہ ظاہر ولایتی تھا اور ایک پاکستانی ۔ میں نے پہلے ولایتی منہ میں رکھ لیا ۔ کاغذ دیکھا تو واقعی وہ پیسکل کا بنا ہوا تھا ۔ میرے دل میں فوراً ہی خیال آیا کہ پہلے پاکستانی مٹھائی چوسنی چاہیے تھی اور ولایتی بعد میں تاکہ منہ کا مزہ اچھا رہتا ۔ میں نے یہ بات لکھ کر اس مسئلے کو واضح کرنا چاہا ہے کہ آسٹرڈم کے ہوائی میدان پر پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے نمائندے نے جو بات بلا اختیار کہی تھی بالکل وہی بات میرے ذہن میں بھی آئی اور بلا اختیار آئی ۔ دراصل یہ ایک اہم اور سنگین قومی مسئلہ ہے ۔ جب میں اس میں بلا اختیار گرفتار ہو سکتا ہوں تو قوم کا ہر فرد اس انداز پر غور کرسکتا ہے اور واقعۃً کر رہا ہے ۔ ہمیں اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہے ۔ میرے ذہن میں بلا شبہ یہ ہے کہ پاکستان کا صنعت کار آج اپنے ایمان کی ناپختگی کی وجہ سے اور صنعت کا کارکن اپنے فکری انتشار کی وجہ سے اور جائز و ناجائز کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے مصنوعات کے معیارات برقرار نہیں رکھ رہا ہے ۔ اس سنگین صورت حال میں وزارت ہائے متعلقہ کے بیوروکریٹس اور نا سمجھ سیکشن آفیسرز بھی شریک ہیں ، کیونکہ ان کی وجہ سے صنعت کار نہ صرف یہ کہ پلاننگ نہیں کرسکتا

بلکہ عدم فراھمیِ خام مال کی وجہ سے معیارات قائم نہیں رکھ سکتا ۔ اس کا نتیجہ یہ ھے کہ پاکستان کی مصنوعات نہ صرف پاکستان میں نا مقبول ھیں بلکہ پاکستان سے باھر بھی ان کا کوئی مقام نہیں ھے ۔ پاکستان میں غیر ملکی مصنوعات جائز اور ناجائز دونوں طریقوں سے بکثرت اور بے حساب درآمد ھو رھی ھیں ۔ پاکستان کا ھر فرد ان بلند معیارات سے آگاہ ھے ۔ وہ ان غیر ملکی مصنوعات کا مقابلہ ملکی مصنوعات سے کرتا ھے اور یقیناً ملکی مصنوعات کو کم درجہ پاتا ھے ۔ باھر کے ممالک بالخصوص مغربی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں نے مصنوعات کے معاراب کو اس درجہ بلند کردیا ھےکہ پاکستان کا صنعت کار اس کے بارے میں اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے سوچ بھی نہیں سکتا ۔ وہ خود لکیر کا فقیر ھے اور باھر کے حالات سے بے خبر یا بے توجہ ھے ۔ اس صنعت کار کی طرح حکومت کے بیوروکریٹس بھی صنعت کے جینے کا سامان نہیں کرتے ، اس لیے وہ ملک کے اندر اور باھر دونوں جگہ مارکھا رھی ھے ۔ اس مسئلے کو ھر پہلو سے غور کرکے سمجھنا چاھیے اور اس کا حل تلاش کرنا چاھیے ۔ لیکن اب یہ جہاز کراچی کے ھوائی میدان پر اتر رھا ھے اور میں اپنی اس تحریر کو بند کر رھا ھوں ۔ جہاز ڈھائی بجے اترے گا ۔

گھر آیا اور ذرا دیر سستایا ۔ ساڑھے پانچ بجے اپنی سکریٹری خانم ڈی سلوا کو بُلایا تھا ۔ ان کو ۷ بجے تک تمام ھدایات دیں ۔ دفتر کے فائل رات ۹ بجے تک ختم کر دیے ھیں ۔

میں اب تک تمام کام ختم کرچکا ھوں ۔ کم و بیش ۱۰۰ صفحات اس دورے میں رپورٹوں وغیرہ کی شکل میں لکھ دیے تھے ۔ نامہ ھائے تشکر آمسٹرڈم تک کے لکھ کر آج ڈاک میں ڈال دیے ھیں ۔ کوئی کام باقی نہیں ھے ، الحمد للہ ۔

اوسٹریلیا
کا ایک اور دورہ، ۱۹۸۰ء

روم (اٹلی) میں سیاحوں کے لیے ایک فوارہ بڑی دل چسپی کی جگہ ہے ۔ یہاں لوگ آتے ہیں اور اٹلی کا کوئی ایک سکہ اس میں ڈال دیتے ہیں ۔ شگون یہ ہے کہ جو شخص سکہ ڈالتا ہے اسے روم کی ایک بار اور سیر کا موقع مل جاتا ہے ! یہ ایک روایت ہے کہ جو عرصہٴ دراز سے چلی آ رہی ہے ۔ خدا جھوٹ نہ بلائے ، میں نے بھی کم از کم تین بار تو اس فوارے میں سکہ ڈالا ہے ! سال گزشتہ (۱۹۷۹ء) میں بہ سلسلہٴ کنگرس عالمی طب ایشیائی ، کینبرا (دارالحکومت اوسٹریلیا) گیا تھا ، اور قیام اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں کیا تھا ۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اس یونیورسٹی سے بے حد متاثر ہوا تھا ۔ اتنی بڑی یونیورسٹی ہے کہ جب تک نقشہ ہاتھ میں نہ ہو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا مشکل ہے ۔ پھر ایسا پیچیدہ ماحول ہے اور ایسی پیاری فضائے علمی ہے کہ کون کافر ہے کہ اس دور کی غیر تعلیمی فضاؤں سے کہ جہاں عالِم کا دم گھٹ گھٹ جاتا ہے ، بھاگ کر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی آنا نہ چاہے ! سال گزشتہ تو ہوا یہ کہ میں طبی کنگرس میں بری طرح مصروف رہا ۔ اتنی بڑی کنگرس میں کہ جہاں ہندستان سے کم از کم ۵۰ مندوبین ، چین سے آٹھ ، ملائشیا سے بارہ ، انڈونیشیا وغیرہ سے متعدد ، امریکا ، برطانیہ ، ہالینڈ ، سوئزرلینڈ وغیرہ سے درجنوں اور خود اوسٹریلیا سے متعدد مندوبین حصہ لے رہے ہوں پاکستان سے یکہ و تنہا میں تھا ۔ اور میں عملاً ایسٹرن میڈی ٹریننگ ایجنسی کی نمائندگی کر رہا تھا اور صحیح تو یہ کہ طب یونانی / عربی کا نمائندہ تھا ۔ حالات نے مجھے بے انتہا

مصروف رکھا ، حتیٰ کہ عملاً میں سڈنی سے کینبرا کے ہوائی میدان پر اتر کر یونیورسٹی پہنچا اور پھر کنگرس کے اختتامی اجلاس سے اٹھ کر سیدھا کینبرا کے ہوائی میدان پر آ گیا ۔ دارالحکومت میں گیا ہے، دیکھا تک نہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مرکز علم و حکمت کو دیکھ لیا تو پھر اور باقی کیا رہ جاتا ہے ! مگر مرکز علم و حکمت کو بھی نہ دیکھ سکا تھا ۔

روم کے فوارے میں سکہ ڈالا تھا ، بارہا ڈالا تھا ، بار بار وہاں گیا ہوں ۔ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں دل پھینکا ہے ! اب دل بار بار آئے گا !

اس سال (۱۹۸۰ء) اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کو یہ فخر و امتیاز حاصل ہو رہا ہے کہ وہاں " کنگرس عالمی صحیفہ ربانی" انعقاد پذیر ہو رہی ہے ۔ ماشاء اللہ ۔ اس کنگرس عالمی کی اطلاع سال گزشتہ ہی مجھے مل گئی تھی کہ جب میں ابھی اوسٹریلیا گیا بھی نہیں تھا ۔ اور جب وہاں پہنچا تھا کہ ڈاکٹر اے ۔ ایچ ۔ جوھنز صاحب ملے تھے اور انہوں نے بڑے خلوص و انس کے ساتھ مجھ سے کہا تھا کہ میں نہ صرف اس کنگرس میں شرکت کروں ، بلکہ اس کار خیر میں ان کے ساتھ تعاون بھی کروں ۔

آغاز ۱۵ ویں صدی ھجری

پاکستان میں اور پاکستان سے باہر کون واقف نہیں ہے کہ اس تحریک کا آغاز کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے ۔ یہ ۱۹۷۴ء فروری کی بات ہے کہ پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ لاھور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد ہوا ۔ اس موقع پر میں نے تمام سربراھان ممالک اسلامیہ کی خدمت میں تحریری طور پر یہ تجویز پیش کی کہ اب سے تقریباً سات سال بعد اسلام کی

۱۴ ویں صدی اختتام کو پہنچ رہی ہے اور عالم اسلام ۱۵ ویں صدی ہجری میں داخل ہو رہا ہے۔ اس کی انگریزی تاریخ ۹ نومبر ۱۹۸۰ء ہوگی۔

میں نے تجویز پیش کی کہ اس موقع کو پوری اہمیت دینی چاہیے اور یہ عزم کرنا چاہیے کہ پورا عالم اسلام بکمال دیانت و امانت اور بکمال فہم و فراست اپنی چودہ صدیوں کا حقیقت پسندانہ اور دیانت دارانہ جائزۂ کامل لے اور اس جائزۂ کامل کی روشنی میں ۱۵ ویں صدی ہجری کے لیے ایک سو سال کا ایک جامع منصوبۂ عمل تیار کرے اور اس منصوبہ پر عمل کے ساتھ اور پوری انقلاب انگیز توانائیوں کے ساتھ ۱۵ ویں صدی ہجری میں قدم زن ہو۔ ماضی کی فروگزاشتوں اور ماضی کی پیش رفتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعمیر کی عظمتوں کے ساتھ نئی صدی کا استقبال کیا جائے اور نظام اسلامی اور شریعت محمدی کو کاملاً اختیار کر کے عظمت اسلامی کا مظاہرہ کیا جائے اور تمام عالم کو درس امن و یقین دیا جائے۔ میرا یہ مراسلہ بنام سربراہان عالی مقام عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں تھا۔

منصوبہ بندی

تحریکات کہ جو اس نوعیت کی ہوتی ہیں اور انقلاب انگیزی جن تحریکات کی دعوت ہوتی ہے ان کے بارے میں تاریخ نے ہمیشہ یہ شہادت دی ہے کہ ایسی تحریکات اپنے محرکین کی حیات مستعار میں تکمیل کو نہیں پہنچا کرتی ہیں۔ تاریخ عالم میں ایک اور صرف ایک مثال ایسی ہے کہ آن حضور سرورکائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ و سلم نے تحریک اسلامی کا آغاز کیا اور ان کی حیات طیبہ میں یہ تحریک بہر طور اور بہر نوع

کام یاب ہوئی ۔ اسلام کرۂ ارض پر پوری معنویت اور مقصدیت کے ساتھ پھیل گیا ۔ بس اس کے علاوہ کوئی دوسری مثال تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے ۔

عالم اسلام اپنی ۱۵ ویں صدی ہجری میں پوری معنویت و مقصدیت کے ساتھ داخل ہو، اس تحریک کا تعلق براہ راست اسلام سے ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو تحریک قلب پاکستان سے شروع ہوئی اس نے ایک عالمی تحریک کی صورت اختیار کرلی اور نہ صرف سارا عالم اسلام آغاز ۱۵ ویں صدی ہجری کو اہمیت تامہ دے رہا ہے بلکہ اسلام سے باہر دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک اس موقع کو کمال اہمیت دے رہے ہیں ۔ میرے لیے ایک محرک کی حیثیت سے یہ صورت حال وجہ طمانیت ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ میں اس کو اپنی بخشش کے لیے اہمیت دیتا ہوں اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں کہ اس کے فضل و کرم سے اور اس کی رہنمائی کی بدولت میرے ہاتھوں یہ نیک کام ہوا ہے ۔

ارگنائزیشن اوف دی اسلامک کانفرنس (جدہ) نے مجھے دعوت دی کہ میں اس عنوان پر ایک منصوبہ تیار کروں ۔ چوں کہ جدہ کو اس تحریک کے لیے اقدامات کرنے کے لیے مرکزیت حاصل ہوئی اور وزرائے خارجہ ممالک اسلامیہ نے اپنے استنبول کے اجلاس میں اس تحریک کو منظوری کی سند دی ، اس لیے محرک کی حیثیت سے مجھے منصوبہ بندی کی دعوت دی گئی اور میں نے یہ خدمت سر انجام دینے کا فخر و اعزاز حاصل کیا ۔ یہ منصوبہ عربی اور انگریزی زبانوں میں تمام دنیا میں بھجوا دیا گیا اور تمام دنیا اسی بنیادی منصوبے کو اپنے لائحۂ عمل کے طور پر اختیار کرچکی ہے ۔

شدید خطرات

مرے دل و دماغ ایک لمحے کے لیے بھی اس قسم کے خطرات سے خالی نہیں رہے ہیں کہ اس عظیم و جمیل موقع پر طاغونی طاقتیں اپنی توانائیوں کا مظاہرہ نہ کریں اور اس موقع مسرت کو کسی حادثۂ جانکاہ میں بدل کر نہ رکھ دیں۔ اور خود عالم اسلام کی جانب سے مجھے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس تقریب کی اہمیت کو نظر انداز کر کے اسے محض ایک جشن نہ بنا دیں، جیسا کہ اس وقت عالم عرب اور دنیائے اسلام کا مزاج ہے۔ اسلامی سکریٹری ایٹ، جدہ میں بہ حثیت مشیر میں نے بیٹھ کر منصوبہ بندی کو جشن کا رنگ نہ دیے جانے کی جدوجہد کی ہے۔ اور بشادی منصوبے کے علی الرغم کم از کم ۱۶ تجاویز ایسی نیار کر دی ہیں اور ان کو سرکولسٹ کر دیا گیا ہے کہ اگر ان پر عالم اسلام نے عمل کرلیا تو ۱۰ ویں صدی ھجری عالم اسلام کی عظمتوں اور اھل اسلام کی رفعتوں کی ضمانت بن جائے گی۔ مس دست بہ دعا ھوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عالم اسلام کو عالم طاغوت کی دست برد سے محفوظ فرمائیں، اور ھم پوری معنویت و مقصدیت کے سانھ اور مثبت منصوبہ بندیوں کے ساتھ ۱۰ ویں صدی ھجری مس داخل ھوجائیں۔

اللہ تعالیٰ عالم اسلام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین۔

اوسٹریلیا میں قرآن کانگرس

عالم اسلام سے باھر اوسٹریلیا میں بہ سلسلۂ ۱۰ ویں صدی ھجری یہ اولین عالمی اجتماع ہے، اور اس کا موضوع ہے "قرآن چودہ سو سال کے دوران"۔ اس اقدام کا فخر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ جوھنز صاحب کو حاصل ھوا

ھے ۔ انہوں نے اس موقع پر جو دعوت نامہ جاری کیا ھے وہ میں درج ذیل کرتا ھوں کہ اس سے اندازہ ھو سکے گا کہ جوھنز صاحب اور ان کے رفقائے کار کا انداز فکر کیا ھے :

ابتدائی اعلان
قرآن پاک : ۱۴ سو سال کے دوران

چودھویں صدی ھجری کی نشان دھی کے لیے قرآن پاک سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرنس کینبرا میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے زیر انتظام عمل میں آنی ھے ۔ سعودی عرب کے صدر مقام ریاض میں قائم شدہ ”جامعہ اسلامیہ امام محمد ابن سعود“ اس کے انتظامات میں شریک ھوگی ۔ اجلاس کینبرا میں ۱۱ تا ۱۶ مئی ۱۹۸۰ء (مطابق ۱۸ تا ۲۳ جمادی الآخر ۱۴۰۰ ھجری) منعقد ھوگا ۔

کانفرنس کی وسعت عمل

کانفرنس کو ایسے مقالات مطلوب ھیں جو علمی اجتماعات میں مندرجہ ذیل عنوانات پر تبادلِ خیالات کے موضوعات بن سکیں :

- قرآن پاک میں شرع اسلامی کا تصور ۔
- قرآن پاک کا معاشرتی اور سیاسی کردار اور ان کا باھمی تعلق ۔
- قرآن پاک کا اقتصادی اور سیاسی تعلق ۔
- قرآن پاک کی افہام و تفہیم اور شرح میں احادیث نبوی صلعم کا کردار ۔
- قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کی عبادت ، روحانیت اور علم کا ذکر خیر ۔
- قرآن پاک کی ادبی حیثیت ۔

- قرآن پاک کی صوفیانہ اور فلسفیانہ حدود ۔
- قرآن پاک کی تفسیر ، قدیم اور جدید انداز فکر کے ساتھ ۔
- قرآن پاک کا مطالعہ غیر اسلامی جمعیتوں مىں ۔

ترسیل بنام

- طلبۂ اسلام ، جن کو مطالعۂ قرآن پاک اور اسلامی جمعیتوں میں قرآن پاک کے کردار اور اس کی تشریحات سے خاص دلچسپی ہو ۔
- تقابلی مذاھب کے طالبان علم ۔
- غیر ماھرین جو مغربی یورپ کے روایتی ماحول سے بے غرض جمعیتوں مىں مذہبی زندگی کے کردار اور مفہوم سے تعلق رکھتے ہوں ۔

نصب العین

- مطالعۂ قرآن پاک کے لیے معقول درسی خدمات انجام دینا ۔
- مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے ایک مرکز اجتماع فراہم کرنا تا کہ وہ آپس میں اجتماعی اور انفرادی طور پر تبادل خیال کرسکیں کہ ان کی دانست میں قرآن پاک کا کردار بیسویں اور اکیسویں صدیوں مىں کیا ھوسکتا ھے ۔
- غیر مسلموں کی دنیا میں واضح طور پر سب لوگوں کو بتانا کہ قرآن پاک کا کردار کیا ھے اور جمعیت اسلامیہ میں وہ کیا کردار ادا کرسکتا ھے ۔
- اوسٹریلیا میں اسلامی اور عربی مطالعات کی ترقی میں حصہ لینا ۔

مجلس انتظامیہ

چیئرمین اور انتظامی سکریٹری :

پروفیسر اے۔ ایچ۔ جوھنز، بی اے، پی ایچ ڈی (لندن)، ایف اے ایچ اے (ڈین، فیکلٹی اوف ایشین اسٹڈیز، اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی)

شریک چیئرمین :

ڈاکٹر ایم۔ اے۔ ال اریان، بی اے، ڈپلوما اوف ایجوکیشن، ایم اے، ڈاکٹر اوف ایجوکیشن، (ھڈ، ڈیپارٹمنٹ اوف کلچرل اسٹڈیز، گول برن کالج برائے اضافی تعلم)

ارکان مجلس :

- پروفسر اے۔ ایل۔ باشم، بی اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ (لندن)، اعزازی ڈی لٹ (کرک)، ایف ایس اے، ایف اے ایچ اے (هیڈ، ڈیپارٹمنٹ اوف ایشین سویلیزیشنز، فیکلٹی اوف ایشین اسٹڈیز، اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی، صدر، ایشین سوسائٹی اوف کینبرا)
- پروفیسر ایمے ریٹس، جے بومین، ایم اے، بی ڈی (گلاسگو)، ڈی فل (اوکسن)، ایف اے ایچ اے (ڈیپارٹمنٹ اوف مڈل ایسٹرن اسٹڈیز، میلبرن یونیورسٹی)

ڈاکٹر عبدالخالق قاضی، بی اے، پی ایچ ڈی (لندن)، مولوی فاضل، من علماء الازهر، قاهره (سینئر لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ اوف مڈل ایسٹرن اسٹڈیز، میلبرن یونیورسٹی)

- ڈاکٹر ڈی۔ ڈی لیزلی، بی ایس سی (لندن) ڈپلوما، چینی، ایم لٹ (کیمبرج)، ڈاکٹریٹ دا یونیورسٹی (پیرس)، (سینئر لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ اوف هسٹری، اسکول اوف لبرل اسٹڈیز، کینبرا کالج برائے اضافی تعلیم)

- ہاشم بن عبدالرحمٰن (صدر ، اسلامک سوسائٹی اوف کینبرا)
- ڈاکٹر ایس ۔ ایس ۔ رچرڈ سن ، سی بی ای ، ایم اے (اوکسن)، ایل ایل ڈی (اے بیلو) لنکن ان ، بیرسٹر ایٹ لا (پرنسپل ، کینبرا کالج برائے اضافی تعلیم)
- ڈاکٹر ایس ۔ اے ۔ اے ۔ رضوی ، ایم اے ، پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ (آگرہ) ، ایف اے ایچ اے (ریڈر ، ڈیپارٹمنٹ اوف ایشین سویلزیشنز ، فیکلٹی اوف ایشین اسٹڈیز ، اوسٹریلن نیشنل یونیورسٹی)
- ڈاکٹر احمد ایم ۔ ایچ ۔ شبول ، لا ایل (دمشق)، پی ایچ ڈی (لندن) ، (لیکچرار ، ڈیپارٹمنٹ اوف سیمے ٹک اسٹڈیز ، سڈنی یونیورسٹی)
- ڈاکٹر ایس ۔ سوئباردی ، ایم اے (انڈونیشیا) ، پی ایچ ڈی (اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی) ، (ریڈر ، ڈیپارٹمنٹ اوف انڈونیشن لینگویجز اینڈ لٹریچر ، فیکلٹی اوف ایشین اسٹڈیز ، اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی)

سمندر پار کے صلاح کار :

- شیخ احمد صالح جم جوم
- شیخ عبداللہ وائی الشبلی (سکریٹری ، اسلامک یونیورسٹی اوف امام محمد ابن سعود ، ریاض ، سعودی عرب)
- ڈاکٹر عبداللہ نصیف (وائس چانسلر ، کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی ، جدہ)
- ڈاکٹر حسن بجودا (ہیڈ ، ڈیپارٹمنٹ اوف عربک ، کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی ، مکہ)

شرکائے منتظمین :

- ایشین سوسائٹی اوف کینبرا

● اسلامک سوسائٹی اوف کینبرا

میرا عزم

سال گزشتہ جب میں اوسٹریلیا گیا تھا توکینبرا میں ڈاکٹر جوھنز صاحب سے ملاقات سرسری ھوئی تھی مگر میں قرآن کنگرس کے بارے میں ان کے عزائم سے واقف تھا اور با خبر۔ کینبرا میں بھی ان سے معلومات حاصل ھوئی تھیں ، مگر نہ تو مجھے ڈاکٹر جوھنز صاحب کی افتاد طبع کا کوئی اندازہ تھا اور نہ وہ مرے بارے میں کچھ زیادہ جانتے تھے۔ بایں ھمہ میں نے اپنے دل میں پوری قطعیت کے ساتھ یہ طے کرلیا کہ قرآن کنگرس کے انعقاد کے لیے میں ڈاکٹر جوھنز صاحب کی پوری پوری مدد کروں گا۔ عالم اسلام سے بہت دور ایک انسان نے بڑی جراب کی ھے۔ میں نے فیصلہ کیا ھے کہ اس جراب کی میں پوری طرح داد دوں گا۔ اس فیصلے میں مرا یہ جذبہ بھی کار فرما رھا ھےکہ آغاز پندرھویں صدی ھجری کو معنویت کے ساتھ منانے کی تحریک میں نے شروع کی ھے اور اب خود میرا بھی یہ فرض ھے کہ میں اس شخص سے تعاون کروں کہ جو اس میدان میں اپنے خلوص و آنس کے مظاھرے کے لیے آمادہ و تیار ھو !

۶ - مئی ۱۹۸۰ء ، منگل ، کراچی

اب تو صبح تین بجے اٹھنا معمولات میں داخل ھو رھا ھے۔ میں اس سے خوش ھوں۔ رات کو جلد سو جانے کا ایک فائدہ تو بدیہی طور پر یہ ھے کہ میں اب رات کے کھانوں میں شرکت سے

معذرت کر رہا ہوں۔ اس سے وقت بچتا ہے اور کوفت میں کمی۔ کوفت کی بات یہ ہے کہ صبح تین بجے سے رات کے آٹھ بجے تک تسلسل کے ساتھ کام کرنے کے بعد دماغی کام نہیں ہوسکتا۔ میں اب اس محنت کے بعد کوئی پر مغز تحریری کام کا اہل نہیں رہتا۔ ہاں جسمانی کام کا اہل ضرور رہتا ہوں، مگر اس درجہ دماغی و ذہنی مشقت کے بعد جسمانی کام بھی کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اب اس سے گریز کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پھر بھی بعض جگہ انکار ممکن نہیں ہوتا۔ میں اگر نہ جاؤں تو مجھے کسی کو بلانا بھی ہوتا ہے۔ کسی کا کھاؤں تو جواب میں مظاہرۂ اخوت و خلوص ناگزیر ہے۔ میں اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ میں بے حد مصروف ہوں۔ اس کے باوجود میل ملاپ، یار باشی نہیں مگر دوست باشی میری زندگی کا لازمہ ہے۔ اس سے دست کشی ممکن نہیں۔

شکر کی قلت

شب گزشتہ جب ساڑھے آٹھ بجے میں اپنے ڈیسک پر سے اٹھا تو آج صبح کے لیے کام کا نقشہ جما لیا تھا۔ چار بجے قلم سنبھالا اور مصروف ہوگیا۔ ان دنوں شکر کی بڑی قلت ہے اور "روح افزا" کی سپلائی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ عوام کو شدید مشکلات اور شکایات ہیں۔ مناسب خیال کیا گیا ہے کہ روح افزا کا ایک اشتہار معذرت کے لیے شائع کیا جائے۔ آج صبح میں نے اس اشتہار کی کاپی لکھ دی ہے۔ یہ کاپی لکھ کر بڑا اطمینان ہوا۔ میں نے اس میں ایثار و قناعت کے انسانی وصف کا ذکر کیا ہے۔ حکومت کی مشکلات کا اشارہ کرکے اشارتاً مشورہ دیا ہے کہ اسے صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز قائم کرنا چاہیے۔

روح افزا کی بجا طور پر تعریف کی ہے ۔

تین جون کی اہمیت

راولپنڈی میں شام ہمدرد کی تاریخ ۳ جون ہے ۔ میں تین جون کو بڑی اہمیت دیتا ہوں ۔ ۳ جون کو قیام پاکستان کا اولین اعلان ہوا تھا ۔ اس شام قبل مغرب وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن ، پنڈت جواہر لال نہرو اور آخر میں جناب قائد اعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا ریڈیو سے اعلان کیا تھا کہ آزادی طے ہوگئی اور اگست میں ہندستان اور پاکستان دو حکومتیں معرض وجود میں آجائینگی ۔ پاکستان کے لیے یہ پہلا حتمی اعلان تھا ۔ جناب انصار ناصری صاحب ان دنوں آل انڈیا ریڈیو میں تھے ۔ اس اعلان کے دن نئی دھلی ریڈیو میں ان کی ڈیوٹی تھی ۔ ان کے پاس تقریر کا ٹیپ بھی ہے جو انہوں نے مجھے ھدیہ کر دیا تھا ، مگر ہنوز ان ھی کے پاس امانت ہے ۔ دھلی میں میں نے یہ اعلان سنا تھا تو میرے دو استاد اس وقت دوست کی حیثیت سے میرے ساتھ تھے ۔ ماسٹر ممتاز حسین اور موسیو اقبال حسین ۔ اس اعلان میں واقعی جوش و خروش تھا ۔ میں اس دن کے اپنے تاثرات کو آج بھی محسوس کرسکتا ہوں ۔ ایک تاثر یہ بھی ہے کہ میں سیاسیات ہند کے باب میں حتمی رائے یہ رکھتا تھا کہ ہندستان میں انگریز اب رہ ھی نہیں سکتا ۔ دوسرے یہ کہ اب پاکستان کا بننا مقدر ہوچکا ہے ۔ میں اپنے یقین کی بنا پر مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں کراچی آگیا تھا ۔ اور ان ھی دنوں کرنل بیگ سے ملاقات کر کے سندھ انڈسٹریل ٹریڈنگ ایسٹیٹ میں ہمدرد کے لیے ایک قطعۂ زمین میں نے حاصل کرلیا تھا ۔ پھر ان ھی دنوں ہمدرد ھیر آئل کے لیے کارٹن طبع کرائے تو ان پر پتہ میں نے ہمدرد کراچی

چھپوایا ۔ ان دنوں میرے یہ تمام اقدامات بعض لوگوں کے لیے وجۂ تمسخر بنے ۔ حتیٰ کہ میرے بھائی جان محترم کو میرے یہ اقدامات بھلے معلوم نہ ہوتے تھے ۔ بالآخر ۳ جون سنہ ۱۹۴۷ء کو اعلان ہوا اور میرے اقدامات صحیح ثابت ہوئے ۔ خیر آج میں نے شام ہمدرد راولپنڈی کے پروگرام کو آخری شکل دیدی ہے ۔ صدر مجلس جناب مولانا محمد سعید صاحب ، مہمان مقرر جناب انصار ناصری صاحب ، کلمات ابتدائیہ جناب کرنل محمد خاں صاحب ، کلمات شکر جناب بریگیڈیئر کرار احمد صاحب ۔ ان سب احباب کو خطوط لکھ دیے ہیں ۔ جناب انصار ناصری صاحب سے میں نے پہلے ہی طے کرلیا تھا ۔

میں نے آج ہی یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ۳ جون کی اہمیت پر ایک پریس بیان جاری کروں اور مدیران جرائد ، نیز ریڈیو اور ٹیلے وژن وغیرہ کو متوجہ کروں ۔ اس ذیل میں میں نے مضمون تیار کرکے انوری صاحب اور برکاتی صاحب کو غور و فکر کے لیے دیدیا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد میں اس ذیل میں مناسب اقدامات کروں گا اور صدر مملکت پاکستان کی توجہ بھی مبذول کراؤں گا کہ وہ اس دن قوم سے خطاب پر غور فرمائیں ۔

میدان طب میں عالمی پیش رفت

طب کے میدان میں جو پیش رفت عالمی سطح پر ہو رہی ہے اور پاکستان اور کویت میں جو ہو رہا ہے اور چین و ہند میں جو پیش قدمی اس میدان میں ہو رہی ہے اس کا احاطہ ایک خط کی صورت میں آج کرلیا ہے ۔ آج میں نے ایک اہم خط تمام دنیا کے وزرائے صحت کے نام تیار کیا ہے ۔ ان کو اس میدان میں دعوت فکر دی ہے ۔ نیز ان کے ہاں جو اقدامات ہو رہے ہیں

ان سے باخبر رکھنے کی درخواست کی ہے۔ یہ خط نہایت اہم ہے۔ غالباً ۱۷۱ وزرائے صحت ہیں کہ جو عالمی ادارۂ صحت کے رکن ہیں۔ ان سب کو یہ خط جائے گا اور یہ خط میموری ٹائپ رائٹر پر ہمدرد میں تیار ہوگا۔ یعنی ہر خط انفرادی حیثیت کا حامل ہوگا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ چھپوا لیا جائے یا سائکلو اسٹائل کرا لیا جائے۔ میموری ٹائپ رائٹر بڑی عجیب مشین ہے جو میں نے ہمدرد میں اضافہ کی ہے۔ اس ٹائپ رائٹر میں حافظہ (کمپیوٹر) موجود ہے۔ خط کا مضمون حافظے کو دیدیا جاتا ہے اور وہ وہاں محفوظ ہوجاتا ہے۔ پھر دوسرے مرحلے میں حافظے کے سپرد تمام پتے کر دیے جاتے ہیں۔ ان کو بھی وہ محفوظ کرلیتا ہے۔ ان دونوں حافظوں مں توازن قائم کر دیا جاتا ہے۔ حافظے کی مدد سے ٹائپ مشین از خود حط ٹائپ کرنی ہے۔ رفتار ۱۸۰ الفاظ فی منٹ ہوتے ہیں۔ خط کا مضمون ختم کر کے ہر خط پر نیا پتہ ٹائپ ہو جاتا ہے یعنی حافظہ ہر خط پر نیا پتہ ٹائپ کرتا ہے۔ اس طرح ہر خط انفرادی ہو جاتا ہے۔

ساڑھے سات بجے تک میں نے تمام کام ختم کرلیے، متعدد خطوط بھی تیار کر دیے۔ ان پر جناب مسعود احمد برکاتی صاحب میری عدم موجودگی مں توجہ کر کے حوالۂ ڈاک کرا دیں گے۔ اب میں فارغ ہوں۔

ہوائی میدان پر

میں گھر سے آٹھ بجے روانہ ہوکر ساڑھے آٹھ بجے ہوائی میدان آگیا۔ یہاں ہمدرد کے ایگزیکیٹوز موجود تھے۔ مجھے ان کی تکلیف و تکلف سے اتنی ہی ذہنی اذیت ہوتی ہے جتنی کہ اس سے کہ ملک کا سربراہ کہیں باہر جائے تو اسے خدا حافظ

کھنے کے لیے سفرا ، وزرا اور عمال حکومت قطار اندر قطار کھڑے ہوجائیں ۔ مس نہ جانے کیوں اسے پسند نہیں کرتا ہوں ۔ نہ جانے سر براہ مملکت کو ایسی کیا مجبوری اور ضرورت ہے کہ ان کے لیے یہ اہتمام کیا جائے ۔ ممکن ہے کہ کوئی پروٹوکول ہو جس سے میں واقف نہیں ہوں ۔ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب جس مزاج کے انسان ہیں ، کوئی مجبوری ہی ہوگی کہ وہ اپنے لیے یہ اہتمام کرنے کی اجازت دیتے ہیں ۔ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ انگریز کا قائم کردہ پروٹوکول ہے جو خود اس کے اپنے ہاں آج بھی شاید نہیں ہے ۔ اس کا انداز حاکمانہ تھا اور غیر ملکی ہونے کی وجہ سے زیر دستوں پر اس طرح اثر انداز ہونا وائسرائے اور گورنر جنرل کے لیے ضرورتاً تھا ۔ میرا خیال ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جانی چاہیے اور اس روایت کو توازن کا رنگ دینا چاہیے ۔

میں نے سب سے ملاقات کی ۔ تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا ۔ وی آئی پی روم میں ذرا دیر بیٹھا ۔ یہاں پیارے دوست جناب امتیازی صاحب بھی تشریف فرما تھے ۔ ان کا جہاز لاہور سے روانہ ہوکر کل کوئٹہ میں وہاں موسم کی خرابی کی وجہ سے نہیں اتر سکا تھا ۔ وہ اب ۹ بجے کوئٹہ جا رہے ہیں ۔ جب میں نے ان کو بتایا کہ یہ عاجز ۹ بجے سنگاپور روانہ ہو رہا ہے اور وہاں سے سڈنی ، کینبرا ، اوسٹریلیا جائے گا تو امتیازی صاحب نے بے اختیار فرمایا : یہ ایمانی طاقت ہی ہے کہ آپ اتنا سفر کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں ۔ ان کو معلوم ہے کہ میں جو کام ہاتھ میں لیتا ہوں اسے آخر تک پورا کر کے دم لیتا ہوں ۔

بڑا دکھ آج یہ ہے کہ میں اوسٹریلیا جارہا ہوں اور میرے تین ساتھی بیوروکریسی کی وجہ سے آج مجھ سے بچھڑ گئے ہیں ۔ توقع

ہے کہ ان کی مشکل حل ہو جائے گی اور کل صبح ۲ بجے وہ بھی روانہ ہوسکیں گے۔ امتیازی صاحب وزارت مذہبی امور میں سکریٹری رہ چکے ہیں۔ یہ وہی وزارت ہے کہ عوامی دور حکومت میں جہاں اس عاجز کی خدمات کی نفی کا سامان ہوتا رہا ہے، ہدایات جاری ہوئیں کہ حکیم محمد سعید کے نام و کام کا اخفا کیا جائے، اور کریڈٹ کا کوئی اظہار نہ کیا جائے۔ یہ انداز فکر و عمل نقطۂ عروج پر اس وقت پہنچا کہ جب کنگرس عالمی سیرت النبی میری منصوبہ بندی کے نتیجے میں انعقاد پذیر ہوئی۔ ہمدرد اور وزارت شریک تھے، نصف نصف اخراجات اصول عمل تھا۔ اس سارے مرحلے میں یہ عاجز اپنی عاقبت کی بہتری کی جدوجہد کرتا رہا اور سیرت کنگرس کو اقامت دین کا ذریعہ بنانے کی سعی مسلسل کرتا رہا مگر ہمارے "دوست" اس عظیم دینی پیش رفت کو سیاسیات میں ملوث کرنے کی فکر میں لگے رہے۔ اس اختلاف فکر نے شدید مسائل پیدا کیے۔ کردار کشی میں ناکامی کی تان آکر اس پر ٹوٹی کہ روداد سیرت کنگرس اس وزارت نے طبع و شائع کی اور ہمدرد کو اس میں حرف غلط قرار دیکر ظاہر نہ کیا۔ دیانت و امانت کے سارے رشتے منقطع ہوگئے۔ عوامی وزیر و وزارت کا یہی مزاج ہر مرحلے پر کار فرما رہا۔ اگر امتیازی صاحب اس دور حکومت میں اس وزارت میں ہوتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔

ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ سامان زیادہ ہوگیا ہے۔ میرے ساتھ قرآن کنگرس بیگ ہیں، ان کا وزن ۱۰۹ کیلو ہے۔ اگر ہم چار ہوتے تو یہ وزن تقسیم ہو جاتا اور زیادہ سامان کا کرایہ ادا نہ کرنا پڑتا۔ آج مجھے زائد سامان کے لیے اس پر دس ہزار سات سو روپے ادا کرنے پڑے۔ یہ میں نے بہر حال ادا کیے اور

قرآن کنگرس کے عظیم تر مفاد میں کیے ۔ اس سامان کا وقت پر کینبرا پہنچانا مسری ذمہ داری ہے ۔ زبان دی ہے تو ہر قیمت پر وعدہ پورا کرنا ہے ۔ میں نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تنہا یہ سفر اختیار کیا ہے ۔

ہوا میں از کراچی تا کینبرا

کراچی سے صبح ۹ بجے ہوائی جہاز پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز کا اُڑا اور بڑی حیرت ہوئی کہ وقت پر چلا ۔ اس ایئر لائنز میں اب نظم و ضبط کے نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے ۔ سارا انتظام یونین کی گرفت میں ہے اور یونینیں عموماً ذمہ دار ، محب وطن اور ہمدرد پاکستان نہیں ہیں ۔ تعلیم کے بنیادی نقائص نے جو ۳۲ سال سے جاری و ساری ہیں اور جن کی درستی و اصلاح کا بہ ظاہر کوئی امکان نہیں ہے ، پاکستان کے لیے کوئی محبت کرنے والا پیدا ہی نہیں کیا ہے ۔ نظام تعلیم نہ پاکستان سے محبت کرنا سکھاتا ہے اور نہ نظریۂ حیات ملی سے ۔ اس لیے پاکستان کا ہر فرد ، خواہ وہ کسی مقام پر فائز ہو ، پاکستان کی تعمیر سے لا تعلق ہوگیا ہے ۔ کوئی مطمح نظر ہے اور نہ کوئی مقصد حیات ۔ ہر فرد و بشر حیوانوں کی طرح اور جانوروں کے ریوڑ کی طرح بغیر تعین منزل جدھر دل چاہ رہا ہے منہ اٹھائے چلا جا رہا ہے ۔ پاکستان ایئر لائنز بھی ان شدائد کی سنگیں گرفت میں ہے ۔ اس لیے اس کے نظام میں سخت ترین ابتری پائی جاتی ہے جو بڑی تباہ کن ہے ۔ اس پیدا کردہ اور اس پیدا شدہ مرض کا اسلامی علاج وہ حکومت ہی کرسکتی تھی کہ جو قطعی غیر سیاسی عزائم و اساس کی بنا پر بر سر اقتدار آئی تھی ۔ پاکستان میں آجر و اجیر کی صورت حال کم از کم گزشتہ ۷ - ۸ سال سے

کلیتہً خلاف شرع اسلامی ہے اور اس کا اسلامی حل تلاش کرنا چاہیے تھا ۔ پاکستان کے ابتلا کے اسباب میں ایک اہم سبب آج یہ ہے کہ پاکستان کی زراعت اور صنعت و حرفت مفلوج کردی گئی ہے ۔ جب تک اس فالج کا علاج نہیں کیا جائے گا کاسہٗ گدائی ہمارے ہاتھ میں رہے گا ۔ اس موجودہ بے حالی، بد حالی اور فالج کا علاج سیاست کرسکتی ہے اور نہ بازیگران سیاست ۔

اس زرین اصول کو سمجھنے کے لیے عقل سلیم چاہیے کہ قرض اور امداد کسی ملک کی معیشت کو کبھی کوئی سہارا نہیں دے سکتے ۔ غیر ملکی قرضے اور امدادیں نہ صرف حریت و حمیت کش ہوتی ہیں بلکہ معاش و اقتصاد کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہیں ۔ اس عمل سے ملکی ذرائع و ذخائر استعمال ہونا بند ہو جاتے ہیں اور مفت خوری اور بھیک اخلاق کی ہر قدر کا دم گھونٹ دیتی ہے ۔

کراچی سے ہوائی جہاز اُڑا ، بحر عرب سے گزرتے ہوئے اس نے بمبئی (ہندستان) پر سے پرواز کی ، پھر مدراس نچیے آیا اور اس کے بعد پرواز بحر ہند پر ہوتی رہی تا آں کہ انڈونیشیا کے جزیرہ سماٹرہ پر سے پرواز کرتے ہوئے ہوائی جہاز کوئی سات گھنٹے میں کوالا لمپور (ملائشیا) کے سر سبز و شاداب ہوائی میدان پر اتر گیا ۔ اور پھر یہاں سے اٹھا اور ۳۰ منٹ میں سنگاپور کے ہوائی میدان پر اترا ۔ یہاں تک پی ۔ آئی ۔ اے میں ہوائی سفر رہا ۔ سنگاپور سے سنگاپور ایئر لائنز میں سوار ہوا ۔ ساڑھے سات گھنٹے کی پرواز کے بعد سڈنی (اوسٹریلیا) اتر گیا ۔ یہاں سے ۳۰ منٹ پرواز کرکے کینبرا (دارالحکومت اوسٹریلیا) اتر گیا ۔ ہوائی جہاز کا یہ طویل سفر ! اس اثنا میں وقت بدلتا رہا ہے ۔ بالآخر کینبرا

آ کر قرار ہوا - یہاں کا وقت پاکستان کے مقابلے میں ۵ گھنٹے آگے ہے -

جناب شبیلی اور وزیر دفاع ملائشیا سے ملاقات

کوالالمپور میں پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز کے منیجر جناب اظہار رضوی ہیں - انہوں نے پی - آئی - اے کے مسافران کے فہرست میں میرا نام دیکھ کر یا کراچی سے پی - آئی - اے کی اطلاع کے مطابق میرا نام پا کر سفارت پاکستان کو اطلاع دیدی اور وہاں سے فرسٹ سکریٹری جناب طارق مرزا صاحب کوالالمپور کے ہوائی میدان پر رضوی صاحب کے ساتھ میرے استقبال کے لیے موجود تھے - میں واقعی حیران ہوا - ان دوستوں نے وی آئی پی موٹر کا انتظام کیا ہوا تھا - ان کے ساتھ ہی میں کوالالمپور ہوائی میدان کے وی آئی پی لاؤنج میں آیا - یہاں سب سے پہلے ملائشیا میں سعودی عرب کے سفیر کبیر جناب شبیلی صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا - میں ان کو دیکھ کر حیران ہوا ، مگر میں نے اپنی حیرت کو چھپا لیا - ملاقات سر سری رہی ، اور احترام غالب رہا - مگر میرا ذہن کام کر رہا تھا کہ یہ شخصیت اجنبی نہیں ہے - اگر یہ وہی شبیلی ہیں کہ جو پاکستان میں اور پھر ہندستان میں اور پھر افغانستان میں سفیر سعودی عرب رہے ہیں تو ان کے بارے میں تو میری اطلاع یہ ہے کہ وہ جاں بحق ہوچکے ہیں - تو پھر یہ ضرور ان کے بھائی ہوں گے - مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بالآخر پاکستان کے سفارت کاروں سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا - انہوں نے بتایا کہ جناب یہ وہی حضرت شبیلی ہیں کہ جو پاکستان میں بھی سفیر رہے ہیں ، اور ان کی دریا دلی اور مساوات انسانی کوالالمپور میں بڑی شہرت رکھتی ہے - اس تعریف کے بعد مجھے

یقین آ گیا کہ یہ وهی شبیلی هیں ۔ میں هڑ بڑا کر اٹھا اور ان کو تلاش کیا ۔ وہ باهر جاچکے تھے ۔ میں بے قرار هوکر باهر گیا اور جا کر ان سے لپٹ گیا ۔ میں نے کمال بے تکلفی کے ساتھ ان کو اصل بات بتادی ۔ وہ خوب هنسے ۔ ظاهر هے کہ میں بھی سوائے ان کے ساتھ هنسنے کے اور کیا کرسکتا تھا ۔ اس سے قبل کہ میں شش و پنج میں تھا۔ شبیلی صاحب نے دوسرے عرب دوستوں سے میرا تعارف کرادیا تھا ۔ میری مرد مہری کا ان پر کوئی اثر نہ تھا ۔ چناں چہ بانی جامعہ ملک عبدالعزیز جناب ڈاکٹر صالح جمجوم صاحب ان کے اشارے پر فوراً ملاقات کے لیے میرے حلقے میں آئے ۔ پھر ان هی کے تعارف کرانے پر اسلامی سکریٹری ایٹ جدہ کے اسسٹنٹ سکریٹری جنرل صاحب " ایکسی لنسی " کہتے هوئے تشریف لائے ۔ غرض شبیلی صاحب اس اثنا میں اپنی اعلا ظرفی اور انسان دوستی کا مظاهرہ کر چکے تھے ۔ بڑا هی نیک نفس انسان هے ۔ ایک بار میں دهلی گیا ۔ شبیلی صاحب ان دنوں وهاں سفیر تھے ۔ میں نے فوا کہات بھجوا دیے ۔ رات میں دهلی سے امرتسر جانے والی ریل گاڑی مں سوار هو رها تھا ۔ دیکھا کہ شبیلی صاحب اور دوسرے افراد سفارت چلے آ رهے هیں ۔ هدایا و تحائف کا انبار لگا دیا اور جب تک ریل گڑی نہ چلی نہیں گئے ۔ غرض ان سے آج مل کر دل باغ باغ هوگیا۔ الحمد للہ کہ یہ عظیم انسان بقید حیات هے ۔

داتو ابراهیم بن طیب

ملائشیا کے وزیر دفاع بھی هوائی میدان پر آئے تھے ۔ ایسا لگا کہ جیسے ان کو میرا انتظار هی تھا ۔ وہ بڑے تپاک سے آئے اور ملے ۔ ان سے باهمی دل چسپی کے امور پر کافی دیر میں نے

باتیں کیں ۔ وہ کئی ماہ ہوئے پاکستان تبادل خیال کے لیے آچکے تھے ۔ ان سے آج اچھی باتیں کرلی ہیں ۔

سنگا پور ہوائی میدان پر

یہاں پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز کے منیجر جناب منور صاحب کو اطلاع تھی کہ میں ان کے جہاز میں ہوں ۔ انہوں نے پاکستان کے ٹریڈ قونصل صاحب کو اطلاع دیدی تھی، مگر وہ کسی دوسرے وفد کے ساتھ ہیں ۔ آج سے ۵ - ۶ سال قبل یہاں ایک بھٹی صاحب تھے ۔ وہ پاکستان کی نمائندگی کرتے تھے ۔ سنا ہے کہ اب وہ اسلام آباد میں وزارت تجارت میں ہیں ۔ وہ بڑے ہی اچھے انسان ہیں ۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو ضرور ہوائی میدان پر ہوتے ۔ منور صاحب نے بڑا ہی خیال رکھا ۔ وہ مجھے بہت دنوں سے جانتے بھی ہیں ۔ سنگا پور سب سے پہلے میں نے سنہ ۱۹۵۳ء میں دیکھا تھا ۔ اس وقت یہ ملایا کا اہم شہر تھا ۔ بعد میں باہمی گفت و شنید سے سنگا پور الگ ملک بن گیا ۔

اس وقت سنگا پور ایک بڑے اہم ملک کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس ملک کی تجارتی اور اقتصادی پیش رفت حیرت انگیز ہے ۔ درحقیقت ملائشیا کے لیے سنگا پور اہم ایکسپورٹ کنٹری کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور اس وقت شاید دنیا کا سب سے اہم پورٹ بن گیا ہے ۔ ملایا سے علاحدگی کے بعد ایک ملک کی حیثیت اختیار کرنے کے بعد سنگا پور نے بے اندازہ ترقی کی ہے ۔ صفائی کے اعتبار سے شاید اس وقت سنگا پور دنیا کا صاف ترین ملک ہے ۔ تعمیر و ترقی کے اعتبار سے ایک مثالی ملک کی حیثت رکھتا ہے ۔ میں یہ کہنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتا کہ اس ملک کے سربراہ جناب لی صاحب ایک تعمیری اور تخلیقی ذهن کے انسان ہیں ۔

ان کی قیادت دیانت دار ہے ۔ ان کی فکر تعمیری ہے ۔ ان کی افتاد میں عظمت و رفعت ہے ۔ ان کی طاقت عوامی ہے ۔ ان کی فکر کی بلندیاں ملک کی وسعتوں سے کہیں زیادہ ہیں ۔ مقصد حیات متعین ہے اور راہ عمل مقرر ہے ۔ منزل مقصود واضح ہے ۔ یہی وہ اجزا ہیں جن کی بدولت آج سنگا پور قابل رشک ملک بن گیا ہے ۔ یہاں کے رہنے والے انسانی اقدار سے آشنا ہیں ۔ ذہنی انقلاب اس شدت سے آیا ہے کہ سنگا پور کا ہر فرد تعمیر میں لگ گیا ہے ۔ بھائی چارہ اس خوبی کے ساتھ ہے کہ یہاں کوئی دنگا ہے نہ فساد ۔ چاروں طرف سکون اور آشتی ہی نظر آتی ہے ۔ ہر انسان کو اپنے حقوق اور اپنے فرائض کا بھرپور احساس ہے ، اور حقوق قطعی طور پر قابلیت اور استعداد پر منحصر ہیں ۔ آج کوئی ایک گھنٹہ میں ہوائی میدان پر رہا ۔ اس ہوائی میدان کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ ہوائی جہازوں کی آمد و رفت بے اندازہ ہے ، مگر تنظیم ایسی کہ کیا مجال کوئی شکایت ہو جائے ۔ منور صاحب جو کوئی ایک سال سے یہاں پی ۔ آئی ۔ اے کی خدمت کر رہے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ جس قدر سکون سنگا پور میں ہے انہوں نے اور کہیں نہیں پایا ۔ ان کے ساتھ جو سنگا پوری کارکن ہیں ان کی مستعدی کو آج پھر دیکھا ۔ انہوں نے میرا ٹکٹ لیا اور صرف تین منٹ کے اندر واپس آگئے، ”سر ! سامان چار آدمیوں کے لیے بک ہوا ہے ۔“ میں فوراً سمجھ گیا ۔ میں نے زیادہ سامان کا جو روپیہ دیا تھا اس کی رسید دیدی ۔ چند ہی لمحوں بعد ٹکٹ تیار ہوکر آگیا اور کہا گیا کہ آپ کا سامان پی ۔ آئی ۔ اے سے سنگا پور ایئر لائنز میں منتقل کر دیا گیا ہے ۔ کوئی پرابلم نہیں ہے ۔ منور صاحب نے مجھے سنگا پور ایئر لائنز کے جہاز میں بٹھا دیا ۔

سنگا پور ایئر لائنز

اس ایئر لائنر کی عمر ھی کیا ، جمعہ جمعہ آٹھ دن ، مگر اس وقت یہ دنیا کی ان ایئر لائنوں میں شمار ھوتی ھے کہ جو خدمت میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں ۔ اس علاقے میں متعدد ایئر لائنیں ھیں ، کیتھی پیسیفک ، گرودا انٹر نیشنل ، ملائشیا ایئر لائنز ، تھائی ایئر ویز ، فلپائنز ایئر لائنز ، قنطاس ایئر ویز وغیرہ وغیرہ ۔ مگر جو مقام سنگا پور ایئر لائنر نے پیدا کیا ھے وہ تھائی ایئر ویز کو اب تک حاصل نہیں ھوسکا ھے کہ وھی مقابلے میں پیش پیش ھے ۔ میری رائے ھے کہ مجھے سنگا پور ایئر لائنر اور پی ۔ آئی ۔ اے کی آج کی دونوں پروازوں میں مقابلہ کرلنا چاھیے ۔ یہ موازنہ میرے وطن کے لوگوں کے سامنے آنا چاھیے کہ ان پر تعمیری تنقید خفیہ صلاحیتوں کے لیے مہمیز کی حیثیت رکھے گی ۔ اور اگر پی ۔ آئی ۔ اے والے چاھیں تو اس صورت حال پر غور کرسکتے ھیں ۔

کراچی سے سنگا پور تک میں نے پی ۔ آئی ۔ اے سے سفر کیا ۔ میرے بالکل پیچھے دو پاکستانی بیٹھے تھے ۔ از کراچی تا کوالالمپور ان کے اور عملے کے مابین مجادلہ رہا ۔ یہ دو پاکستانی مسافر ٹورسٹ کلاس میں بیٹھ کر شرابیں خرید نے کی فکر میں تھے ۔ مگر جو اقسام وہ طلب کر رہے تھے موجود نہ تھیں ۔ اس کے علاوہ بھی بات بات پر تکرار کا سلسلہ جاری تھا جس نے مجھے خاصا پریشان کیا ۔ اس جہاز پر جو عملہ کام کر رہا تھا وہ مسافروں سے زیادہ قریب نہ تھا ۔ پی ۔ آئی ۔ اے نے اب ٹورسٹ کلاس میں ابتدا میں ٹافی وغیرہ دینا بند کر دیا ھے ۔ ٹورسٹ کلاس میں اب میگزین وغیرہ بھی دینے بند کر دیے ھیں ۔ ناشتے میں جام یا شہد بند کر دیا ھے ۔ آملٹ کا سائز چھوٹا کر دیا ھے ۔ پانی میں دو بار مجھے کیڑے تیرتے ھوئے ملے ، اس لیے میں اب پی ۔ آئی ۔ اے

میں پانی نہیں پیتا ہوں ۔ آج دس بجے کے بعد چائے کافی سب مسافروں کو دی گئی ۔ ساتھ ایک پیٹی ، ایک سموسہ اور ایک نان خطائی ۔ تینوں چیزیں اچھی لگ رہی تھیں ۔ چائے کافی نہ جانے کیسی تھی کہ میں پیتا نہیں ہوں ۔ میں نے ایک کپ ٹھنڈا دودھ مانگا ۔ مجھے نیمگرم اچھا دودھ فرسٹ کلاس سے لا کر دیدیا ۔ لنچ کے وقت وہی کھانا تھا کہ جو پی ۔ آئی ۔ اے کا عظیم الشان کچن تیار کرتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے کہ کچن کے باورچیوں کو اس کے علاوہ کوئی دوسرا کھانا پکانا آتا ہی نہیں ہے ۔ اس کھانے میں چاول اور اس کے ساتھ مرغی کی ایک بوٹی ! یہ کھانا ہے جو گزشتہ کم از کم ۱۰ سال سے بدلا نہیں ہے ۔ گوشت کی دو " قاشیں " مٹر اور مسالا ، یہ مغربی ڈش ہے ۔ ڈنر رول اکثر و بیشتر باسی ہوتے ہیں ۔ کم از کم مجھے جو ڈنر رول آج ملا وہ اتنا ہی سخت اور باسی تھا جتنا کہ سال گزشتہ بحرین جاتے ہوئے مجھے فرسٹ کلاس میں دیا گیا تھا ۔ مغربی ڈش کا گوشت اس قدر سخت اور بے مزہ تھا کہ میں چبا نہیں سکتا تھا ۔ میٹھا (ڈیزرٹ) نہ جانے کیا چیز تھی ۔ میں نے چکھ کر اس سخت پڈنگ کو چھوڑ دیا ۔ آج سلاد میں ٹماٹر سڑے ہوئے تھے ۔ یہ تو میں نے اس شریر لڑکی کو ہی دیدیا کہ جو عملۂ جہاز کی ایک رکن تھی ۔ پہلے ہی منہ کون سا مزے دار تھا کہ ٹماٹروں کی سڑاند نے طبیعت کو شدید مکدر کر دیا ۔ شاید " حادثۂ ٹماٹر " کا نتیجہ تھا کہ فرسٹ کلاس سے میرے لیے ایک سیب اور ایک کیلا اور ایک سنگترہ لا کر دیا گیا ۔ میں نے سیب چبا کر اپنے منہ کا ذائقہ درست کرلیا اور صبر و شکر کر کے اپنا کام شروع کر دیا اور ساتھ ہی عملۂ پی ۔ آئی ۔ اے کو طبی مشورے بھی دیتا رہا ۔

اب ذرا سنگا پور ایئر لائنز کے طیارے میں سنگا پور تا سڈنی سفر کی روداد بھی سنیے ۔ یہ خالی از دل چسپی نہیں ۔ جب منور صاحب نے از راہ لطف و کرم جہاز تک لا کر مجھے بٹھایا تو میں سیکورٹی کے عملے کے اخلاق سے متاثر تھا ۔ انھوں نے میرا بیگ کھولا ۔ اس میں ایک تھیلی میں میرا فیس پالش اور بوٹ پالس سب ہی کچھ تھا ۔ '' اگر اجازت ہو تو اس کو ذرا دیکھ لوں '' ، بڑی شائستگی سے چینی خاتون نے کہا اور اجازت کے بغیر اسے کھول کر اس کے اندر جھانک لیا ۔ ''میں آپ کا بڑا ہی شکریہ ادا کرتی ہوں'' ۔ یہ کہہ کر خاتون نے بیگ بند کر دیا اور ایک زور دار مسکراہٹ کے ساتھ مجھے رخصت کر دیا ۔ اس عملے کا یہ سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا ۔ ہوائی جہاز میں جب میں اوپر گیا تو میرے ہاتھ میں اوورکوٹ تھا ۔ عملے کی ایک رکن نے فوراً اس بوجھ کو سنبھال لیا اور میری سیٹ نمبر ۱۶ ڈی تک رہنمائی کی ۔ اوپر ہیڈ ٹریک میں میرا کوٹ رکھ دیا ۔ عملۂ جہاز کا ہر رکن پوری مسکراہٹ اور رہنمائی کے ساتھ ہر مسافر کی مدد کر رہا تھا ، حتیٰ کہ سب مسافر اپنی نشستوں میں سما گئے اور کوئی ایک سیٹ بھی خالی نہ تھی ۔ وقت مقررہ پر ہوائی جہاز ساڑھے آٹھ بجے سنگاپور ایئرپورٹ سے اڑا اور ساڑھے سات گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد سڈنی وقت کے مطابق ۷ بجے صبح سڈنی پہنچ گیا ۔ جہاز جب سنگاپور سے اڑا تو میں بھوک محسوس کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد کھانا مل جائے ۔ ایک خاتون اور ان کے شوہر جو میرے برابر بیٹھے تھے ان دونوں کو بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی ۔ شوہر دوا ساز ہیں ۔ ان سے خوب باتیں ہوئیں ۔ وہ کریدتے رہے مگر میں نے اپنے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا کہ میں پاکستانی ہوں ۔ اتنے

میں عملۂ جہاز مستعد ہو گیا ۔ کئی چینی خوبصورت لڑکیاں اپنی مسکراہٹوں کے ساتھ مشروبات کی کشتیاں لیے "کوریڈور" میں آ گئیں ۔ ادھر نگران عملۂ جہاز نے اعلان کیا کہ ان کشتیوں میں جوس ، وائن اور بئر ہے ۔ جس چیز کو دل چاہے لے لیجیے ۔ اس کے بعد ڈنر تیار ہے ، جس کی تفصیلات آپ کو جلد مل جائیں گی ۔ جوس اور بئر و شراب کا دور ختم ہوا ۔ بعض بلا نوش کئی بار جام لے کر چڑھا گئے تھے ، مگر سروس اس وقت تک جاری رہی جب تک ہر آدمی سیر نہ ہو گیا ۔ اس کے بعد بڑے خوبصورت چھپے ہوئے ڈنر مینو کارڈ تقسیم ہوئے ۔ ان میں کھانے کی تفصیلات تھیں ۔ اور کم از کم تین قسم کا کھانا تھا اور پسند مسافروں کی تھی ۔ میں نے مچھلی والا ڈنر پسند کیا اور یہ مجھے بڑی نفاست کے ساتھ مل گیا ۔ پی۔آئی۔اے کی میزبان خواتین کشتیوں کو پھینکنے کا انداز اختیار کرتی ہیں ، مگر یہ سنگاپور ایئرلائنز کی چینی گڑیاں میز پر کشتی اس طرح رکھتی ہیں کہ جیسے وہ کوئی بڑی نازک شے ہے ۔ واقعی نازک شے ہے ! ایک بار ایسا ہوا کہ پی۔آئی۔اے کی ایک میزبان خاتون نے کھانے کی کشتی لا کر پٹخی ۔ یہ پٹخ میرے دل و دماغ پر جا کر اس زور سے لگی کہ میں نے حکم دیا کہ فوراً اس کشتی کو میرے سامنے سے دور کر دیا جائے ۔ میں نے اصرار کرکے اسے ہٹوا دیا ۔ اس کے بعد سے میں پی۔آئی۔اے میں کبھی کھانا نہیں کھاتا ہوں الا یہ کہ کبھی غیر ملکی سفر میں ہوں ۔ آج سنگاپور ایئرلائنز کی کھانے کی کشتی میں کیا تھا ، ذرا دیکھیے :

نہایت نفاست سے پکی ہوئی سامن مچھلی ۔ اس کے ساتھ نرم گرم چاول ، لیموں کی قاش ، سلاد میں ٹماٹر ، وغیرہ وغیرہ ۔

میں نے محسوس کیا کہ سایڈ اس میں لحم خنزیر آمیز ہے ۔ میں نے اس کو ہاتھ نہ لگایا گو اس ڈش میں بڑی جاذبیت تھی ۔ مٹھاس میں جلی اور انناس کی قاشیں وغیرہ ۔ ایک گرم ڈنر رول اس کے ساتھ مکھن کی ڈبیا ۔ دو کریم بسکٹ اور پنیر کی ڈبیا ۔ میرے برابر والوں نے بیئر منگوایا تھا ۔ میں نے اسے بھی غور سے دیکھا ۔ جب سب لوگوں کو ڈنر دیدیا گیا تو ایک خاتون چنگیر میں ڈنر رول لیے پھر رہی تھیں کہ شاید کسی کو مزید ضرورت ہو ۔

ڈنر کے بعد کافی اور چائے کا دور شروع ہوا ۔ میں نے کہا : جوس ! خاتون نے بڑے احترام سے کہا : میں آپ کو تازہ پانی دے سکتی ہوں ! میں نے پانی لے لیا ۔ بہت صاف ٹھنڈا پانی تھا ۔ باقی کوئی چائے لے رہا تھا کوئی کوفی ۔ جب یہ دور ختم ہوا تو میں حیران رہ گیا کہ ایک خاتون جوس کا ایک گلاس مجھے دے گئیں ۔ مجھے یاد آیا کہ سال گزشتہ میں نے کراچی سے فرینکفرٹ تک پی ۔ آئی ۔ اے میں سفر کیا تھا اور کراچی سے فرینکفرٹ تک بالآخر مجھے جوس کا گلاس نہ مل سکا تھا ، جس نے مجھے بے حد ناراض کر دیا تھا ۔ اور باوجودیکہ میں نے اظہار ناراضی نہیں کیا تھا میری اس ناراضی کی اطلاع فرینکفرٹ کے ہوائی میدان کے پی ۔ آئی ۔ اے منیجر تک خاموشی سے عملے نے پہنچادی اور انہوں نے ایئر پورٹ ریستوران میں میری تواضع جوس سے کر دی ۔ ابھی اور سنیے ۔ آخر میں ریڈ وائن اور کونیاک کا دور شروع ہوا ۔ اس دور کے بعد عملۂ جہاز نے تمام میزبانوں کو گیلے تولیے ہاتھ منہ صاف کرنے کو دیے ۔ نگران عملے نے مسافروں سے مخاطب ہوکر کہا : ”آپکی خدمت کر کے عملۂ جہاز بڑی مسرت محسوس کر رہا ہے ۔ ہم نے آپ سب کو کانوں میں لگانے

کے لیے آلات دیدیے ھیں۔ ممکن ھے کہ آپ اپنی پسند کا میوزک سننا پسند کریں ۔ اب ھم روشنی مدھم کریں گے تا کہ آپ سب ذرا آرام بھی کر لیں۔ مگر اس سے پہلے مناسب ھے کہ اپنی پیٹیاں باندھے رکھیں تا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے جب پیٹیاں باندھنے کی ضرورت ھو تو آپ کو بیدار ھونا نہ پڑے"۔ جہاز میں اب بالکل خاموشی طاری ھوگئی۔ میں نے بھی سونے کی کوشش میں اپنی آنکھوں پر کالی پٹی چڑھالی کہ جو بی۔ آئی۔ اے کا عطیہ ھے اور بڑی کارآمد چیز ھے۔ تین گھنٹوں کے بعد ایکسکیوزمی ایکسکیوزمی کی باریک و نرم آوازوں نے مہمانوں کو بیدار کر دیا۔ گرم تولیے سب کو دیے گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سب بیدار ھو جائیں۔ سڈنی قریب ھے۔ سب نے ھاتھ منہ پونچھے ، تولیے واپس کیے۔ اتنے میں " اپنی پیٹیاں باندھ لیجیے" کی روشنیاں جل گئیں۔ معاً میرے ذھن میں آیا کہ سڈنی اب ھم اتر رھے ھیں۔ مگر دوسرے ھی لمحے ایک خاتون نے اعلان کیا کہ موسم خراب ھے پیٹیاں باندھ لیجیے۔ اس اعلان نے فوراً سب کے ذھن صاف کر دیے کہ ابھی سڈنی دور ھے۔ مستعد عملۂ جہاز نے سب مسافروں کو ناشتہ دینا شروع کر دیا۔ میں نے تو خیر ناشتہ نہیں لیا مگر میرے برابر میں جو ناشتہ آیا وہ اچھا خاصا تھا۔ شب گزشتہ جو مینو کارڈ تقسیم ھوئے اس میں طبع شدہ تھا کہ صبح سڈنی اترنے سے قبل ناشتہ دیا جائے گا جس میں پیسٹری وغیرہ ھوگی۔ یہ سب کچھ دیا گیا۔ اتنے میں سڈنی (اوسٹریلیا) آگیا۔ جہاز وقت مقررہ پر سات بجے اتر گیا۔ اترتے وقت ھر مسافر کو مستعد میزبان خواتین نے اپنی مسکراھٹوں کے ساتھ مؤدب کھڑے ھوکر رخصت کیا اور ھر ایک کو ھدیۃً ایک چار رنگ میں لکھنے والا بال پین پیش کیا۔

یہ دو ایئر لائنوں کی سروس کا فرق ہے ۔ ان دونوں نے "آیاٹا" کے قواعد کے مطابق برابر کے پیسے لیے ہیں ۔ کراچی تا سنگاپور، سنگاپور تا سڈنی برابر برابر سفر ہے ۔ دونوں کے ۹ - ۹ ہزار روپے لیے ہیں، مگر ان دونوں میں سروس کے فرق کو نوٹ کرنا چاہیے اور پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان ایئر لائنز کی زندگی پاکستان کے ان مسافروں پر ہے کہ جو پی ۔ آئی ۔ اے ۔ میں سفر کرنے کے لیے مجبور ہیں ۔ یا پھر "انڈرکٹ" پالیسی پر یہ ایئر لائن زندہ ہے ۔ ورنہ اس وقت جو مقابلہ ہے اس میں پی ۔ آئی ۔ اے اپنے گروہوں کی وجہ سے مقابلے پر ٹھیر ہی نہیں سکتی ۔ عملہ نہایت گستاخ اس لیے ہے کہ اس کو یہ یقین کامل ہے کہ اس کو ملازمت سے برطرف نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے وہ نڈر ہیں اور اپنے فرائض ادا نہیں کرتے ۔ جب کام نہیں کرتے تو ایک کی جگہ چار آدمی کام کرتے ہیں اور یہ چاروں ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے کام کو تباہ کرتے ہیں ۔ سروس کا کوئی معیار باقی نہیں رہا ہے ۔ کوالالمپور سے سنگاپور تک اظہار رضوی صاحب نے میرے ساتھ سفر کیا ۔ وہ کوالالمپور میں پی ۔ آئی ۔ اے کے اسٹیشن منیجر ہیں ۔ میرے برابر میں دونوں نشستیں خالی تھیں ۔ ایک پر میرا بریف کیس تھا اور دوسرے پر اوورکوٹ ۔ میں نے ان کو اپنے قریب بلایا ۔ ان سے باتیں کرتا رہا ۔ میں نے ان کو بے حد اچھا انسان پایا ۔ پاکستان کی خدمت کی ان میں تڑپ میں نے محسوس کی ۔ وہ عملۂ پی ۔ آئی ۔ اے کے حال سے بھی واقف ہیں ۔ ان میں یہ جذبہ بڑا ہی جوان ہے کہ اصلاح حال ہو جائے اور ہم فخر سے اپنا سر بلند کرسکیں ۔

۷ مئی ۱۹۸۰ء، بدھ، سڈنی

سڈنی (اوسٹریلیا) کے ہوائی میدان پر جگہ نہ تھی کہ جہاز کو کھڑا کیا جاتا ۔ کپتان نے مسافروں کو بتایا کہ ذرا انتظار کرنا ہوگا اور یہ کہہ کر جہاز کے انجن بند کر دیے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب یہاں سے ''بے'' (پارکنگ پلیس) تک جہاز کو ٹو کیا جائے گا (کھینچا جائے گا) اور ایسا ہی ہوا ۔ اوسٹریلیا کے قوانین صحت بہت سخت ہیں ۔ کسٹم کے سوال نامے میں زیادہ زور اس پر ہوتا ہے کہ کوئی کھانے کی چیز تو نہیں ہے ، کوئی شاخ درخت تو نہیں ہے ، ڈرگس تو نہیں ہیں ۔ وغیرہ ۔ بعد کی چیزیں اس کے بعد آتی ہیں اور ان کو ثانوی حیثیت حاصل ہے ۔

ہوائی جہاز کھینچ کر لایا گیا ۔ سب سے پہلے عملۂ صفائی و صحت اندر آیا ۔ سب مسافر بیٹھے رہے ۔ اس نے جہاز کے اندر کیڑے مار اشیا کا چھڑکاؤ کیا اور اس کے بعد مسافروں کو اترنے کی اجازت ملی ۔ میں سال گزشتہ یہ منظر دیکھ چکا ہوں ۔ بڑا مزہ آتا ہے ۔ اوسٹریلیا کے آس پاس ایسے ممالک ہیں کہ جہاں نظام حفظ صحت کم زور ہے اور کھانے پینے کے سامان میں نقصان دہ جراثیم آسکتے ہیں اور درخت کی شاخیں یہاں اگائی جاسکتی ہیں جو ممکن ہے حسب حال نہ ہوں اور اوسٹریلیا میں ان سے امراض نباتات پھیل جائیں ۔

مجھے یاد آیا کہ محترمہ بیگم شعیب نے ایک بار مجھ سے کہا کہ میں چنبیلی اور موتیا کی شاخیں ان کے لیے واشنگٹن (امریکا) لے آؤں ۔ میں تو بھول گیا ، مگر ہمارے دوست محمد احمد زبیری صاحب جا رہے تھے میں نے ان کے حوالے کیں ۔ وہ جب امریکی کسٹم میں گئے تو لاکھ انہوں نے بچانا چاہا مگر

کسٹم نے ان ساخوں کو رکھ لیا اور ضائع کر دیا ۔ ایک بار جناب سعیب صاحب مرحوم کو هم نے آم بھجوا دیے ۔ ڈلس ایئر پورٹ پر ان کو بوک لیا گیا ۔ جناب شعیب ورلڈ بنک کے نائب وائس پریذیڈنٹ تھے ۔ عملۂ کسٹم نے ان کو اس قدر اجازت دیدی کہ وہ ہوائی میدان پر آ کر ایک بند کمرے میں ان آموں کو نوش جان کر سکتے ہیں ۔ مگر وہ ان کو شہر میں لے جانے نہیں دیں گے ۔ چنانچہ پروگرام طے کرکے ”آم پارٹی“ ہوائی میدان میں گئی اور وہاں آم خوری ہوئی ۔ عملۂ کسٹم اس منظر کو دیکھتا رہا ۔ بعد میں چھلکے گٹھلیاں جلائی گئیں اور کمرے کو ”ڈس انفیکٹ“ کیا گیا !

آج یہاں یہ مرحلہ درپیش تھا کہ میں نے اپنے سامان کا کرایہ سڈنی تک ادا کیا تھا اور اب سڈنی سے کنبرا کو ۳۰ منٹ کا راستہ ہے مگر زائد سامان کا کرایہ دینا ہوگا ۔ اور اس سے زیادہ سخت مرحلہ یہ تھا کہ اس تمام سامان کو نکال کر لاد کر کسٹم کاؤنٹر تک لے جانا اور پھر اس کو جہاز میں بک کرانا ۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ ایئر لائن کا ٹرمینل دو میل دور ہے تو میں واقعی پریشان ہوا کہ یہ سامان تو ایک ٹرک ہی میں سمائے گا ! باہر آیا تو کوئی جاننے والا نہ تھا ۔ توقع تھی کہ پاکستان قونصلیٹ سے کوئی ضرور زحمت کرے گا کہ اسے ٹیلیکس دیدیا گیا تھا ، مگر کوئی نہ تھا ۔ میں توقع بھی نہیں کرتا کہ یہ سفارت کار میرے لیے زحمت کریں گے ۔ بارے میں نے سامان اکھٹا کیا ایک ٹرالی بھی حاصل کرلی ۔ اتنے میں سامان جمع کرتا رہا ، کوئی صاحب میری ٹرالی لے کر غائب ہوگئے ۔ خیر سامان ایک کیا تین ٹرالیوں پر بھی نہیں آتا ۔ میں حیران کھڑا تھا کہ ایک قلی نظر آیا ۔ میں نے اس سے مدد کے لیے کہا ۔ بزرگ انسان تھا ۔

اس نے مدد کی اور ایک بڑی ٹرالی پر سامان لاد لیا - کسٹم میں گیا - میرا کاغذ تیار تھا جس میں میں نے تحائف اور ھدایا کے خانے میں " یس " لکھ دیا تھا ، مگر امیگریشن والے صاحب نے سرخ روشنائی سے ڈپلومیٹک لکھ دیا تھا - عملۂ کسٹم نے دیکھا - صرف ایک سوال کیا : کوئی کھانے کی چیز تو نہیں ہے ؟ " نہیں " میں نے ابھی کہا بھی نہ تھا کہ سامان چیک ھوگیا ، ٹرالی سے اترا بھی نہیں - معلوم ھوا کہ لفظ ڈپلومیٹک کافی تھا - واشنگٹن وغیرہ ھوائی میدانوں پر ڈپلومیٹک پاس پورٹوں کے لیے علاحدہ کاؤنٹر ھوا کرتا ہے ، جہاں ان کو احترام سے دیکھا جاتا ہے - یہی یہاں ھوا - بمبئی اور دھلی ایئر پورٹ کا میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ وھاں ڈپلومیٹک پاس پورٹ کی کوئی قدر ہے نہ اس کی کوئی اھمیت ہے - اس بارے میں آج مجھے یاد آیا - ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء کو دھلی کے ھوائی میدان پر سفارت پاکستان سے کوئی سفارت کار نہ آیا تاھم بھائی جان محترم کے تعلقات کی وجہ سے امتیازی برتاؤ ھوا - مگر کسٹم کے عملے نے انتہائی " رف " انداز اختیار کیا - ڈپلومیٹک پاس پورٹ پر اس نے ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر تلاشی میں اپنی پوری مہارت صرف کر دی - جب فارغ ھوا تو میں نے اس سے اتنا کہا ، " ڈپلومیٹک پاس پورٹ والوں کا دنیا بھر میں احترام کیا جاتا ہے ! " وہ مجھے دیکھتا رہ گیا اور میں دوسرے مسافروں کے ساتھ بس میں سوار ھوگیا -

سڈنی کا قلی بڑا ھمدرد تھا - اس نے ایک کاؤنٹر پر لے جا کر سامان اتار دیا - یہ ٹی - اے - اے کا کاؤنٹر تھا - عملے نے دو تین منٹ میں سامان قبول کرلیا اور ٹکٹ میرے حوالے کر دیا کہ باھر بس کھڑی ہے - اس کے ساتھ ٹی - اے - اے ٹرمینل چلے جائیے ، سامان کی فکر نہ کیجیے - مجھے واقعی بڑا سکون حاصل ھوا -

میں باھر آیا تو بس جاچکی تھی ۔ میں نے ٹیکسی کی اور ٹرمینل پہنچ گیا ۔ میٹر نے کوئی سوا تین ڈالر دکھائے ، یعنی چالیس روپے ! میں نے اسے چار ڈالر دیے ۔ اوسٹریلین ڈالر امریکی ڈالر سے بڑا ھے اور شاید ۸۵/۱۰۰ کا حساب ھے ۔ غرض ٹیکسی کے ھمارے اعتبار سے کوئی پچاس روپے ھوئے ۔ میں اندر گیا ۔ ایک منٹ میں ٹکٹ کاٹ دیا گیا اور میں گیٹ نمبر ۳ سے سوار ھوکر ھوائی جہاز میں داخل ھوگیا ۔ ھوائی جہاز کو شاید میرا ھی انتظار تھا !

زر مبادلہ

اس بار میرے ساتھ ارکان وزارت مذھبی امور نے یہ زیادتی کی ھے کہ مجھے اے کیٹگری کے مطابق زر مبادلہ نہیں دیا ھے ۔ اب تک وزیر بننے کے بعد میرا معمول یہ رھا ھے کہ اے کیٹگری (وزیر کے لیے) کے مطابق مجھے رقم دی جاتی ھے ۔ جب سے وزیر بنا ھوں ، باھر کے ممالک میں مہمان بن جاتا ھوں ۔ رقم خرچ نہیں ھوتی ۔ لا کر واپس جمع کرا دیتا ھوں ۔ ابھی گزشتہ ماہ کویت گیا تھا ۔ شاید ایک ھزار ڈالر دیے تھے ۔ کل ۸۰ ڈالر ڈرائیوروں وغیرہ کے انعام میں خرچ ھوئے ۔ باقی لا کر جمع کرا دیے ۔ وزارت مالیات کا یہ تاثر ھے کہ حکیم سعید پہلا وزیر ھے جس نے زر مبادلہ لا کر واپس جمع کر دیا ھے ۔ اس سے قبل ۳۲ سال میں کوئی ایسی مثال نہیں ھے کہ پاکستان کے کسی وزیر نے جوں کا توں تو بڑی بات ھے ایک ڈالر بھی واپس کیا ھو ۔ مگر بیورو کریسی کا حال یہ ھے کہ یہی وزارت مالیات جب زرمبادلہ دینے کا موقع آتا ھے تو ناک بھوں چڑھاتی ھے ۔ زرمبادلہ دینا بڑی مشکل بات ھے ۔ واپس جمع کرا دینا ان کی رائے میں

پاگل پن ھے ۔ اور واقعی اس کا کوئی ذھنی اور اخلاقی اثر ان پر نہیں ھوا کرتا ۔ میں نے اپنے مطب لندن کے ذریعہ سے پچاس ھزار ڈالر لا کر جمع کرائے ۔ اس کی کوئی داد نہیں ھے ۔ اب اس موجودہ سفر کے لیے کٹگری بی کے اعتبار سے زرمبادلہ دیا گیا ھے ۔ شاید یہ خرچ نہ ھو ، مگر بات اصولی یہ ھے کہ کٹگری اے کیوں نہیں ؟ میں نے کراچی ناراضی کے عالم میں اپنے پرائیویٹ سکریٹری کو اسلام آباد میں ھدایت دی کہ اس علم و عالم دشمن وزارت مذھبی امور کو لکھو کہ تم نے کٹگری اے کا کیوں خیال نہیں کیا اور ھدایت کی ۔ کٹگری اے کے مطابق جو زرمبادلہ ھوتا ھے وہ رقم فوراً مجھے کینبرا تار کے ذریعہ سے بھجوائی جائے اور ذرا تاخیر نہ کی جائے ۔ میں اس وزارت سے ۵ مئی کو سخت ناراض تھا کہ اس کی سستی کوتاھی سے قرآن کانفرنس کے لیے پاکستانی وفد کے تین ارکان شرکت سے محروم رہ گئے ھیں ۔ میری مندرجہ بالا ھدایت در حقیقت ایک انتقامی کارروائی ھے ۔ جہاز میں بیٹھ کر مجھے خیال آیا کہ خاموشی مناسب تھی ۔

کینبرا کے ھوائی میدان پر

واقعی یہ دل چاہ رھا تھا کہ کسی طرح راہ میں ڈاکٹر حسن محمد جعفری صاحب مل جائیں مگر ایسا کیسے ھوسکتا تھا ۔ وہ دھلی سے آرھے ھیں ، نہ جانے کس ھوائی جہاز میں ھوں ۔ بارے کینبرا پر جب جہاز اترا اور دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر جعفری صاحب لپک کر اگلے دروازے سے اترنے کے لیے جارھے ھیں ۔ میں فورا پیچھے کے دروازے سے اترکر اگلے دروازے پر آگیا اور ان کا پر جوش استقبال کیا ۔ وہ باھر آنے تک یہی

سمجھتے رہے کہ میں پہلے سے آگیا تھا اور ان کے لینے کو یہاں آیا ہوں !

کینبرا کے ہوائی میدان پر دیکھا تو نہ آدمی نہ کنگرس زاد ۔ یعنی نہ تو کنگرس کے منتظمین میں سے کوئی تھا اور نہ سفارت پاکستان سے کوئی آیا تھا ۔ منٹوں کی منٹوں میں سامان باہر آگیا جس کو ڈاکٹر جعفری صاحب کی مدد سے اتارا گیا ۔ ٹیکسی والا بھی بڑا سریف آدمی تھا ۔ اس نے سارا سامان اندر باہر سب ٹیکسی مس بھر ہی لیا اور پھر ۱۰ مسل سہر کی طرف چلا کہ جہاں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ہے ۔ ہم جلد ہی یونیورسٹی پہنچ گئے ۔ میں یہاں سے واقف ہوں ۔ سال گزشتہ ہی آٹھ دن رہ کر گیا ہوں ۔ ارسلا کالج پہنچ گئے ۔ سامان اتارا ۔ ٹیکسی والے نے سوا آٹھ ڈالر مانگے ۔ مس نے اس کو دس اوسٹریلین ڈالر دیے ۔ وہ بڑا ہی خوش ہوا ۔ ”سر، آر یو فرام پاکستان“ ؟ ”یس آئی ایم !“ اگر وہ یہ سوال نہ کرتا تو میں ۹ ڈالر ہی دیتا ، مگر پاکستان کا ایک دوست بنانے کے لیے میں نے فراخ دلی سے ۱۰ ڈالر دیے اور اس کا بڑا ہی شکریہ ادا کیا اور مصافحہ کرکے اسے روانہ کر دیا ۔

ارسلا کالج ہی قرآن کنگرس کا مرکز ہے

یہاں ان دنوں ایک اور کنگرس ”ادیان و مذہب“ پر ہو رہی ہے اور آج اختتام پذیر ہوگی اور کل سے ہمارے لیے جگہ یہاں خالی ہوگی ۔ بارے استقبالیہ پر نہایت ہنس مکھ دو اوسٹریلوی خواتین نے پر جوش استقبال کیا ۔ فہرست میں ڈاکٹر جعفری صاحب کا نام تھا اور پاکستان کے اسحاق ، منظور اور قریشی کے نام تھے جن کی قسمت کا حال میں ڈائری میں لکھوں گا ، مگر میرا نام نہ تھا ! خبر نہ سہی ، تین نہیں آئے تو ان کی جگہ ایک

مس ۔ جگہ تو مل ہی جائے گی ۔ ڈاکٹر جعفری صاحب نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر جوہنز صاحب کو ٹیلی فون کرایا جائے اور انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ اندازہ یہ ہوا کہ جوہنز صاحب کو ہمارے آنے کی کوئی خبر نہ تھی ۔ بارے ہوائی میدان پر انہوں نے انڈونیشیا کے ایک پروفسر صاحب کو متعین ضرور کیا تھا ، مگر وہ ہمارے ٹیکسی مس روانہ ہوتے وقت قرآن کنگرس کا پوسٹر ایئر پورٹ پر لگانے جا رہے تھے ۔ انہوں نے تو اتنی مدد بھی نہ کی ٹیکسی ہی کرا دیتے !

ڈاکٹر جوہنز گویا ہڑ بڑا کر بھاگم بھاگ آئے ۔ بڑے تپاک سے ملے ۔ معذرت خواہ تھے ۔ ان کو ہمارے پروگرام کی کوئی اطلاع نہ تھی ۔ مس نے بذریعہ وزارت خارجہ ٹیلکس دیا تھا سفارت پاکستان کو ، مگر وہاں سے کوئی نہ آیا ۔ اچھا بھائی نہ آؤ ، مگر اتنا تو کر دیا ہوتا کہ ٹیلیکس مس درخواست کے مطابق ڈاکٹر جوہنز کو تو بتا دیا ہوتا ۔ مگر سفارت خانۂ پاکستان نے اتنی زحمت بھی نہ کی ۔ اندازہ یہی ہے کہ اسے واقعی اطلاع نہیں ہوئی ہے ۔

اب ڈاکٹر جوہنز کے لیے مس ہز ایکسی لنسی تھا ۔ وہ میرے شایان شان قیام کے لیے پریشان تھے اور مصر ۔ میں نے ان کی پریشانی کو پوری طرح محسوس کر لیا ۔ میں نے ان کو پیار سے اپنے پاس بٹھایا اور ان سے کہا کہ ہز ایکسی لنسی کو گولی ماریے ، قرآن کنگرس میں میں ایک طالب علم کی حیثیت سے آیا ہوں اور جس طرح دوسرے اسکالر قیام کریں گے بالکل اسی انداز سے میں قیام کروں گا اور کسی قیمت پر کسی ہوٹل میں نہیں جاؤں گا ۔ وہ واقعی میری سادگی پر مر مٹے ! ارسلا کالج میں انہوں نے مجھے فوراً فلیٹ دیدیا ۔ میرا اصرار تھا کہ وہ مجھے روم دیدیں ۔

میں اسی انداز سے رہنے کا عادی ہوں ۔ میں نے ان کو بتایا کہ میکسیکو میں ، کناڈا میں ، کیوبیک میں ، کیمبرج میں سب جگہ میں ہاسٹلوں کے روم میں رہا ہوں ۔ روم کے معنی یہ ہیں کہ باتھ روم کامن ہوتا ہے ۔ فلیٹ کے معنی یہ ہیں کہ باتھ روم ساتھ کمرے میں ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر جوھنز کو معلوم تھا سال گزشتہ جب میں یونیورسٹی میں یونیورسٹی ہال (ہاؤس) میں مقیم تھا کہ جو اعزاز کی جگہ ہے اور جہاں ایک سال پہلے ہی سے اس کی بکنگ ہو جاتی ہے ۔ خیر ارسلا کالج میں مجھے فلیٹ مل گیا ، مگر ڈاکٹر جعفری صاحب نے روم قبول کرلیا ۔ کل تک ان کے لیے بھی فلیٹ کا انتظام ہو جائے گا ۔

تھکن کا احساس

آج تھکن کا احساس زیادہ اس لیے بھی ہوا کہ محترمی ڈاکٹر جعفری صاحب بھی چور ہوگئے ہیں اور میں بھی ۲۱ گھنٹے جہاز میں اُڑتا رہا ہوں ۔ تین جہاز بدلے ہیں ، سوا سو کیلو سامان ڈھویا ہے ! اس لیے فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے غسل کیا جائے اور پھر ۱۲ بجے لنچ اور پھر آرام سے سویا جائے ۔ اس پر عمل ہوا ۔ لنچ میں میں نے سلاد ، انڈے ، پنیر ، مکھن اور دودھ پسند کیا جو ارسلا کالج کے ڈائننگ ہال میں افراط سے تھا اور ایسا خالص کہ نام کو ملاوٹ کا شبہ نہیں ۔ ملاوٹ کا یہاں تصور ہی ممکن نہیں ہے ۔ شام کے ۵ بجے تک دو گھنٹے کی گہری نیند نے میری تھکن تو اتار دی ۔ ڈاکٹر جعفری صاحب ۶ بجے تک گہری نیند میں رہے اور پھر ڈاکٹر رضوی صاحب نے ان کو جا کر جگایا ۔

ڈاکٹر اختر عباس رضوی کوئی ۱۹ سال سے اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی سے وابستہ ہیں ۔ ان سے پہلی ملاقات میری میکسیکو

میں بہ سلسلۂ کنگرس اوف اورینٹالسٹس ہوئی تھی ۔ میں بھی اس میں شریک تھا ۔ اس کے بعد سال گرشتہ ان سے یہاں بڑا ربط و ضبط رہا کہ جب میں انٹرنیشنل کنگرس اوف ایشین ٹریڈیشنل مڈیسن میں شرکت کے لیے یہاں آیا تھا اور اس کنگرس پر پوری طرح غالب رہا تھا ۔ پھر ڈاکٹر صاحب پاکستان آئے اور ان کی کتاب " شاہ ولی اللہ اینڈ ہر ٹائمز " پر ایک مذاکرۂ شام ہمدرد کا میں نے اہتمام کیا تھا ۔ اور اب آج پھر ان سے اوسٹریلیا میں ملاقات ہوئی ۔ ڈاکٹر صاحب ۵ بجے آ گئے ۔ ان سے بڑی دل چسپ باتیں ہوئیں ۔ پھر ان کا اصرار ہوا کہ میں اور ڈاکٹر جعفری ان کے گھر چائے پینے چلیں ۔ ہم آج خالی تھے ، ان کے ساتھ گئے ۔ بیگم رضوی صاحبہ نے کھانے کا اہتمام کرلیا ۔ غرض رات ساڑھے نو بجے تک بڑی دل چسپ صحبت رہی ۔

حادثۂ میکسیکو

ڈاکٹر اختر عباس رضوی صاحب موجود تھے ، اس لیے میں نے میکسیکو ٹیلی وژن والا حادثہ مزے لے لے کر سنایا ۔ واقعہ یاد اس لیے آیا کہ گفت گو میں ڈاکٹر برنارڈ لوئی کا ذکر آیا ۔ برنارڈ لوئی بھی میکسیکو کنگرس میں اہمیت کے ساتھ شریک تھے ۔ ان کا مرتبۂ علمی بلند ہے اور عالمی و عالی ہے ۔ ان کو بجا طور پر وہاں اہمیت حاصل تھی ۔ ایک دن میکسیکو ٹیلی وژن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور ایک مشترک پروگرام میں شرکت کی درخواست کی ۔ اس میں مندوبین کنگریس سے انہوں نے سات آدمی چنے : برنارڈ لوئی ، ایک فرانسیسی ، ایک شاید برطانوی ، ایک فلی پینز کی خاتون اور پانچواں میں پاکستانی ، ایک کنگرس کی صدر اور سکریٹری ۔ اور جب پروگرام کا ابتدائی حصہ شروع

ہوا تو مجھے اور ولی ہینز کی خاتون کو باہر بٹھا دیا اور وہ پانچوں اوپر اسٹیج پر چلے گئے ۔ وہ لوگ جو مذاکرہ کر رہے تھے اس کے سننے کے لیے مجھے آلہ بھی نہیں دیا گیا ۔ اب میں کیا کروں ۔ اگر یہ پس منظر نہ معلوم ہوا تو جب ہم حقیروں کی شرکت کا وقت آئے گا تو پھر ہم کیا کریں گے ؟

میں نے اس امتیاز کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور وہ اس طرح کہ وہاں سے واک آؤٹ کر گیا ۔ مجھے ٹیلے وژن والوں نے بہت روکا ۔ کنگرس کی صدر بھی آئیں ۔ مگر میں نے کہا کہ میں اس امتیاز کے خلاف احتجاج کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور ہرگز اس پروگرام میں شرکت نہیں کروں گا ۔ اور میں صدر کنگرس کی موٹر میں واپس ہوٹل آ گیا ۔ ہوٹل آیا تو میرے پیارے دوست پروفیسر ایوان ایلیچ صاحب موجود تھے ۔ ان کو میں نے واقعہ بتایا ۔ وہ بڑے خوش ہوئے ، " آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا ۔" ایوان ایلیچ میکسیکو یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں ۔ ان دنوں نواح میکسیکو سٹی میں بہ مقام " کورونوا کا " رہتے ہیں ۔ مغربی طب کے زبردست نقاد کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتے ہیں ۔ پاکستان میں " ہمدرد لیکچرز " دے چکے ہیں اور ان کی کتاب " مڈیکل نمسس " ان ہی لیکچرز پر تیار ہوئی ہے ۔

میں جب ویسٹ انڈیز گیا ، (پورٹ اوف اسپین ، ٹرینی ڈاڈ اینڈ ٹوبیگو) تو وہاں میرے دوست ڈاکٹر برکات احمد صاحب (سفیر ہند) نے اس کتاب پر تبصرہ ، جو نیویارک ٹائمز میں ہوا تھا ، مجھے دکھایا ۔ میں نے برکات احمد صاحب کو کتاب دکھائی جو ایوان ایلیچ نے میرے نام معنون کی تھی !

ہاں ڈاکٹر برکات احمد پروفیسر برنارڈ لوئی کے دوست ہیں ۔ برنارڈ لوئی نے ان سے شکایت کی کہ حکیم سعید ان کے ساتھ پروگرام

میں شریک نہ ہوئے ۔ ڈاکٹر جعفری برنارڈ لوئی کے شاگرد ہیں ۔ برنارڈ لوئی کی ایک دوست (لوگ کہتے ہیں کہ بیوی ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہیں) ترک خاتون عمان (اردن) میں ان کے ساتھ تھیں ۔ ان کا وہاں بڑا شہرہ تھا ، مس بھی بلاد الشام کانفرنس میں شرکت کے لیے لوئی صاحب کی طرح مدعو تھا ۔ نیو یارک یونیورسٹی کے میرے دوست پروفیسر فرانک پیٹر بھی آئے تھے ۔ فرانک پیٹر ایک تصویر کی تاک میں تھے ۔ ان کو اچھی فوٹوگرافی کا بڑا ہی شوق ہے ۔ ہم ایک شب بیڑا گئے ۔ رات وہیں بسر کرنی تھی ۔ وہاں لوک ڈانس ہو رہا تھا ۔ مس برنارڈ لوئی اور ان کی " اہلیہ " کے پاس بیٹھا تھا ۔ ہمارے رخ مختلف سمتوں میں تھے ۔ یکایک فرانک پیٹر میدان مس کودے اور زور سے چلائے : حکیم سعید پلیز سی دس سائڈ ! میں تو کیا برنارڈ لوئی اور ان کی ساتھی بھی یک سمت ہوگئے ۔ فرانک پیٹر نے فوٹو کھینچ لیا ! اس کی ایک کاپی اب بھی میرے پاس ہے !

فرانک پیٹر بڑی علمی شخصیت ہیں ۔ ان کی تازہ کتاب " دی کامن ویلتھ اوف اللہ " میرے پاس آئی ہے ۔ وہ اور ان کی اہلیہ پاکستان آئے تھے ۔ کنگرس عالمی ابو ریحان البیرونی میں میرے مہمان تھے ۔ اس کے بعد سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے ۔ آج وہ اس طرح یاد آئے کہ میں اب ان کو ایک بار پھر پاکستان آنے کی دعوت دوں گا ۔

۸ مئی ۱۹۸۰ء ، جمعرات ، کینبرا

شب گزشتہ کھانسی نے بہت تنگ کیا ، اور کھانسی سے

زیادہ نرم بستر نے بے آرام کیا جس کی دو فوم کی تہیں ہیں اور یہ دونوں تہیں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتیں ، جدا ہو جاتی ہیں اور بستر ناہموار ہو جاتا ہے اور میں کوئی ناہمواری برداشت کر ہی نہیں سکتا ۔ میں نے یہ نرم گرم بستر چھوڑ دیا اور فرش پر پناہ لی ۔ ان دنوں کینبرا کا موسم معتدل ہے ۔ کمبل تو ضروری ہے مگر زمین پر بغیر بستر کے سویا جاسکتا ہے ۔ کھانسی اور بستر کی بے چینی ذرا رفع ہوئی تو ذہنی بے چینی شروع ہوگئی ۔ پاکستان کے وفد کے ارکان آج صبح نہیں آسکے ، حالانکہ میں جو پروگرام بنا کر چلا تھا اس کے مطابق ان کو آج صبح سوا نو بجے آجانا چاہیے تھا ۔ اب دیکھیے کہ وہ کب آتے ہیں یا نہیں ، دل یہ کہ رہا تھا کہ نہیں آئیں گے اور چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ نہیں آئے ۔ نہ جانے ان پر کیا افتاد پڑی ہے ۔ یہ بیوروکریسی ہر صاحب علم کو ذلیل کرنے پر تلی ہوئی ہے ۔ سب کی اس بے چینی کے ساتھ طب کے معاملے میں پاکستان میں مشکلات نے دل و دماغ کو گھیر لیا ہے اور میں نے آج نہایت اہم فیصلہ کیا ہے ۔ یہ فیصلہ اتنا ہی اہم ہے کہ جتنا میرا وزارت قبول کرنا ۔ اب میں اس کے مالہ و ماعلیہ پر غور کر کے اہم اقدامات کروں گا ۔

نماز فجر ادا کر کے فوراً لیٹ گیا اور صبح ۸ بجے تک سوتا رہا ۔ اس سے ذرا اعصاب کو سکون میسر آگیا ۔ ۹ بجے تیار ہوگیا اور کل کی تاریخ کی روداد لکھی ۔ ساڑھے دس بجے نیچے آگیا ۔ تحقیقات کی ۔ ہوائی میدان سے آدمی واپس آگیا ۔ پاکستان سے کوئی نہیں آیا ہے ۔

ایشین اسٹڈیز

ڈاکٹر جعفری اور میں دونوں ایشین اسٹڈیز پہنچے۔ نقشہ سامنے رکھا۔ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نقشے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس نقشے کی مدد سے ہم یہاں آ ہی گئے۔ یہاں آ کر سال گزشتہ کی بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔ راستے میں ایک ایک کرکے واقعات ذہن میں آنے لگے۔ یہاں دو بڑی اہم شخصیات بیٹھتی ہیں: ایک ڈاکٹر اختر عباس رضوی، اور دوسرے ڈاکٹر اے۔ ایل۔ باشم صاحب۔ میں بغیر تکلف اوپر گیا۔ پہلے مسز ہولی اوک کے ہاں "ناک" کیا۔ ان کی جاپانی معاون نے بتایا کہ چائے کا وقت ہے، نہ ہولی اوک ہیں اور نہ پروفیسر باشم۔ ہم پروفیسر رضوی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ وہ منتظر تھے۔ ابھی ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ مسز ہولی اوک آ دھمکیں۔ ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، ان کو تو جیسے کوئی بڑی قیمتی کھوئی ہوئی چیز مل گئی ہو۔ مسز ہولی اوک، جن کے بارے میں آج ہی پتہ چلا کہ انہوں نے اپنے خاوند کو استعفیٰ دیدیا ہے، بڑی سمجھ دار اور زیرک خاتون ہیں۔ انہوں نے کنگرس عالمی طب ایشیائی کا انتظام سال گزشتہ جس حسن و خوبی کے ساتھ کیا تھا اس نے مجھے بڑا ہی متاثر کیا تھا۔ ان میں انتظام و انصرام کی بڑی صلاحیتوں کے ساتھ برداشت کی طاقت بہت زیادہ ہے اور وہ ایسی ہنس مکھ بھی ہیں کہ کسی کو ان سے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ وہ ہماری نئی تنظیم طبی "آئسٹام" کی سکریٹری ہیں۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ تبادل خیال کے لیے تیار رہیں تاکہ آئسٹام کو متحرک بنانے کا پروگرام بنایا جائے۔

ڈاکٹر باشم صاحب کو پتہ چلا۔ وہ بھی ملنے کے لیے

تشریف لے آئے - بڑے تپاک سے ملے - بہت افسوس کر رہے تھے کہ پتہ نہ چلا ورنہ وہ ہوائی میدان پر لینے آتے - میں نے کہا کہ اہل علم اور استاد کا مرتبہ یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں - یہ آپ کی عظمت ہے کہ آپ میرا اس درجہ خیال کرتے ہیں - ڈاکٹر باشم گزشتہ دسمبر (۱۹۷۹ء) میں پاکستان میں ہمدرد کے مہمان تھے - ان کی اہلیہ شیلانگ کی ہیں - ڈاکٹر باشم صاحب کا میدان تحقیق ہندستان ہے - یہ عالمی شہرت کے عالم ہیں - پہلے لندن یونیورسٹی میں تھے - یہ کینبرا یونیورسٹی کی تلاش کا کرشمہ ہے کہ وہ لندن چھوڑ کر یہاں آگئے اور یہاں ان کی وجہ سے یونیورسٹی کا مرتبہ بلند ہوا - کینبرا میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کی عظمت یہی ہے کہ دنیا بھر سے اہل علم کو لا کر جمع کر دیا گیا اور آج صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی ایک بڑی یونیورسٹی بن گئی ہے جہاں سے علم کے سوتے رات دن پھوٹا کرتے ہیں - یونیورسٹی کا مقام یہی تو ہوتا ہے - ڈاکٹر باشم صاحب اب اس سال یہاں سے رٹائر ہوجائیں گے - ہندستان ، جرمنی ، انگلستان ہوتے ہوئے نیو میکسکو یونیورسٹی میں تین سال کے لیے چلے جائیں گے - مجھے انہوں نے دعوت دی ہے کہ میں ان کے زمانے میں ضرور وہاں پہنچوں اور لیکچرز دوں -

ڈاکٹر باشم صاحب نے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ لنچ ہونا چاہیے - میں نے فوراً قبول کرلیا - میں جانتا ہوں کہ میں خود مصروف ہو جاؤں گا - ادھر ڈاکٹر باشم رخت سفر باندھ رہے ہیں اور ان دنوں اپنی سخت مصروفیت کا اظہار کرچکے ہیں - ڈاکٹر رضوی ، ڈاکٹر جعفری اور میں نے یونیورسٹی ہال کے "سیلر" میں لنچ لیا - یونیورسٹی ریستوران بڑی شاندار جگہ ہے - سال

گزشتہ ڈاکٹر ہاشم صاحب نے مجھے ، ڈاکٹر بانر مان (ورلڈ ہیلتھ اورگنائزیشن میں نگراں شعبۂ طب) ، پروفیسر چارلز لرلی اور پنڈت شیو شرما صاحب کو لنچ دیا تھا ۔ مگر مجھے سیلر پسند ہے ۔ یہاں اپنی مرضی کا کھانا ملتا ہے اور سروس کے تکلفات نہیں ہیں ۔

افتتاح کانفرنس ، قرآن چودہ اسلامی صدیوں میں

پروگرام کے مطابق ساڑھے سات بجے استقبالیہ ہے ۔ یعنی تمام مندوبین آپس میں ملاقات کرلیں ۔ میں وقت مقررہ پر نیچے آگیا ۔ محترمی ڈاکٹر جعفری صاحب کو فلیٹ مل گیا ہے ۔ اب مجھے اور ان کو دونوں کو اطمنان ہوگیا ہے ۔ ہم دونوں ہال میں آگئے ۔ کافی مہمان آچکے تھے ، بلکہ بہت سے آچکے تھے ۔ آج تمام دن میں متوقع رہا کہ سفارت پاکستان سے کوئی تو رابطہ قائم کرے گا ، مگر ایسا نہ ہوا اور اب جب استقبالیہ مس فرسٹ سکریٹری نہال وارث صاحب آئے اور پھر جناب نور صاحب سفیر پاکستان تشریف لائے تو طبیعت میں انقباض محسوس ہوا ۔ میں نے حتی الامکان ان سے ملاقات سے گریز کیا مگر یہ گریز ممکن نہ تھا ۔ ان دونوں حضرات نے بتایا یہی ہے کہ ان کو اب تک کوئی اطلاع نہیں ہے میرے بارے ۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی وزارت خارجہ میں کوئی بقراط تشریف فرما ہوں اور انہوں نے میرے ٹیلیکس کو غیر ضروری سمجھا ہو ۔

کانفرنس کا افتتاح ۸ بجے تھا اور سب کے سب ٹھیک وقت پر ہال میں آگئے ۔ تلاوت قرآن پاک سے آغاز ہوا ۔ سورہ رحمٰن کی تلاوت ہوئی ، مگر دل پر زیادہ اثر نہ ہوا ۔ قاری صاحب نے انصاف

نہیں کیا ۔ ترجمہ بڑا سادہ اور رواں ہے ۔ یہ ترجمہ کانفرنس کے چیئرمین ڈاکٹر جوھر نے کیا ہے ۔ ان دنوں ڈاکٹر جوھنز ترجمہ قرآن حکیم کر رہے ہیں اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ ترجمے کی زبان انتہائی آسان اور سادہ ہو ۔

تشکر و امتنان

ڈاکٹر جوھنر نے اپنے خطبۂ آغاز میں کہا کہ تشکر و امتنان جلسۂ اختتامی میں موزوں تر ہوتا ہے ، مگر بعض فرائض ایسے ہیں کہ میں آج سب سے پہلے ان کو ادا کرنا چاھتا ہوں ۔ اور وہ بعض حضرات کا شکریہ ہے جو مجھ پر واجب ہے اور میں اس فرض کو ادا کرکے سکون محسوس کرنا چاھتا ہوں ۔

انہوں نے سب سے پہلے حکیم محمد سعید (راقم الحروف) کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی وجہ سے اس کانگرس کی تنظیم عالمی میں بڑی زبردست مدد ملی ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے ڈاکٹر احمد صلاح جم جوم صاحب کا بکمال احسان مندی شکریہ ادا کیا اور ان کا بانی کانفرنس کی حیثیت سے تعارف کرایا ۔ میں خود اس مرتبہ کی توقع نہیں کرتا تھا ۔ شاید سفیر پاکستان کو پہلی بار ھی معلوم ہوا ہے کہ اس عالمی قرآن کانگرس سے میرا اس درجہ گہرا تعلق ہے ۔ یقیناً ہمارا سر افتخار بلند ہوا ہے کہ پاکستان کو ایسا زبردست کریڈٹ مل گیا ہے ! افتتاح میں ایک نمائش کا ذکر بھی آیا ۔ اگر ہمیں اس کی ذرا بھی سن گن ہوجاتی تو پاکستان سے نمائش کے لیے اچھا خاصا سامان لایا جا سکتا تھا ۔ آج میں نے دیکھا کہ مصر سے بڑے اچھے نمائش کے نمونے آئے ہیں ۔ اور لوگ ان کو دیکھ رہے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے سفارت کاروں کو علم و عمل سے اپنی دل چسپیوں میں اضافہ

کرنا چاهیے ۔ مجھے آج یاد آیا که جب میں جامعهٔ برن (سوئزر لینڈ) میں لیکچر دینے گیا تو سفارت پاکستان کے اور سفیر پاکستان کے ڈرائیور کو یونیورسٹی کا راسته معلوم نه تھا ۔ سروت سچ مچ یونیورسٹیوں کا شہر ہے ۔ وهاں پاکستان کا کلچرل کاؤنسلر لاڑکانه کا ایک هیڈ ماسٹر تھا !

ڈاکٹر آریان صاحب عرب هیں اور کانفرنس کے وائس چیئرمین بھی هیں ۔ ان کا انداز تخاطب ذرا سخت تھا اور فیڈریشن زون مسلم ایسوسی ایشنز، اوسٹریلیا، ڈاکٹر وزنگ نے تو اپنے کلمات استقبالیه میں کانفرنس کی روح کو مجروح کر دیا ۔ بارے ڈاکٹر احمد صلاح جم جوم صاحب کا خطبه (کی نوٹ سپیچ) عالمانه تھا ۔ مگر ڈاکٹر آریان صاحب نے ترجمے میں اپنی فکر شریک کرکے جم جوم صاحب کے مقام کو زک پہنچادی ۔ میں نےاور شاید کسی نے بھی یه بات پسند نہیں کی ۔ عربی خطبےکا ترجمه مطابق عربی هونا چاهیے تھا ۔ مجموعی طور پر یه تقریب افتتاح بہت اچھی رهی هے اور میرا دل خوش هوگیا ۔ اس تقریب افتتاح کے مہمان خصوصی وائس چانسلر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی تھے مگر وه چین گئے هیں ۔ ان کی نمائندگی ملائشیا کے پروفیسر وان گنگو نے کی ۔ یه بڑی علمی شخصیت هیں ۔ ان سے میری آج پہلی بار ملاقات تفصیل کے ساتھ هوئی هے ۔ میں نے ان کو پاکستان آنے کی دعوت دی هے جس کو انهوں نے قبول کرلیا هے ۔ ان کی آمد پاکستان کے لیے باعث فخر هوگی ۔

سپــــر

تقریب افتتاح کے بعد چائے کا اهتمام تھا ۔ اس میں پنیر،

بسکٹ ، فوا کہات وغیرہ تھے - مس نے پیاز تازہ تین چار کھالیں - حیرت ہوئی کہ اس کے بعد کھانسی کا نام و نشان نہ رہا - یہ ذاتی تجربہ بڑا دل چسپ رہا اور لائق فکر !

سپر میں محترم سفیر پاکستان سے باقاعدہ ملاقات ہوئی - ان کو بجا طور پر شکایت تھی کہ ان کو بر وقت اطلاع نہ ہوئی ، اس لیے وہ میرے اعزاز میں کوئی تقریب کیسے کریں - میں نے ان کی مشکل رفع کر دی اور میں نے ان سے کہا کہ وہ ذرا بھی تکلف نہ فرمائیں اور نہ تکلیف کریں - اس عاجز کو اعزاز و اکرام کی کوئی حاجت نہیں ہے - میں اپنا زیادہ وقت اہل علم کے ساتھ گزارنا پسند کروں گا - میں نے محسوس کیا کہ میں نے ان کے ذہن کے ایک بڑے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے - جناب نور صاحب بہت نفیس انسان ہیں - میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں کسی درجے مس بھی باعث زحمت بنوں -

۹ مئی ۱۹۸۰ء ، جمعۃ المبارک ، کینبرا

شب گزشتہ بڑے ٹھاٹھ کی نیند آئی ، کھانسی کا ایک ٹھسکا نہ لگا ! غضب یہ ہوا کہ نماز فجر قضا ہوگئی - سفر اور جیٹ جہاز نیز تبدیلیٔ اوقات نے جسم کے نظام میں جو ابتری اور انتشار پیدا کیا تھا وہ آج رفع ہوگیا اور اب نظام جسم نے اوسٹریلیا سے یگانگت پیدا کرلی ہے - اب جب کینبرا سے چل کر میں کراچی اتروں گا تو ایک بار پھر جسم میں یہ ہنگامہ برپا ہوگا - مگر وہ تو ہوگا !

یونیورسٹیاں مرکز علوم

میں آج بڑی دیر غور کرتا رہا کہ یہاں کی یونیورسٹیاں کیسی عظیم ھیں - علوم و فنون کا مرکز ھیں اور کوئی روز ایسا نہیں ھوتا کہ یہاں سے علم کے سوتے نہ پھوٹتے ھوں - ابھی کل ھی ایک عالمی کانفرنس ادیان و مذاھب پر ختم ھوئی ہے کہ قرآن کانفرنس یہاں شروع ھوگئی ھے - میرے ذھن میں ایک سوال آج یہ پیدا ھوا کہ کیا پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں بائبل کانفرنس منعقد ھوسکتی ھے؟ مجھے کوئی دقت نہیں ھوئی - جواب فوراً مل گیا کہ کسی اسلامی جماعت کے پر جوش اور پرخلوص کارکن "اشارۂ ابرو" پر یونیورسٹی کی اینٹ سے اینٹ بجادینگے! کسی جماعت کے طلبہ ھی پر کیا منحصر ھے، ھمارے ھاں تو ھر طالب علم نے یونیورسٹی کی اینٹ سے اینٹ بجا رکھی ھے اور ھر استاد نے انہیں سیاست کا اکھاڑا بنا رکھا ھے - پھر سیاست داں کون سے پیچھے ھیں - غرض مجموعی طور پر ھر فرد وطن تعلیم گاھوں کے اصل مقصد سے بے تعلق نظر آتا ھے - خیر یہ قرآن اور بائبل کا معاملہ تو ذرا چھوٹا ھے - میرے ذھن میں سب سے بڑا سوال یہ ھے کہ کیا جامعات پاکستان تعلیم و تربیت کا کوئی سامان کر رھی ھیں؟ علم اور عالم کی عزت و عظمت کا یہاں کوئی سامان ھو رھا ھے؟ طلبہ اور اساتذہ کیا ان دانش گاھوں کی حفاظت کا فرض ادا کر رھے ھیں؟ ظاھر ھے کہ اس سوال کا جواب ایک بڑا "نہیں" ھے! میں آج کینبرا کی اس اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے شب و روز پر غور کرتا رھا - اس کے مختلف شعبوں کے بارے میں سوچتا رھا - اس کے ماحول پر نظر ڈالتا رھا - اس کا مقابلہ میں نے ذرا سی دیر کے لیے جامعۂ قائد اعظم سے کیا - اس موازنے سے میرا سر ندامت سے جھک گیا - کہا جاتا ھے کہ

قائد اعظم یونیورسٹی مہینوں اس لیے بند رہی کہ اس جامعہ نے پروفیسر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملنے پر انہیں اعزازی ڈگری کیوں دی ! اس عنوان پر اختلافات نے درجنوں طلبہ کو زخمی کر دیا ۔ شاید ایک آدھ جان سے بھی گیا ہے ۔ جامعۂ پنجاب میں ہنگامۂ کشت و خون اس لیے برپا ہوا کہ کسی پروفیسر نے حمایت روس میں ایک جملہ کہہ دیا تھا ۔ شاید حمایت نہ تھی بلکہ توجہ دلانا تھا کہ روس نے کیسی پلاننگ کی ہے کہ ہر طاقت سرنگوں ہو رہی ہے ! اس میں غلط بات کیا ہے ؟ آخر طلبہ اس پلاننگ کا اپنے زوال پذیر حال سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے اور اعتراف حقائق کیوں نہیں کرتے ؟

ایک طرف یہ جامعات ہیں کہ رات دن خدمت علم اور خدمت عالم میں مصروف ہیں ، دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری جامعات ڈگریاں تقسیم کرنے والی فیکٹریاں بنی ہوئی ہیں ۔ بڑا دل دکھتا ہے ۔ یہ المیہ اپنی جگہ ہے کہ گزشتہ ۳۲ سالوں میں آزادی کے بعد سے آج تک ہم اپنے نظام تعلیم کو اپنے نظریۂ حیات ملی سے ہم آہنگ نہیں کرسکے ہیں اور وہ تعلیم دے رہے ہیں کہ ایسی تعلیم سے پاکستان کے کسی فرد میں پاکستان سے محبت پیدا نہیں ہوسکتی ۔ ہم اتنا بھی نہیں کرتے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی جامعات کی کہانیاں ہی اپنے ہاں طالب علموں کو سنادیں تاکہ ان کو اتنا تو معلوم ہو کہ دنیائے علم میں کیا ہو رہا ہے ۔ پاکستان کے طالب علم میں اور مغرب کی جامعات کے طالب علم میں آج جو امتیاز ہے اس کا علم پاکستان کے طالب علم کو ہونا چاہیے ۔ وہ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور ہمارا طالب علم فلمی ستاروں کے دام میں گرفتار ہے ! وہاں کا طالب علم آزادیوں کے شادیانے بجا رہا ہے اور ہمارا طالب علم

فکری اور سیاسی آزادیوں سے محروم ہو رہا ہے۔ وہاں کا طالب علم محنت کر رہا ہے اور پاکستان کے ہر طالب علم کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے !

قرآن کانفرنس کے علمی اجلاس آج ۹ بجے سے شروع ہوگئے ہیں ۔ میں تو آج تمام دن ان میں مصروف رہا ۔ شام کو ۶ بجے آخری اجلاس سے فارغ ہوکر کھانا کھایا اور اپنے فلیٹ مس آگیا ۔ آج کے تمام مقالات کا مقام علمی بلند رہا ۔

نماز جمعہ کا اہتمام تھا ۔ کانفرنس کے پروگرام میں لکھا تھا کہ نماز جمعہ کے لیے تمام انتظامات ہیں ۔ سواری ہے ۔ جامع مسجد کینبرا میں نماز جمعہ ادا ہوگی ۔ ہم نے ڈاکٹر رضوی کے کمرے میں آکر تازہ وضو کیا اور ہم سب مسجد پہنچ گئے۔ یہاں کانفرنس کے تمام ہی مسلم مندوبین نہ تھے ، مگر بعض غیر مسلم مندوبین بھی تھے ۔ بڑی چہل پہل تھی ۔ مسلم ممالک کے سفرا بھی تھے ۔ بنگلہ دیش کے سفیر صاحب شب گزشتہ بھی تپاک سے ملے تھے اور اب پھر وہ آکر ملے۔ سفیر کبیر پاکستان کے لیے میری آنکھیں متلاشی رہیں ! ایک حادثۂ فاجعہ یاد آیا کہ جب ہمارے وزیر اعظم جناب بھٹو شملہ کانفرنس میں گئے تھے تو ان کے ساتھ درجنوں ان کے رفقا بھی تھے ۔ حکومت ہند نے ہماچل پردیش کے دارالحکومت شملہ کی جامع مسجد میں سفیدی کرائی اور اس میں رنگ روغن کرایا کہ پاکستان کے یہ مسلمان نماز جمعہ ادا کریں گے ۔ اطلاع یہ ملی کہ اس جامع مسجد میں ایک پاکستانی بھی نماز ادا کرنے نہیں گیا تھا ۔ بلکہ ہر پاکستانی شملہ کے بازاروں میں انڈین فلمز کے رکارڈ اور ٹیپ خرید رہا تھا ۔ انہوں نے اتنے رکارڈ اور ٹیپ خریدے کہ دھلی سے مزید تازہ اسٹاک جتنا

آج قرآن کانفرنس کے تمام مندوبین کے اعزاز میں سفیر کبیر انڈونیشیا نے عصرانہ دیا ہے ۔ دعوت نامے بھی ملے ہیں ۔ کانفرنس پروگرام میں بھی ذکر ہے ، آج اعلان بھی ہوا ۔ میں نے بھی جانے کا فیصلہ کیا تھا ، مگر میں نے پھر نہ جانے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ پاکستان کے سفارت خانے نے ایسے استقبالیے کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے ۔ مجھے سفارت انڈونیشیا جاتے ہوئے شرمندگی دامن گیر ہوئی ۔ میں نہیں گیا ۔ دوسرے سفارت خانوں نے بھی اہتمام کیا ہے ۔ مجھے دعوت نامے ملے ہیں ۔ سفیر ہند نے اپنے وفد کے اعزاز میں ڈنر دیا ہے ۔ بتایا گیا ہے کہ انڈیا کے سفیر ہندو ہیں ۔ مگر قرآن کانفرنس میں ہندی مسلمانوں کو بلانے میں وہ پیش پیش رہے اور بھر قیمت کوئی درجن بھر ہندی مسلمان قرآن کانفرنس میں شریک ہیں ۔ افسوس ، صد افسوس کہ پاکستان کا وفد آج بھی نہیں آیا ۔

۱۰ مئی ۱۹۸۰ء ، ہفتہ ، کینبرا ، اوسٹریلیا

آج کی سب سے اہم خبر یہ ہے کہ فلوریڈا میں ایک جہاز نے ایک پل کو ٹکر ماردی جس پر ایک گرے ہاؤنڈ بس جا رہی تھی ۔ شاید ۹۰ جانوں کا اتلاف ہوا ہے ۔ اور دوسری اہم خبر یہ ہے کہ چین ” پیسی فک “ میں میزائل کے تجربات کرنے والا ہے ۔ اوسٹریلیا ریڈیو اور بی بی سی دونوں نے اس ترتیب کو قائم رکھا ہے ۔ درحقیقت یہ دونوں خبریں عالم انسانیت کی تباہی پر دال ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے کونسی قوی ہے ۔

میں نے آج صبح اپنے خطبے کو آخری شکل دے لی ہے کہ جو میں ۱۳ مئی ۱۹۸۰ء کو قرآن کانفرنس کے اختتامی جلسے میں دوں گا۔ آج میں یہ خطبہ منتظمین کے حوالے کر رہا ہوں۔ مجھے اطمینان ہے کہ یہ خطبہ اب پر معنی (مینگ فُل) ہوگا ہے اور جلسۂ اختتامیہ کے لیے صحیح ہے۔ اگر پاکستان میں ذرا بھی مہلت مل جاتی تو میں اس کو اور زیادہ اچھا کر سکتا تھا۔

میرا ارادہ تھا اور ہے کہ میں اوسٹریلیا کے وزیرصحت سے ملاقات کروں گا۔ گزشتہ دنوں چین کے وزیر صحت نے اوسٹریلیا کا دورہ کیا تھا اور طب چینی کے بارے میں بھی تبادل خیال کیا تھا۔ ارادہ ہے کہ میں وزیر صحت اوسٹریلیا مسٹر رالف ھنٹ سے مل کر طب کے موضوع پر ان سے بات کروں گا۔ اگر سفارت پاکستان نے کوئی مدد کرنے کا نیک ارادہ کیا تو میں ان سے بس یہی درخواست کروں گا کہ وزیر صحت سے مری ملاقات کا انتظام کرادیں۔ اگر ایسا نہ ہوسکا تو دیکھوں گا کہ شاید قائم مقام وائس چانسلر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی یہ انتظام کرادیں ، مگر ان سے درخواست کرنے میں اور براہ راست رابطہ قائم کرنے میں پروٹوکول حائل ہے اور میں سفارت پاکستان کو اس مشکل میں کیسے ڈالوں !

دنیا کی یونیورسٹیوں کے ہاسٹلوں میں قیام میری ایک بڑی اچھی عیاشی ہے۔ مجھے ہاسٹلوں میں ٹھہرنے میں بڑا ہی لطف آتا ہے۔ قرآن کانفرنس کے صدر ڈاکٹر جوہنز مجھے اس لطف سے محروم کرنے پر مصر تھے اور ان کو یقین نہ آتا تھا کہ " آنریبل حکیم محمد سعید " کو ہوٹل کے عیش و آرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں جب ہاسٹل میں ٹھہرتا ہوں تو اپنی عادات غذا میں تبدیلی کرلیتا ہوں۔ صبح ناشتہ کرتا ہوں اور شام کو ۶ بجے

کھانا کھاتا ہوں ۔ ہاسٹلوں میں ڈنر کے اوقات ٦ سے ٧ بجے تک ہی ہوتے ہیں ۔ مغرب کے تمام یونیورسٹی ہاسٹلوں میں یہی اوقات ہیں اور ان میں بڑی معقولت ہے ۔ میں پاکستان میں انداز زندگی میں جو تبدیلیاں لانا چاہتا ہوں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ صبح ناشتہ اور شام کو کھانا کھائیے اور دن کا کھانا ختم ۔ شاید یہ تحریک میں جلد ہی شروع کرسکوں ۔

قران کانفرنس کے علمی اجلاس

سوا نو بجے صبح لا آڈیٹوریم میں پہنچ گیا ۔ ڈاکٹر جعفری صاحب ، ڈاکٹر رضوی صاحب ساتھ تھے ۔ آج صبح کا یہ اجلاس تو قانون ہی پر رہا ۔ چار بڑے اچھے مقالات ہوئے ۔ ایک بڑا مقالہ ڈاکٹر رشید صاحب کا تھا ۔ ان کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہے ۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر قاضی صاحب کا رہا ۔ یہ سندھ کے ہیں اب مسلبرن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ۔ تیسرا مقالہ ڈاکٹر انصاری صاحب کا تھا ۔ یہ بھی پاکستانی ہیں اور پیٹرولیم یونیورسٹی ، ظہران ، سعودی عرب میں ہیں ۔ چوتھا مقالہ پروفیسر ڈبلیو ۔ کلیفرڈ صاحب کا تھا ۔ ان کے مقالے کی ایڈوانس کاپی مجھے جناب سفیر پاکستان نے از راہ کرم بھجوادی تھی اور میں نے سرسری نظر ڈال کر فوراً محترم جناب خالد اسحاق صاحب کو بھجوا دی تھی تاکہ وہ اس کے لیے تیار ہوکر قرآن کانفرنس میں شریک ہوں ۔ مجموعی طور پر یہ سیشن بہت ہی بلند مرتبہ رہا ۔ صدارت پروفیسر رچرڈ سن ، پرنسپل کالج اوف ایجوکیشن ، کینبرا نے کی جو بذات خود دساتیر عالم پر ایک اہم شخصیت ہیں ۔ یہ وہی رچرڈ سن صاحب ہیں جو صدر ایوب صاحب کے زمانے میں پاکستان میں دستور پاکستان پر مشورے کے لیے بلائے گئے تھے ۔ بذلہ سنج

انسان ھیں - ان سے میں نے آج تفصیل سے باتیں کیں -

آج کے سسشن میں جناب محترم سفر پاکستان صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی - وہ اور ان کی اھلیہ محترمہ (ھمشیر جناب آغا شاھی صاحب) دونوں قرآن کانفرنس کے مندوب ھیں - محترمہ بیگم صاحبہ جب اوسٹریلیا آئیں تو ان کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹریٹ کرلیں یا لائبریری سائنس میں مہارت حاصل کرلیں - مگر یہ دونوں کام انہوں نے نہیں کیے - کہا جاتا ھے کہ وہ کسی ٹیکنیکل کالج میں کام کر رھی ھیں ، یعنی کسی قسم کی تربیت حاصل کر رھی ھیں - جناب سفیر پاکستان صاحب سے میری دس سرسری بات ھوئی - ان کا استفسار یہ تھا کہ ھنوز میری ناراضگی رفع ھوئی ھے یا نہیں - میں نے کہا کہ پاکستان کے علما کو قرآن کانفرنس میں شرکت سے روکنا انتہا درجے کی مداخلت بے جا ھے اور انتہا درجے کی علم و عالم دشمنی ھے اور میں علمی استعال کی آگ میں جل رھا ھوں -

میں ذاتی طور پر متوقع نہیں رھتا کہ پاکستان کے سفارت خانے ھماری تواضع کریں اور ھمارے آگے پیچھے پھرا کریں - گزشتہ سال جب میں آیا تھا تو جناب سفیر صاحب نے ایک کارکن اور کار کی پیش کش کی تھی - مگر میں نے ان کو یہ زحمت نہیں دی تھی ، حتیٰ کہ جب انہوں نے مجھے کھانے پر یاد فرمایا تو میں یونیورسٹی کی موٹر کار میں ان کے ھاں گیا تھا - اس بار انہوں نے نہ تعاون کی پیش کش کی اور نہ کار کی - یہ چیزیں میرے لیے وجہٗ شکایت نہیں ھوا کرتیں -

سیر و تفریح

آج موسم بڑا ھی خوش گوار ھے - ذرا سی بارش نے موسم

کو زیادہ سرد کر دیا ہے جو قابل برداشت ہے ۔ صبح کے سشن کے اختتام سے قبل جناب ڈاکٹر اطہر عباس رضوی صاحب تشریف لے آئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ پکنک کا موڈ طاری ہوگیا ہے ، بس موٹر میں سوار ہوجائیے ۔ میں اور ڈاکٹر جعفری صاحب اور ڈاکٹر رضوی صاحب کے دو شاگرد کہ جو ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں ہم سب روانہ ہوگئے ۔

سب سے پہلے کنبرا آبزرویٹری دیکھنے گئے ۔ ۱۷ - ۱۸ میل کا یہ تمام راستہ بڑا ہی خوبصورت ہے ۔ ہر طرف سبزہ زار ۔ یوکلپٹس کے درخت میلوں تک پھیلے ہوئے ۔ صفائی ستھرائی بےحد دل آویز ۔ آبزرویٹری کے ٹیلسکوپ دیکھ کر میں حیران رہ گیا ۔ میں نے اس سے بڑی ٹیلسکوپ پہلے نہیں دیکھی تھی ، حال آنکہ میں نے ایڈنبرا وغیرہ مقامات کی ابزرویٹریاں بھی دیکھی ہیں ۔

آبزرویٹری (رصد گاہ)

جہاں تک مجھے معلوم ہے پاکستان میں کوئی بھی قابل ذکر آبزرویٹری نہیں ہے ۔ شاید جامعۂ کراچی میں ایک "منی آبزرویٹری" لگی ہوئی ہے اس سے تعلیمی مقاصد کسی حد تک پورے ہوسکتے ہیں ، مگر فضائی و آسمانی مطالعہ کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ دنیائے اسلام میں مطالعۂ سما اور مشاہدۂ شمس و قمر تاریخی اور سائنسی اہمیت کا حامل ہے ۔ مگر اس میدان میں مسلمانوں کی پیش رفت ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور اس کو میدان تحقیق ہنوز نہیں بنایا گیا ہے ۔ روس میں الغ بیگ کی آبزرویٹری اس میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے ۔ حالات کے بگاڑ نے اسے نابود کر دیا تھا ، مگر ایک روسی محقق نے اس کو زمین کے طبقوں سے بالآخر نکال لیا ہے

اور سمر قند میں یہ آبزرویٹری مسلمانوں کو آج بھی دعوت فکر دے رھی ھے۔ استنبول (ترکی) میں ایک قدیم آبزرویٹری '' قندیلی '' تاریخ کی ٹوٹی ھوئی کڑیوں کو ملاتی ھے ، مگر عالم اسلام نے اس میدان میں ان آثار سے کوئی روشنی حاصل نہیں کی ھے اور پوری دنیائے اسلام میں کوئی ایک بھی قابل ذکر و لحاظ آبزرویٹری موجود نہیں ھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کے ایک بڑی آبزرویٹری کا قائم کرنا اور ایک قابل لحاظ سائز کی ٹیلسکوپ نصب کرنا بڑا خرچ ھے ، مگر دنیائے عرب و اسلام کے لیے اس خرچ کی ذرہ برابر بھی اھمیت نہیں ھے۔ ضرورت ھے کہ پاکستان اس میدان میں پیش رفت سے کام لے اور اگر خود نہ کرسکے تو دنیائے عرب کے تعاون سے مطالعہ سما کا اھتمام کرے۔ ھمارے نصاب تعلیم کا یہ انتہائی قابل فکر نقص ھے کہ سائنسی علوم و فنون کو ھم نے اب تک کوئی اھمیت نہیں دی ھے۔

نئی دوربین کی ایجاد

مونٹ سٹراملو اور سائیڈنگ سپرنگ میں قائم اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کی رصد گاھوں کے ھئیت دانوں نے دنیا بھر کی تین مختلف ایجادات کو پہلی بار اکھٹا کر کے ایک نئی دوربین تیار کی ھے جس پر موجودہ قیمتوں کے مقابلے میں ایک چوتھائی لاگت آئے گی۔ نئی دوربین کو اوسٹریلیا کے تمام سائنس داں استعمال میں لاسکیں گے۔

اس دوربین (ٹیلسکوپ) میں کام آنے والے آلات میں بڑے سائز کا ایک باریک آئینہ ، ایک عمودی یا متوازی چبوترہ اور ایک گردش پذیر عمارت شامل ھیں۔ رصد گاھوں کے قائم مقام ناظم ڈاکٹر ڈان میتھیوسن نے بتایا کہ تین میٹر یا ۱۲۰ انچ قطر کے

آئینے والی اس دوربین پر بیس لاکھ اوسٹریلوی ڈالر خرچ ہوں گے جبکہ اسی حجم کی روایتی دوربین پر فی الحال ایک کروڑ بیس لاکھ اوسٹریلوی ڈالر صرف آتا ہے -

تاریک روزن (Black Holes)

سال گزشتہ کی ایک اطلاع ہے کہ اوسٹریلوی ماہرین فلکیات نیو ساؤتھ ویلز کے مقام کونا برابران پر نصب ایک دوربین کی مدد سے ایک عظیم " تاریک روزن " دریافت کرنے میں کام یاب ہوگئے ہیں جو ان کے اندازے کے مطابق اس کائنات کے آخری سرے پر واقع ہے - سورج سے دس گنا بڑے اس " تاریک روزن " کا فاصلہ ہماری زمین سے روشنی کے دس ارب سال کے برابر ہے - یاد رہے کہ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸٦۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے -

حالیہ برسوں میں دریافت ہونے والا یہ تیسرا " تاریک روزن " ہے - دل چسپ بات یہ ہے کہ ہفتے ہفتے کے وقفوں سے یہ تاریک روزن اجرام فلکی میں سے کسی ایک کو ہڑپ کرکے اسے قوت میں تبدیل کرتے رہتے ہیں -

یہ واقعہ میں نے یہاں اس لیے درج کیا ہے کہ ہم غور کریں کہ آخر پاکستان کے سائنس داں مطالعہ فلک میں کب پیش قدمی کریں گے -

اس کے بعد واٹر پمپنگ اسٹیشن گئے - یہ بجائے خود ایک بڑی سیر گاہ ہے - تمام کینبرا کو یہاں سے پانی فراہم ہوتا ہے - اس مقام کا سارا ماحول سیر گاہ ہی ہے - واللہ کیا کیا انتظامات پبلک کی تفریح کے لیے کیے گئے ہیں - ذرا غور فرمائیے : جگہ جگہ گیس اسٹیشن بنے ہوئے ہیں - ان کے لیے چبوترے بنے ہوئے

ھیں اور ان چبوتروں پر گوشت تلنے اور سیکنے کے توے بنے ہوئے ھیں - ان کے نیچے گیس کا انتظام ھے - صرف ١٠ سینٹ کا سکہ ڈالنے سے گیس چالو ھو جاتی ھے اور توا گرم ھو جاتا ھے - آپ اپنا گوشت ساتھ لائے ھیں ، اس پر سینک لیجیے- ان مقامات کو " باربے کیو " کہا جاتا ھے - اس کے پاس میز ھے اور بنچ ھے - اس پر بیٹھ کر کھانا کھائیے اور دس دس فیٹ کے فاصلوں پر " کچرا دان" ھیں - توقع کی جاتی ھے کہ لوگ کوڑا کچرا دان میں ڈالیں گے اور لوگ ایسا ھی کرتے ھیں - کیا مجال کہ کوئی گندگی ھو - ایسے چبوترے ، میزیں ، بنچیں ایک نہیں ، درجنوں نہیں بلکہ جگہ جگہ سینکڑوں ھیں - میں نے اپنی زندگی میں پکنک کے لیے یہ سرکاری انتظامات اور سہولتیں پہلی بار دیکھی ھیں ، اور حیرت و رشک کے ساتھ دیکھی ھیں - میں یہ سوچتا رہا کہ پاکستان میں بھی سوات ، کاغان ، چترال ، گلگت ، ھنزا وغیرہ مقامات ھیں اگر ان مقامات کو اس طرح سامان و آسائشوں سے لیس کر دیا جائے تو کیا اچھا ھو - ڈاکٹر جعفری صاحب نے طعنہ دیا : " ھاں ضرور لگوا دیجیے - چند دنوں بعد تمام سامان غائب پائیں گے"- میں شرمندہ ھوگیا - واقعی ھمارے افراد ملت کا حال یہی ھے - کراچی میں جناب مسرت حسین زبیری صاحب نے کہ جب وہ سکریٹری مواصلات تھے ، ١٢ ٹیلے فون بوتھ لگوائے تھے - یہ پبلک کے لیے بڑی سہولت کا سامان تھا - مگر ان کا غلط استعمال ھوا - رسیور غائب ھوئے ، پھر ٹیلے فون غائب ھوئے ، حتیٰ کہ بوتھ باتھ روم بن گئے اور کوئی ایک ٹیلے فون سلامت نہ بچا - اس کے برعکس میں جب جاپان میں تھا تو ٹوکیو میں دیکھا کہ ھر ٢٠ قدم کے بعد پبلک ٹیلے فون لگے ھوئے ھیں - کیا مجال کہ کوئی ذرا تو نقصان پہنچا دے - کراچی اور لاھور میں

ڈاک ٹکٹوں کے لیے مشینس لگائی گئیں - یار لوگوں نے ان میں غلط سکے نما چیزیں ڈالکر ٹکٹ چرائے حتیٰ کہ ان مشینوں کو ناکارہ کرکے رکھ دیا -

هم شام کے ٦ بجے کے قریب واپس ارسلا کالج آئے - آج کی یه شام خوب گزری - ڈاکٹر رضوی صاحب کا دلی سکریه !

پکنک کے انتظامات

تعمر وطن اور افرادی طاقت کو ذهنی اعتبار سے حالات حاضره کی فهم کے لیے اور وقت کے چیلنج کا مقابله کرنے کے لیے نمار کرنا ایک ریاست کی اولین ذمه داری هے - صحت و تعلیم دو بالکل ابدائی مسائل هیں که جن کو اولین اهمیت دی جانی چاهیے - تاریخ کے هر دور نے ثابت کیا هے که جن اقوام و ملل نے تعلیم اور صحت کو اپنے منصوبه هائے تعمر و ترقی مس اولیت کی اهمت نهس دی هے ان کے هاں رفتار ترقی سست رهی هے اور صحت و تعلیم سے محروم اقوام و ملل نے کبهی برتری حاصل نهس کی هے - تعمر ملت کے یهی وه دو اجزا هیں که جن کی بنا پر آج کم از کم دو سُپر پاورز اس کرهٔ ارض پر اپنا وجود رکهتی هس اور کم از کم دو بڑی طاقتیں اس مقام شرف و عز کے لیے شب و روز کوشاں هیں - چین و هند جس انداز سے هر میدان فکر و عمل مس قدم زن هیں اور تعلیم و صحت کو جس طرح وه اهمىت دے رهے هیں کوئی وجه نهیں هے که کل وه امریکا اور روس کے هم پله نه هو جائیں - اسی مقام پر مجهے خیال آتا هے که اگر دنیائے عرب و اسلام متحدالفکر هوکر متحدالعمل هو جائیں تو یه ۹۰ کروڑ افراد کی اجتماعی طاقت اس کرهٔ ارض کی ایسی طاقت بن سکتی هے که جس پر نگاه اٹهانا بڑی سے بڑی طاقت کے لیے ممکن نه هوگا-

اور ایسا کرنا ممکن ہے جبکہ دنیا کی سب سے زیادہ دولت آج ان کے قبضہ و اختیار میں ہے ۔ یہ خیالات دل و دماغ میں اس لیے بیدار ہوئے کہ میں نے اوسٹریلیا میں تعلیم و صحت پر سب سے زیادہ توجہ کا مشاہدہ کیا ہے ۔ حکومت کی ہر مشینری اولیت تعلیم و صحت ہی کو دے رہی ہے ۔ اب پکنک کا یہ سامان آخر کیا ہے ؟ کیا یہ صحت جسمانی اور صحت فکری کا سامان نہیں ہے ؟ پکنک انسانی ذہن کے سکون کے لیے ایک نہایت اہم ذریعہ ہے ۔ اس تفریح سے جو ذہنی اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے وہ تعمیری اور تخلیقی قوتوں کے نمو کے لیے اہمیت کا حامل ہے ۔ شاید میری یہ تحریر پاکستان کی وزارت صحت و ثقافت اور وزارت سیر و سیاحت کی نظر سے گزر جائے اور یہ وزارتیں اس پر غور کرسکیں کہ حسین پاکستان میں افراد ملت کے لیے اس قسم کی سہولتیں مہیا کرنا ان کی ذمہ داری ہے ۔ عوام کہ جو ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کے حقوق بھی ہیں ۔ اور حقوق میں مرتبۂ اولیٰ صحت و تعلیم ہی کو حاصل ہو سکتا ہے ۔ اس وقت ہماری جو سیر گاہیں ہیں ان کا حال یہ ہے کہ ان میں شاید پینے کا اچھا پانی تک میسر نہیں ہے ۔ مری میں لے دے کر ایک مال ہے جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوگ بس گھومتے رہتے ہیں ۔ لیکن اگر مری میں پکنک کے انتظامات کر دیے جائیں تو در حقیقت وہ صحیح اور سچی تفریح ہوسکتی ہے ۔ اسی طرح کاغان ویلی ہے ، سوات ہے ، اور دوسرے مقامات ہیں ۔ ان میں تفریح کے انتظامات میں ان وزارتوں کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے ۔

شیر خوار تیراک

اس موقع پر مجھے یاد آیا کہ سال گزشتہ دورۂ سڈنی پر میں

نے ایسے تالاب دیکھے تھے کہ جو شیر خوار بچوں کی تیراکی کے لیے بنائے گئے ھیں ۔ اوسٹریلیا کے کوچ فوربز کار لائل نے سڈنی میں ایسے چار تالاب قائم کیے ھیں ۔ یہاں روزانہ ایک سو شیر خوار بچے تیراکی سیکھتے ھیں ۔ عالمی شہرت یافتہ اوسٹریلیا کے تیراک سین گولڈ ، جینی ٹرال اور کیرن موراس کی استادی کا شرف بھی کار لائل کو حاصل ھے ۔ ان تالابوں میں دس ماہ کی عمر کے بچے پیٹھ کے بل تیرتے ہوئے اپنے اوپر لٹکے ہوئے پلاسٹک کے کھلونوں سے لطف اندوز ہوتے ھیں ۔ ۱۲ ماہ کی عمر کو پہنچنے تک وہ پلاسٹک کی کشتیوں میں تیرتے پھرتے ھیں ۔ ١٦ ماہ کی عمر میں وہ خود تیرنے لگتے ھیں ۔ ڈھائی سے تین برس کی عمر تک وہ مکمل تیراک بن جاتے ھیں ۔

میں نے اس تیراکی کا ذکر اس لیے یہاں کیا ھے کہ ایک ریاست اپنے بچوں کی صحت کے لیے کس کس انداز سے غور و عمل کرتی ھے !

۱۱ مئی ۱۹۸۰ء ، اتوار ، کینبرا

قرآن کانفرنس کے لیے مندوبین کے بیگ ھمدرد فاؤنڈیشن ، پاکستان نے تیار کرا کے دیے ھیں ۔ مندوبین ایک سو چالیس سے زیادہ ھیں اور ھر ایک کے ھاتھ میں ھمدرد کا یہ ھدیہ ھے ۔ میں اس منظر سے بڑا ھی خوش ہوتا ہوں ۔ شب گزشتہ میں دیر تک پوچھتا رھا کہ شاید پاکستانی وفد کے تینوں ارکان آ گئے ہوں ۔ پکنک سے آتے ھی رجسٹر دیکھا ۔ مگر کوئی نہ آیا ۔ دل بجھ کر رہ گیا ۔ انتہائی قلبی صدمہ ہوا ۔

پاکستان کے اهل فکر و نظر

جناب محترم خالد اسحاق صاحب ، جناب محترم ڈاکٹر منظور احمد صاحب ، جناب محترم پروفیسر عبدالقیوم قریشی صاحب کا قرآن کانفرنس میں شریک نہ ہونا ایک المیہ ہے ۔ اور یہ وہ المیہ پاکستان ہے کہ جس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے کہ جتنی خود پاکستان کی تاریخ ۔ پاکستان کے ہر حاکم نے سب سے زیادہ غفلت تعلیم سے برتی ہے ۔ اول دن سے اینٹ ٹیڑھی رکھی گئی ہے اور آج تک دیوار کج چلی جارہی ہے ۔ تعلیم سے اس غفلت نے عالم و علم کے استہزا کی راہوں کو ہموار کیا اور اہانت اہل علم ذرہ برابر جرم قرار نہ پائی ۔ اہل علم کو پاکستان میں محبوس کر دینا صاحبان اقتدار کا محبوب مشغلہ رہا ہے ، ایسا لگتا ہے کہ کوئی قوی تر ہاتھ ہے کہ جس کی گرفت میں قوت فیصلہ ہے اور یہ اس قوت فیصلہ کا کمال ہے کہ پاکستان کے صاحبان علم باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ علمی قائم نہیں کرسکتے ۔ اس قرآن کنگرس میں اس گرفت کا یہ مظاہرہ ہے کہ باوجودیکہ وفد کو اجازت سفر ہے ، مگر خفیہ ہاتھ نے عین وقت پر فیصلہ بدل دیا اور ان تینوں صاحبان علم کو محبوس پاکستان کر دیا ۔ لاریب یہ اہانت علم ہے اور تذلیل عالم ہے اور بلاشبہ شرم ناک ہے ۔

میری رائے ہمیشہ کی طرح آج بھی یہ ہے کہ پاکستان کے اہل فضل و کمال پر سے اور صاحبان علم پر سے عالمی اجتماعات علمی میں شرکت پر سے یہ پابندی اٹھا دینی چاہیے ۔ میں تجویز کرچکا ہوں کہ جہاں تک جامعات پاکستان کے اساتذہ کا تعلق ہے قوت فیصلہ شیخ الجامعہ کے ہاتھ میں ہونی چاہیے اور کسی وزارت کو اس میں کوئی دخل نہیں دینا چاہیے ۔ اساتذۂ جامعات کے علاوہ دوسرے صاحبان علم کو وزارت تعلیم (مرکزی و

صوبائی) سے بلا روک ٹوک اجازت مل جانے کا اهتمام کرنا چاهیے ۔ سند سفر صرف وہ مقالہ هونا چاهیے کہ جو تیار هو ۔ اس کے معیار کا فیصلہ شیخ الجامعہ کو کرنا چاهیے اور وقار پاکستان کی روشنی میں کرنا چاهیے ۔

غذائی بے قاعدگی

گزشتہ شام میں نے کھانے میں بے قاعدگی کی ۔ ابھی دن کا کھانا (دودھ اور بسکٹ) معدے میں هی تھا ، انہضام نہیں هوا تھا کہ میں نے اس پر دوسرا کھانا نوش جان کرلیا ۔ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا ۔ مجھے ۸ ، ۹ بجے رات بھوک لگتی ، اس وقت کھانے کو کچھ نہ ملتا ، اس لیے میں نے کچھ نہ کچھ پیٹ میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا ۔ مجھے تاریخ اسلام کا ایک واقعہ یاد آگیا ۔ دنیائے عیسائیت سے ایک طبیب خیر سگالی کے طور پر مدینہ منورہ آیا کہ مریضوں کی خدمت کرسکے ۔ چھے ماہ مطب میں بیٹھا ، مگر کوئی مریض نہ آیا ۔ بالآخر طبیب تنگ آکر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر هوا ، ماجرا بیان کیا کہ شاید اس کے عیسائی هونے کی وجہ سے کوئی مسلم مریض اس کے پاس نہیں آرها ہے ۔

نور مجسم آنحضرتؐ نے فرمایا : اے طبیب ! ایسا نہیں ہے ! مدینہ کے لوگ ضرورت سے زیادہ غذا نہیں کھاتے ، ابھی ان کا پیٹ خالی هوتا ہے کہ وہ کھانے سے هاتھ کھینچ لیتے هیں ، اس لیے وہ بیمار نہیں هوتے !

میں نے اپنی زندگی میں اس اصول پر عمل کیا اور میں امراض کی گرفت میں شاذ هی آتا هوں ۔ مگر آج بے قاعدگی کے باوجود میرے نظام هضم میں کوئی فرق نہیں ہے ! کیا اس

کی وجہ یہ ہے کہ جو کھانا میں نے کھایا ہے وہ قطعی خالص ہے ، اور اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے ؟ میں کلیۃً اس کو صحیح نہیں سمجھتا ، اپنے نظام ہضم کو داد دیتا ہوں ! بایں ہمہ یہ امر ضرور غور طلب ہے کہ خالص غذا مقابلۃً جلد ہضم ہوسکتی ہے اور نظام ہضم میں خرابیاں پیدا نہیں کرتی ۔ اس کے برعکس ملاوٹ والی اور غیر خالص غذا میں نظام ہضم میں خراب ہوجانے اور نظام ہضم کو خراب کر دینے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے ۔ مثلاً خالص مکھن جلد ہضم ہوگا اگر اس میں چربی یا موبل آئل ملا دیا گیا ہو تو تباہی مچائے گا ۔ گوشت اگر تازہ اور صاف ہے تو وہ ہضم میں کسی خلل کا سبب نہیں بنے گا ، لیکن اگر گوشت مردہ جانور کا ہو ، بجائے بکری یا بھیڑ کے ، کتے کا ہو ، مرغی کے بجائے کوا ہو تو ظاہر ہے کہ نظام ہضم تباہ ہی ہوگا !

ایک اجلاس کی صدارت

میں نے معذرت کی تھی اور منع کیا تھا ، مگر ڈاکٹر اے ۔ ایچ ۔ جوھنز صاحب نے آج صبح کے اجلاس کی صدارت میرے سپرد کر دی ۔ یہاں مجھ سے زیادہ صلاحیتوں اور قابلیتوں کی شخصیات موجود ہیں ۔ بعض واقعی ہیں اور بعض بنتی ہیں ، مناسب تھا کہ ان میں سے کس کو یہ اعزاز علمی دیا جاتا ۔ اب جب کہ ذمہ داری عائد ہو ہی گئی ، میں نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کی ۔ میرے اس سیشن میں حسب ذیل مقررین اور مقالہ نگار تھے :

۱۔ پروفیسر ایف ۔ ایم ۔ ڈینی

ڈیپارٹمنٹ اوف اسلامک اسٹڈیز اینڈ دی ہسٹری اوف

رلیجن ۔ یونیورسٹی اوف کولوراڈو ، امریکا ۔

موضوع :

TEXT AND CONTEXT IN QURA'NIC RECITATION: RITUAL ASPECT OF TAJWID.

۲۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی

ریڈر ڈپارٹمنٹ اوف ایشین سویلائزیشن

اوسٹریلین نشنل یونیورسٹی

موضوع :

HINDD GODS AND IDOLATROUS CUSTOMS IN THE FATH-AL-AZIZ OF SHAH ABDUL AZIZ DEHLAVI.

۳۔ ڈاکٹر جے ۔ جی ۔ جین سن (JENSEN)

ڈائریکٹر ، نیدر لینڈز انسٹی ٹیوٹ ، قاھرہ

موضوع :

THE QUR'AN AND ITS INTERPRETATION BY SUFI ORGANIZATION.

۴۔ ڈاکٹر این ۔ ایم الغمینی ، الازھری

موضوع :

SUFI SPECULATIONS ON SOME ESCHATOLOGICAL VERSES OF THE QUR'AN

ڈاکٹر جوھنز صاحب نے میرا بہت زیادہ شکریہ ادا کیا کہ میں نے بڑی احتیاط و مہارت کے ساتھ اپنا سیشن پورا کیا ھے ۔ مجھے بھی اطمینان ھے کہ میں نے بہت اھمیت اور محبت کے ساتھ یہ کام ختم کر لیا ۔

محترم سفیر پاکستان

جناب محترم نور صاحب نے آج بھی اس سیشن میں شرکت فرمائی ۔ وہ شروع سے آخر تک بڑی دل چسپی کے ساتھ موجود

رہے ۔ ان کا ارشاد تھا کہ مں ان کے ہاں دال روٹی ایک وقت کھاؤں ۔ میں نے ذہنی طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں ان کو ذرا بھی زحمت نہں دوں گا ۔ مگر ان کا اصرار ہے اور میں ان کی دل شکنی کرنا نہں چاہتا ۔ مں نے ان سے درخواست کی ہے کہ میں پروگرام طے کرکے ان کو اطلاع دوں گا ۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میرا دل چاہتا نہیں ہے کہ ان محترم سفارت کاروں کو مری وجہ سے ذرا بھی کوئی تکلیف ہو ۔ مبری ذہنی پریشانی یہ ہے کہ مبں اوسٹریلیا کے وزیر صحت سے ملاقات چاہتا ہوں اور پروٹوکول یہ ہے کہ میں یہ درخواسب بذریعہ سفیر پاکستان کروں ۔ حیران اس پر ہوں کہ جناب سفیر کبیر کھانے کے لیے نو ارشاد فرماتے ہیں ، مگر یہ نہیں فرماتے کہ مجھے اس کے علاوہ بھی کوئی حاجت ہے یا نہیں ۔ کاش وہ ایسا کرتے اور میں ان سے کہتا کہ وزیر صحت سے ملاقات چاہتا ہوں ۔ جناب محترم سفیر صاحب سے کہنے مں مجھے تامل اس لیے ہے کہ ان کو ہنوز میرے آنے کی اطلاع نہیں ہے !

سیر کینبرا

محترم ڈاکٹر عباس رضوی صاحب تشریف لے آئے تھے ۔ ان کے ساتھ آج سیر کو گئے ۔ پہلے تو اس بازار میں گئے کہ جو اتوار کے باوجود ذرا ظہور کھل جاتا ہے ۔ ہم نے ایک ریستوران سے دودھ خریدا ، جوس حاصل کیا اور سینڈوچ لیے اور پھر باہر سر بازار ایک چبوترے پر بیٹھ کر نوش جان کیا ۔ وہاں بہت سے لوگ اس موڈ میں تھے ۔ ہمارے ایک دوست نے اس حال میں ہمارا ایک فوٹو کھینچ لیا ہے ! اس کے بعد ایک دکان سے میں نے حیاتین ج خریدی ۔ اس سے فارغ ہوکر ایک دوسرے

کمسٹ کے ہاں جا کر سر میں ڈالنے کی کریم خریدی - آج ارادہ یہ کیا ہے کہ کل کسی وقت شام کو بچوں کے لیے شاپنگ کینبرا ہی میں کر لینی چاہیے اور سڈنی کے لیے کام باقی نہ رکھا جائے -

سائیکل

اوسٹریلیا میں مزاج حکومت یہ ہے کہ حتی الامکان برآمد پر توجہ کی جائے اور درآمد سے گریز کیا جائے - اوسٹریلیا میں اب تقریباً ہر موٹر کار بن رہی ہے اور درآمد کی کوئی گنجائش نہیں ہے - یہاں اکثرت موٹر کاریں ہیں - مگر میں نے آج خصوصیت کے ساتھ یہ بات نوٹ کی کہ اس اوسٹریلیا میں سائیکل مقبول ہوتی جاتی ہے ، اور مرٹر کاروں کے دل دادہ اوسٹریلیا کے باشندے اب سائیکل کو آرام دہ اور صحت بخش سواری کے طور پر بڑی تیزی کے ساتھ قبول کر رہے ہیں - ملک بھر کی ایک کروڑ چالیس لاکھ افراد پر مشتمل آبادی ہر سال تقریباً تین لاکھ سائیکلیں خریدتی ہے - یہ تعداد اب سے دس برس پہلے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے - اوسٹریلیا میں اس نئے رجحان کی وجہ سے پیشہ ورانہ سائیکلنگ کے مقابلوں اور انعامات کی رقوم میں بے حد اضافہ ہوا ہے - اس وقت پورے ملک میں سائیکلنگ کے ۱۲۰ کلبوں میں ارکان کی تعداد ۶۵۰۰ ہے - اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ سائیکل سواری ایک عمدہ ورزش بھی ہے - عالی مرتبت صدر مملکت پاکستان نے کفایت کا شعور بیدار کرنے کے لیے مظاہرۂ سائیکل سواری کیا تھا - مگر وہ اب روزانہ اپنے دفتر سائیکل پر تشریف لاتے ہیں جو ان کی صحت کے لیے ضروری ہے -

ڈاکٹر رضوی صاحب ایک بلندی پر لے گئے جہاں سے

پورے شہر کا خوب نظارہ ہوتا ہے - یہ مقام ملکہ ایلزبتھ کی آمد کے موقع پر بنایا گیا تھا - کینبرا اور اسلام آباد اس دور کے دو ہی شہر ایسے ہیں کہ جو دارالحکومت کے لیے بنائے گئے- پہلے کینبرا اور پھر اسلام آباد - مگر میں نے یہ دیکھا کہ باوجودیکہ اسلام آباد میں محل وقوع کے اعتبار سے بڑی عظمت ہے، مگر پہاڑوں ، جھیلوں اور موسم کے باوجود وہاں یہ حسن پیدا نہ ہوسکا کہ جو کینبرا میں ہے -

کینبرا کا " وار میموریل " بڑی مشہور جگہ ہے - آج اندر جا کر اس کو بھی دیکھا - جنگ عظیم اول اور دوم کے مناظر ، واقعات اور حالات پر مشتمل یہ یاد گار جگ خوب چیز ہے - بڑی حیرت سے میں نے اسے دیکھا - اس وار میموریل کے سامنے کوئی دو تین میل فاصلے پر پارلیمان ہے - بڑی پر شکوہ سفید عمارت ہے ، مگر اب اس کی جگہ نئی پارلیمان کی عمارت بن رہی ہے - بلندی پر جا کر یہ منظر بہت ہی خوب ہو جاتا ہے -

ٹیلی ٹاور

آخر میں بلیک ماؤنٹ پر گئے - یہاں ایک مینار بنا ہے جو بیک وقت ٹیلی وژن مینار بھی ہے اور اس میں گردش کرنے والا ریستوران بھی ہے - اس جگہ کی بلندی کوئی ساڑھے آٹھ سو میٹر ہے جہاں سے پورا شہر کینبرا دکھائی دیتا ہے - چشم ماہی سے مشابہ عدسے کی مدد سے اوسٹریلیا کے اس دارالحکومت کینبرا میں قائم بلیک ماؤنٹ ٹاور بڑی اہم جگہ ہے - اوسٹریلیا میں مواصلاتی نظام کا جو سلسلہ پھیلا ہوا ہے اس میں یہ مرکز جدید ترین اضافہ ہے - صوبائی دارالحکومتوں کو مواصلاتی نظام کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے منسلک کرنے کی خاطر گزشتہ دس

برس کے دوران مائکرو ویو ریڈیو اور کوکسئل کیبل (Microwave Radio and Co-axial Cable) پر مبنی اعلا ترین سازو سامان استعمال کیا گیا ہے ۔ یہ جدید نظام مواصلات گھریلو ضرورت ھی پوری نہیں کرتا بلکہ ملکی اور غیر ملکی ٹیلے وژن نشریات اور ٹیلےفون اور تار کے مواصلاتی سلسلے بھی اسی نظام کے مرھون منت ھیں ۔

آسمانی بجلی

ہم ٹیلے ٹاور پر تھے کہ آسمان پر بجلی چمکی ۔ اس چمک نے میرے ذھن کو چمکا دیا اور مجھے یاد آیا کہ اوسٹریلیا کے سائنس دان آسمان پر بادلوں میں چمکنے والی بجلی سے پیدا ھونے والی برقی لہروں کو پانی کے ایسے ذخیروں کا کھوج لگانے کے لیے استعمال کر رہے ھیں جو زیر زمین کئی سو فیٹ کی گہرائیوں میں موجود ھیں ۔ میکو یری یونیورسٹی کے جیو فزیکس کے پروفیسر کبوادو زوف نے بتایا ہے کہ بجلی کے چمکنے سے جو برقی قوت پیدا ھوتی ہے وہ طاقت ور برقی اور مقناطیسی لہروں کی شکل میں فضا میں ذخیرہ ھو جاتی ہے ۔ اس قوت کا کچھ حصہ جب زمین میں داخل ھوتا ہے تو زیر زمین موجود آبی ذخائر اس کو منعکس کرتے ھیں ۔ برقی لہروں کے اس انعکاس کو پانی کے صحیح مقام ، اس کی گہرائی اور اس میں موجود نمکیات کی مقدار معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ مجھے خیال آیا کہ کراچی میں سپر ھائی وے پر نہ جانے کتنی بار یہ آسمانی بجلی چمکتی ہے ۔ کاش ھمارے ھاں کا کوئی سائنس داں یہاں ذخیرۂ آب دریافت کرنے کی کوشش کرے ۔ کراچی میں پانی کا مسئلہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ ھم صحرائے سندھ میں ذخائر آب کی تلاش میں کام یاب ھو سکتے ھیں !

اس سیر سپاٹے میں ڈھائی تین گھنٹے لگے ۔ مگر یہ بڑی روح افزا سیر رہی ۔ چار بجے کے قریب ہم واپس ارسلا کالج آ گئے۔

پاکستانی وفد

پاکستانی وفد کے تین ارکان کے بارے میں آتے ہی میں نے بڑے اشتیاق سے دریافت کیا ۔ خاتون نے کہ جو رجسٹریشن ڈیسک پر ہیں بتایا کہ کوئی نہیں آیا ہے ۔ میرا دل بھر بیٹھ گیا اور آج میں آمد وفد سے بالکل مایوس ہوگیا ہوں اور انتہائی پژمردہ ہوگیا ہوں ۔ اس کانفرنس میں اس وفد کی بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے ۔ اگر ہمارا وفد یہاں ہوتا تو یقیناً وہ قرآن کانفرنس پر غالب رہتا اور اس کی وجہ سے قرآن کانفرنس کے تبادل خیال زیادہ اہم ہو جاتے ۔ افسوس پاکستان اہل علم کے لیے قید خانہ بن گیا ہے اور اس قید و بند سے اہل علم باہر جا کر دنیا کی علمی فضا سے فیض یاب نہیں ہو سکتے اور نہ اپنے علم و فضل سے اس فضائے علمی کو خوش بو دے سکتے ہیں ۔ آج میرے دل و دماغ میں بغاوت پیدا ہوگئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ پاکستان کے اہل علم اس گرفت و بندش سے آزاد کرائے جائیں اور پاکستان میں غیر محتاط بیورو کریسی کی گرفت کو قطع کر دیا جائے ۔

شب ڈاکٹر اطہر عباس رضوی صاحب نے اپنے گھر کھانے کا انتظام کیا ۔ بڑا پر تکلف کھانا رہا ۔ ڈاکٹر اے ۔ ایل ۔ باشم صاحب نے بھی شرکت کی ۔ بڑی مخصوص مجلس رہی ۔ تبادل خیال کا بڑا موقع ملا ۔ ڈاکٹر باشم صاحب نے علمی دنیا میں اپنی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے بڑا مقام حاصل کیا ہے ۔ ڈاکٹر باشم صاحب نے ”دس از اوسٹریلیا“ ایک بڑی اہم کتاب ہدیۃً مجھے دی ہے ۔ اس پر انہوں نے اردو میں بقلم خود حسب ذیل عبارت

لکھی ہے :

"حکیم محمد سعید صاحب کو

تحفہ و ادب کے ساتھ

اے ایل بشم (A L. Basham) نے

اس کتاب کو دے دیا ۔

کینبرا میں ، سن ۱۴۰۰ھ

(سن ع ۱۹۸۰ ۱۱۰۵)"

یہ کتاب تاریخی حیثیت رکھتی ہے ۔ ڈاکٹر باشم صاحب کے یہ آٹو گراف اہمیت رکھتے ہیں ۔ اس ہدیہ علمی نے مجھے بڑا ہی مسرور کیا ہے ۔

ٹیلی فون ڈائریکٹری اور بچے

ڈاکٹر رضوی صاحب کے دولت کدہ پر ٹیلی فون ڈائریکٹری دیکھنے کی ضرورت پیش آئی ۔ میں جناب عتیق صاحب کو سڈنی ٹیلی فون کرنا چاہتا تھا ۔ یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹری کے بارے میں بڑی دل چسپ معلومات حاصل ہوئیں ۔

۱۹۸۰ء کے لیے اوسٹریلیا کی ٹیلی فون ڈائریکٹری کے شائع ہونے پر ملک کے ۵۲ بچے اپنے فن کی بنیاد پر اتنے عظیم تعارف کے مالک ہوگئے ہیں جو دنیا میں کسی اور ملک کے بچوں کو حاصل نہیں ہوا ہے ۔ یعنی ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ۵۲ علاقائی ڈائریکٹریوں کے تقریبا ۴۵ لاکھ خریدار ان کی طفلانہ مصوری سے متعارف ہو گئے ۔ ان بچوں کی مصوری کا انتخاب چھے لاکھ اٹھارہ ہزار ایسی تصویروں سے کیا گیا ہے جو محکمہ مواصلات کو مقابلے کے لیے وصول ہوئیں ۔ دوسرے لفظوں میں پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم ہر تین بچوں میں سے ایک نے اس

مقابلے مس حصہ لیا ہے ۔ مقابلے مس شرکت کے لیے ایک لازمی سرط یہ تھی کہ تصویر میں مقامی اہمیت کے کسی پہلو کو اجاگر کیا جائے ۔ مس نے ۷ سالہ جسٹن لنڈر کو بڑی مسرت سے دیکھا کہ اس نے سب سے بڑا اعزاز حاصل کیا ہے ۔ لنڈر سڈنی کے مضافات مس ماؤنٹ ڈروئٹ کے ٹریگمئر پرائمری اسکول مس پڑھتا ہے ۔ جسٹن لنڈر کی بنائی ہوئی تصویر اور لنڈر کا اعزاز یہ ہے کہ یہ سڈنی کی چودہ لاکھ ٹیلے فون ڈائریکٹریوں کی زینت ہے ۔ تصویر میں نیلے رنگ کے رہائشی مکانوں کی قطار اور ان کے اوپر محو خرام نارنجی رنگ کے طیارے کے علاوہ کھلی دھوپ مس بچوں کو فٹ بال کھیلتے دکھایا گیا ہے ۔ انعام کے طور پر ننھے لنڈر کو اوسٹریلیا کی تاریخ نیز ملک کے جنگلوں کے جانوروں سے متعلق تصانیف کی آٹھ جلدیں دی گئی ہیں ۔

اگر پاکستان کی وزارت مواصلات کو اوسٹریلیا کی یہ ادا بھا جائے تو پاکستانی بچے بھی ذہن و دل رکھتے ہیں ۔ ان کی ہمت افزائی کا سامان ہونا چاہیے ۔

۱۲ - مئی ۱۹۸۰ء ، پیر ، کینبرا

آج صبح بی - بی - سی کی ایک خبر خاصی تشویشناک ہے ۔ پاکستان کے شہر پشاور میں افغانستان کی حکومت (گورنمنٹ ان اگزائل) بن گئی ہے ۔ ایسی کوئی حکومت بغیر حکومت پاکستان کی اجازت کے نہیں بن سکتی ، یا اگر بن سکتی ہے تو اس باب میں حکومت پاکستان کا انداز فکر و عمل کیا ہوگا ؟ شاید یہ ممکن نہ ہوسکے کہ علی الاعلان پاکستان ایسی حکومت

کو خلاف قاعدہ قرار دے سکے ، اور اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو خاموشی کو اجازت کے ہم معنی قرار دیا جانا عین ممکن ہوگا ۔ بہر صورت یہ حالات نزاکت کے حامل ہیں اور اس کے نتائج دوررس ہو سکتے ہیں ۔ مجھے تشویش ہے ۔ میری ایک بڑی تشویش عرصہ دراز سے یہ ہے کہ وہ بھائی جن کو ہم افغان مہاجرین کہہ رہے ہیں ان میں کتنے ایسے ہیں کہ جو درحقیقت مہاجرین نہیں ہیں اور اس طبقہ فکر کے نمائندے ہیں کہ جو افغانستان میں انقلاب لانے کے ذمہ دار ہیں اور جن کو روس اور فکر روس سے کوئی فرار اور مفر نہیں ہے ۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پشاور اور نواح میں روسی سکہ چل رہا ہے ۔ افغان مہاجرین کے پاس بے اندازہ دولت بھی ہے ، اپنی دولت کہ ان کی وجہ سے پشاور شہر میں عدائی مسئلہ پیدا ہوگیا ہے ۔ وہ منہ مانگے داموں اشیائے خوردنی خرید رہے ہیں ۔ سکّہ روسی (روبل) کا لین دین کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے کہ جسے نظر انداز کیا جاسکے، بلکہ حالات انتہائی درجہ محتاط رہنے کی دعوت دے رہے ہیں ۔ مہاجرین افغانستان کی جو تعداد پشاور اور کوئٹہ میں ہے وہ ایک انقلاب کی بنیاد رکھنے کے لیے کم نہیں ہے ۔

پاکستان میں افغان مہاجرین کے مسائل پیچ در پیچ ہیں ۔ خود وہ بڑی تکلیفوں میں مبتلا ہیں ، اور حکومت پاکستان کے لیے ان کی میزبانی ایک بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے ۔ انسانی ہمدردی متقاضی ہے کہ ہم ان مہاجرین کی خدمت کو بہترین طور پر انجام دیں اور ہم ایسا کر رہے ہیں ۔ بایں ہمہ اس مسئلے کے سیاسی اثرات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اور اس اعتبار سے صورت حال انتہائی تشویشناک ہے ۔

گزشتہ دنوں اوسٹریلیا کے وزیر خارجہ مسٹر اینڈریو پیکاک

پاکستان آئے تھے ۔ اور انہوں نے افغان مہاجرین کی حالت اور انہیں درپیش دیگر مشکلات کے سلسلے میں پاکستان سے اظہار ہمدردی کیا تھا ۔ انہوں نے اوسٹریلیا کی طرف سے دس لاکھ اوسٹریلوی ڈالر (یعنی ایک کروڑ پانچ لاکھ روپے) مالیت کے خیمے ، دوائیں اور دوسری اشیا فراہم کرنے کا اعلان کیا تھا ۔ انہوں نے یہ عطیہ اقوام متحدہ کے ھائی کمشنر برائے مہاجرین کی ایک اپیل کے جواب میں دیا ھے ۔ اس کے علاوہ اوسٹریلیا کی جانب سے دو کروڑ روپے سے زیادہ مالیت کی دس ھزار ٹن گندم کے عطیے کا اعلان بھی ہوا ھے ۔

اوسٹریلیا کے موجودہ دورے میں میں اس حُسنِ سلوک سے متاثر ہوں ۔

ارسلا کالج

اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ارسلا کالج میں قرآن کانفرنس کے مندوبین قیام پذیر ھیں ۔ میں نے اس ھاسٹل کے بارے میں یہ رائے قائم کی ھے کہ یہ ایک ایسی جگہ ھے کہ جہاں طلبہ کے لیے قیام و طعام کا بہترین انتظام ھے ، ایسا انتظام کہ ھم شاید پاکستان میں اس کا کوئی تصور عرصۂ دراز تک نہیں کرسکتے ۔ ٹھنڈا گرم پانی ، کمروں میں ریفری جریٹرز ، قالین ، بہترین پلنگ اور بستر ، ایئر کنڈیشننگ ، ھوا روشنی کا بہترین انتظام ۔ غرض یہ کہ جس سہولت کا تصور کیا جا سکتا ھے وہ سب یہاں میسر ھے ۔ اس کے باوجود آج اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی اسٹوڈینٹس یونین نے مطالبہ کیا ھے کہ سہولتیں کم ھیں اور مزید کے لیے انتظامات کیے جائیں اور یونیورسٹی انتظامیہ کو طلبہ سے ھمدردی ھے اور وہ مسئلے پر غور کر رھی ھے !

شب گزشتہ اگر محترمی ڈاکٹر رضوی صاحب کے ھاں ڈنر نہ

ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا ۔ قرآن کانفرنس کے ساتھ ہی کل شام سے ایک دوسری کانفرنس کا آغاز ہوا ہے جو قرآن کانفرنس سے ملحق و متعلق ان معنی میں ہے کہ دونوں کانفرنسوں کے مندوبین ایک دوسرے سے تعلق قائم کرسکتے ہیں ۔ اور یہ ہے " پانچویں سالانہ کانفرنس اوسٹریلین ایسوسی ایشن فار دی اسٹڈی اوف رلیجنز " ۔ اس کانفرنس کی رسم افتتاح شب گزشتہ ۸ بجے تھی اور انتہائی مناسب تھا کہ ہم اس میں شرکت کرتے ۔ میرا خیال یہ رہا کہ چوں کہ محترمی ڈاکٹر رضوی صاحب ان کانفرنسوں کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں اور ہماری شرکت اس میں ضروری نہ ہوگی ، مگر ایسا نہ تھا ، ہمیں شرکت کرنی چاہیے تھی ۔ آج جب صحیح صورت حال سامنے آئی تو مجھے واقعی بڑی شرمندگی ہوئی ہے اور افسوس بھی ہوا ہے ۔

آج صبح میں نے اپنی جگہ ڈاکٹر جعفری صاحب کے لیے خالی کر دی تھی اور انہوں نے تقویٰ پر اپنا بہترین مقالہ پیش کیا ۔ کافی بریک میں اندازہ ہوا کہ دوسرے کانفرنس کے مندوبین کو ملا کر اب تو کل تعداد دس سو کے قریب پہنچ گئی ہے ۔ آج کے تمام اجلاس مشترکہ ہیں ، یعنی دونوں کانفرنسوں کے اجلاس مشترکہ ہیں اور مندوبین ایک دوسرے کے قریب ہیں ۔ یہ اچھا منظر تھا ۔

میں کافی بریک کے بعد اجلاس میں شرکت کرتا مگر میرے کان میں تکلیف ہوگئی ہے اور پردے پر میل آ گیا ہے اور دایاں کان بند ہوگیا ہے ۔ یہ حادثہ بارہا پیش آچکا ہے ۔ دہلی میں بھی ۱۹ مارچ کو ایسا ہی ہوا تھا ۔ اس میل کی وجہ سے کان بند ہوکر ایک عجیب بے چینی پیدا کر دیتا ہے ۔ کوئی چارہ کار نہ تھا اور میں یونیورسٹی ہیلتھ سنٹر جانے پر مجبور ہوا ۔ محترمہ بیگم

ڈاکٹر جوھنز کو میری سکلیف کا حال معلوم ھوا تو ایسا لگا کہ جیسے سکلیف ان کے کان میں ھے ! وہ فوراً مجھے کمرہ نمبر ۷ میں لے گئیں اور یہاں سے ھیلتھ سنٹر سے رابطہ قائم کیا اور فوراً انتظام کر دیا ۔ بیگم جوھنز انڈونیشی خاتون ھیں ، اور انتہا درجہ ملنسار اور عالم ھیں ۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور جناب قریشی صاحب کے ساتھ ھیلتھ سنٹر پہنچ گیا ۔ وھاں میرا انتظار تھا ۔ لیڈی ڈاکٹر کو میں نے اپنی تکلیف بتائی ۔ انھوں نے پچکاری لگانے کا فیصلہ کیا ۔ مجھے ذرا تامل تھا ، مگر ان کی رائے تھی کہ ایسا کرنا ھی مناسب ھے ۔ میں نے اجازت دیدی اور میں نے دیکھا کہ پانی میں وہ میل کا ٹکڑا بہہ کر نکل آیا جس نے مجھے بے چین کر دیا تھا ۔

جناب قریشی کے ساتھ میں اور ڈاکٹر جعفری صاحب ایئر لائنز کے دفتر گئے ۔ میں نے اپنا ٹکٹ درست کرایا ۔ اب میں ۱۵ مئی کی صبح ۱۰ بجے کینبرا سے سڈنی جا رھا ھوں ۔ سڈنی سے ۱۶ کو پونے ۱۲ بجے دن بنکاک جاؤں گا اور بنکاک سے اسی جہاز میں کراچی ، انشاء اللہ تعالیٰ ۔ ڈاکٹر جعفری صاحب کی بکنگ ذرا پیچیدہ نکلی ۔ وہ درحقیقت اس انداز سے راستہ بنا رھے ھیں کہ سنگا پور میں ان کو ایک دن ٹھہرنے کا موقع اس طرح مل جائے کہ ھوٹل کا خرچ ایئر لائنز کی ذمہ داری بن جائے ، قنطاس اوسٹریلین ایئر لائنز نے آخر ڈاکٹر جعفری صاحب کے لیے یہ سہولت مہیا کرا دی ھے ۔ وہ کینبرا سے سڈنی میرے ساتھ جائیں گے اور پھر سڈنی سے ۱۶ کی شام کو چار بجے سنگا پور تشریف لے جائیں گے ۔ میں یہ کوشش کرتا رھا کہ میں ایک دن کے لیے کوئنز لنڈ (نیوزی لیڈ) جا سکوں ۔ مگر ایسا پروگرام بن نہیں سکا ۔ نیوزی لینڈ کہا جا سکتا ھے کہ میری سسرال ھے !

ڈاکٹر جعفری صاحب کو سفارت پاکستان میں چھوڑ دیا ۔ وہ اپنے لیے پاکسان کا ویزا لینا چاہتے ہیں ۔ فرسٹ سکریٹری نہال وارث صاحب سے ان کے تعلقات اچھے ہیں ۔ نہال وارث بیروت میں رہے ہیں جہاں ڈاکٹر جعفری صاحب امریکن یونیورسٹی اوف بیروت میں استاد اسلامیات رہے ہیں ۔ میں ارسلا کالج آگیا ۔

ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک آج میں علمی اجلاسوں میں رہا ۔ آخری لیکچر ڈاکٹر بجودا صاحب کا تھا ۔ ان کے انگریزی لیکچر پر قلم اپنا لگ گیا کہ مناسب سمجھا گیا کہ وہ عربی میں ارشاد فرمائیں اور ڈاکٹر سبول صاحب نے کہ جو سڈنی میں استاد ہیں ، انگریزی ترجمے کی ذمہ داری قبول فرمائی ۔ ترجمہ عربی سے اتنا طویل ہوگیا کہ لوگ ۵ تا ۶ بجے کے استقبالیہ میں چھ بجے کے قریب پہنچ سکے ۔ میں ان ہی میں تھا ۔ فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھا !

آج میں نے تمام دن فاقہ کرلیا ہے تاکہ گزشتہ دنوں میں زائد از ضرورت جو کھایا ہے اس کا علاج ہو سکے ۔ ہضم میں کوئی خرابی نہیں ہے ۔ آج سے موسم زیادہ سرد ہوگیا ہے ۔ کینبرا میں مئی جون نہایت سرد ہوتا ہے ، مگر اس سال ایسا نہیں ہے ۔ ملک میں پانی کی قلت ہے ۔ بھوک پیاس سے بھیڑیں بکثرت مر رہی ہیں ۔ ہمارے آج سے ۱۶ ڈگری سنٹی گریڈ پر موسم آیا ہے ۔ اب سردی بڑھ جائے گی ۔

۱۳ - مئی ۱۹۸۰ء ، منگل ، کینبرا

ان دنوں میں چھٹی پر ہوں ! قرآن کانفرنس کے مقالات سے

پوری طرح مستفید ہو رہا ہوں اور قرآن فہمی کے لیے جس قدر سکون درکار ہے وہ پوری طرح میسر ہے۔ اس سفر کا سب سے زیادہ فائدہ یہ ہوا ہے کہ مجھے قرآن فہمی کا مزید موقع ملا ہے اور قرآن کے اتنے پہلو سامنے آئے ہیں کہ اپنے جہل پر تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ اگر میں قرآن کانفرنس میں شریک نہ ہوتا تو واقعی بڑی محرومی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ میں یہاں آ گیا۔

اس سفر سے میں نے ایک اور فائدہ یہ اٹھایا ہے کہ میں ان دنوں پوری طرح آرام کر رہا ہوں۔ حال یہ تھا کہ میں بعض دنوں مں ۲۴ گھنٹوں مں تین گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکتا تھا اور یہ کہ روزانہ نںند ۵ گھنٹے سے زیادہ ںو ہو ہی نہں سکتی، ان دنوں کینبرا میں ۷ - ۸ گھنٹے روزانہ سو رہا ہوں۔ میرے جسم میں انرجی بھری جا رہی ہے۔ تقلیل غذائے نشائیہ کے ساتھ توند گھٹانے کے لیے ورزش ضروری ہے۔ مںی ان دنوں پیٹ کی ورزشیں دبا کر کر رہا ہوں۔ قصد یہی ہے کہ ںن چار ماہ میں پیٹ کو اگر کمر سے نہ لگا سکا تو کمر تک اسے پہنچا ضرور دوں گا، انشاءؑ اللہ تعالیٰ۔ واقعی میں اپنی توند سے بڑا ہی غافل تھا۔ ۱۹۷۲ء میں جراحت شکم کے بعد محتاط تھا کہ فتق کا کوئی سانحہ پیش نہ آ جائے۔ میں نے پیٹ کی ورزش چھوڑ دی تھی۔ مگر اب دوستوں نے ٹوکا اور بار بار ٹوکا۔ ابھی تک کسی نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ وزارت نے مٹاپا چڑھا دیا ہے! کسی کے دل میں ہو تو یہ بعید بھی نہیں۔ حال آں کہ وزارت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وزارت میری روح کی تسکین کا سامان نہیں ہے۔ میں اس کو خدمت ہی کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں، جو میری تمام جدوجہد کا محور ہے، خصوصاً طب و اطبا کی ترقی

وزارت قبول کرنے کی محرک ہے ۔ میں گزشتہ سوا سال سے اس مقصد کے لیے مسلسل کوشاں ہوں ۔ پاکستان سے باہر پاکستانی وزارت طب سے طب کو فائدہ ہوا ہے ۔ ہندستان میں ایک وزیر طب (منسٹر فار انڈین مڈیسن) ہونے لگا ہے ۔ عالمی ادارۂ صحت کو مہمیز ملی ہے ۔ کویت میں مرکز طب اسلامی قائم ہوگیا ۔ میری وزارت سے پاکستان میں طب کو کوئی فائدہ ہوا ہو یہ ہوا ہو، مگر اس مقام سے میں نے عالمی سطح پر تحریک طب کو فائدہ پہنچایا ہے ۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اب تک اس مقام پر بیٹھے نہ رہنے کو ترجیح دیتا ۔

هاسٹل میں رین بسیرا

کینبرا میں سردی بڑھتی جا رہی ہے ۔ شب گزشتہ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکیوں کو بند کرلیا ہے، ورنہ کمرہ بڑا ہی سرد ہوگیا تھا اور جو پتلا کمبل میں استعمال کر رہا ہوں وہ کافی نہ ہوتا ۔ میں نے یہاں اپنے کمرے کا بستر استعمال نہیں کیا ۔ بس دو تکیے، اور ایک فالتو پتلا کمبل استعمال کر رہا ہوں ۔ میرا بستر میری وہ جا نماز ہے جو بارہا میرے ساتھ مکے مدینے گئی ہے ۔ میرے کمرے سے متعلق جو خاتون ہیں ان کو میں نے اب تک دیکھا نہیں ہے ۔ مگر میں ان کے لیے کوئی کام پیدا نہیں کرتا ہوں ۔ میں بستر تو استعمال کرتا ہی نہیں کہ ان خاتون کو بستر کی چادریں بدلنی پڑیں یا بستر کو تہ کرنا پڑے ۔ غسل خانہ میں خود صاف کر دیتا ہوں، دھو دیتا ہوں ۔ اپنی میز کرسی کو خود صاف اور درست کر لیتا ہوں ۔ صابن میں ڈاکٹر جعفری صاحب کے کمرے سے اپنی ضرورت کے مطابق لے آتا ہوں ۔ ان خاتون محترم کو بس تولیا بدلنا ہوتا ہے ۔ اگر وہ نہ بھی بدلتیں تو میرا تولیا گندہ نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ میں

تولیے کا صحیح استعمال کرتا ہوں ۔ تولیا بدن اور چہرے کا پانی جذب کرنے کے لیے ہوتا ہے ۔ اس سے میل کچیل صاف نہیں کیا جانا چاہیے۔ میں غسل اس انداز سے کرتا ہوں کہ میل جسم پر رہنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مسامات جسم کو رگڑ کر مل سے اس طرح صاف کر لیتا ہوں کہ تولیے میں میل کے آجانے کا کوئی امکان ہی نہیں ، اس لیے میرا تولیا ۱۰ - ۱۲ دن تک کافی ہوتا ہے ۔ غرض میں ارسلا کالج کے ہوسٹل میں اس طرح رہ رہا ہوں کہ کسی کے لیے ذرہ برابر بھی باعث تکلیف نہیں ہوں ۔

قرآن کانفرنس کا جلسۂ اختتامیہ

قرآن کانفرنس کہ جو دنیائے اسلام سے باہر سب سے پہلی منظم کانفرنس بہ سلسلۂ تقریبات علمی ۱۵ ویں صدی ہجری ہے ، اس میں متعدد ممالک کے اہل فکر نے حصہ لیا ہے ۔ مندوبین کی تعداد ۱۲۷ ہے جو باقاعدہ رجسٹر ہوئے ہیں ، مگر ایسے اہل علم بھی ہیں کہ جو اعزازی طور پر کانفرنس میں شریک ہوتے رہے ہیں ، مجموعی طور پر یہ تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے ۔

بہ حیثیت مجموعی مقالات کا معیار اچھا رہا ۔ فکر کی نئی راہیں کھلی ہیں ، بعض اچھے مندوبین شریک نہ ہو سکے ۔ مجھے پروفیسر منٹگمری واٹ اور پروفیسر سرجنٹ کا بڑا ہی انتظار تھا ۔ ان کی شرکت اچھی ہوتی ۔ غالباً ان کے مقالات مل جائیں گے ۔ جلسۂ اختتامیہ میں محترم ڈاکٹر حسن محمد جعفری صاحب نے پیش کردہ مقالات کا محاکمہ کرکے اچھا تبصرہ کیا ہے ۔

میں نے آج خطبۂ اختتامیہ دیا ۔ میں اپنے اس خطبے کو اپنے اس روزنامچے میں شریک کرتا ہوں ۔ میں روزنامچے میں

عموماً اپنی تحریروں اور خطبات کو شریک نہیں کرتا ہوں ۔ یہ الگ فائلوں میں مرتب ہیں ، مگر اچھا ہے کہ یہ خطبہ یہاں درج ہو جائے ۔

خطبۂ اختتامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بہ سلسلۂ ۱۵ ویں صدی ہجری تقریبات عالمی سمینار " قرآن نہرو فورٹین سنچریز اوف اسلام " عالم اسلام سے باہر سب سے پہلی موثر اور منظم علمی بین رفت ہے جس پر اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی اور اس کانگرس کے منتظم اعلا پروفسر اے ۔ ایچ ۔ جوھنز بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ۔ میں نے اس علمی و عالمی اجتماع کے ہر پہلو کو امعان نظر سے دیکھا ہے ۔ مقالات کے بلند علمی مرتبہ کے علی الرغم ان میں جو صحیح روح کار فرما رہی ہے اس کی بڑی اہمیت و عظمت ہے اور میں اس روح کی قدر دانی کے ساتھ اس سے بے حد متاثر ہوں ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ۱۵ ویں صدی ہجری کے استقبال کے لیے قرآن سے زیادہ صحیح جامع و موثر دوسرا موضوع ممکن ہی نہیں ہے ۔ بہ حیثیت مجموعی یہ کانفرنس اسی محور کے گرد رہی ہے ۔ قرآن جس قدر حسب حال موزوں اور اہم موضوع فکر تھا اسی قدر یہ نازک ذمہ داری بھی تھی ۔ اور نازک ذمہ داری کو پوری علمی شان کے ساتھ پورا کرنا یقیناً قابل تعریف ہے ۔ میں اس بڑی کامیاب کوشش پر منتظمیں کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اور ان کو یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے نہ صرف ایک بڑی اہم علمی خدمت کی ہے بلکہ

قرآن اور اسلام کی مہم کی راہوں کو ہموار کر دیا ہے کہ جو وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔

اس قرآن کنگرس میں دنیا کے اہم گوشوں سے اہل فکر و نظر نے شرکت کی ہے۔ یہ وہ صاحب عظمت اہل علم ہیں کہ جنھوں نے ہر تعصب سے ماورا ہو کر مطالعۂ قرآنیات کو اپنا موضوع بحث قرار دیا ہے ـــ وہ قرآن کہ جو وحدانیت کا پیغام دنیا کے ہر نفس کو دیتا ہے، اور جو شرف انسان کا نقیب اور انسانی برادری اور مساوات انسانی کا حامی ہے اور بہر صورت اور بہر طور امن کا پیغامبر ہے۔ میرے نزدیک قرآن کنگرس کے شرکا قابل قدر ہیں۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں آج ان سب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و امتنان پیش کروں اور یہ کہوں کہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں بیٹھ کر انھوں نے عالم انسانیت کے لیے ایک تاریخ ساز پیش رفت کی ہے۔

حضرات! اس موقر کانفرنس میں جو پُر مغز مقالات پڑھے گئے ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے علما نے اپنے مطالعے اور تحقیق کے جو ثمرات پیش کیے ہیں اس کے بعد اصل موضوع پر اظہار خیال کی گنجائش اگرچہ باقی نہیں ہے لیکن اس پُر مسرت موقع کو اپنے لیے باعث سعادت خیال کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دور حاضر جو اَن گنت خصوصیات کا حامل ہے میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ مسائل کا دور ہے۔ آج کی اس دنیا میں سانس لینے والا ہر فرد اور اس ماحول میں زندگی گزارنے والا ہر انسانی گروہ مختلف النوع مسائل کا شکار ہے۔ تاریخ نے اس دنیا کے مختلف ادوار کو ان کی بعض نمایاں خصوصیات کی بنا پر

پتھر کا زمانہ اور تانبے اور لوہے کا عہد قرار دیا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں آج کے اس دور کو مسائل کا دور کہوں تو آپ میں کسی کو اس سے اختلاف نہ ہوگا ۔ بہر صورت آج ہم میں سے ہر ایک ، قطع نظر اس سے کہ وہ کون ہے ، کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے ، مسائل کے اس انبار تلے دبا ہوا ہے ۔ لیکن یہ امر لائق اطمینان ہے کہ کچھ لوگ ، اگرچہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے ، ان انسانی مسائل اور ان عالم گیر مصائب کے بارے میں سوچتے ہیں اور انسان کو اس تنگنائے سے باہر نکالنے کے لیے راہیں تلاش کر رہے ہیں ۔ انسان اور انسانیت کے یہ خیر خواہ بہر حال تحسین و آفرین کے مستحق ہیں اور اس امر کے حق دار کہ ان کی خدمت میں ان کی ان مساعی پر ہدیۂ تشکر پیش کیا جائے ۔

اس موقر علمی اجتماع کے حاضرین میری اس گزارش سے اتفاق کریں گے کہ انسان اپنا کوئی مسئلہ تاریخ سے بے نیاز رہ کر حل نہیں کر سکتا ۔ بالفاظ دیگر ہم اپنے حال اور اپنے مستقبل کو اس وقت تک اپنے لیے سازگار اور حیات بخش نہیں بنا سکتے جب تک ہم ماضی سے اپنا رشتہ استوار نہ کرلیں ۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ سائنس گزیدہ حضرات اور بعض ایسے لوگ جو مادیت کی مزمن سمیت کا شکار ہیں اس سے اتفاق نہ کریں لیکن میرے خیال میں چوں کہ ماضی درحقیقت ہمارے اسلاف کے تجربات سے عبارت ہے ، حال اور مستقبل کی تعمیر کے سلسلے میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس بنیاد کو نظر انداز کرکے جو تعمیر کی جائے گی وہ بالکل ایسی ہی بودی اور کمزور ہوگی جیسی آج کی نام نہاد تہذیب !

میں اس جگہ اس ذات گرامی کے ایک حکیمانہ ارشاد کا حوالہ دیے بغیر نہیں رہ سکتا جس کی صداقت و دیانت پر وہ عظیم الشان کتاب شاہد ہے جس کے انسانی تہذیب پر اثرات کے

مطالعے کے لیے یہ کانگرس برپا ہوئی ہے۔ شارع قرآن نے فرمایا کہ

السَّعِیدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیرِہ

خوش بخت وہ ہے جسے دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔

سامعین گرامی قدر! بہر صورت کوئی شخص تاریخ اور مطالعۂ تاریخ کی اس اہمیت و ضرورت کو تسلیم کرے نہ کرے اگر انسانی تمدن کے مختلف مراحل پر نظر ڈالیے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس خاص مرحلے کے اسباب و عوامل اور انسانی زندگی پر اس کے گہرے اور انمٹ نقوش سے صرف نظر کرکے گزر جائے جسکی ابتدا آج سے چودہ سو سال قبل ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ایک عظیم الشان تمدنی انقلاب تھا جس نے انفرادی اور اجتماعی انسانی زندگی، انسانی فکر اور اس کے تصورات، اس کے افعال و اعمال، اس کے اخلاق و سلوک اور اقدار حیات کے بارے میں اس کے طرز فکر میں اور مختصراً یہ کہ اس کے طرز حیات میں ایسی نمایاں تبدیلی پیدا کردی تھی کہ انقلاب کی تاریخ اس انوکھے تجربے اور اس کے بے نظیر اثرات کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہے۔ اگرچہ تاریخ کے اوراق ان مختلف اور متعدد انقلابات کے ذکر سے معمور ہیں جن سے ہماری اس دنیا کو سابقہ پڑتا رہا ہے لیکن یہ انقلاب جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس حیثیت سے بھی منفرد اور ممتاز ہے کہ یہ اپنی ماہیت میں ایک کتابی انقلاب تھا!

وہ کتاب جس نے یہ ہمہ گیر اور دور رس اثرات کا حامل انقلاب برپا کیا تھا اپنے اس مقصد میں اس لیے کامیاب رہی کہ یہ انسان کے دل، اس کے ضمیر اور اس کی روحانی شخصیت سے

خطاب کرتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا لایا ہوا انقلاب افراد کے جسموں کو اپنا نشانہ بنانے والے سیاسی اور عسکری انقلابوں کے مقابلے میں ایک حقیقی ، ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب ثابت ہوا ۔ یہ انقلاب اس لیے بھی کامیاب ثابت ہوا کہ اس نے انسان کو کوئی اجنبی راہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ انتہائی شفقت کے ساتھ اس کے ضمیر سے خطاب کرتے ہوئے اور اس کے قلب کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے یہ بات سمجھائی کہ انسان کے لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنی فطرت سے متضاد راہ پر چلنا چھوڑ دے ۔ اسی لیے قرآن نے اپنے دیے ہوئے طریق حیات کو " فطرت " کا نام دیا ہے ۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۔ (الشمس : ۸)

اس نے اسے نیکی اور بدی کا شعور عطا کیا ہے ۔ نیک و بد میں یہ فرق و امتیاز انسان کی فطرت میں شامل ہے اسی لیے قرآن نیکیوں کو " معروف " کی اور برائیوں کو " منکر " کی اصطلاح دیتا ہے اور معروف سے مراد وہ امور ہیں جن سے انسانی فطرت ان کی اچھائی کی بنا پر مانوس ہوتی ہے اور منکر سے مراد وہ امور ہیں جو خلاف فطرت ہونے کی بنا پر انسان کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں ۔ قرآن کہتا ہے کہ جو شخص منکرات پر عمل کرتا ہے وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ، کیونکہ گناہ ایک ایسا فعل ہے جس کے ارتکاب سے فطرت انسانی ابا اور انکار کرتی ہے ۔

حضرات ! ساتویں صدی عیسوی کا یہ انوکھا اور منفرد انقلاب جو اس عظیم کتاب نے برپا کیا اس وجہ سے بھی کامیاب ثابت

ھوا کہ اس نے انسان کو اپنی فطرت سے قریب اور اس کے مطابق راہ پر چلنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے اپنے اس خطاب کی ابتدا میں جن انسانی مسائل اور مصائب کا ذکر کیا ھے میرے خیال میں اس قاتل اور مہلک وبا کا مرضیاتی سبب (pathological cause) یہی ھے کہ آج کا انسان اپنی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل سے گریزاں ھے۔

قرآن کریم جو دعوت پیش کرتا ھے وہ انسانی فلاح کی دعوت ھے! اس لیے اس کا خطاب کسی خاص خاندان، کسی ایک قبیلے، کسی خاص مذھب کے ماننے والوں یا کسی مخصوص خطے میں آباد لوگوں سے نہیں ھے کیونکہ اس کا دعوا ھے کہ وہ ایک آفاقی پیغام کا حامل ھے اور ایک آفاقی پیغام ان عارضی انسانی امتیازی خصوصیات کو اس سے زیادہ اھمیت نہیں دیتا جو قرآن کریم کی اس آیت سے ظاھر ھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ (الحجرات: ۱۳)

یعنی "لوگو! ھم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے وجود بخشا ھے اور خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم محض اس لیے رکھی ھے کہ تم ایک دوسرے کو آسانی سے شناخت کرسکو!"

اس لیے قرآن جہاں عام انسانی مسائل اور ان کے حل کی بات کرتا ھے تو اس کا خطاب یکساں طور پر اولاد آدم سے ھے جسے وہ "یا ایھا الناس" کہ کر اپنی طرف متوجہ کرتا ھے۔

یہ انسانی مصائب اور یہ مشکلات جو ھمارے اپنی فطرت سے اغماض کا نتیجہ ھیں، قرآن کے بیان کے مطابق ھمارے اپنے

ھی پیدا کردہ ھیں ۔ ارشاد ھے :

ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البرِّ وَالبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيدِی النَّاسِ
(الروم : ۴۱)

یعنی " بحر و بر انسانی سیاہ کاریوں کے سبب فتنہ و فسـ
کی آماجگاہ بن گئے ھیں ۔ "

خواتین و حضرات ! عالم انسانیت آج ایک بڑے عجیـ
دور سے گزر رھا ھے ۔ صورت حال یہ ھے کہ انسان کی سوئـ
ھوئی سبعیت و بہیمیت پھر جاگ اٹھی ھے ۔ وہ اشرف المخلوقا
کہ صورت سے آدمی مگر خواھشات میں بھیڑیا ، محل سراؤں میـ
متمدن انسان مگر میدانوں میں جنگلی درندہ ، اپنے ھاتھ پاؤں ـ
اشرف المخلوقات مگر اپنی روح بہیمی میں دنیا کا سب سے خونخو
جانور ھے ۔ انسان اب اپنی خونریزی کی انتہائی شکل اور ابـ
مردم خوری کے سب سے زیادہ برے وقت میں آگیا ھے ۔ آ
درندوں کو بھٹ اور سانپوں کو جنگلوں میں راحت ملے گی ، مـ
انسان کی بستیاں اور اولاد آدم کی آبادیاں راحت کے سانس اور اـ
کے تنفس سے خالی ھوگئی ھیں ۔ میں آج کے انسان کی جو اللہ ـ
برگشتہ ھے اس سے زیادہ صحیح مگر خوفناک اور اندوھناـ
تصویر نہیں کھینچ سکتا ۔ آج متمدن طاقتوں کا غرور اپنی انتہاـ
حد تک پہنچ گیا ھے ۔ طاقتوں اور عجیب و غریب ترقیوں
انہیں راہ مستقیم سے ھٹا دیا ھے ۔ دنیا کی مغرور اور فتح مـ
طاقتوں میں ٹکراؤ ناگریز ھوگیا ھے ۔ انسان کو آج خون بہا
کی تمام شیطانی قوتیں اور آگ برسانے کے تمام جہنمی آلات میـ
ھیں اور موت و ھلاکت پھیلانے کی تمام ابلیسیت اس کے قبضـ
قدرت میں ھے ۔ اس زمین کی پشت پر ھمیشہ درندوں نے بھـ

بنائے ھیں اور اژدھوں نے پھنکاریں ماری ھیں ۔ مگر وہ ساری درندگی آج کی متمدن اقوام کی ھلاکت خیزیوں کے آگے مات کھا گئی ھے اور ھیچ ھوگئی ھے ۔ ایسے شدید حالات میں مبارک ھیں یہ ساعتیں کہ جب صدائے قرآن بلند ھوئی ھے ۔ قرآن کہتا ھے :

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَاناً فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ، اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوراً۔
(بنی اسرائیل : ۳۳)

یعنی " قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ھے مگر حق کے ساتھ ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ھو ، اس کے وارث کو ھم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ھے ۔ پس چاھیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے ، اسی میں اس کی جیت ھے ۔"

قرآن کا یہ حکم امن عالم اور حفظ انسانیت سے متعلق ھے اور یہ ایک ایسا حکم ھے کہ ھر دور و عصر میں جب بھی کوئی امن عالم کا محافظ ربانی اور حفظ انسانیت کا واعظ روحانی دنیا میں آیا تو اس نے ھمیشہ اسی حکم کا اعادہ کیا ۔ وہ کہ جو " کوہ طور" سے آیا اس نے بھی اور وہ جو " کوہ زیتون " سے نمودار ھوا اس نے بھی یہی کہا کہ " خون مت کرو ! "

قرآن نے قول فصل دیدیا ہے کہ

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيمٍ ○

(حم السجدہ: ۳۴-۳۵)

ترجمہ : ” نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں ، نیکی سے بدی کو دور کرو کہ اس سلوک سے وہ جس کو تم سے عداوت ہے تمہارا دوست ہو جائے گا ۔ یہ وہ طریق اخلاق ہے جس پر صرف صابر اور خوش قسمت انسان ہی عمل کرتے ہیں ۔ “

دنیا میں دو چیزیں ہیں : اخلاق اور قانون ۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور قانون کا تعلق حکومت اور معاشرۂ انسان سے ہے ۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیم اخلاق ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت صرف قانون ہے ، لیکن وہ جس نے کہا کہ ” میں خانۂ نبوت کی آخری اینٹ ہوں “ ، وہ جس طرح معلم اخلاق تھا اسی طرح ایک مقنن آئین و قانون بھی تھا ۔

اسلام اور شرائع سابقہ کا یہ فرق ایک نہایت اہم اور اصولی نکتۂ دقیق ہے ۔ افسوس ہے کہ میں اس موقع پر اس کی تفصیلات میں نہیں جا سکتا ، کیونکہ ضمناً اس کی تشریح ممکن نہیں ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن خون ریزی کو اکبر الجرائم اور قتل نفس کو معصیت کبریٰ قرار دیتا ہے ۔

قرآن انسانوں کو ان مصائب و مشکلات سے نجات پانے کی راہ دکھانے کا دعوے دار ہے ۔ اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ وہ

تمام لوگ کہ جو انسانی فلاح کے لیے سوچتے ہیں اس کتاب کو اپنے سامنے رکھیں - مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ہم پر تحقیق کے نئے باب کھولے گی - یہ اس لیے کہ دنیا اس کتاب کے لائے ہوئے پرسکون اور طمانیت بخش انقلاب کو ایک بار دیکھ چکی ہے اور یہ کارنامہ دوبارہ بھی دکھا سکتی ہے - اللہ ہماری رہنمائی کرے -

خواتین و حضرات ! ہم میں سے کوئی ایک شخص اس کا دعویدار نہیں بن سکتا نہ قرآن کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ میں اس نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں، باوجودیکہ آپ میں سے بعض کے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع قرآن رہا ہے - اور غالباً کوئی دل اس اجتماع میں ایسا نہ ہوگا کہ جس میں شک کے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہ ہوگا کہ جو افکار کی ساری آزمائشوں سے نہ گزر چکا ہو - آپ نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پئے ہوں گے اور تریاق کے نسخے بھی دارالشفا سے آزمائے ہوں گے - انسان کے نقص و درماندگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے کام کبھی جامۂ تکمیل سے آراستہ نہیں ہوسکے - وہ آج ایک کام کرکے اٹھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے مکمل کرچکا، مگر دوسرے دن دیکھتا ہے کہ اس کی نگاہ جانچ بدل جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کی خامیاں رہ گئی ہیں - بایں ہمہ اس قرآن کنگرس میں جستجو و طلب کا جو جذبہ کارفرما تھا اس نے قرآن فہمی کی راہوں کو ضرور ہموار کیا ہے اور یہ یقیناً قابل تعریف ہے -

میں اس سے پوری طرح آگاہ ہوں اور واقف کہ ڈاکٹر جوہنز اور ان کے رفقا نے اس اجلاس اختتامی میں خطاب کا موقع دیکر مجھے مقام شرف و عزّ بخشا ہے - اس مقام پر فائز

ہونے کے لیے اسی اجتماع میں بلند تر اور عظیم تر علمی و عالمی شخصیات موجود ہیں ، اور ان کے تبحرِ علمی کا میں معترف ہوں اور ان کے فیضانِ علم سے سیراب ہونا میرے لیے باعث عزت و شرف ہے ۔ اس عزت افزائی کے لیے میں سراپا سپاس ہوں ۔ اور اپنی زندگی کے ناقابل فراموش لمحات میں اس کو شمار کرتا ہوں ۔

میرے ذخیرہ الفاظ میں موزوں تر الفاظ نہیں کہ میں ان کو ذریعۂ تشکر بنا سکوں اور حق امتنان ادا کرسکوں ۔ اور پھر رسمی شکریہ ادا کرکے میں اس احسان کا وزن کم کرنا نہیں چاہتا کہ جو آپ نے مجھ پر کیا ہے ۔

میرے اختتامی خطبے کے اچھے اثرات سامنے آئے ۔ اس میں ایک غلطی ہوئی ہے ۔ ایک حدیث شریف کو قرآن کی آیت میں نے کہہ دیا ہے ۔ خطبہ کے بعد سعودی عرب کے پروفیسر بجودہ صاحب میرے پاس آئے اور بڑی خاموشی کے ساتھ انھوں نے اس غلطی کی نشان دہی کی ، موقع نہیں مل سکا ورنہ میں اس غلطی کا اعتراف کرتا تاکہ میرے خطبے کی جو نقل لوگوں کو ملی ہے اس میں اصلاح کر دی جاتی ، اب مجھے ان سب کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دینی ہوگی ۔

پاکستان سے بلاوا

جلسۂ اختتامیہ کے دوران کراچی ہمدرد سے ایک تار آیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ وزرائے خارجۂ ممالک اسلامیہ کا کراچی کے ہوائی میدان پر استقبال کرنے کے لیے مجھے وہاں موجود ہونا چاہیے ۔ تار میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اچھا ہے کہ میں کراچی ذرا پہلے پہنچ جاؤں ۔ گزشتہ وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے موقع پر مجھے سری لنکا جانا تھا ۔ مگر جناب محترم صدر مملکت پاکستان

نے مشورہ دیا کہ اچھا ہے کہ میں اس موقع پر پاکستان میں رہوں ۔ اب پھر ایسا ہی موقع ہے ۔ میں نے فیصلہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا اور فوراً کینبرا سے کراچی جانے کا ارادہ کر لیا ہے ۔

جلسۂ اختتامیہ کے بعد میں ٹی اے اے اوسٹریلین ہوائی کمپنی کے دفتر گیا ۔ مگر یہاں کوئی مدد نہ مل سکی ۔ میرے ٹکٹ میں مجھے جکڑا گیا ہے ۔ اگر میں تہائی ایئر ویز سے سفر کر رہا ہوں تو مجھے اسی ایئر لائن سے سفر کرنا ہوگا ۔ اس نا معقولیت کا احساس آج ہوا ۔ اصولاً ہمارے جیسے خدمت گاروں کے ٹکٹوں پر ایسی پابندیاں نا معقول شمار کی جانی چاہئیں ۔ میں نے آج خاصی سبکی اٹھائی ہے ۔ تاہم سفارت خانہ پاکستان کے فرسٹ سکریٹری جناب نہال وارث صاحب نے سڈنی پی-آئی-اے کے ایجنٹ سے ٹیلی فونی رابطہ قائم کیا ۔ میں خود بھی سفارت خانے پہنچ گیا ۔ بارے ایک راستہ واپسی کا طے پا گیا ۔ اب میرا سفر کا پروگرام یہ ہے کہ میں کل صبح ۱۰ بجے سڈنی ٹی اے اے سے جاؤں گا ۔ ڈیڑھ بجے دن سڈنی سے قنطاس اوسٹریلین ایئر لائن سے سنگا پور جاؤں گا ۔ سنگا پور ایئر لائن سے بنکاک پہنچوں گا اور وہاں سے جاپان ایئر لائنز پکڑ کر جمعرات کو صبح ساڑھے چار بجے کراچی اتر جاؤں گا اور وہاں جو وزرائے خارجہ ممالک اسلامیہ ورود فرما رہے ہوں گے ان کا استقبال شروع کردوں گا ۔

کتابوں کے ۱۷ پیکٹ

سفارت خانہ پاکستان میں ایک بڑا عجیب منظر دیکھا ۔ کتابوں کے ۵ پیکٹ فرسٹ سکریٹری صاحب کے کمرے میں ہیں ، اور ۱۲ پیکٹ باہر دوسرے دفتر کے سامنے رکھے ہیں ۔ ہر ایک

پر ۴۰-۴۰ روپے کے ٹکٹ لگے ہوئے ہیں ۔ یہ وہ کتابیں ہیں کہ جو مس نے اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں سال گزشتہ فیصلہ کیا تھا کہ اوسٹریلن نیشنل لائبریری کو یہ کتابیں ہدیہ کی جائیں گی ۔ کتابیں یہاں آئے تین ماہ ہو چکے ہیں ۔ شاید ۷-۸ ہزار روپے کی کتابیں ہیں ۔ مگر اب تک یہ کتابیں سفارت پاکستان نے نیشنل لائبریری اوف اوسٹریلیا کو ہدیہ نہیں کی ہیں ۔ میں نے آج درخواست کی ہے کہ ان کو اس طرح ڈالے رکھنے کا کیا فائدہ ہے ، مناسب ہے کہ جناب سفیر صاحب یہ کتابیں ہدیہ کر ھی دیں ۔ اگر میرے علم میں یہ صورت حال آ جاتی تو میں یہ کام خود ھی کر لیتا ۔ چیف لائبریرین صاحبہ سے کل ملاقات بھی ہوئی تھی اور انہوں نے مجھے لائبریری آنے کی پر جوش دعوت بھی دی تھی مگر میں نہیں جا سکا ، حال آں کہ نیشنل لائبریری جانا میرے پروگرام میں شامل تھا ۔ توقع ہے کہ جناب سفیر کبیر پاکستان زحمت فرمائیں گے اور یہ ہدیہ اوسٹریلین نیشنل لائبریری کو پیش کر دیں گے ، میں نے محترمی ڈاکٹر رضوی صاحب سے بھی درخواست کر دی ہے کہ وہ اہتمام میں سفیر صاحب کی مدد فرما دیں ۔

جناب قریشی صاحب ۔ پبلک اسکول

سال گزشتہ بھی جناب قریشی صاحب سے شرف ملاقات رہا تھا ، اور اس بار بھی ان کی پرخلوص اور پرجوش شخصیت سے متاثر ہوا ہوں ۔ قریشی صاحب کا تعلق تعلیمات سے ہے ۔ وہ پاکستان میں پبلک اسکول سے وابستہ رہے ہیں اور اب کینبرا میں بھی وہ پیشہ تعلیم اختیار کیے ہوئے ہیں ۔ آج وہ میرے ساتھ رہے ہیں ۔ ٹی ۔ اے ۔ اے کے دفتر میں وہ میرے ساتھ تھے اور

مجھے ان سے یہاں ایک پبلک اسکول کے بارے میں تبادل خیال کا موقع مل گیا ۔ اس باب میں ان کا تجربہ ذاتی اور وسیع ہے ۔ ان کے خیالات اور ان کی فکر میں میں نے جھول محسوس نہیں کیا ۔ میں ” ہمدرد آباد “ میں ایک پبلک اسکول قائم کرنے کا آرزو مند ہوں اور اس کام کو کر گزرنے کے لیے بے چین ہوں ، مگر میری راہ میں وہ لوگ حائل ہیں کہ جن کے یہ فرائض میں داخل ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کریں کہ جو ملک و ملت کی خدمت کر گزرنے کے درپے ہیں ۔ میں شہر علم و ثقافت کے لیے کراچی سے باہر جانا نہیں چاہتا ، مگر ان معاملات کے اختیارات جن لوگوں کے پاس ہیں انہیں ملکی ضرورت اور ملی حاجت کا احساس ہے نہ ادراک ۔ ذاتی پسند اور ناپسند اور شخصی تعصبات نے پاکستان کو شدید تر نقصانات پہنچائے ہیں ۔ اس وطن عزیز کو ایسے صاحبان اقتدار کی حاجت ہے کہ جو تنقید کو برداشت کر سکتے ہوں اور تعمیر کی رفتار کو تیز تر کرنے میں نفس کی قربانیاں دینا بھی جانتے ہوں ۔

میں عمر کی ایسی منزل میں ہوں کہ اب ایک دن بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے اور تعمیر کے لیے ہر لمحے کو قیمتی قرار دینا چاہیے ۔ زمین کے حاصل کرنے میں اب ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے ۔ محکمہ ہائے حکومت اپنی رفتار کو تیز نہیں کر سکتے اور سر براہ صوبہ اپنے حسن عمل کو مہمیز دینے میں متامل ہے ۔ اس ڈیڈلاک کو سر براہ مملکت ہی اب انشاء اللہ تعالیٰ دور فرمائیں گے ۔

ایک پبلک اسکول کے لیے میرے ذہن میں جو خاکہ ہے وہ عام تعلیم سے قطعی مختلف ہے ۔ میری رائے یہ ہے کہ آج پاکستان میں جو تعلیم دی جارہی ہے وہ بہر اعتبار ناقص ہے ۔

اس تعلیم نے آج تک ایک پاکستان دوست انسان پیدا نہیں کیا ہے۔ ہمارے ھاں کا نظام تعلیم کلیۃً اس وصف سے محروم ہے کہ پاکستان کی تعمیر کے لیے سخصیات کو جنم دے سکے۔ یہ تعلیمی نظام ھمیں اپنے دین پر قائم کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ اور نہ اس نظام میں تعمیر وطن کی کوئی کوشش کو دخل ہے۔ ھمارا پاکستان ایک بے مقصد تعلیمی نظام کا پاس دار ہے جس کی کوئی منزل مقصود نہیں ہے۔

تعلیم خاکوں کی مدد سے

جناب قریشی صاحب کی مدد سے اوسٹریلیا کے نظام تعلیم کے ایک پہلو کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اوسٹریلیا میں بچوں کو مقامی انتطامیہ کے بارے میں بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ تعلیم جس قسم کے فلم کی مدد سے دی جاتی ہے اس میں گوریلے اور چوھے کارٹونوں کی شکل میں دکھائے گئے ھیں۔ خاکوں کی شکل میں پیش کیے جانے والے ان کرداروں کی مدد سے بچوں کو بتایا جاتا ہے کہ اگر دل بہانے یا ساحلوں، ھوٹلوں اور دوسرے مقامات کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے مقامی انتطامیہ موجود نہ ھو تو معاشرے کی حالت کس قدر ابتر ھوگی۔ گیارہ اور بارہ سال کی عمر کے بچوں کو خاکوں پر مبنی رنگین فلم اور دیگر ذرائع سے معاشرے کے لیے مقامی انتظامیہ کی اھمیت کا احساس دلایا جاتا ہے۔

میں یہاں دو خاکے پیش کرتا ھوں جن سے انداز فکر اور طریق تعلیم کا اندازہ لگانا ممکن ھوگا:


TOLL


MENU

شاپنگ

جس چیز سے میں زندگی بھر گریزاں رہا وہ شاپنگ ہے۔ میری شاپنگ کتابوں تک محدود رہتی ہے یا پھر میں انتہائی ضرورت کی چیزیں خریدتا ہوں کہ جن کی ہمدرد کو ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً سال گزشتہ سڈنی میں پوائنٹر ٹارچ کی تلاش رہی۔ بالآخر دس گھنٹے کے بعد مجھے ایک نہایت معمولی اور غیر متعلق دکان سے مل گئیں اور یہ دو عالمی سائنس کنگرسوں میں کام آئیں کہ جو ہمدرد اور یونیسکو کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ہوئیں۔ انہی کنگرسوں کے لیے میں نے ایک سلائڈ پروجیکٹر لندن سے خریدا تھا۔ اور ایک " اوور ہڈ پروجکٹر " لیا تھا۔ " اوور ہڈ " پروجکٹر جب ہوائی جہاز سے اسلام آباد پہنچا تو کسٹم کے عملے نے اس پر ڈیوٹی لگا دی اور لاکھ سمجھایا کہ یہ کنگرس کی ضرورت ہے اور جامعہ طبیہ کی تعلیمی ضرورت ہے، مگر وہ نہ مانے اور نہ جانے کس طرح کتنی کسٹم ڈیوٹی لے کر اسے اس وقت چھوڑا کہ جب کنگرس ختم ہوچکی تھی!

آج میں محترمی ڈاکٹر رضوی صاحب کے ساتھ شاپنگ کے لیے گیا۔ واقعی بڑے بڑے عجیب اور شاندار مراکز خرید و فروخت ہیں۔ حیران رہ جاتا ہوں، میں نے ہمدرد کے ایگزیکیٹوز کے لیے اور بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ خرید ہی لیا۔ مجموعی طور پر یہ تمام سامان کوئی ایک سو ڈالر کا ہے۔ یعنی ایک ہزار روپے خرچ ہوگئے۔ سال گزشتہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی سے ایک سو ڈالر جیب خرچ مجھے ملا تھا جبکہ میں عالمی ایشیائی طبی کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ اس میں سے شاید ۱۵ ڈالر میں دو پوائنٹر ٹارچ خریدی تھیں۔ باقی ۸۵ اوسٹریلین ڈالر میرے پاس بچ گئے تھے، یہ ایک سو امریکی ڈالر کے

برابر ہیں - بس آج یہ خرچ ہوگئے ! یہاں کا روپیہ یہاں ہی خرچ ہوگیا !

نہال وارث صاحب نے آج رات کا کھانا محترمی ڈاکٹر جعفری صاحب کے اعزاز میں کیا تھا - بالآخر میں نے بھی فیصلہ کرلیا کہ میں شرکت کرلوں -

ٹیلیکس

اب یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ میرے سرکاری دفتر اسلام آباد نے بذریعہ وزارت خارجہ جو ٹیلیکس میرے پروگرام کے بارے میں بھجوایا تھا وہ سفارت پاکستان کینبرا کو نہیں ملا ہے اور یہ کہ وزارت خارجہ نے یہ ٹیلکس نہیں دیا - یہ بات قطعی غیر مناسب ہے - قرآن کانفرنس کا وفد سرکاری تھا - صدر مملکت کا منظورکردہ تھا - اس اعتبار سے میری حیثیت سرکاری تھی ، اس سے قطع نظر کہ میں وزیر کے مرتبے پر صدر مملکت پاکستان کا مشیر ہوں - ان دونوں حیثیتوں کا تقاضا یہی تھا کہ وزارت خارجہ کی جانب سے یہ کوتاہی اگر نہ ہوتی تو صحیح اور مناسب تھا -

ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ میں نے اپنی جگہ یہ سمجھا کہ سفارت خانے نے مجھے نظر انداز کیا ہے - شاید ان کو اس کا حق تھا - میں نے یہاں آکر ان کو قطعاً نظر انداز کر دیا - اس نظر اندازی میں یہ ممکن نہ ہوسکا کہ میں اوسٹریلیا کے وزیر صحت سے مل کر طب کے بارے میں ان سے باتیں کرتا - میں براہ راست وقت لیتا یا کانفرنس کے دفتر سے کہتا تو یہ پروٹوکول کے خلاف ہوتا - اس لیے کہ جب سفارت پاکستان یہاں ہے تو اسے ہی میری ملاقات کا انتظام کرنا چاہیے - افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اوسٹریلیا میں طب کے لیے میدان موجود ہیں - سال گزشتہ

ستمبر کی طبی کانفرنس کے بعد چین کے وزیر صحت بھی یہاں آئے تھے اور طب چینی کی باتیں کر گئے تھے - میں وزیر صحت اوسٹریلیا کو طبی پش رفت کا مشورہ دینا چاھتا تھا -

۱۴ - مئی ۱۹۸۰ء، بدھ،
کینبرا ، سڈنی ، سنگاپور ، بنکاک ، کراچی

اللہ تعالیٰ کا شکر ھے اور احسان کہ آج یہ طویل سفر در پیش ھے - اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے منزل مقصود پر بخیریت تمام پہنچا دیں - میں نے صبح ہ بجے رخت سفر باندھ لیا ھے - تمام سامان میرے سوٹ کیس میں آ گیا ھے - ھاں ذرا مشکل سے بند ھوا ھے ! میں نے حفاظت کی دعا پڑھ کر پھونک دی ھے - انشاء اللہ سامان بھی میرے ساتھ حفاظت سے پہنچ جائے گا - اس سوٹ کیس کو راستے میں جگہ جگہ ایک جہاز سے دوسرے جہاز میں منتقل ھونا ھے - کینبرا میں ھی اسے کراچی تک کے لیے بک کرا دیا جائے گا -

راستہ طویل ھے - میں نے اپنے لکھنے پڑھنے کا سامان بھی درست کر لیا ھے - توقع ھے کہ جہازوں میں میں کویت کے بارے میں اخبار الطب کے لیے طب کی بقیہ کہانی لکھ لوں گا ، اور یہ اشوع جو کسی وجہ سے رکا ھوا ھے مکمل ھو جائے گا - میرا اندازہ یہ ھے کہ مجھے شاید ابھی ۱۵ - ۲۰ صفحے اور لکھنے ھوں گے - اب تک پچاس پچپن صفحات نو مس لکھ کر دے چکا ھوں -

یونیورسٹی کا مقام

میں آج صبح اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے بارے میں بڑی دیر غور کرتا رہا کہ یہاں کیسی علمی چہل پہل رہتی ھے - یونیورسٹی کی تعطیلات شروع ہونے ہی اس یونیورسٹی میں دنیا بھر سے اھل علم آ کر جمع ہو جاتے ھیں - طلبہ و طالبات کے ھاسٹل اھل علم کے لیے کھل جاتے ھیں اور اساتذہ علمی و عالمی سرگرمیوں میں مشغول و منہمک ہو جاتے ھیں - اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں تعطیلات کے دوران ہمیشہ ہی چہل پہل رہا کرتی ھے ، اور اس یونیورسٹی پر کیا منحصر ھے ، یہاں اور یورپ و امریکا میں بھی علمی سرگرمیاں جاری و ساری رہتی ھیں - سال گزشتہ کنگرس عالمی طب ایشائی کے بارے میں پتہ چلا کہ باوجودیکہ مختلف ذرائع سے تعاون حاصل ہوا تھا ، عالمی ادارۂ صحت نے بھی تعاون کیا تھا ، مگر اس کے باوجود کنگرس قرض دار ہوئی تھی - یونیورسٹی کی طرف سے بہترین تعاون یہ تھا کہ یونیورسٹی کے ھاسٹل مندوبین کے لیے کھلے ہوئے تھے جن کے اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے - ہوٹل کا کرایہ اگر پچاس ڈالر یومیہ تھا تو ھاسٹل میں ۵ ڈالر کے لگ بھگ تھا - بہترین اقامت اور بہترین کھانا - پھر یونیورسٹی نے بعض خصوصی مہمانوں کو اپنا مہمان بنایا تھا - مثلاً میں یونیورسٹی کا مہمان تھا اور یونیورسٹی ھال میں مقیم تھا کہ جو بڑے اعزاز کی جگہ ھے - کنگرس کے تمام ڈاک اخراجات یونیورسٹی کے ڈاک خانے سے بلا معاوضہ تھے - اس کے باوجود جب قرض ہوگیا تو یہ تمام قرض یونیورسٹی نے ادا کر دیا -

اب قرآن کانفرنس کے لیے ایسے انتظامات ھیں کہ قرض کا کوئی سوال ہی نہیں - بایں ہمہ یونیورسٹی نے تمام ڈاک

اخراجات دیے هیں ، هاسٹل دیے هیں جہاں اعزازی طور پر بھی مہمان هیں ، مثلاً میں مہمان هوں اور کوئی پیسہ نہیں دینا ہے اور جنہوں نے بل ادا کر دیا ہے وہ نہ هونے کے برابر ہے ۔

علمی و عالمی سرگرمیوں میں یونیورسٹیاں اس طرح حصہ لیتی هیں ۔ میں جب ان یونیورسٹیوں میں ٹھہرتا هوں تو میں ان کے فکر و نظر پر غور کرتا هوں کہ طلبہ اور اهل علم کے لیے یہاں قابل رشک پیش رفت هوتی ہے اور اس صورت حال نے مغربی دنیا کو علم کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے ۔ کاش دنیائے اسلام کی تیل کی دولت علوم و علما کے لیے بھی احتیاط کے ساتھ خرچ هو سکتی اور اس طاقت پر اور علمی پیش رفت پر اور علم و عالم کی قدر دانی کے نتیجے میں شمع علم دنیائے اسلام میں ایک بار پھر فروزاں هو جاتی اور روشن !

دنیائے اسلام میں مجھے جامعۂ اردن کا ذاتی تجربہ ہے کہ وهاں میں نے اس انداز کی علمی فضا دیکھی تھی ۔ میں نے بڑی حیرت سے دیکھا تھا کہ کانفرنس عالمی "بلادالشام" کا انتظام جامعۂ اردن میں طلبہ و طالبات نے کیا تھا ۔ انھی نے ایک سو سے زیادہ مندوبین کے لیے ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا تیار کیا اور انہوں هی نے کھانا کھلایا ۔ برتن اٹھائے اور دھوئے ۔ میں نے دنیائے عرب میں پہلی بار یہ مہمان نوازی دیکھی کہ جو طلبہ و طالبات نے کی تھی ۔ اس کے بعد آنکھیں ترستی هیں ، یہ منظر کہیں دکھائی نہیں دیتا ۔

پاکستان کی جامعات سے ان مغربی جامعات کا موازنہ ناگزیر ہے ۔ چوں کہ میرے دل میں درد ہے ، ٹیس ہے ، میرے ذهن و دماغ بے چین هیں ، میرا نظام عصبی بے سکون ہے ، اس لیے میں پریشان هوں کہ پاکستان کی جامعات میں علمی فضا کیسے

پیدا ہو۔ مجھے تو کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ پاکستان کی کسی جامعہ میں گزشتہ ۳۲ سال میں کوئی ایک ایسا عالمی اجتماع ہوا ہو کہ دنیا بھر سے اہل علم جامعات پاکستان کے مہمان ہوئے ہوں اور طلبہ کے ہاسٹلوں میں ان کا قیام رہا ہو۔ اول تو پاکستان میں کوئی عالمی اجتماع کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے، جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس راہ میں برابر مشکلات در پیش ہوتی ہیں۔ اگر کوئی محبت کا مارا اس کام میں ہاتھ ڈال دے تو پاکستان کی بیوروکریسی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کس طرح اس کا ہاتھ قلم کر دیا جائے۔ وہ بہت ہی سخت دل اور سخت جان اور مضبوط الاعصاب لوگ ہیں کہ جو ہزار دھتکار کے باوجود پاکستان میں کوئی علمی اجتماع کرلیتے ہیں۔ اس کا حال کوئی مجھ سے پوچھے۔ میں جانتا ہوں کہ پاکستان کی بیوروکریسی کے ہاتھوں میں کتنا ستایا گیا ہوں اور کیسا شرمایا گیا ہوں۔ جو ہم وطن جانتے ہیں کہ میں نے پاکستان میں کتنی عالمی کنگرسیں کی ہیں ان کو باور کرنا چاہیے کہ میں ہر بار پل صراط سے گزرا ہوں، مگر میں انتہائی سخت جان ہوں، اس لیے زندہ ہوں۔ ہم اپنے ہاں عالمی اجتماع کی سوچتے ہیں، اس بیوروکریسی کو تو ذرا بھی گوارا نہیں ہے کہ پاکستان کے عالم، استاد، پروفیسر پاکستان سے باہر عالمی اجتماعات میں شرکت کریں۔ ہزار بار ایسا ہوا ہے کہ دعوت نامہ آیا اور مدعو کو پتہ تک نہیں۔ ہزار بار ایسا ہوا ہے کہ پاکستان کا عالم عالمی اجتماعات میں اس وقت پہنچا کہ اجتماع ختم ہوچکا تھا، اور ایک بار بھی ایسا نہ ہوا کہ پاکستان کے اہل علم کو مقالات تیار کرنے کی مہلت ملی ہو۔ اسے ہمیشہ ادھر میں لٹکایا جاتا ہے اور وقت کے وقت اسے بتایا جاتا ہے۔ وہ جاتا ہے اور عالمی

اجتماعات علما میں جا کر منہ سکتا ہے اور کوئی کنٹری بیوشن نہیں کر سکتا ۔

شاید یہ پہلا موقع تھا کہ قرآن کانفرنس کے لیے اکتوبر ۱۹۷۹ء میں میں نے مندوبین کا انتخاب کر دیا تھا اور ان سے کہ دیا تھا کہ مقالات تیار کریں ۔ جناب خالد اسحاق صاحب نے اور جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب نے مقالات تیار کر لیے تھے ۔ وائس چانسلر بہاول پور اسلامیہ یونیورسٹی جناب عبدالقیوم قریشی صاحب کے بارے میں معلوم نہیں ۔ مگر انہوں نے ضرور مقالہ تیار کر لیا ہوگا ۔ میں نے اکتوبر ۱۹۷۹ء سے اپریل ۱۹۸۰ء تک سات ماہ تک مسلسل حالات پیدا کیے کہ قرآن کانفرنس میں پاکستان کی شرکت موثر ہو ۔ وزارت مذہبی امور کے افسران کالے آدمی سے بات کم کرتے ہیں ، مگر وہ اس بات میں ہمیشہ یقین دہانیاں کرتے رہے کہ وہ سب کام درست کر رہے ہیں ۔ سب شعبوں سے اجازت لے رہے ہیں ۔ حتیٰ کہ ویزا بھی لیے گئے ، زرمبادلہ بھی منظور ہوا ۔ اس میں درج ہے کہ صدر مملکت پاکستان نے منظوری عطا فرمادی ہے ۔ وفد کے لیے ۶ مئی ۱۹۸۰ء کو جہاز میں نشستیں بھی مخصوص کرادی گئیں ، ٹکٹ بھی کٹوا لیے گئے ، مگر ۵ مئی ۱۹۸۰ء کو پتہ چلا کہ کوئی اچانک رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے ۔ کوئی افسر صاحب معترض ہیں کہ :

- فائل پر سوالات کے جوابات پورے نہیں ہیں ۔
- وفد بہت بڑا ہے ۔
- یہ بتایا جائے کہ اس کانفرنس کی اہمیت کیا ہے ۔

یہ سوالات ۵ مئی ۱۹۸۰ء کو قائم ہو رہے ہیں جبکہ اکتوبر ۱۹۷۹ء سے فائل چل رہا ہے اور سارے مراحل خوبی سے طے کر گیا ہے ۔ مگر میں نے قائم مقام صدر مملکت پاکستان

سے براہ راست رابطہ قائم کیا اور ان کے ذریعہ سے قائم مقام چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر صاحب سے رابطہ قائم کیا ، مگر یہ دونوں بلند و بالا شخصیات کوئی مدد نہ کرسکیں اور پاکستان کا یہ وفد قرآن کانفرس میں شرکت کے لیے روانہ نہیں ہو سکا۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ صدر مملکت پاکستان کا مشیر برائے طب اس کام میں پیش پیش ہے اور سات ماہ سے مسلسل کوشاں ہے۔ اس کو باور کرایا جا رہا ہے کہ سب کام ٹھیک ہو رہے ہیں اور پھر بھی وفد نہ جا سکا۔ میں نے جو حالات بتائے ہیں ان کی روشنی میں جو باتیں سامنے آتی ہیں اب وہ صرف یہی ہو سکتی ہیں کہ :

- وزارت مذہبی امور نے سات مہینے تک مسلسل اور بڑی خوبی کے ساتھ بے وقوف بنائے رکھا۔
- وفد کی روانگی میں کوئی ایسی راز کی بات رکھی گئی کہ بالآخر وفد جا ہی نہ سکے۔
- جوائنٹ سکریٹری کو ہر بالادست پر برتری حاصل ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کے سوالات یہ آخر وقت میں کیسے برآمد ہوئے۔
- پاکستان کے اہل علم کا کوئی احترام نہیں ، وہ کسی شمار میں ہیں اور نہ قطار میں۔ کوئی بھی علم سے مجہول ، تراش سے محروم کندہ ایک عالم کو بے عزت کر سکتا ہے اور اس وطن میں اس گناہ کبیرہ پر کوئی پرسان حال نہیں۔
- امکاناً ہی نہیں اب حتماً میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ پاکستان کی بیوروکریسی کی باگ ڈور کسی ایسی طاقت کے ہاتھ میں ہے کہ وہ نہیں چاہتی کہ پاکستان میں علم و عالم کی قدر ہو اور پاکستان دنیائے علم میں روشناس ہوسکے۔

- یہ بالکل وھی معاملہ ہے کہ پاکستان میں صحت عامہ کا معیار بلند نہیں ھونے دیا جائے گا اور ملٹی نیشنل کارپوریشنیں ایسی دواؤں سے پاکستان کی صحت کو تباہ کرتی رھیں گی کہ جو ان کے ھاں متروک ھیں ۔

میں اس باب میں اس کے علاوہ فرمائیے اور کیا رائے قائم کر سکتا ھوں !

ھاسٹل فلیٹ کو خدا حافظ

ارسلا کالج میں پورے سات دن مقیم رھا ۔ میں نے جو فلیٹ لیا ، استعمال کیا وہ ٹیوٹر جرمی ڈاسن صاحب کا ھے ۔ میں نے سات دن تک بستر استعمال نہیں کیا ۔ دو تکیے اور ایک فاضل باریک کمبل لے کر میں اپنی جا نماز پر سات دن سوتا رھا ھوں ۔ میں نے اپنے باتھ روم وغیرہ کی صفائی خود کی ھے ، ھاسٹل کی خادمہ کو ذرا بھی زحمت نہیں دی ۔ آج صبح میں نے خدا حافظ کہ دیا ھے ۔ کنجی استقبالیہ پر دیدی کہ جہاں تین نہایت مؤدب اور شائستہ خواتین کام کرتی رھی ھیں ۔ میں نے پروفیسر رضوی صاحب سے مشورہ کیا ، ان کی رائے ھے کہ یہاں ان کو ٹپ دینے کا کوئی دستور نہیں ھے ۔ اس بار میں اس طرح روانہ سفر ھوا کہ میرے پاس کوئی ایک ھدیہ/تحفہ بھی نہیں ھے ۔ میں بنارسی رومال ، اسٹول اپنے بیگ میں ھمیشہ ایسے مواقع کے لیے رکھا کرتا ھوں ۔ (بارے میں نے پاکستان آ کر ان تینوں خواتین کو مناسب ھدایا بھجوا دیے ۔)

کنگرس جب ختم ھوتی ھے تو آخری دن بڑا ھی سخت ھوا کرتا ھے ۔ کم از کم مجھے تمام نئے دوستوں کو الوداع کہتے ھوئے اور وداع ھوتے ھوئے قلبی تکلیف ھوا کرتی ھے ۔

مجھے یقین ہے کہ اکثر کے تاثرات ایسے ہی ہوتے ہوں گے ۔ میں صبح کھانے کے ہال میں گیا ۔ سب سے ملاقاتیں کرتا رہا ۔ بعض دوست باہر تک آئے ۔ کسی نے میرا سامان اٹھایا ۔ کسی نے کوٹ لیا ۔ غرض پورے خلوص و انس کے ساتھ مجھے پروفیسر رضوی صاحب کی موٹر میں سوار کرا دیا ۔ جدائی کا یہ وقت بڑا شاق گزرا ۔

ہوائی میدان پر

کینبرا کا ہوائی میدان کوئی بڑا ہوائی میدان نہیں ہے ، مگر نہایت آسان ہے ۔ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی اور جہاز بھی کم اور مقامی ہوتے ہیں ۔ بین الاقوامی جہاز یہاں نہیں آتے ۔ وہ سڈنی تک رہتے ہیں ۔ مقامی دو ہوائی جہاز کمپنیاں ہیں : آنسٹ اور ٹی ٹی اے ۔ ان دونوں میں بڑا ہی سخت مقابلہ ہے اور اس مقابلے کی وجہ سے ان کی خدمات کا معیار بلند ہے ۔ سڈنی اور کینبرا کے درمیان ۲۰ منٹ کا فاصلہ ہے ۔ اگر مقابلہ سخت نہ ہوتا تو میں ۱۱ کلو زائد سامان سڈنی سے کینبرا لے گیا اور کسی نے پوچھا تک نہیں ، تولا تک نہیں ۔ پاکستان اس قسم کے مقابلے سے محروم ہے ، اسی لیے وہاں اندرون ملک فلائٹوں کے کرائے روز بڑھ رہے ہیں اور جس قدر کرائے بڑھ رہے ہیں خدمت اسی نسبت سے کم اور کم تر ہوتی جارہی ہے ۔ پینے کے پانی میں کیڑے ملتے ہیں ، ناشتے میں آملیٹ کا سائز چھوٹا ہوتا جا رہا ہے ۔ جام اور شہد غائب کر دیے گئے ہیں ، رسائل و جرائد اب پڑھنے کو نہیں ملتے ۔ اگر کھانے کا وقت ہوتا ہے تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ جہاز کو اس انداز سے چلا دیا جائے کہ سیٹ بیلٹ بندھی رہے اور مسافروں کو یہ پتہ چلے کہ موسم

کی خرابی کھانا دینے میں مانع ہے ۔ شاید اس دن پائلٹ کے ہاں کوئی تقریب بھی ہوگی یا ممکن ہے کہ کچن میں کھانا پکا ہی نہ ہو ۔ اور کھانا بھی کیا ہوتا ہے ۔ گزشتہ کم از کم ۱۰ سال سے مینو میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے ۔ ڈنر رول باسی ہوتے ہیں ، تازہ سامان یاروں کے پیٹ میں جاتا ہے ۔ جس قدر باسی اور سڑا ہوا سامان ہوتا ہے وہ مسافروں کے لیے ہوتا ہے اور تازہ سامان تازگیٔ کارکنان کے لیے ضروری ہے ۔ ابھی دور کی بات نہیں ہے ۔ ۶ مئی ۱۹۸۰ء کو کراچی تا سنگاپور لنچ میں سڑے ہوئے گندے ٹماٹر اور سوکھی ہوئی پڈنگ میں نے خود نوش جان کی ہے ۔

ہوائی میدان پر خدا حافظ کہنے والوں میں سب سے اہم شخصیت پروفیسر اے ۔ ایل ہاشم صاحب کی تھی ۔ انہوں نے میری درخواست قبول نہیں فرمائی اور تشریف لے آئے ۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے میری عزت افزائی فرمائی ہے ۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کا دوست ہوں ۔

ڈاکٹر اطہر عباس رضوی صاحب نے اس بار دوران قیام جس قدر خیال فرمایا ہے ممکن نہیں کہ میں ان کا شکریہ ادا کرسکوں ۔ میں نے ان سے ہوائی میدان پر بھی کہا ۔ انارکلی ریستوران کے قریشی صاحب بھی آئے تھے جن کے ہاں آج رات مجھے کھانا کھانا تھا ۔ ان سے معذرت کی ۔

جناب محترم نور صاحب سفیر کبیر پاکستان بھی ازراہ کرم تشریف لائے تھے ۔ میں شرمندہ ہوا کہ انہوں نے زحمت فرمائی ۔ فرسٹ سکریٹری جناب نہال وارث اور ان کی اہلیہ بھی آئی تھیں ۔ محترمی پروفیسر جعفری صاحب بھی آئے تھے ۔

ان سب سے رخصت ہوا ۔ ہوائی جہاز وقت مقررہ پر اڑا اور میں نے ہوائی جہاز کی کھڑکی سے کینبرا پر ایک نگاہ ڈالی ،

میں اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے کیمپس کو بڑی مسرت و رشک کے ساتھ دیکھتا ہوا سڈنی کی جانب روانہ ہوگیا ۔

سڈنی کے ہوائی میدان پر

یہ ہوائی میدان بھی میرا سمجھا ہوا ہے ، میں باہر آیا تو محترمی جناب محمد عفیف صاحب سب سے پہلے نظر آئے ۔ ان سے مل کر بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے ۔ سال گزشتہ ان کے دولت کدے پر کئی دن قیام رہا تھا ۔ ان کا گھر اہل علم کا مرکز ہے ۔ گزشتہ دنوں محترمی جناب مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب کا قیام یہاں رہا ۔ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم بھی یہاں رہ چکے ہیں ۔ جناب ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب بھی اس گھر میں رہے ہیں ۔ غرض پاکستان سے یا ہندستان سے جو آتا ہے عفیف صاحب کا گھر ان کے لیے کھلا رہتا ہے ۔ عفیف صاحب انتہائی سچے انسان ہیں اور پکے مسلمان ۔ سب جانتے ہیں کہ سڈنی میں پہلی مسجد ان ہی کی توجہ و سعی کی وجہ سے عالم وجود میں آئی اور آج مرجع مسلمین ہے ۔

ہوائی میدان پر پاکستان کے قونصل جنرل جناب سلیم صاحب بھی آئے تھے ۔ ان کے بارے میں پتہ چلا کہ ان کو پاکستان سے میرے ۶ مئی کو سنگاپور ایئر لائنز سے آنے کی اطلاع مل چکی تھی ۔ مگر ان کا قول یہ ہے کہ تار نہ جانے کس نے دیا تھا اور واضح نہ تھا ۔ حالانکہ وہ ٹیلیکس تھا اور وزارت خارجہ نے دیا تھا ۔ اگر تار اور ٹیلکس میں فرق نہیں کیا جا سکتا تو میں صرف افسوس اور حیرت ہی کر سکتا ہوں ۔ انہوں نے عفیف صاحب کو تار پڑھ کر سنایا تھا اور بے چارے عفیف صاحب صبح سے سڈنی کے ہوائی میدان پر مجھے تلاش کرتے رہے ۔ قونصل

جنرل صاحب تشریف نہیں لائے تھے - شاید ان کے پاس اتنا وقت بھی نہ تھا کہ وہ کم از کم کینبرا سفارت پاکستان کو اطلاع کر دیتے - عفیف صاحب سے جو حالات معلوم ہوئے ان سے میں نے یہی اخذ کیا ہے کہ قونصل جنرل صاحب نے اپنی بے اندازہ مصروفیتوں میں ٹیلیکس کو فراموش کر دیا تھا - ہوائی میدان پر پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز کے مسٹر جوھن بھی آئے تھے - انہوں نے بڑی توجہ کے ساتھ میرا ٹکٹ فوراً ہوائی میدان ھی پر درست کر دیا اور قنطاس میں میرا سامان دیدیا اور تمام مراحل طے کرا دیے - قونصل جنرل صاحب نے از راہ کرم ایئر پورٹ ٹکس اگزمشن کی مہر بھی لگوا دی - میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اب مجھے خدا حافظ کہنے کے لیے بالکل زحمت نہ کریں کہ عفیف صاحب مجھے پہنچا دیں گے - ان کو اس سے قلبی اطمنان ہوا -

صرف ڈیڑھ گھنٹہ

تمام مراحل طے ہوتے ہوتے سوا گیارہ بج گئے - میرا جہاز ڈیڑھ بجے سنگاپور روانہ ہونا ھے مگر مجھے عفیف صاحب کے پوتے شوکت میاں کی نبض دیکھنی ھے کہ عرصۂ دراز سے علیل ھیں اور صحت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ھے - میرے سڈنی آنے کا منشا پیارے شوکت کو دیکھنا ھی ھے - سڈنی شہر بے ترتیب شہر ھے ، اور صنعتی و تجارتی ہونے کی وجہ سے یہاں بڑی گھچ پچ ھے - بکثرت موٹریں ھیں ، بکثرت سگنل ھیں ، جب ھم عفیف صاحب کے گھر پہنچے تو اس وقت پونے بارہ بج چکے تھے - میں فوراً شوکت میاں کے بستر پر آگیا جو اب نطق سے بھی محروم ھیں - دماغی ترقی معدوم ھے - میں دوائیں ساتھ لایا تھا -

شوکت میاں کی مغموم و مایوس والدہ کو میں نے ترکیب استعمال سمجھائی ۔ وہ گزشتہ ٦ ۔ ۷ سال سے اسی دور سے گزر رہی ہیں اور ہر دن شوکت کی صحت کی امیدیں باندھتی ہیں ۔ آج بھی ان کا سوال تھا : حکیم صاحب ! آپ نے کوئی فائدہ محسوس کیا ! میں اس بچی کو کیا جواب دیتا ۔ میں نے شوکت میاں میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی ۔

سڈنی سے سنگا پور

میں عفیف صاحب اور ان کی اہلیہ کے ساتھ ہوائی میدان پون بجے پہنچ گیا اور رخصت ہوکر اندر چلا گیا ۔ ہوائی جہاز میں لوگ سوار ہو رہے تھے ۔ کسٹم وغیرہ میں دو تین منٹ ہی لگے ۔ گیٹ نمبر ۷ سے قنطاس ایئر لائنز کے جمبو جیٹ میں سوار ہوگیا ، جہاں مودب عملے نے استقبال کیا ۔ ہوائی جہاز تقریباً آٹھ گھنٹے میں سنگاپور پہنچے گا ۔ میں جہاز میں سیٹ نمبر ۲۴ اے میں جم گیا ہوں ۔ میں نے ماحول کا جائزہ لیا ۔ ایک بڑی دل چسپ چیز ایک تصویر دیکھی کہ جو جہاز کی دیواروں کے وال پیپر پر طبع شدہ ہے اور اوسٹریلیا کے کسی ماہر حیوانیات کی ہے ۔ اپنے اہل علم و فضل کی عزت افزائی کا یہ انداز پہلی بار میری نظر سے گزرا ہے ۔

برٹش ایئرویز میں کھانوں کا جو مینو ہوتا ہے اس پر ضرور برطانیہ کی کسی ایک تاریخ ساز ، عالم شخصیت کی مختصر سوانح تصویر کے ساتھ ہوا کرتی ہے ۔ ہوائی جہاز کا عملہ انتہائی مستعد ہے ۔ سب سے پہلے اس نے جوس دیا ۔ پھر لنچ سے قبل ایک بار اور جوس پیش کیا اور جو چاہتے تھے ان کو الکحل پیش کی اور لنچ دیا ۔ پوری طرح خاطر تواضع کے بعد اب وہ

مسافروں کے لیے فلم دکھانے کا انتظام کر رہے ہیں جو اب اس روٹ پر بلا قیمت ہے۔ شاید مغربی روٹ پر دو ڈھائی ڈالر لیتے ہیں۔ اس راستے پر مقابلہ بڑا ہی سخت ہے۔ سنگاپور ایئر لائنز اور تھائی ایئرویز میں ٹھنی ہوئی ہے۔ ادھر اوسٹریلیا کی قنطاس بھی میدان میں ہے۔ ان کے علاوہ ھانگ کانگ ایئرویز، کیتھی پیسیفک اور کے۔ ایل۔ ایم بھی یہاں آتا ہے، مگر پی۔ آئی۔ اے کو اوسٹریلیا آنے کا اجازت نامہ نہیں ملا ہے۔ اگر مل بھی جائے تو اس راستے پر پی۔ آئی۔ اے کی دال نہیں گل سکتی۔ وہ کوئی مقابلہ یہاں کر ہی نہیں سکتے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ لوگ سفر میں تاخیر کر دیتے ہیں اور سنگاپور ایئر لائنز تلاش کرتے ہیں۔ پی۔ آئی۔ اے کو یہاں پاکستانی محنت کش کہاں ملیں گے جن پر وہ اتراتی ہے۔ ہاں اگر آدھا کرایہ کر دیں تو شاید کامیابی ہو جائے، مگر پی۔ آئی۔ اے اس کے لیے خاصی بدنام ہے اور اسی لیے اس روٹ پر اسے آنے نہیں دیا جائے گا۔

طویل راستہ، غور کا وقت

یہ جہاز کم از کم ۲۸ ہزار فیٹ بلندی پر پرواز کر رہا ہے۔ زمین کے مقابلے میں ہم آسمان اور عرش سے زیادہ قریب ہیں۔ جو لوگ دل و دماغ کی گہرائیوں اور ایمان و ایقان کی نعمتوں سے بہرہ ور نہیں ہیں ان کے لیے یہ قرب کیا اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کی کون سی کمی ہے۔

میں نے اطمینان کے ساتھ گزشتہ سات دن کا جائزہ لیا۔ اس میں ایک قابل اطمینان بات یہ ہے کہ قرآن کانفرنس بھر اعتبار نتیجہ خیز رہی ہے۔ اوسٹریلیا ایک ایسا علاقہ ہے کہ جہاں بڑا ہی سکون ہے اور اطمینان۔ دوسری دنیا سے اس کو اتنا بعد

ہے کہ وہاں کے ہنگاموں سے یہ الگ ہے اور بچا ہوا ہے ۔ یہاں نہ دنگا ہے اور نہ فساد ۔ یہاں کسی جنگ کا کوئی خطرہ نہیں ہے ۔ خود اوسٹریلیا کا مزاج جنگ کا نہیں ہے ۔ اس علاقے میں انسان کو فطرت کی بڑی تلاش ہے ۔ مطالعہؐ مذاہب وادیان سے یہاں لوگوں کو فرار نہیں ہے ۔ یہاں اسلام کا چرچا بھی ہے اور لوگ قرآن و اسلام کو سمجھنا بھی چاہتے ہیں ۔ ان میں خواہش موجود ہے ۔ یہاں لوگ اس راہ میں حائل نہیں ہیں ۔ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں قرآن کانفرنس یہاں کے مزاج کی آئینہ دار ہے ۔ میرے ذہن میں بار بار یہ سوال آتا ہے کہ کیا ہم اس قدر فراخ دل ہیں کہ اپنی جامعات میں بائبل کانفرنس کی اجازت دیں ! اس کا جواب نفی ہی میں ہے ۔ اس کے برعکس یہاں فراخ دلی اور دریا دلی کی داد دینی چاہیے کہ یہاں قرآن کانفرنس ہو رہی ہے ۔ کلاس روموں کو مسجد بنا دیا گیا ہے ۔ اذان دی جاتی ہے ، مسلمان نمازیں ادا کر رہے ہیں ۔ مجھے یہاں آ کر اس لحاظ سے قلبی اطمینان ہوا ہے کہ اوسٹریلیا میں قرآن اور اسلام کو سمجھنے کی تڑپ ہے اور یہ کہ ان کی فراخ دلی میں کوئی کلام نہیں ہے ۔ قرآن کانفرنس کے مقالات اور تبادل خیالات اہمیت کے حامل ہیں ۔ اگر پاکستان کا پورا وفد یہاں آ جاتا تو کانفرنس کے نتائج زیادہ اچھے نکل سکتے تھے ، تاہم میری موجودگی یہاں اچھی رہی اور مجھے اطمینان ہے کہ میں نے یہاں جو خرچ کیا ہے وہ ایک اعلا تر مقصد کے لیے ہوا ہے اور تمام خرچ جائز ہوا ہے ۔ البتہ زائد سامان کے ۱۰ ہزار آٹھ سو روپے کے بارے میں مجھے قلبی تکلیف ہوئی ہے ۔ اگر پورا وفد آ جاتا تو یہ رقم خرچ نہ ہوتی !

بایں ہمہ بعض واقعات کی وجہ سے میرا قلب بے چین بھی

ہے اور میں اپنی اس پریشانی اور اذیت قلبی کو چھپا نہیں سکتا ۔

مسلمانوں میں عدم اتفاق

یہ ایک بڑی افسوس ناک اور اندوھناک حقیقت ہے کہ اوسٹریلیا میں مسلمان یک جہت نہیں ھیں ۔ ان کے متعدد گروہ ھیں جو ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں لگے ہوئے ھیں ۔ مسلم انجمنوں کی ایک فیڈریشن بھی ہے جس کے صدر و ارکان سے ملاقات ہوئی ۔ مگر یہ فیڈریشن بے اثر ہے ۔ خود اس مس اختلاف رائے موجود ہے ۔ یہ فنڈریشن اب کافی مال دار بھی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس دو ڈھائی لاکھ اوسٹریلین ڈالر بھی ھس ۔ درحقیقت یہ سرمایہ ھی وجہٗ اختلاف بنا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اس ڈالر کی وجہ سے بھی ہے ۔ مس نے فنڈریشن کے ارکان کو محتاط نہیں پایا ہے ۔ ارسلا کالج کے ڈائننگ ھال میں حلال کا اہتمام ہے مگر مسلمانوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ حلال چھوڑ کر غیر حلال بڑے اطمینان سے نوش جان کر رہے ھیں ۔ اس صورت حال کا اثر انتہائی خراب مرتب ہو رہا ہے ۔ کالج کی انتظامیہ خود اپنی جگہ حیران ہے مگر غیر مسلم مندوبین بجا طور پر غور کر رہے ھیں کہ یہ کیسے مسلمان ھیں کہ جو ذبیحہ چھوڑ کر غیر ذبیحہ شیر مادر کی طرح نوش جان کر رہے ھیں ! اس قرآن کانفرنس کے اچھے نتائج میں کانفرنس میں شریک مسلمانوں کی بے عملی نے رکاوٹ ڈالی ہے ۔ نمازوں کے اوقات میں نمازگاھیں خالی رھنا حیرت کی بات ہے ۔ میں نے اس صورت حال کو شرم و تشویش کے ساتھ دیکھا ہے اور تکلیف محسوس کی ہے ۔

مسئلۂ ذبیحہ

اوسٹریلیا کی ایک نہایت اہم برآمد (ایکسپورٹ) گوشت ہے جس کا سب سے بڑا خریدار سعودی عرب ہے اور دوسرے ممالک عربیہ ہیں۔ جانوروں کو اسلامی ہدایت و انداز سے ذبح کرنا خریداری کی اولین سرط ہے اور اس کے لیے انہوں نے بڑے پیمانے پر انتظامات کیے ہوئے ہیں۔ مگر صورت حال قطعی اور یقینی طور پر یہ ہے کہ جن حضرات پر کامل بھروسا ہے اور جو ذبح کرنے کا معاوضہ بھی پاتے ہیں اور اسی وجہ سے مسلم فیڈریشن مالا مال ہے، یہ حضرات خود ذبیحہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ یہ بھی ہوا کہ کم از کم ڈیڑھ سال تک جھٹکے کو ذبیحہ کا نام دیا گیا اور یہ گوشت سعودی عرب میں ان لوگوں نے کھایا کہ جو حج بیت اللہ یا عمرے کر رہے تھے۔ ایسا بھی ہو رہا ہے کہ چھری پر ایک بار بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر پھونک دیا گیا اور باقی کام غیر اسلامی انداز پر ہوا کیا۔ مسلم فیڈریشن کی گوست پر مہریں بس لگ جاتی ہیں۔ یہاں اہل علم نے جو پی ایچ ڈی کر کے عالم بنے ہیں، ذبیحہ کے مفہوم کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اب عملاً صورت حال یہ ہے کہ ذبیحہ کا نام نہیں ہے، پی ایچ ڈی عالم فتویٰ دیتے ہیں کہ گردن زدنی بھی ذبیحہ کی تعریف میں آجاتی ہے اور ایک بار چھری پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے کے بعد ہزار جانوروں کا ذبیحہ در اصل ذبیحہ ہے۔ ایسے گوشت پر مہریں دھڑا دھڑ لگائی جا رہی ہیں اور غلط گوشت لوگ کھا رہے ہیں۔ شاید ایک ذبح کی قیمت (معاوضہ) ۵ ڈالر ہے۔ ہزار ہا جانور روزانہ کٹ رہے ہیں اور ان پر " مسلمانوں " کی مہریں لگ رہی ہیں اور ڈالر کمائے کھائے جا رہے ہیں۔ اوسٹریلیا کے مذبح کی منتظمہ اور سمٹ بورڈ کے

بڑی سہولت اس فتوے سے مل گئی ہے کہ کوئی انتظار ہے نہ انتظام ۔ جانور جو کٹے ان کی تعداد پر " مسلمانوں " کو ڈالر ادا کر دیے گئے ۔ سارا بکھیڑا ختم ہوگیا ۔

آج کے اخبار سڈنی مارننگ هیرالڈ مس ایک مضمون چھپا ہے ۔ سڈنی میں کل مسلم خواتین کے اجتماع کے تاثرات بیان ہوئے ہیں ۔ اکثر خواتین کو یہ تکلیف ہے کہ وہ تنہائی محسوس کرتی ہیں ۔ اکثریت نے یہ تاثر دیا ہے کہ اوسٹریلیا میں دوست بنانا مشکل ہے ۔ تعلیم کا مسئلہ بھی ہے کہ ان کے بچے اپنی مادری زبان سے دور ہیں اور صرف انگریزی ان کی زبان ہوتی جا رہی ہے کہ جو ان کو ان کی روایات و ثقافت سے دور کر رہی ہے ۔ اکثر خواتین نے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ جن ممالک سے تباہ ہوکر آئی ہیں اور جانتی ہیں کہ وہاں واپس جانا ممکن نہیں ہے ، ان کو اپنا ملک ، اپنا گھر اور سارا ماحول یاد آتا ہے ۔ اوسٹریلیا کے اخبارات میں مسلمانوں کے بارے میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ۔

سڈنی میں سہ روزہ مسلم کانفرنس

جامعۂ سڈنی میں کل سے ایک سہ روزہ مسلم کانفرنس ہو رہی ہے جس کا اہتمام مسلم فیڈریشن نے کیا ہے ۔ اس میں جماعت اسلامی کے اثرات پائے جاتے ہیں ۔ ان سب کا اصرار تھا کہ میں اس میں افتتاحی تقریر کروں ۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ یہ اصرار کیوں ہے ۔ سڈنی میں ایک صاحب نے بات اس طرح بتائی کہ چوں کہ اسلامی سکریٹریٹ جدہ میں آپ (حکیم سعید) مشیر ہیں ، اس لیے آپ کی شمولیت کی وجہ سے اس سہ روزہ کانفرنس بہ سلسلہ تقریبات ١٥ ویں صدی ہجری کے حسابات پیش

کر کے سعودی عرب سے رقم منگوانے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ خیر، میں نے اس انداز پر نہیں سوچا، میری رائے میں مسلم فیڈریشن کی ایسی سرگرمیاں اگر اختلافات و نمائش سے آلودہ نہ ہوں تو انتہائی مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں۔

۱۵ مئی ۱۹۸۰ء، بدھ، پاکستان

سنگاپور سے سنگاپور ایئر لائنر کا جہاز وقت کی انتہائی پابندی کے ساتھ روانہ ہوا۔ منٹوں سکنڈوں کی پابندی نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ تقریباً دو گھنٹے اڑنے کے بعد ہوائی جہاز بنکاک کے ہوائی میدان پر اتر گیا۔ یہاں وقت بدل چکا تھا اور کل ختم ہوکر نئی تاریخ شروع ہوچکی تھی۔ میں نے ٹرانزٹ لاؤنج میں اپنا ٹکٹ درست کرایا، اور میں نے وہاں (سنگاپور) اور یہاں (بنکاک) کا فرق بڑا واضح محسوس کیا۔ سنگاپور کے ہوائی میدان پر میں لاؤنج میں کوئی چار گھنٹے بیٹھا رہا اور یہ چار گھنٹے میں نے واقعی یہ دیکھنے میں گزار دیے کہ اس ہوائی میدان پر کس قدر چستی چالاکی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہاں شاید ہر منٹ کے بعد لاؤڈ اسپیکر سے کسی جہاز کے روانہ ہونے کا اعلان ہوتا ہی رہا، مگر کسی جہاز کے اترنے کا کوئی اعلان نہیں ہوا۔ شاید یہاں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آنے والوں کے لیے اطلاعات کے دوسرے سامان ہوں گے۔ اور میں نے یہ دیکھا کہ دنیا بھر کے لوگ یہاں اترتے چڑھتے ہیں۔ سنگاپور کا ہوائی میدان نیویارک سے شاید ہی کم مصروف ہو۔ بنکاک کے ہوائی میدان پر ٹرانزٹ میں جو دو لڑکیاں کام کر رہی تھیں ٹکٹ درست

کرنا ان کے لیے گویا من بھر کا کام تھا ۔ بڑے غصے سے انہوں نے میرا ٹکٹ درست کیا اور منھ سے ایک بات نہ کی ۔ میرا ہر سوال ان کے مزاج کی برھمی کا سبب ھوا ۔ میں نے ان سے تکلیف دھی کی معذرت چاھی اور اس ایئر پورٹ کے اپنے پرانے تجربات کی رھنمائی میں حالات کو اپنے لیے ھموار کر لیا ۔ ایک بجے شب ، بلکہ صبح اعلان ھوا کہ گیٹ نمبر ۴ سے جاپان ایئر لائنز میں سوار ھو جائیں ۔ مرحلہ آسانی سے طے ھوگیا ۔ یہاں کافی جاننے والے ملے ۔ ان میں دو ڈاؤ مڈیکل کالج کے طالب علم بھی تھے کہ جو تفریحاً آئے ھوئے تھے اور اب اپنے بڈمنٹن کے ریکٹوں کے ساتھ پاکستان واپس جا رہے ھیں ۔ '' آپ سعد صاحب ھیں ؟'' '' ھاں !'' جواب ان کے حسب منشا تھا ۔ اس سے آگے ان سے کوئی بات نہیں ھوئی ۔ ان کی تعلیم و تربیت ڈاکٹری کا بھی منتہا ھے کہ ان کے دلوں میں حکیم سے فرار پیدا کیا جاتا ھے ۔ ایک اور جانبکار ملے ۔ ان کا سوال تھا : کیا آپ کا سونے کا ارادہ ھے ؟ میں نے کہا کہ میں اسی کا ارادہ کر رھا ھوں ۔ اور واقعی میں جہاز روانہ ھوتے ھی اپنی آنکھوں پر پٹی چڑھا کر سوگیا ۔ مگر سونے سے قبل میں نے شیو کر لیا تھا ۔ مجھے یہ یقین تھا کہ ھوائی میدان کراچی پر اترتے ھی میں اپنے فرائض میں مشغول ھو جاؤں گا اور ایسا ھی ھوا ۔ کوئی چھے گھنٹے کے بعد کراچی کا ھوائی میدان آگیا ۔ جہاز وقت سے ۱۰ منٹ قبل آگیا تھا ۔ پائلٹ نے بتایا کہ اترنے کی اجازت کا انتظار ھے ۔ بنکاک کے ھوائی میدان سے جاپان ایئر لائنز کا طیارہ منٹوں سکنڈوں کی پابندی سے اڑا تھا اور وقت کی عین پابندی کے ساتھ کراچی کے ھوائی میدان پر اترا ۔ اس وقت کراچی میں صبح کے چار بجکر ۳۰ منٹ ھوئے تھے ۔ میں وی آئی پی روم میں آگیا جہاں وزرائے خارجہ

کا استقبال کرنے والے کارکنان موجود تھے ۔ میں ان کے ساتھ شریک ہوگیا اور چند مہمانوں کا استقبال کیا ۔ ان میں ایک بزرگ سعودی ٹیلی وزن کے سربراہ تھے ۔ ان کی جانب سے بزرگی اور بے پروائی کا مظاہرہ غیر متوقع نہ تھا ۔ مگر میں ان کا میزبان تھا ۔ میرا ملک ان کا نمک خوار تھا ۔ ہم ایسی چیزوں کو اب برداشت کر لیا کرتے ہیں ۔ ہم ذلتوں کے عادی بھی ہوگئے ہیں اور جب تک ہمارے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی رہے گا ہر فرد ملت کی آنکھیں نیچی رہیں گی ۔ کاش یہ ملت غور کر سکے کہ اس وطن عزیز میں ہر وہ سامان موجود ہے کہ جو اس کو سربلند اور سرفراز کر سکتا ہے ۔ مگر اس کے لیے ہر فرد ملت کو جدوجہد کرنی ہوگی ، جستجو کرنی ہوگی اور سعیِ بلیغ کو رہنما بنانا ہوگا ، قناعت اختیار کر کے ایثار پسند بننا ہوگا اور اخلاق کو بلند اور عزم کو جواں کرنا ہوگا ۔ جب یہ اوصاف افراد ملت اپنے میں پیدا کر لیں گے تو کاسۂ گدائی ٹوٹ جائے گا اور شکستہ دل جڑ جائیں گے اور عزت و ناموسِ رفتہ واپس مل جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ جلد یہ وقت لائے ۔

گھر آیا تو یہاں آ کر اطمینان ہوا ۔ میری اہلیہ تو ہوائی میدان پر آ گئی تھیں ۔ ان کی ہمت کی داد دیتا ہوں کہ وہ بڑی پامردی کے ساتھ میری بے قاعدگیوں کا ساتھ دے رہی ہیں اور میری مصروفیتوں نے ان کو بے ہمت اور بے پروا نہیں بنایا ہے ۔ میں نے گھر آ کر غسل کیا اور اپنی میز پر اس طرح آ کر بیٹھ گیا جیسے کوئی سفر ہی نہ کیا ہو ! حال آں کہ پورے تیس گھنٹے جہازوں اور ہوائی میدانوں پر کاٹے ہیں ، دن رات کا فرق مٹایا ہے ، راستے بھر کام کرتا رہا ہوں ۔ اخبارالطب کے صفحات بھی جہازوں کے اس سفر میں لکھے ہیں ۔

۹ بجے ڈاک کا کام ختم کرکے میں دفتر ہمدرد پہنچ گیا ۔ یہاں کارکن میرے منتظر تھے ۔ وہ جانتے ہیں کہ میں دفتر کی حاضری کو اہمیت دیتا ہوں ۔ میں ایک بجے تک پوری طرح مستعد اور مصروف رہا ۔ مگر میری ہمتیں جواب دے رہی تھیں اور تقاضائے فطرت تھا کہ میں گھر جا کر آرام کرلوں ۔ مگر وزارت خارجہ نے اطلاع دی کہ ۴ بجے شام کو حضرت حرکان (صدر رابطۂ عالم اسلامی) کراچی سے اسلام آباد تشریف لے جا رہے ہیں اور ان کو خدا حافظ کہنا مناسب ہے ۔ میں گھر آ کر ناشتے سے فارغ ہوا تو تین بج رہے تھے ۔ میں نے تازہ دم ہونے کے لیے غسل کیا اور پھر ہوائی میدان پہنچ گیا ۔ ۴ بجے جناب حرکان صاحب کو خدا حافظ کہا اور پھر واپس آ گیا ۔

دہلی سے میری بھانجی اور میرے بھتیجے کی اہلیہ مسرت جہاں آئی ہیں ۔ ان سے ملنے کو سندھ مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی گیا جہاں یحیی منزل ہے ۔ جو میرے مرحوم خالہ زاد بھائی جناب حکیم محمد یحیی نے تعمیر کرائی تھی ۔ مسرت جہاں اور ان کے بچوں کے ساتھ ۲۰ منٹ گزارے ۔

پھر میں اپنی بھتیجی فریدہ کے ہاں پہنچ گیا ۔ ان کے شوہر میاں اعجاز حسین بھی آ گئے تھے ، جو سکریٹری اسٹیٹ بنک اوف پاکستان ہیں ۔ کوئی ۲۰ منٹ ان کے ساتھ رہا ۔ فریدہ گزشتہ سال سوا سال سے علیل ہیں ۔ ان کے معالج ایک سال سے زیادہ عرصے تک ان کا نہ جانے کیا کیا علاج کرتے رہے ، اور اس غلط علاج نے فریدہ کی صحت کے لیے نئے مسائل پیدا کر دیے ، اور اب سوا سال بعد اصل مرض معلوم ہوا کہ ان کے غدہ ہائے درقیہ کا فعل تیز ہوگیا ہے ۔ ان کی آنکھیں بھی ڈگر ڈگر کر رہی ہیں ۔ اس تشخیص تک پہنچنے تک

معالجین انٹی بایوٹکس اور ضد دوی ادویہ دیگر فریدہ کے نظام جسمانی کو ابتر کر ہی چکے ہیں ۔

خیال آیا کہ آج پیارے دوست نواب جام امیر علی صاحب کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی ہے ۔ میں فریدہ کے ہاں سے اٹھ کر ان کے ہاں پہنچ گیا ۔ ساڑھے چھے بجے برات متوقع تھی مگر نماز مغرب تک برات نہیں آئی اور آئی تو ساڑھے سات بجے تھے ۔ نکاح بڑھایا گیا ۔ اس محفل عقد میں بہت سے احباب سے ملاقات ہوئی ۔ مگر دل چسپ ملاقات جناب محترم میاں ممتاز دولتانہ صاحب اور جناب محترم محمد ایوب کھوڑو صاحب سے رہی ۔ پاکستان کے یہ دونوں بزرگ سیاست داں ہیں اور ان دونوں کے مابین کبھی کوئی اختلاف نہ ہوا ۔ دونوں مسلم لیگ سے کبھی جدا نہ ہوئے اور اپنی راہ میں استقامت کے ساتھ چلتے رہے ۔ محترم میاں دولتانہ صاحب سے میرے دائمی مراسم کی مدت پاکستان کی عمر کے برابر ہے ۔ لاہور میں ہمدرد کا افتتاح ان کے ہاتھوں ہوا کہ جب وہ پنجاب میں وزیر اعلا تھے ۔ ان سے یہ قلبی تعلق مجھے لندن کے ایک ہسپتال میں لے گیا کہ جہاں وہ علیل تھے اور داخل تھے ۔ سالہا سال کے بعد محسوس ہوا کہ میاں صاحب کے مزاج میں تبدیلی آ گئی ہے ۔ مگر آج ان کے سلوک میں پہلے کا سا حسن پھر موجود تھا ۔ میں دونوں بزرگوں کا احترام کرتا ہوں اور میرے ذاتی افکار سے ان تعلقات مؤدت و احترام میں فرق نہیں آتا ہے ۔

۸ بجے میں مبارک باد دیکر گھر آیا ۔ کھانا طلب کیا اور کھا کر اوپر اپنے کمرے میں جا کر میں بستر پر دراز ہوگیا ۔ نیند اب بگڑ چکی تھی اور تھک کر میں چور بھی تھا ۔ بارے ۹ بجے آنکھ لگی ۔ مگر نیم بیداری کی کیفیت رہی ، کل کا تمام

دن اور رات ہوائی میدانوں پر گزری اور آج کا تمام دن اس طرح مصروف گزرا ۔ اللہ کا شکر ہے !

نامۂ تشکر و امتنان

مندرجہ ذیل مراسلہ اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے شعبۂ مطالعۂ ایشیا کے چیرمین اور قرآن کانفرنس کے ناظم اعلا پروفیسر اے ۔ ایچ ۔ جوھنز نے ھمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے صدر (حکیم محمد سعید) کے نام بھیجا :

عزت مآب حکیم محمد سعید صاحب

" قرآن پاک چودہ سو سال کے دوران " سے متعلق کانفرنس کے لیے جو گرانمایہ خدمات آپ نے انجام دی ھیں ، ان کے سلسلے میں نہایت گرمجوشی سے اظہار تشکر کے طور پر یہ مراسلہ آپ کے نام لکھا جارھا ھے ۔ آپ کی گوناگوں مصروفیات سے ھم پوری طرح باخبر ھیں ، اس لیے یہ بات زیادہ قابل تحسین ھے کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اوسٹریلیا تک کا طویل سفر اختیار کیا ، ایک اجلاس کی صدارت کی ، ایک مقالہ پڑھا اور کانفرنس کے شرکا اور اراکین کے لیے ضروری سامان کے کانفرنس بیگ تیار کرکے ان کے پاس بھجھنے کا اہتمام کیا ۔ اس کارروائی پر اور اس زرین موقع پر کہ آپ سے ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا کہ جب ھم گزشتہ ماہ اگست میں " اکثام " کے دوران ایک دوسرے سے ملے ، میں حد درجہ شکر گزار ھوں ۔

" اپنے اختتامی اجلاس کے وقت کانفرنس نے اتفاق رائے کے ساتھ ایک قرار داد منظور کی تھی جس کے اصل مسودے کی فوٹو کاپی اس خط کے ساتھ منسلک ھے ۔

" یہ طے پایا تھا کہ اگلے اجلاس کی تفصیلات اور

دستور العمل کے مسودے کے لیے راہ عمل آپ اور میں مل کر مرتب کرینگے۔ میری رائے ہے کہ ہم عنوان کے لیے مناسب الفاظ پر غور کریں، یعنی یہ کہ کیا حقیقتاً انجمن کا لفظ بہترین ہے۔ نیز یہ کہ اس کانفرنس اور اگلی کانفرنس کا درمیان کتنے سال کا وقفہ ہونا چاہیے۔

" پروفیسر جعفری نے بھی اسلام اور مغرب سے متعلق تنظیم کے پہلے اجلاس کے بارے میں اظہار خیال کیا اور یہ طے پایا کہ اوسٹریلیا میں اس تنظیم کے ابتدائی مراحل عمل میں لانے کے لیے پہلا قدم میں اٹھاؤں۔

" میں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پاکستان کا دورہ کرنے کے لیے آپ کے دعوت نامے کو میں نے بے حد پسند کیا ہے۔ یہ ایسا زرین موقع ہے کہ میں اس کے لیے چشم براہ ہوں اور بہت جلد پروفیسر جعفری سے تعین وقت کے لیے تبادل خیال کروں گا۔

" انتہائی مسرت کے ساتھ میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ چند دن ہوئے جدہ سے پچیس ہزار ڈالر کی امدادی رقم وصول ہوئی ہے جو انہوں نے ۵- مئی کو ہوائی ڈاک کے ذریعہ سے روانہ کی تھی۔ یقینی طور پر میں براہ راست سفیر پاکستان ظفرالاسلام کو لکھوں گا لیکن میں معترف ہوں کہ اس امداد کی منظوری کے لیے ہم آپ کے جذبۂ خیر سگالی کے رہین منت ہیں۔ دوسرے منصوبوں کے ساتھ ساتھ یہ عین ممکن ہوگا کہ روداد جلد سے جلد شائع ہو جائے۔

" نیک تمناؤں کے ساتھ نیز اس امید کے ساتھ کہ ہم بہت جلد ایک بار پھر ملیں گے۔ "

قرار داد

قرآن کنگرس کے جلسۂ اختتامی مس جو قرار داد پوری اہمت کے ساتھ منظور ہوئی وہ میں درج ذیل کرتا ہوں ۔

طے پایا کہ قرآن سے متعلق بین الاقوامی کانفرنس کو جو اسلامی تقویم ہجری کی پندرھویں صدی کے آغاز کی نشان دھی کے لیے اوسٹریلیا کے شہر کینبرا میں منعقد ہوئی تھی ، مستقل حیثیت دے دی جائے اور یہ کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کا نام '' مطالعۂ قرآن پاک کی بین الاقوامی انجمن '' رکھا جائے ۔

مزید طے پایا کہ اس انجمن کو قائم کرنے کے سلسلے میں ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان سے درخواست کی جائے کہ ۱۹۸۲ء میں اس انجمن کا پہلا اجلاس پاکستان میں منعقد کیا جائے ۔ نیز یہ کہ عزت مآب حکیم محمد سعید کو اس کا چیئرمین منتخب کیا جائے ۔ یہ بھی طے پایا کہ قرآن چودہ سو سال کے دوران سے متعلق کانفرنس کے چیئرمین کو اس انجمن کا شریک چیئرمین سمجھا جائے ۔ پھر ان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ ایسے اراکین کی ایک مجلس قائمہ تشکیل دیں جن کو بین الاقوامی اعتبار سے دانشور تسلیم کیا گیا ہو ۔ وہ دستورالعمل مرتب کریں جو پاکستان میں منعقد ہونے والے اجلاس میں پیش ہو ۔ مجلس قائمہ کو پاکستان والے اجلاس میں دوبارہ منتخب کیا جائے تا کہ وہ مستقل بنیاد پر انجمن کے لیے ایک لائحۂ عمل تیار کرسکے ۔

تجویز کرنے والے :

ڈاکٹر ایس ۔ اے رضوی صاحب

تائید کرنے والے :

پروفسر ایس ۔ ایچ ۔ ایم جعفری صاحب

صحت و طب اوسٹریلیا میں

میرا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کسی دوسرے ملک یا علاقے کا سفر کرتا ہوں تو مقصد سفر محض تفریحی نہیں ہوتا بلکہ وہاں کے معاشرتی، تمدنی، ثقافتی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لیتا ہوں اور ان سب کی روشنی میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہاں کے باشندوں نے اپنے حالات کے پیش نظر حفظ صحت کی منزل میں کس حد تک ترقی و کامرانی حاصل کی ہے ۔ وہاں علاج معالجے کے طریقے کیا ہیں اور وہ انسان کی تندرستی بحال کرنے کے لیے کن تدابیر سے کام لیتے ہیں ۔ ایک معالج ہونے کی حیثیت سے یہ پہلو میری دل چسپی کا باعث ہوتا ہے اور ایسے مطالعے اور جائزے سے میرے ذاتی افق نظر کو وسعت بھی میسر آتی ہے ۔ چناں چہ اوسٹریلیا کے سفر میں بھی یہ مقصد نظر انداز نہیں ہوا ۔ میں نے وہاں کے طبی اداروں اور شفاخانوں اور دوا سازی کے اداروں کی کارکردگی کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا اور اپنی معلومات کی روشنی میں اور اپنے ملک کے حالات سے اُن کا موازنہ کیا ۔ اس براعظم نے دوسرے براعظموں اور ملکوں کے مقابلے میں ذرا بعد میں ترقی کی ہے لیکن وہ بڑی اپنے عروج تک پہنچ گئی ہے ۔ بہت سے معاملات میں وہ مغربی دنیا کا ہم پلہ ہے اور بعض امور میں اس سے آگے نکل گیا ہے ۔

صحت کی ترقی یا بحالی کا سوال ذہن میں آتے ہی بنیادی طور پر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ "صحت" کا مفہوم اور اس کے تقاضے کیا ہیں ؟ بادی النظر میں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ جب

بھی جسمانی یا ذھنی اعتبار سے کوئی شکایت لاحق ھو نو کسی دوا فروش کی دکان میں جا کر کوئی اشتہاری دوا اپنی مرضی سے یا کسی کے مشورے سے خرید لی جائے اور اسے حسب ضرورت نہیں، حسب سہولت استعمال کرلیا جائے ۔ یہ کافی نہ ھو تو کسی معالج کے مطب میں جا کر اپنا حال کہ کر اپنی سکایات بیان کر کے نسخہ لکھوا لیا جائے اور اس میں لکھے ھوئے مفردات یا مرکبات خرید کر استعمال کر لیے جائیں اور اس طرح گویا صحت کی بحالی کے لیے اپنا فرض پورا کردیا جائے ۔ زیادہ اھمیت دی گئی تو صحت کا بیمہ کراکے پریمیم ادا کرنے لگے ۔ گویا وہ بھی صحت کے اسلحہ خانے کا ایک زود اثر ھتھیار ھے ۔

دوسرے دانشوروں کی طرح اوسٹریلیا کے ارباب اقتدار نے بھی عوام کو یہ باور کرایا ھے کہ یہ سب طریقے مثبت نہیں منفی انداز کے ھیں ۔ یعنی جب کوئی شکایت لاحق ھو تو اسے دور کرنے کے لیے قدم اٹھایا جاتا ھے ۔ اس کے برعکس صحت مندی کی صحیح تعریف یہ ھے کہ انسان جسمانی اور ذھنی خوش حالی کی فضا میں سانس لیتا رھے اور حتی الوسع کسی دوا فروش کی دکان یا معالج کے مطب میں جانے کی ضرورت ھی لاحق نہ ھو، تاوقتیکہ کوئی بیماری بلائے آسمانی بن کر وبا کی صورت میں لاحق نہ ھوجائے ۔ اس سے نجات پانا فوراً ممکن نہیں ھوتا ۔

لیکن کسی لفظ کا مطلب بیان کرنا یا تشریحات سے کام لے کر اس پر روشنی ڈالنا اس کی پر معنی حقیقت کی ترجمانی سے قطعی مختلف ھے ۔ ترقیِ صحت کا تصور اس دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا ھے جس پر غور کرتے ھوئے معاشرتی، ثقافتی، صنعتی قانونی، تعلیمی حتیٰ کہ پیشہ ورانہ ماحول کو ملحوظ رکھنا پڑتا ھے اس یقین کامل کے ساتھ کہ اچھی صحت کو پروان چڑھانا

اور اسے حاصل کر لینا ایک نعمت عظیم ہے ۔ پھر اسے حاصل کرکے برقرار رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے ۔ دوسرے متمدن علاقوں کی طرح اوسٹریلیا کے عوام نے اس ضرورت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے ۔

اس اہم ضرورت کو پورا کرنے پر اوسٹریلیا کے ارباب صحت نے پچھلے دس سال میں سب زیادہ توجہ دی ہے ۔ صحت کے اسلحہ خانہ میں ان کے پاس بیماری یا خرابیِ صحت کو دور کرنے کے لیے جتنے بھی ہتھیار میسر آسکتے ہیں وہ انہوں نے استعمال کیے ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کی سعی و کاوش کے ساتھ ساتھ عوام کے تعاون نے جو "اپنی مدد آپ" کے اصول کو اپنا کر ان کے ہمنوا ہوئے ، غیر معمولی نتائج برآمد کیے ہیں ۔ صحت کی بروی بظاہر ایک سیدھا سادا عنوان ہے لیکن غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے کیوں کہ موضوع بہر حال پیچیدہ ہے اور پھر اس کا عملی پہلو بعض مشکلات کا سامنا کراسکتا ہے ۔

موجودہ طرز زندگی یا انداز فکر پر اعتراض کرنا بہت آسان ہے لیکن عوام کو یہ ترغیب دینا بہت زیادہ دشوار کام ہے کہ وہ اپنی موجودہ روش کو جو سالہا سال سے ان کی فطرت کا جزو بنی ہوئی ہے ، ترک کرکے زیادہ صحت افزا اور مسرت بخش طریقے اختیار کریں ۔ تاہم اوسٹریلیا کے ارباب صحت مستحق تعریف ہیں کہ وہ اس مرحلے میں کام یاب رہے ہیں ۔ عوام میں اپنی صحت بحال کرنے کا شعور پیدا ہوگیا ہے ۔ انہوں نے محسوس کرلیا ہے کہ عوارض سے دامن بچا کر اور صحت کے اصولوں پر کاربند ہو کر ہی ہم خوش گوار فضا میں سانس لے سکتے ہیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ماہرین صحت جو ہدایات دیں ،

ان پر پوری طرح عمل کیا جائے اور جن باتوں کی ممانعت ہو ان سے دامن بچا کر چلا جائے ۔

ماھامہ " ھمدرد صحت " جو میری ادارت ھی میں شائع ہوتا ھے ، میرے ان خیالات کا ترجمان ہوتا ھے ۔ اس کے مضامین خواہ میں خود قلم بند کروں یا دوسرے دانشور میری فرمائش پوری کریں ان اصولوں کی عکاسی کرتے ھیں ۔ طب و صحت کا یہ تعلیمی یا ترغیبی پہلو ھمیشہ مفید ثابت ہوا ھے ۔ میرے مطب میں جو مریض آتے ھیں ، میں انہیں بھی دوا کا نسخہ دینے کے علاوہ اپنے خیالات کا آن پر اثر ڈالتا ہوں تا کہ وہ صرف وقتی طور پر صحت مند ہونے ھی کی کوشش نہ کریں بلکہ ایسے طریقے اختیار کریں کہ جلد کسی معالج کو نبض دکھانے ، مرض تشخیص کرانے اور دوا لینے کی ضرورت نہ ہو ۔ اوسٹریلیا جانے سے پہلے جب میں ایک طبی وفد چین لے گیا تھا تو وھاں بھی میں نے ایسے ھی خیالات کا اظہار کیا تھا اور مجھے خوشی ہوئی تھی کہ چین کے ارباب صحت نے میرے ان نظریات کی تائید کی تھی ۔ میں نے بھی چین کے ماھرین طب سے بہت سے اصول سیکھے تھے ۔ خصوصاً وہ جو ایکوپنکچر کے فن سے تعلق رکھتے ھیں ۔ ایکوپنکچر کے فنی طریقوں کو سیکھنا تو آسان نہیں ھے لیکن آن کی روح کو سمجھنا ایک حد تک ممکن ھے ۔

صحت کے باب میں غذا کا مسئلہ بڑی اھمیت رکھتا ھے ۔ ھر چیز ھر حالت میں کھانے کے لائق نہیں ہوتی ۔ غذا کی مقدار کے علاوہ اس کی ماھیت و خاصیت اور اجزائے ترکیبی قابل غور ہوتے ھیں ۔ اس میں شکر ، نمک اور چربی کے اجزا ملحوظ رکھنے پڑتے ھیں ۔ کون سی چیز اچھی ھے اور کون سی بری ، کس حالت میں اچھی ھے اور کس حالت میں بری ، کس کا اثر دل و دماغ پر

پھیپڑوں پر ، گردوں پر ، معدے اور آنتوں پر کس حد تک پڑتا ہے ، خون کی شریانوں میں کون سے اجزا کس صورت میں سرایت کرتے ہیں اور صحت پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، یہ سب سوچنے کی باتیں ہیں ۔ اوسٹریلیا کے ارباب صحت نے ان پہلوؤں پر گہری نظر ڈالی ہے اور نتائج افکار کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے ۔ ان کی یہ کاوش عوام کے لیے سود مند ثابت ہوئی ہے ۔

غذائی تحقیقات کا ادارہ

اوسٹریلیا میں غذائی تحقیقات کا ادارہ اشیائے خوراک میں حیاتین کی مختلف اقسام اور نمکیات کا جائزہ لیتا رہتا ہے ۔ اس براعظم میں مقامی یعنی پرا چینی باشندوں یا عرصۂ دراز سے وہاں آباد یورپ نژاد افراد کے علاوہ ہند چین ، ویت نام ، ملائشیا اور انڈونیشیا تک کے لوگ آباد ہیں ۔ کچھ پاکستانی اور ہندستانی بھی ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کا غذائی انداز مختلف ہے ۔ ان کی حاملہ عورتوں یا دودھ پلانے والی ماؤں کی خوراک مختلف ہوتی ہے ۔ اس لیے ہر غذا کا تجزیہ کرکے معلوم کیا جاتا ہے کہ ان کا انداز خورو نوش قیام صحت کے لیے کس حد تک درست ہے یا ان کی خوراک میں کس چیز کی کمی بیشی ہے تاکہ اسے باقاعدہ کر کے غذائی نظام کو درست کیا جاسکے ۔ حاملان طب مشرق بھی یونان و روما اور بابل و نینوا کے عہد زریں سے لے کر آج تک دوا کے ساتھ ساتھ غذائی انتخاب پر زور دیتے چلے آئے ہیں ۔ میں بھی اپنے مطب میں ہر مریض کا علاج کرتے وقت مفرد یا مرکب دوا تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ غذا کے بارے میں بھی مناسب ہدایت دیتا رہتا ہوں ۔ اوسٹریلیا نے بھی اس طریقۂ علاج کو مفید سمجھ کر اپنا لیا ہے ۔ ہر مریض یا مریضہ سے

اس کا حال پوچھتے وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی غذا کا نمونہ لے آؤ۔ تجزیہ کرنے کے بعد اسے مناسب ہدایات دی جاتی ہیں۔ اسے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

میں ہمیشہ اس میدان میں متفکر رہتا ہوں۔ میرا انداز فکر یہ ہے کہ پاکستان کے ذرائع ابلاغ، اور بالخصوص ریڈیو اور ٹیلی وژن کو قوی صحت کے مسئلے کے غذائی پہلو پر توجہ کرنی چاہیے۔ میرے پیارے وطن پاکستان میں انسان طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ لکھنے پڑھنے کی عدم صلاحیت سب سے بڑی آزمائش ہے اور شاید یہ کہنا صحیح نہ ہو کہ سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ اس صورت حال نے افراد وطن کو شعور حفظ صحت سے عاری بنا رکھا ہے اور غذا کے معاملے میں خوب و نا خوب کی فہم سے وہ محروم ہیں۔ ایسی صورت میں ایک مہذب اور انسان دوست اور محب وطن قیادت اپنے ذرائع ابلاغ کو مستعد کرنے کی پابند ہے اور بالخصوص سمعی و بصری ذرائع تعلیم کو متحرک کر دینا اس کا فرض ہے۔ میرا دل دکھتا ہے کہ جب قیادت و اقتدار اس سے غفلت برتتا ہے۔ میں یقین کامل کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کی خرابی صحت اور افراد ملت کے معیارات کی اندوہناک پستی کے اسباب میں سب سے بڑا ایک سبب یہ ہے کہ ہم نے قوم کی صحت کو قرار واقعی اہمیت نہ دیکر ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا سامان نہیں کیا ہے اور ایک فرض عین سے غفلت برتی ہے۔ من حیث المجموع ملت پاکستانیہ غذائی بے اعتدالیوں کی گرفت میں ہے۔ کوئی ضرورت سے زیادہ نوش جان کر رہا ہے اور بکثرت لوگ غذا اور اجزائے مغذی سے محروم ہیں۔ اول تو پاکستان میں ماہرین غذا کا فقدان ہے۔ جو لوگ

اس میدان میں مستعد ہیں ان کی کوئی آواز نہیں سنتا ۔ ورنہ ہونا یہ چاہیے کہ پاکستان ٹیلی وژن اپنا فرض محسوس کرے اور غذائیات پر ایک پروگرام روزانہ مرتب کر کے ٹیلی کاسٹ کرے ۔ کم قیمت غذاؤں سے ایسے غذائی فارمولے مرتب کیے جا سکتے ہیں کہ فاقے میں مبتلا قوم کے افراد بحالی صحت اور قیام صحت کے لیے صحیح غذاؤں کا انتخاب کرسکتے ہیں ۔ میں تو سچ مچ حیران ہوں کہ ہم آخر یہ نکتہ کیوں نہیں سمجھنا چاہتے کہ غیر صحت مند اور بیمار قوم پاکستان کی طاقت کا سامان نہیں بن سکتی اور مریض عوام اور نادرست قیادت پاکستان کو صف اقوام عالم میں کبھی ممتاز و مشخص نہیں کرسکتی ۔

بہ ایں ہمہ ہر بات کلیۃً عمل میں نہیں آتی ۔ بعض لوگ سب کچھ جانتے ہوئے بھی غفلت برتتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کی ذرا سی لغزش یا اصول سے انحراف خود ان کے لیے، افراد خاندان کے لیے حتیٰ کہ جملہ ارباب ملت کے لیے نقصان دہ بلکہ تباہ کن ہو سکتا ہے ۔ ایسے لوگ دنیا کے ہر حصے کی طرح اوسٹریلیا میں بھی موجود ہیں ۔ فلسفۂ صحت کی نہ میں یہ استثنا اپنا رنگ دکھاتا ہے ۔ اس کے خلاف پُر زور مہم دنیا کے ہر حصے میں چل رہی ہے ۔ کامیابی کا سہرا سر باندھنے والوں میں اوسٹریلیا کے ارباب صحت بھی شامل ہیں ۔ انہوں نے بحالی صحت کو ایک چیلنج سمجھ کر اس پر قابو پانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں بعض رکاوٹوں کے باوجود کامرانی کی راہ پر گامزن رہے ہیں ۔

دنیا بھر میں صحت کا جو روایتی لائحۂ عمل عرصۂ دراز سے ملحوظ رکھا جاتا ہے اسے ناکافی سمجھ لیا گیا ہے ۔ لہذا نئے رجحانات کے تحت نئی اختراعات سے کام لینا بھی ضروری مان لیا

گیا ہے ۔ اب ضروری ہے کہ حفظ صحت کے نظام کی تشکیل اس طرح کرنی چاہیے کہ بحالیِ صحت کی سرگرمیاں اس مں سمو دی جائیں تا کہ اصل مقصود حاصل ہو سکے لیکن یہ حقیقت لازمی طور پر مد نظر رکھی جائے کہ کوئی ایسا جادو اثر نسخہ ممکن نہیں ہے جسے تیر بہ ہدف سمجھ لیا جائے ۔ پھر یہ کہ کوئی بھی منصوبہ پلک جھپکانے میں اپنا گہرا رنگ جما نہیں سکتا ۔ جب ہر کام اپنے مدارج کے ساتھ ترقی کرتا ہے تو حفظ صحت کا مسئلہ بھی ایک دن میں حل نہیں ہوسکتا ۔ اس کے لیے صبر و استقلال کی ضرورت ہے ۔

متضاد حالات

ایک وقت تھا کہ اوسٹریلیا مں ۷۰ فی صد افراد عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے فوت ہو جاتے تھے ۔ اس تناسب کو ایک دم بدلنا مشکل تھا ۔ اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے وہاں کے ارباب صحت نے حقیقت پسندانہ قدم احتیاط سے اٹھایا ، دل جمعی اور مستقل مزاجی سے کام لیا ۔ بساط بھر کوشش کی اور کامرانی کا منہ دیکھ لیا ۔

اوسٹریلیا میں صحت کے مسائل حل کرنے کے سلسلے مں سب سے زیادہ دشوار صورت حالات اس لیے پیدا ہوتی رہی ہے کہ اس سر زمین پر بالکل ہی متضاد عقائد ، رسم و رواج اور جذبات رکھنے والی دو ایسی قومیں آباد ہیں جو نسلی اعتبار سے بعدالمشرقین کی سی کیفیت رکھتی ہیں ۔ غیر متمدن علاقوں میں اوسٹریلیا کے وہ قدیم ترین باشندے رہتے ہیں جو اب تک بودو باش اور رہن سہن کے طریقے بدل نہیں سکے اور ان کے خلاف ایک لفظ سننا بھی نہیں چاہتے تھے ۔ ان کو ”پراچین“ کا نام دیا گیا ہے ۔ وہ

قدرت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرتے ہیں ۔ بیمار ہو جاتے تو اسے دیوتاؤں کا عتاب سمجھتے تھے اور اسے دور کرنے کے لیے صرف جھاڑ پھونک یا جادو ٹونے سے کام لیتے تھے ۔ ظاہر ہے کہ اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا تھا ۔ دوسری طرف متمدن و مہذب سطح پر وہ سفید فام باشندے ہیں جو سمندر پار سے آ کر یہاں آباد ہوگئے ہیں اور انہوں نے اسی سر زمین کو اپنا وطن بنا لیا ہے ۔ وہ بحالی صحت کے ضمن میں جدید ترین طریقے استعمال کرتے ہیں ، لیکن ان دونوں نسلوں کے افراد کے درمیان دیوار چین کی قسم کی کوئی حد فاصل نہیں تھی جو ایک کو دوسرے کے ساتھ میل جول سے باز رکھ سکتی ۔ نچلے درجے کے تمام کام قدیم ترین نسل کے انہی باشندوں کو کرنے ہوتے تھے ۔ اس طرح ان کی بیماریاں غیر محسوس طور سے دوسروں پر اثر انداز ہوتی تھیں ۔ لیکن ان سے علاحدہ رہنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی ۔ چند احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں تو وہ کافی نہیں ہوتی تھیں ۔ اس طرح حفظ صحت کا یہ پہلو ایک عقدۂ لاینحل ہوکر رہ گیا تھا ۔

آخر کار ارباب صحت نے کچھ مراعات دے کر پراچینی باشندوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنے قبائل کے علاوہ نئی نسل کے افراد کے ساتھ قریبی رابطہ قائم کریں اور ان کے انداز زندگی کو اپنائیں تا کہ ان کی صحت اچھی رہے اور وہ زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکیں ۔ یہ کوششیں بڑی حد تک کام یاب رہیں ۔ میں نے دیکھا کہ مغائرت کا پردہ چاک کرکے وہ متمدن افراد کے قریب آتے جا رہے ہیں ۔ صرف ہٹ دھرمی سے کام لینے والے اب تک دور کھڑے ہیں ۔ امید ہے کہ وہ بھی کھسک کر قریب آ جائیں گے ، اور معاشی مسائل کے ساتھ ساتھ صحت کا مسئلہ بھی

آسانی سے حل ہو سکے گا۔

بیماریوں پر قابو

یہ بات قابل غور ہے کہ اقوام متحدہ کے عالمی ادارۂ صحت کے اس اعلان سے کہ دنیا نے چیچک اور خسرے جیسی جلدی بیماریوں سے کلیۃً نجات پالی ہے، ساری دنیا میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، لیکن اوسٹریلیا میں اس اعلان کا کوئی خاص اثر نہیں لیا گیا، کیونکہ وہاں بہت پہلے ہی قرنطینہ والی بہت سی بیماریوں پر قابو پالیا گیا ہے۔ ان میں چیچک اور خسرہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ پھر ان کا استیصال صرف شہری آبادیوں ہی میں نہیں ہوا بلکہ ان دور افتادہ علاقوں میں بھی اس کی مہم کامیاب رہی جن میں پراچینی قبائل کے لوگ آباد ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اب سے کچھ عرصے پہلے تک وہ نہ تو مہذب انسانوں کے قریب جاتے اور نہ انہیں اپنے قریب آنے دیتے تھے، لیکن ضرورت ہر قسم کے سانچے بدل دیتی ہے۔ خیالات اور عقائد بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ بیمار ہوتے تو مکھیوں کی طرح مرنے شروع ہو جاتے تھے۔ محکمۂ صحت کے افسران نے ان تک رسائی حاصل کر کے انہیں سمجھایا کہ اگر وہ اپنے مریضوں کے بارے میں حکومت کے محکمۂ صحت سے رجوع کر لیا کریں تو ان کی صحت یابی ممکن ہو سکتی ہے۔ ان کو زیادہ سہولت پہنچانے کے لیے گشتی شفا خانوں کا نظام قائم کیا گیا، کیونکہ وہ لوگ دور دراز علاقوں میں تتر بتر ہو کر رہنے کے عادی تھے۔ طبی امداد کے لیے خود ان کا سرکاری شفا خانوں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا تو طبی امداد ان تک پہنچانے کی صورت نکال لی گئی۔ وہ لوگ نہایت غلیظ ماحول اور غلیظ حالت میں رہنے کے عادی تھے۔

ہفتوں بلکہ مہینوں تک غسل نہیں کرتے تھے ۔ اس لیے جلدی امراض ان میں عام ہوگئے تھے ۔ حکومت کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں ۔ ان میں وبائی اور معدی بیماریوں کی واردات کم ہوگئیں اور ان سے مرنے والوں کی تعداد بھی گھٹ گئی ۔ یہ سعی و کاوش دو طرفہ بنیاد پر کی گئی ۔ اول انسانیت کے نام پر کہ بہر نوع وہ بھی انسان ہیں اور ہر قسم کی مراعات ، آسائشوں اور اعانت کے مستحق ہیں ۔ دوسرے شہری باشندوں کے تحفظ کے لیے ان کی صحت کا خیال رکھا جانا ضروری سمجھا گیا ، کیونکہ کسی بھی بیماری کا پھیلاؤ جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہوتا ۔ اگر ایک علاقے میں کوئی وبا پھیلتی ہے تو ہوا کے جھونکے اس کے جراثیم کو دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیتے ہیں اور دوسرے افراد بھی اپنی انتہائی حفاظتی تدابیر کے باوجود امراض کے شکار ہو جاتے ہیں ۔ اب یہ حالت ہے کہ ہر گشتی شفا خانے پر ایسے مریضوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے اور حفظ ماتقدم یا علاج معالجے کے لیے پہلے سے بنائے ہوئے لائحۂ عمل میں توسیع کرنی ہی پڑتی ہے ۔ ایسی ہی کوششوں کی بدولت چیچک اور خسرے کا مکمل استیصال ہوا ہے ۔

صاف پانی

محکمۂ صحت عامہ کے مشورے سے حکومت نے جراثیم سے پاک صاف پانی کی فراہمی کا انتظام کیا ہے ۔ اب وہ اپنی بستیوں کے قریب بند تالابوں کا پانی استعمال نہیں کرتے ۔ نہ ان میں نہاتے دھوتے ہیں اور نہ ان کا پانی پیتے ہیں ۔ بہت سے چھوٹے تالاب پٹوا دیے گئے ہیں تاکہ یہ احتمال نہ رہے کہ وہ کبھی اشد ضرورت کے تحت ان کا پانی استعمال کر لیں گے ۔ صفائی ستھرائی

کے دوسرے طریقے بھی سمجھائے گئے ہیں جن پر وہ عمل پیرا ہوئے اور نتیجۃً وہ ہر جلدی بیماری سے نجات پاچکے ہیں ۔ البتہ بعض متعدی امراض ابھی باقی ہیں ۔

متعدی امراض

میں نے متعدی امراض کے صرف ایک ہسپتال میں جا کر معلوم کیا کہ وہاں داخل ہونے والے مریضوں کا اوسط چار ہزار سالانہ ہے جو بعض ترقی پذیر ملکوں کے مقابلے میں کم ہے ۔ ان چار ہزار میں ملیریا اور طاعون کے مریض بھی شامل ہیں ۔ اس کے برعکس سوزاک اور آتشک میں مبتلا افراد کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوسٹریلیا میں یہ امراض بہت عام ہیں ۔ شاید اس لیے کہ اس ضمن میں انسدادی تدابیر کچھ عرصے پہلے تک برائے نام تھیں ۔ اب ان کا لحاظ رکھا جارہا ہے ۔ پراچینی قبائل کے افراد میں یہ بیماریاں جنسی بے راہ روی کے باعث بہت پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کے باعث سفید فام افراد بھی ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ صرف سڈنی میں قائم سدہ جنسی امراض کے ہسپتال میں سوزاک کے مریضوں کی تعداد ۱۹۷۷ء میں ۱۱ ہزار ۷ سو تھی جو ۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۱۲ ہزار ۸ سو کے قریب پہنچ گئی ۔ آتشک میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد ۱۹۷۸ء میں ۳ ہزار ۲ سو کے قریب تھی ۔ یہ تعداد ان مریضوں کی ہے جو ہسپتال میں داخل کیے گئے ۔ لیکن بہت سے مریض مصلحتاً یا عدم سہولت کی وجہ سے نہ تو ہسپتال میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور نہ کسی پرائیویٹ معالج سے رجوع کرتے ہیں ۔ پراچین قبائل کے لوگ اپنے روایتی طریقۂ علاج پر بھروسا کرتے ہوئے صرف جڑی بوٹیاں استعمال کرتے ہیں لیکن

صحیح تشخیص اور تجویز میں سقم رہ جانے کے باعث بیشتر مریض صحت یاب نہیں ہوتے اور پھر دوسروں کے لیے وبال ثابت ہوتے ہیں - پراچین قبائل کے افراد کو ایسی بیماریاں باہمی اختلاط کے علاوہ جانوروں سے بھی لاحق ہوتی ہیں - سرکاری محکمۂ انسداد امراض خبیثہ ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ ایسے مریضوں کی تعداد کم سے کم تر ہوتی چلی جائے - افسوس کا مقام یہ ہے کہ اوسٹریلیا میں ان امراض کی وبائی صورت جغرافیائی حدود تک نہیں رہی بلکہ زیادہ پھیل کر بحرالکاہل کے جزیروں تک پہنچ گئی جن میں فجی بھی شامل ہے -

ہوائی میدان پر

میں نے اس انتظام کو بڑی دل چسپی کے ساتھ دیکھا کہ سڈنی کے ہوائی میدان پر ایک میڈیکل افسر ہمہ وقت متعین رہتے ہیں جو آنے والے تمام مسافروں کی باقاعدہ دیکھ بھال کرتے اور ان کے طبی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں - وہ بطور خاص چھوت کی بیماریوں ، آنتوں کی شکایات ، امراض قلب اور سانس کی بے قاعدگیوں کا جائزہ لیتے ہیں - اگر ذرا سا بھی شبہ ہو تو مریض کو ہوائی میدان کی حدود سے باہر جانے نہیں دیتے - بلکہ وہیں روک کر وطن واپس بھیج دیتے ہیں - وہ ٹیکا لگوانے کے سرٹیفکیٹ پر ہمیشہ بھروسا نہیں کرتے - ذرا سا بھی شبہ ہو جائے تو خود معائنہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں -

سرکاری محکمۂ ابلاغ عامہ وبائی امراض سے متعلق ایک ماہنامہ شائع کرتا ہے جو کثیر تعداد میں تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ لوگ حفظ ماتقدم کے طور پر ان عوامل سے باز رہیں جو ان امراض کا باعث ہوتے ہیں اور اگر وہ مبتلا ہو جائیں تو کیا تدابیر

اختیار کریں۔ سڈنی کے بڑے ہسپتال کی شاخیں صوبے کے ہر شہر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ دوسرے صوبے بھی اسی انداز میں عمل پیرا ہیں۔

ملیریا اور طاعون سے بچنے کے لیے کیڑے مار دوائیں چھڑکنے کا معقول طریقہ رائج ہے۔ خراب موسموں کے شروع ہوتے ہی محکمے کی جماعتیں جراثیم کش ادویہ کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر دشمنان صحت پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ وہ کوشش کرتی ہیں کہ ساحلی علاقوں کو زیادہ سے زیادہ محفوظ کر دیا جائے۔ عوام کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو تو اس کی اطلاع بلا تاخیر محکمۂ حفظ صحت کو بھیجی جائے تاکہ دوسرے باشندوں کو محفوظ کیا جا سکے۔

آنتوں کی بیماریاں

آنتوں کی بیماریاں بھی خاص موسم میں اپنا رنگ جماتی ہیں۔ دستوں کے علاوہ پیچش کی شکایت درد سر بن جاتی ہے۔ اس کے انسداد کے لیے بھی مناسب تدابیر پہلے سے اور حملے کے دوران اختیار کی جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے مناسب اشیائے خوراک پر توجہ دی جاتی ہے۔ شہری آبادیوں سے دور مضافاتی علاقوں اور جنگلوں میں یہ رواج عام ہے کہ لوگ پھل اور ترکاریاں بڑی مقدار میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ گل سڑکر نا قابل استعمال ہوگئی ہیں، انہیں ضائع نہیں کرتے۔ صرف بد ذائقہ ہو جانے پر ان کا استعمال ترک کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے بھی مضافاتی علاقوں میں انسدادی تدابیر کے لیے گشتی تجربہ گاہوں اور شفا خانوں سے باقاعدہ کام لیا جاتا ہے جس کے

لیے اوسٹریلیا کی حکومت نے فراخ دلی سے امداد دی ہے ۔

دق و سل

دنیا کے اور علاقوں کی طرح اوسٹریلیا میں بھی دق و سل میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے ۔ صرف تسمانیہ اور اس سے ملحقہ دو علاقوں کو چھوڑ کر باقی تمام اضلاع میں ایسے مریضوں کی تعداد خاصی زیادہ ہوتی ہے ۔ ہند چینی سے ترک وطن کرکے آنے والے اشخاص یہ مرض اپنے ساتھ لائے ہیں اور پھر ان کے جراثیم دوسروں تک منتقل ہوتے رہتے ہیں ۔ لہذا جب بھی کوئی قافلہ ہند چینی سے اوسٹریلیا کے کسی حصہ میں پہنچتا ہے تو اسے ساحل کے قریب ہی عارضی قیام کے لیے مجبور کیا جاتا ہے اور جب ان کا طبی معائنہ اچھی طرح ہو جاتا ہے تب انہیں اندرونی علاقوں میں جانے کی اجازت دی جاتی ہے ۔ اس مقصد کے لیے ایکس رے یونٹ ہر علاقے میں موجود ہیں ۔ جانچ پڑتال کے بعد ذرا بھی شبہ ہو تو ایسے افراد کو یا تو وطن واپس جانے کے لیے کہا جاتا ہے یا باقاعدہ علاج کے لیے وہیں روک لیا جاتا ہے ۔ ان تدابیر کے باوجود بعض علاقے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ۔ لیکن پراچینی باشندوں میں اس مرض میں مبتلا لوگوں کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے ۔ شاید اس لیے کہ ان کی بود و باش کا قدرتی ماحول ان کو بچائے رکھتا ہے ۔ شہری علاقوں میں مردوں سے زیادہ عورتیں اس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں ۔ تپ دق میں مبتلا لوگوں کو دوران علاج حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے اور اگر وہ کسی سرکاری یا نجی دفتر میں ملازم ہوں تو بیماری کی خصوصی رخصت دی جاتی ہے تاکہ وہ علاج کرائیں اور اپنا مرض دوسروں تک منتقل نہ کریں ۔ چناں چہ وفاقی میزانیے میں

اس مقصد کے لیے کافی رقم ہر سال شامل کی جاتی ہے ۔ اگر ان کے تندرست ہونے کا امکان کم ہو جائے تو وقت سے پہلے ان کو ملازمت سے سبکدوش کر کے سماجی تحفظ کے مفادات کے تحت انہیں خصوصی الاؤنس ادا کر دیا جاتا ہے ۔ اوسٹریلیا بھر میں ایسے کارخانے جن کی چمنیوں سے دھواں نکلتا ہے ، شہری آبادیوں سے دور ایسے علاقوں میں قائم کیے گئے ہیں جن کے اثرات ہوا کے جھونکوں کے ساتھ انسانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہوسکیں ۔ دق میں مبتلا ہونے والوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں تاکہ بیمہ کمپنیاں بھی اپنے مفاد کے پیش نظر ایسے اشخاص کی بحالیِ صحت کا خیال رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کا معائنہ کراتی رہیں ۔ میں نے اس موقع پر اپنے وطن پاکستان کے شہر کراچی کا تصور کیا جس کا صنعتی علاقہ شہری آبادی سے بالکل ملا ہوا ہے بلکہ بعض حصے اس کے وسط میں آگئے ہیں اور یہ کہ جو پختہ عمارتیں بن چکی ہیں ان کو ایک دوسرے سے دور نہیں ہٹایا جا سکتا ۔ یہ ٹھیک ہے کہ کراچی کا صنعتی علاقہ جب قائم ہوا تو شہری آبادی اس سے کئی میل پرے تھی ، لیکن منصوبہ بندی کرنے والوں نے بالغ نظری سے کیوں کام نہیں لیا اور اگر علاقے کی حدود معین ہوگئی تھیں تو شہری بستیوں کو دور ہی رکھا جاتا ۔ کراچی کے علاوہ اور شہروں میں بھی جو صنعتی علاقے قائم ہوئے ہیں ، وہ اسی طرح آبادیوں کے قریب ہیں ۔

ماں اور بچے کی صحت

اوسٹریلیا میں ماؤں اور بچوں کی صحت کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔ معاشرتی خدمات کا محکمہ اس ضمن میں خاص کارگزاریاں

دکھاتا ہے - ۱۹۷۵ء میں اقوام متحدہ کی سرپرستی میں خواتین کا بین الاقوامی سال منایا گیا تو اوسٹریلیا کے تمام صوبوں نے اس پروگرام میں حصہ لیا اور دوسرے ملکوں سے زیادہ اچھا مظاہرہ کیا - یعنی اس کے ہمہ گیر لائحۂ عمل میں تعلیم ، روزگار اور صحت کے الگ الگ حصے تھے- تاہم صحت کے موضوع پر سب سے زیادہ زور دیا گیا - اس کے برعکس پاکستان میں عورتوں کے جمالیاتی پہلو اور زینت اور زیبائش کو زیادہ ابھارا گیا اور صحت کے موضوع پر ضرورت سے کم توجہ دی گئی - اوسٹریلیا میں اس پروگرام کے تحت معاشرتی خدمات کے محکمے نے خواتین مشیروں کی تقرری کو ترجیحی حیثیت دی ہے- وہ زچاؤں اور دودھ پلانے والی ماؤں کو خاص ہدایات دیتی ہیں -

خاندانی منصوبہ بندی

اسی محکمے کے پروگرام میں خاندانی منصوبہ بندی کا نظام بھی شامل ہے - سال بھر پہلے کی بات ہے کہ کینبرا میں ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں دولت مشترکہ کی حکومت کے علاوہ طبی خدمات کے رضا کار اداروں نے بھی حصہ لیا - اس اجلاس میں زور دیا گیا کہ اس سر زمین کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر خاندانی منصوبہ بندی ضروری ہے - ایک وقت ایسا بھی تھا کہ اوسٹریلیا کے شہری علاقوں میں منصوبہ بندی کے برعکس افزائش نسل کے عملی پہلوؤں پر زور دیا جاتا تھا - کہا جاتا ہے کہ اب حالات بدل گئے ہیں - بہر حال وفاقی حکومت کے تحت منصوبہ بندی کی انجمنیں ایسی خواتین کو مامور کرتی ہیں جو نوجوان غیر شادی شدہ عورتوں تک رسائی حاصل کر کے وقت سے پہلے انہیں محسوس کراتی ہیں کہ ضرورت سے زیادہ بچے

پیدا کرنا کوئی مستحسن فعل نہیں ھے - اگر آمدنی کا خیال رکھتے ہوئے اس پہلو پر غور کرلیا جائے تو بہتر ھے - یہ حقیقت ھے کہ اس ضمن میں حکومت کسی کو مجبور نہیں کرتی - صرف مشورے دیے جاتے ھیں لیکن انداز اتنا موثر ہوتا ہے کہ عورتیں پرچم تلے آجاتی ھیں - پاکستان میں اس میدان میں اب تک جو کام ہوا ھے وہ بے نتیجہ رہا ھے - کروڑھا روپیہ اور انفرادی طاقت کے فراخ دلانہ استعمال کے باوجود آبادی میں کثرت کا رجحان قائم ھے - اب موجودہ حکومت نے محترمہ عطیہ عنایت اللہ صاحبہ کو مشیر مقرر کیا ھے - دیکھیے یہ خاتون کیا سوچتی ھیں اور کیا کرتی ھیں -

منشیات

مجھے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا ھے کہ اوسٹریلیا کے تمام صوبوں میں ، قبائلی علاقوں کو چھوڑ کر ، مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات کے باوجود منشیات اور تمبا کو نوشی سے اجتناب پر زور دیا جاتا ھے - شراب اور سگریٹوں کے علاوہ چرس اور افیون کے مرکبات کا کوئی اشتہار کسی اخبار میں شائع نہیں ہوتا اور نہ ابلاغ عامہ کے ذرائع سے ان کی تشہیر ہوتی ھے - تاہم ان کی فروخت پر کوئی پابندی نہیں ھے - چناں چہ ان چیزوں کی خریداری دھڑلے سے ہوتی ھے - اینٹی کینسر کونسلر کے نام سے کچھ انجمنیں انسدادی ضرور قائم ھیں جو تقاضائے وقت کے لحاظ سے عمل پیرا ھیں - انہوں نے اسلوب زندگی کے مخصوص پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے عملی قدم اٹھائے ھیں - انہوں نے گہری نظر سے کام لیتے ہوئے سرطان کے اسباب پر غور کیا اور اس کے استیصال کی کوشش کی ھے - لیکن ان کی کام یابی حسب منشا نہیں ھے -

حالانکه انہوں نے اجتماعی مفاد کا خیال رکھا ہے جو ہر میدان عمل میں ، خصوصاً صحت کی منزل میں انتہائی ضروری ہے ۔ شہری آبادیوں سے قطع نظر پراچینی قبائل کے افراد بھی ایک خود رو پودے سے جس کے پتے بھنگ سے مشابہہ ہوتے ہیں ، اپنے استعمال کے لیے ایک مرکب تیار کرتے ہیں جو ان کے کہنے کے مطابق آدمی کو ہر قسم کی ذہنی پریشانیوں سے آزاد کر دیتا ہے ۔ لیکن در اصل اس کا استعمال عیاشی کے نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے ۔ شہری آبادیوں میں سگریٹ اور سگار کے شوقین بہت زیادہ ہیں ۔ سرکاری طور پر ان کے خلاف اس مہم کے باوجود کہ تمباکو کے استعمال سے سرطان لاحق ہوتا ہے زیادہ کام یابی کی صورت نظر نہیں آتی ۔ یہی حال میرے ملک پاکستان میں ہے ۔ میں نے ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام سرطان سے متعلق جو قومی کانفرنس کراچی میں منعقد کی ، اس میں اس پہلو پر زور دیا گیا تھا کہ سرطان کا سب سے بڑا سبب تمباکو نوشی ہے ۔ حکومت نے اس سلسلے میں تعاون کیا ۔ میرے اصرار پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ سگریٹ کے ہر پیکٹ پر اس کے مضر صحت ہونے کا اعلان کیا جائے ۔ لیکن شاید سگریٹ پینے والے ان الفاظ پر نظر ہی نہیں ڈالتے یا اتنے بے حس ہیں کہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہیں ۔ کانفرنس کے بعد میں نے فاؤنڈیشن کی طرف سے پمفلٹ اور پوسٹر شائع کیے اور ان کی تشہیر بڑے پیمانے پر کی گئی ۔ سنیما سلائڈوں میں بھی اس مہم کو کام یاب بنانے کا خیال رکھا گیا ۔ لیکن ساری کوششیں رائیگاں جارہی ہیں ۔ ہر روز جو ٹی وی ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ، ان میں اکثر کردار سگریٹ نوشی کرتے نظر آتے ہیں ۔ یہ ارباب حل و عقد کی ستم ظریفی نہیں تو پھر کیا ہے ۔ پاکستان کی طرح اوسٹریلیا میں بھی اس مہم کو

چلانے والوں میں بعض ایسے افراد شامل ہیں جو خود تمبا کو نوشی سے پرہیز نہیں کرتے ۔ چوری چھپواں ہی نہیں علی الاعلان شوق فرماتے ہیں ۔ ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے ۔

اوسٹریلیا میں بھی یہ جانتے ہوئے کہ الفاظ کی دھار ہر چیز کی کاٹ کرنے کے لیے موثر ثابت ہوتی ہے ، عوامی رابطوں پر خاص زور دیا جاتا ہے ۔ یقیناً تقریروں اور تحریروں کا سہارا بڑا مفید ثابت ہوتا ہے ۔ خصوصاً خواتین کے رسائل و اخبارات میں یہ التزام رکھا جاتا ہے کہ صحت کے کسی موضوع پر کم سے کم ایک مقالہ ضرور شامل اوراق کیا جائے ۔ اس لیے کہ معاشرے کو سنوارنے اور بگاڑنے والی صرف عورت ہوتی ہے ۔ تعمیری انداز کی کوئی چیز اس کے سامنے آئے تو یقیناً اثر لے کر معاشرے کو سنوار سکتی ہے ۔ ان رسائل و اخبارات میں بھی تمبا کو نوشی کے خلاف مضامین کی اشاعت ہوتی ہے لیکن عملی طور پر کامیابی کم ہے ۔

اوسٹریلیا میں تمبا کو نوشی کے خلاف مہم کا ایک خوش آیند پہلو یہ ہے کہ وہاں سگریٹ ساز کمپنیاں اس تمبا کو سے نکوٹین کی مقدار بتدریج کم کر رہی ہیں جو سگریٹ یا سگار بنانے کے کام آتا ہے ۔ پہلے اس کا تناسب ۲۰ ملی گرام فی اونس تھا جو گھٹتے گھٹتے اب صرف ٦ ملی گرام فی اونس رہ گیا ہے ۔ وہ لوگ جو سگریٹ نوشی کو محض قواعد رسمیہ کا ایک جزو سمجھتے ہیں اس فرق کو شاید محسوس بھی نہ کرتے ہوں ۔ تاہم یہ فائدہ ضرور ہے کہ نکوٹین کی کم مقدار ان کے سانس کے ساتھ پھیپڑوں تک پہنچتی ہے ۔ اس طرح سرطان کا حملہ ذرا دیر میں ہوتا ہے ۔

اوسٹریلیا کے زنانہ رسائل میں شائع ہونے والے مقالات میں صحت کے عام اصولوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ غذائیت کے موضوع

کو سر فہرست رکھا جاتا ہے ۔ بہتر خوراک اور ورزش کی افادیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے ۔ بعض طبی رسائل کایۃً اس مقصد کی تکمیل کرتے ہیں اور اپنے خاص شمارے طب و صحت کے موضوع پر مرتب کرتے ہیں ۔ غنیمت یہ ہے کہ انہیں مقبولیت حاصل ہے ۔ پاکستان کی طرح نہیں کہ صرف افسانوں ، ڈراموں یا لہو و لعب والے مضامین کے حامل رسائل کو قبول عوام حاصل ہے ۔ رسائل کے علاوہ عوامی رابطوں کے دوسرے ذرائع یعنی ریڈیو اور ٹیلے وژن بھی تعلیم صحت میں حصہ لیتے ہیں ۔ انسدادی تدابیر کی تشہیر بھی کی جاتی ہے ، کیونکہ بیماریوں کی روک تھام کی مہمیں اہم کردار ادا کرتی ہیں ۔ کسی ایسی دوا کا اشتہار پردۂ سیمیں پر یا ٹیلے وژن پر نہیں دکھایا جاتا اور نہ اخبارات میں چھپتا ہے جس کا تجزیہ محکمۂ صحت نے نہ کر لیا ہو ۔ یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھا گیا ہے کہ نام نہاد زود اثر ادویہ بسا اوقات فائدے کے بجائے مضر صحت ثابت ہوتی ہیں ۔ ایسی دوائیں بنانے والی کمپنیوں کا باقاعدہ معائنہ کیا جاتا ہے اور ان کی مصنوعات کا تجزیہ ہو جانے کے بعد ان کی فروخت کا اجازت نامہ دیا جاتا ہے ۔

صحت و طب کے کتب خانے

طب و صحت کی لائبریریاں بھی ہر ملک میں عوام کے مطالعے کے لیے ضروری ہیں ۔ اوسٹریلیا کی حکومت نے اس ضرورت کو پوری شدت سے محسوس کیا اور ڈارون میں مرکزی طبی لائبریری قائم کرنے کے بعد اس کی شاخیں تمام بڑے شہروں میں کھول دیں ۔ ہر جگہ پر کتاب کا ایک ایک نسخہ بہت احتیاط سے پہنچ جاتا ہے ۔ ڈارون والی لائبریری وقتاً فوقتاً طب و صحت

کے مختلف موضوعات سے متعلق ایک فہرست کتب شائع کرتی ہے۔ ہر شہر کی لائبریری اس کے مطابق پڑتال کرتی ہے کہ اس میں درج شدہ کتب وہاں تک پہنچ گئی ہیں یا نہیں۔ ڈارون کی مرکزی لائبریری ہر کتاب کے مائکرو فلم بھی تیار کرتی اور دوسرے کتب خانوں کو فراہم کرتی ہے تاکہ طب و صحت کی درسگاہوں میں طلبہ کی موجودگی میں ان کی نمائش کی جا سکے۔ حکومت کی طرف سے فلموں اور فلم دکھانے کی مشینوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

کینبرا کی لائبریری کتابوں کے رکھ رکھاؤ کے علاوہ ایک اور خدمت بھی انجام دیتی ہے۔ وہ یہ کہ سرکاری محکمۂ صحت کے تعاون سے وہ طب و صحت کے موضوعات سے متعلق اعداد و شمار جمع کرتی اور ضرورت مندوں نیز اخباروں کو بھیجتی ہے۔ ایسی جدولوں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ کون سی بیماری کس علاقے میں کس شدت سے پھیلی اور اس کی روک تھام کے لیے کیا تدابیر اختیار کی گئیں، کتنے افراد مبتلائے مرض ہوئے اور کتنوں کو شفا نصیب ہوئی۔ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے کتب خانے کی کارکردگی کا یہ پہلو بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

میں نے اپنے پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے تحت ایک وسیع کتب خانہ قائم کر رکھا ہے جس کا آغاز خود میری ان نادر و نایاب کتابوں سے ہوا جو میں نے گزشتہ ٣٠ سال میں ہزاروں کی تعداد میں کثیر رقم خرچ کر کے جمع کی تھیں۔ وہ سب تحفۃً فاؤنڈیشن کو دے دیں۔ کتابوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ طب و صحت کا علم حاصل کرنے والوں کے علاوہ عام محققین بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ لائبریری کا انتظام مستعد و مستند افراد کے سپرد ہے۔

اوسٹریلیا کے محکمۂ حفظ صحت نے عالمی تحقیقات ، تجربات ور انکشافات سے استفادہ کرنے کے لیے اپنے عملے کے ارا کین کو دوسرے ملکوں میں بھیجا اور معلومات جمع کرائیں ۔ ایسے طبی وفود امریکا اور یورپی ملکوں کے دورے کرچکے ہیں جو یقیناً مفید ثابت ہوئے ہیں ۔ وفد کے ارا کین واپس آ کر دوسرے ارا کین عملہ کو جدید حالات سے باخبر کرتے ہیں ۔ پچھلے سال حکومت نے تحقیقاتی و ترقیاتی عطیات کی ایک اسکیم منظور کی ہے جو ترقیِ صحت کے منصوبوں کو عمل میں لائے گی ۔ امراض قلب کی تحقیقات کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے ۔ یہ شکایت اوسٹریلیا ہی کے لیے مخصوص نہیں ، ساری دنیا میں عام ہوگئی ہے ، کیونکہ عصر حاضر کے سیاسی حالات اعصاب پر برا اثر ڈال رہے ہیں ۔ بعض ایسی بیماریاں بھی لاحق ہو رہی ہیں جو دل و دماغ کو زیادہ متاثر کرتی ہیں ۔ اوسٹریلیا بھی ان سے محفوظ نہیں رہا ۔

سوئٹزرلینڈ میں
میرے شب و روز

حکیم محمد سعید

جناب حکیم محمد سعید ایک نامور طبیب، ایک ممتاز مصنّف، ایک مُدیر شہیر اور ایک اعلا منتظم کے علاوہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ایک فعال رہنما اور ایک دل آویز شخصیت، عمدہ انسان، دانش ور اور علم دوست شخصیت کے علاوہ علمی و سائنسی سیاحت میں جہاں گشت کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

جناب حکیم محمد سعید

بے پناہ مصروفیت کے باوجود اپنی ڈائری اور سفر کے حالات باقاعدگی سے قلم بند کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ڈائریاں اور سفرنامے واقعات و مقامات کے ایسے منھ بولتے خوب صورت مرقعے ہوتے ہیں جنھیں پڑھتے ہوئے قاری خود کو بھی حکیم صاحب کا ہم سفر محسوس کرتا ہے اور ان کا مدلل اندازِ تحریر اسے تیزی سے ان کا ہم خیال و ہم نوا بنا لیتا ہے۔

سوئٹزرلینڈ میں
میرے شب و روز

برف پوش چوٹیوں، سرسبز و شاداب حسین وادیوں، جھیلوں، جھرنوں اور دل آویز مناظر کی ارضِ جنّت نظیر سوئٹزرلینڈ کے سفرنامے کی روداد ہی نہیں بلکہ حکیم صاحب کی بالغ نظری اور مملکتِ علم و دانش میں ان کی پیش رفت و سیاحت کی بھی ایک وقیع داستان ہے۔

اس شگفتہ اور دل پذیر سفرنامے کو خود بھی پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو بھی تحفے میں دیجیے۔ ۲۴ صفحات کی تصاویر سے آراستہ اس کتاب کی قیمت صرف ۲۵ رُپے ہے۔

ہمدرد اکیڈمی ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہر اچھے بُک اسٹال سے بھی مل سکتی ہے